

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

# دارالعلوم

شمارہ نمبر ۱ | بابۃ ماہ اکتوبر ۱۹۸۶ء | مطابقت مع ۱۴۰۷ھ | جلد نمبر ۱



حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم

مدین

فیچہ  
30/-

مولانا حبیب الرحمن قاسمی

فیچہ  
3/-

مالا خدایاں شریک (سوری عربہ کورٹ میں دیوبند و شرقی افریقہ برطانیہ - 160/-  
یہودان ملک کے امریکہ کنٹاکٹور بھی بذریعہ ایرمیل — 160/-  
کستان 60/- Re ہندوستان - ایڈجسٹیشن - 40/- Re ہندوستان

♦ دیوبند ایڈیشن نشان اس بات کا مظاہرہ کہ آپ کا فتوا دن ختم ہو گیا

# فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	مضامین نگار
۱	حرف آغاز	مولانا حبیب الرحمن قاسمی
۲	امام اعظم ابو حنیفہ "تدوین حدیث"	مولانا عبد القیوم حقانی استاذ دارالعلوم حقانیہ
۳	حدیث عہد رسول میں	مولانا محمد حنیف علی
۴	طالعات و تعلقات	مولانا قاضی اہل مبارکپوری
۵	لَا وَاللَّهِ	جناب بدیع الزماں صاحب پٹنہ
۶	مرزا غلام احمد قادیانی کی انگریز نوازی	مولانا امام علی دانش قاسمی
۷	جب ان کاغیروں نے اعتراف کیا	عبد الملک فاروقی معلم دارالعلوم دیوبند
۸	محمد الف ثانی کی تعلیمات	اسٹر محمد عمر خان گروسہ

## ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گزارش

- ۱۔ ہندوستانی خریداروں سے ضروری گزارش یہ ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکراول فرسٹ پی اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر روانہ کریں۔
- ۲۔ پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ -/۶۰ روپے ہندوستانی مولانا عبد الشوم صاحب تمام کرم علی قالا تحصیل شجاع آباد ملتان پاکستان کو بھیج دیں اور انہیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو دارالعلوم کے حساب میں جمع کریں۔
- ۳۔ خسران حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمائیں۔ خط و کتابت کے واسطے ضروری نمبر ضرور لکھیں،

دشوم  
(نمبر شمار)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# حرف آغاز

قرآن کریم انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے خالق کائنات کی عطا کردہ آخری کتاب ہے جس میں اصولی طور پر دنیا و آخرت میں خیر و فلاح کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی جامع ترین ہدایات بیان کر دی گئیں ہیں جو ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے بالکل مناسب ہیں ان میں کسی ترمیم و تفسیح اور حذف و اضافہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے، ارشاد باری تعالیٰ "مَا فُطِنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ" اور "الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَعَلَّ يَجْعَلَ لَهٗ عَوَاجِدًا قِيَمًا" اِذِ الْاٰیَةُ فِيْ قُرْاٰنٍ عَظِيْمٍ کی اسی جامعیت اور ہمہ گیری کو بیان کیا گیا ہے چنانچہ علامہ عثمانیؒ نے آخر اندک کرامت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

”اس کتاب میں کوئی طیر بھی ترمیمی بات نہیں عبارت انتہائی سلیس و فصیح

اسلوب نہایت مؤثر و شگفتہ، تعلیم نہایت متوسط و معتدل جو ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے مناسب اور عقل سلیم کے عین مطابق ہے“ (فوائد عثمانی ص ۳۸)

یہ تغیر پذیر دنیا ہزار کر دہیں بدلے، تمدن و معاشرت اور انسانی مزاج و عادات میں لاکھ تبدیلیاں آجائیں، اقتصادیات و معاشیات کی قدس گوئیں مختلف ہو جائیں، علم و تحقیق کے معیار خواہ کتنی بلندیوں پر پہنچ جائیں، زندگی کے تقاضے اور ضروریات کوئی بھی صورت اختیار کر لیں، قرآن حکیم اور کتاب متین کی جامع اور ہمہ گیر ہدایات حیات انسانی کے ہر مسئلہ اور ہر ضرورت کا حل پیش کرتی رہیں گی۔

اسی بناء پر خداوند عالم نے اہل دانش کو قرآن مبین کی آیات میں غور و فکر اور تدبر کی بار بار

دعوت دی ہے چنانچہ ایک موقع پر ارشاد ہے

(یہ) ایک کتاب ہے جو ہماری ہم نے تیری طرف

برکت کی، تاکہ دھیان کریں لوگ اس کی آیتوں

اور تاکہ سمجھیں عقل والے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ

لِيَذَّبَ شُرُوْا اٰیٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرُوْا

اَوَّلُوْا الْاَنْبَیَیْ (سورہ ص)

لیکن تدریج کی اس عام دعوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ اس کے کلام میں کوئی شخص اپنے افکار و نظریات اور خیالات و رجحانات کو شامل کر دے، کیونکہ اس کی تادیب اور چھوٹ کا انجام یہ ہوگا کہ یہ دستور الہی اور کتاب ہدایت انسانی افکار و مزاحمت کا ایک دفتر ہو کر رہ جائیگی اس لئے حق جل مجدہ نے اپنے کلام کی تفسیر و تشریح کے لئے خود اپنے مرسل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ  
لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ  
اور اتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت تاکہ تو  
کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتاری ان  
کے واسطے

یعنی اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سمجھنے آپ کو ایسی کتاب دیکر بھیجا جو تمام کتب سابقہ کا خلاصہ اور انبیاء سابقین کے علوم کی مکمل یادداشت ہے، آپ کا کام یہ ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے اس کتاب کے مضامین خوب کھول کر بیان فرمائیں اور اس کی مشکلات کی شرح اور محملات کی تفصیل کر دیں، اس سے معلوم ہوگا کہ قرآن کا مطلب وہی معتبر ہے جو ہدایت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے موافق ہو (نوائد عثمانی ص ۱۲)

اسی بنا پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے سے قرآن حکیم کی تفسیر و تشریح کر دیوائے کو جنہم کی وعید سنائی ہے چنانچہ ترجمان قرآن حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نبی پاکؐ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ:-

قال من قال في القرآن بوايه او  
بمالا يعلم نلقت بوء مفقدا  
من الناس (اخرجه الترمذي والنسائي  
وابن داود وقال ترمذي بذا حديث حسن)  
جس شخص نے قرآن حکیم میں اپنی رائے سے  
کوئی بات کہی یا ایسی بات کہی جس کا علم اسے  
(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے)  
نہیں ہے تو اسے جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالینا پڑے گا  
قرآن و حدیث کی روشنی میں ائمہ مفسرین نے قرآن حکیم کی تفسیر کے لئے کچھ اصول و  
ضوابط اور معیار مقرر کئے ہیں جو تفسیر اس ضابطے اور معیار کے مطابق ہوگی وہی معتبر اور  
مقبول ہوگی اور جو اس معیار و اصول سے منحرف اور ہٹ کر ہوگی وہ غیر معتبر اور مردود سمجھی  
جائے گی، ائمہ تفسیر کے اس ضابطہ کا خلاصہ یہ ہے:-

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تفسیر کے مطابق یا کسی  
مرفوع حدیث یا اقوال صحابہ سے ماخوذ و مستنبط ہو۔

(۲) سیاق و سباق سے ہم آہنگ ہو یعنی قرآن عظیم کی ان آیات سے مربوط ہو جو اس سے پہلے اور  
بعد میں ہیں۔

(۳) قواعد عربیہ اور اہل زبان کے استعمال کے موافق ہو۔







ساتواں نشان کثرت سے نہریں جاری کئے جانا جیسا کہ آیت "واذا البحار فجرت" سے ظاہر ہوتا ہے، پس اس میں کیا شک ہے کہ اس زمانہ میں اس کثرت سے نہریں جاری ہوئی ہیں کہ جن کی کثرت سے دریا خشک ہوئے جاتے ہیں

نواں نشان زلزلوں کا متواتر آنا اور سخت ہونا ہے جیسا کہ آیت "یوم ترجف الواحفة" تبیعھا الوادفة سے ظاہر ہے غیر معمولی زلزلے دنیا میں آرہے ہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۹۵)  
(۳) وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ یَقْتُلُ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ اَمْواتًا بَلْ اَحْیَاءٌ کَتُمُّنَہُمْ کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو سچائی پر مرے ہیں، اور یہ مراد لینا کہ جو کافروں کے مقابلہ میں لڑائی میں مارے گئے غلط اور ماسلمانہ خیال ہے، مراد یہ ہے کہ جیسے سچائی زندہ رہتی ہے اسی طرح سچے لوگ مرنے کے بعد زندہ رہتے ہیں، یعنی وہ نجات پاتے ہیں، ان کو رنج و غم نہیں ہوگا، چونکہ انگریزوں کے اس خودکاشت نبی نے اپنے آقاؤں کی خوشنودی میں اپنی اختراعی شریعت سے جہاد کو منسوخ کر دیا تھا اس لئے اسکے لئے ضروری تھا کہ اس آیت میں تحریف کرے۔

بعض اختصار صرف تین مثالوں پر اکتفا کیا گیا ہے درنہ مرزا قادیانی کی تصانیف میں آیات قرآنہ کی تحریف کی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں، ضرورت ہے کہ کوئی صاحب نظر عالم انہیں جمع کر کے شائع کرادے اور اس مردود تفسیر کے ساتھ ساتھ مقبول تفسیر بھی نقل کر دجائے تاکہ اس منکرات انگیز فتنہ کے گرداب میں پھنسنے سے امت محفوظ رہے اور قرآن حکیم کی واضح اور روشن ہدایات پر اس ام قلیس نے اپنے مغزیات اور تحریفات کا جو پردہ ڈالنا چاہا ہے اسکے تار و پود کا لعین المنفوش ہو کر بکھر جائیں۔

# امام اعظم ابو حنیفہؒ "مدون حدیث"

## کتاب الآثار اور جامع المسانید

اس مولا کا علم لایق حقانی رفیق موقر المصنفین استاذ دارالعلوم حقانہ  
دیگر بہت سارے کمالات اور محاسن و فضائل کے ساتھ مدون فقہ اسلامی اور اسکی  
ترتیب و تبویب میں بھی امام اعظم ابو حنیفہ کو مدون اول ہونے کا شرف حاصل ہے۔  
علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں :-

من مناقب ابی حنیفۃ اذہ ان فرد  
بہا اذہ اول من دون الشریعۃ  
ورقبہ ابوابہ  
امام ابو حنیفہ کی ان بزرگیوں میں سے جن  
میں وہ یگانہ ہیں ایک یہ ہے کہ ابو حنیفہ پہلے  
شخص ہیں جنہوں نے شریعت کی ترتیب  
و تدوین اور تبویب کا کام کیا۔

امام اعظم ابو حنیفہ اس شرف میں بقول جلال الدین سیوطی صرف یگانہ ہی نہیں بلکہ  
اگر متبوع کے مقتدا بھی ہیں حتیٰ کہ امام مالک نے بھی اپنی "موطا" میں امام ابو حنیفہؒ  
کی اقتدار کی ہے۔

لترقبہ مالک فی ترتیب الموطا  
پھر امام مالک نے "موطا" کی ترتیب میں  
ابو حنیفہ کی اتباع کی۔

اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے جیسا کہ قاضی ابوالعباس نے بھی اخبار ابی حنیفہ میں بسند متصل بعد العزیز بن محمد درادردی روایت کی ہے کہ امام مالک، امام اعظم ابو حنیفہ کی کتابوں سے استفادہ کرتے تھے۔

قال کان مالک یبصر فی کتب ابی حنیفہ امام مالک، امام ابو حنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے اور ان سے نفع اندوز ہوتے تھے و یتفع بہا

حدیث میں امام ابو حنیفہ کی تصنیفات امام اعظم ابو حنیفہ نے کوفہ کی مشہور علمی درسگاہ

میں تدریس اور تدوین فقہ کے علاوہ فقہ کے ابواب پر مشتمل حدیثوں کا ایک مجموعہ بھی صحیح اور معمول بہ روایات سے انتخاب کر کے مرتب کیا پھر اسے اپنے تلامذہ کے سامنے درس کی صورت میں پیش فرمایا۔ متقدمین میں لائق تلامذہ اپنے شیوخ کی جن تعلیمات کو دوران سبق زیر تحریر لے آتے تھے وہ تصانیف ان کے شیوخ ہی کی طرف منسوب ہوتی تھیں۔ جیسے ابن دقیق العید کی "احکام الاحکام" جس کو ان کے لائق شاگرد قاضی اسماعیل نے تحریر کیا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ نے بھی اپنے لائق تلامذہ قاضی ابویوسف، محمد بن حسن شیبانی، زفر بن ہذیل اور حسن بن زیاد وغیرہ کے سامنے دوران درس جو احادیث بیان فرمائیں انھیں آپ کے تلامذہ حدیثاً اور اخبارنا کے صیغوں کے ساتھ خیر تحریریں لائے۔ آپ کے ان درسی افادات کا نام "کتاب الآثار" ہے جو دوسری صدی کے ربیع ثانی کی تالیف ہے

۱۔ مناقب ذہبی صلا ۲۔ صدر اؤل میں تمام علوم اور مہات فنون عربیہ کی تدریس و افادہ کا یہی طریقہ تھا۔ مشائخ و اساتذہ درس و اعلام اور تقریر کرتے اور تلامذہ اپنے حفظ و یادداشت کے لئے اساتذہ کے امالی یا ان کا خلاصہ لکھ لیا کرتے تھے۔ اور پھر یہ طریقہ بتدریج ترقی کرتا رہا حتیٰ کہ خود اساتذہ اور علماء فن اپنی مرویات کو بطور تصنیف مرتب کرنے لگے حدیث میں یہ طریقہ تمام علوم سے زیادہ مقبول ہوا اور تختی روایت کی مشہور اور اعلیٰ قسم بقیہ ص ۹ پر



امام اعظم ابو حنیفہ سے پہلے حدیث نبوی کے جتنے مجموعے اور صحیفے تھے ان کی ترتیب کیا نہیں تھی۔ کتاب الآثار اس دور کی پہلی تصنیف ہے جس میں بعد کے آئے والے محدثین کے لئے ترتیب و تہیہ کی شاہراہ قائم کر دی گئی۔

**کتاب الآثار** | حدیث کی دوسری کتابوں کی طرح کتاب الآثار کے حادیثوں کے متعدد ہونے کی وجہ سے اس کے نسخے بھی متعدد ہو گئے ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ سے کتاب الآثار کی روایت کرنے والے تلامذہ کی تعداد نو افراد ہیں لیکن ان میں شہرت درج ذیل چار نسخوں کو حاصل ہوئی۔

(۱) کتاب الآثار بروایت امام محمد (۲) کتاب الآثار بروایت امام ابو یوسف

(۳) کتاب الآثار بروایت امام زفر (۴) کتاب الآثار بروایت امام حسن بن زیاد

پھر ان چار نسخوں میں بھی سب سے زیادہ شہرت و قبولیت امام محمد کے روایت کرنے

ربیعہ حاشیہ سو گزشتہ) قرار پایا۔ حافظ زین الدین عراقی فرماتے ہیں: «صواب اللہ من

کتابہ او من حفظہ او باعلامہ او بغیر اعلامہ و ہوا راجع الاقسام و تنظیم الا نظارح و تنظیم

علامہ محمد بن عبدالحق بن اس طریقہ کو تالیف و تصنیف و تدوین میں سب سے اعلیٰ قرار دیا ہے۔

فرماتے ہیں: «حدیث حاصل کرنے کے طریقوں میں سب سے اونچا ترین یا فخریہ ترین طریقہ یہ ہے

کہ راوی شیخ کے الفاظ سے صحابہ شیخ کسی دستاویز سے نقل کرے یا راوی راوی سے نقل کرے۔

اعلام کی ان حدیث میں فرمایا ہے: «انہما من علی التواتر و علی» (۱)

طحاوی میں ہے: «انہما من علی التواتر و علی» (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰)

ابن مبارک کی کتاب طحاوی کی قسم کے اسلاف و اصناف کا مجموعہ ہے امام ابو حنیفہ کی علامہ کو

یہ طریقہ تصنیف و تنظیم بعد چھ سو ہی آپ کے تلامذہ نے اپنا اختیار فرمایا۔

نسوز کو ملی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں:-

والموجود من حدیث ابی حنیفۃ مقررًا اس وقت امام اعظم کی احادیث میں سے  
انما ہو کتاب الآثار التي رواها محمد بن الحسن عندہ۔  
حسن روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کتاب الآثار کے رواد کے حالات پر دو کتابیں لکھی ہیں۔  
پہلی تصنیف مستقلاً کتاب الآثار کے رجال سے متعلق ہے جس کا نام "الآثار بمعرفۃ رواد  
الآثار" ہے۔ دوسری تصنیف کا نام "تجلیل المنفعة بزوائد رجال الآثار" ہے۔ اس میں  
حافظ ابن حجر نے ان راویوں کے حالات لکھے ہیں جن سے ائمہ اربعہ نے اپنی اپنی تصانیف میں  
حدیثیں نقل کی ہیں اور صحاح میں ان راویوں کے ہوالے سے کوئی حدیث منقول نہیں ہے۔ حافظ  
سعادوی نے کتاب الآثار کے رجال پر ایک دوسری مستقل کتاب کی نشاندہی بھی کی ہے۔ لکھتے ہیں:-  
وللذین قاسم الحنفی رجالاً من الطحاوی والموطأ لمحمد بن الحسن والآثار و  
مسند ابی حنیفۃ لابن المقرئ۔

**ابوزہرہ مصری کی رائے** | چلی نے کشف الظنون میں کتاب الآثار پر حافظ  
ابوجعفر طحاوی کی شرح کا بھی ذکر کیا ہے۔ مشہور  
محقق ابوزہرہ مصری نے کتاب الآثار کے متعلق لکھا ہے کہ:-

"یہ کتاب علمی طور پر تین درجہ سے قیمتی ہے۔ اولاً یہ کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے مرویات  
کا ذخیرہ ہے اور اس کے ذریعے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے استخراج مسکن  
میں احادیث کو کچھ دلائل کے طور پر استعمال کیا ہے۔ دوم یہ کہ کتاب میں بتاتا ہے  
کہ امام موصوف کے یہاں ہوا قح استدلال میں فتاویٰ صحابہ اور احادیث میں مسئلہ کا۔

۳۔ تجلیل المنفعة برجال الآثار - الاربعہ - ص ۱۱۰۔ ۴۔ یہ کتاب اب حیدر آباد سے چھپ چکی ہے اور  
دستیاب ہے۔ ۵۔ الاعلان بالتوضیح ص ۱۱۰۔



کیا نظام تھا۔ سو ہم یہ کہ اس کتاب کے ذریعہ تابعین فقہائے کوہ کے خصوصاً اور فقہائے

عراق کے علاوہ فتاویٰ تک ہمارے کارستانی ہو جاتی ہے۔

## کتاب الآثار کا انتخاب | امام اعظم ابو حنیفہ کا زمانہ صکار اور کبار تابعین کا زمانہ

ہے۔ حدیث کے طرق احمد سند میں ابھی تک پھیلاؤ اور

وسعت نہیں آئی تھی جو امام بخاری اور امام مسلم کے زمانے میں آگئی تھی اور ایک ایک حدیث

کے لئے ہزاروں طرق رونما ہو چکے تھے مگر اس کے باوجود ابھی امام ابو حنیفہ سے چالیس ہزار

احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے۔ چنانچہ امام ابو بکر فرماتے ہیں:۔

انقلب ابو حنیفۃ الآثار من اربعین

امام ابو حنیفہ نے کتاب الآثار کو چالیس

الف حدیث سے

مشہور شارح حدیث ملا علی قاری لکھتے ہیں:۔ ان الاطام ذکر فی تصانیفہم فیما و

سببین الف حدیث۔ یعنی بن نصر فرماتے ہیں:۔

”میں امام ابو حنیفہ کے یہاں ایسے مکان میں داخل ہوا جو کتابوں سے اٹا ہوا تھا

میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ سب احادیث ہیں اور میں نے ان میں

سے تھوڑی حدیثیں بیان کی ہیں۔“

## کتاب الآثار اور ابن مبارک کے مدحیہ اشعار | جلیل القدر محدث اور امام

بخاری کے شیخ امام عبداللہ

ابن مبارک نے امام اعظم ابو حنیفہ کی شان میں مدحیہ اشعار کہے ہیں اور ان کی کتاب الآثار کی

جلالت شان کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

کتاب الآثار کا جامع

کتاب الآثار کا جامع

کتاب الآثار کا جامع

کتاب الآثار کا جامع



فلمیٹ بالعراق لہ نظیر ولا بالمشرقین ولا بکوفہ

ترجمہ :- انھوں نے آثار کو روایت کیا تو اتنی تیزی سے چلے جیسے بلندی سے شکاری پرندے اڑتے ہوں۔ نہ تو عراق میں انکی نظیر تھی اور نہ کو ذ میں اور نہ مشرق و مغرب میں۔

**کتاب ابو حنیفہ کا مطالعہ اور ضرورت و اہمیت** | امت مرحومہ کے سوا دراعظم کا اولین

مذہبی علمی سرمایہ امام ابو حنیفہ کی کتاب الآثار وغیرہ ہے جسے امت میں ملحق بالقبول کا شرف حاصل رہا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں :-

من لم یظرفی کتب ابی حنیفۃ جو امام ابو حنیفہ کی کتابوں سے بے نیاز ہوگا  
لم یتبحر فی الفقہ اسے علم میں تبحر حاصل نہ ہوگا۔

شیخ الاسلام یزید بن ہارون نے ایک مرتبہ ایک استفسار کے جواب میں فرمایا :-  
انظروا فیہا ان کنتم تزیدون ان اگر تم فقہ بننا چاہتے ہو تو امام اعظم کی کتابوں  
تفقہوا فانما رأیت احدا من الفقہاء کا مطالعہ کرو۔ میں نے کسی بھی فقہ کو ان سے  
یکوہ النظر فی قولہ بے نیاز نہیں دیکھا۔

ایک بار امام محمد بن احمد شریعی نے امام طحاوی سے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے  
ماموں (امام مزنی، جو امام شافعی کے بڑے تلامذہ سے ہیں) کے خلاف ابو حنیفہ کا  
مذہب کیوں اختیار کیا؟ تو امام طحاوی نے فرمایا :-

”میں نے اپنے ماموں (امام مزنی) کو دیکھا کہ وہ ہمیشہ امام ابو حنیفہ کی

کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے ہیں لہذا میں نے بھی انکے مذہب کو اختیار کر لیا۔“

**کتاب الآثار کے شروح، تعلیقات اور محقرات** | حدیث کی دوسری کتابوں کی طرح



مختصر پر بہت بڑا اہسان کیا ہے۔ خوارزمی نے جامع المسانید کو فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے۔ اپنی کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

”میں نے شام میں بعض جاہلوں سے امام ابو حنیفہ کی حدیثوں کے مقدار کے بارے میں ایسی حقیر مقدار کا ذکر سنا جس سے امام ابو حنیفہ کی تحقیر و تنقیص ہوتی تھی اور اسی بنا پر وہ امام صاحب کی طرف قلت حدیث کو منسوب کرتے تھے اور اس قلت حدیث کی دلیل میں وہ مسند شافعی اور مؤطا مالک کو پیش کرتے تھے اور دعویٰ کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہ کی کوئی ایسی مسند یا حدیث کی کتاب نہیں ہے وہ تو صرف چند حدیثیں ہی روایت کرتے تھے اس پر دینی غیرت و حمیت دامنگیر ہوئی تو میں نے فیصلہ کر لیا کہ بڑے بڑے علماء حدیث نے امام ابو حنیفہ کی لکھائی ہوئی احادیث کو جو متفرق طور پر پندرہ مسندوں میں جمع کیا ہے انہیں ایک کتاب میں جمع کر دوں“

ان جلیل القدر محدثین کے علاوہ امام شرف الدین اسماعیل بن عیسیٰ الملکی، ابو البقاہ سید مرتضیٰ زبیدی وغیرہم نے جامع المسانید کا اختصار مختلف ناموں سے کر کے مرویات ابی حنیفہ کی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے۔ بہر حال ماننے والوں نے تو مانا اور خوب مانا، زمانے والوں کے لئے آج بھی چیلنج ہے اور انشائاً اللہ جب بھی میدان تحقیق میں قدم رکھا جائے گا تو امام صاحب کی صرف اطلائی کتابوں میں ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں موتیوں کی طرح بکھری نظر آئیں گی۔ علی بن جعد جو ہری ابو حنیفہ کے بہت بڑے حافظ، امام بخاری اور امام ابو داؤد کے استاد ہیں، سے نقل کیا گیا ہے۔

قال علی بن جعد ابو حنیفہ اذا جاء بالحدیث جاء به مثل الدرر  
ابو حنیفہ جب بھی حدیث پیش کرتے ہیں تو وہ ایک آبدار موتی کی طرح ہوتی ہے۔



## ایک اشکال اور اس کا حل | امام اعظم ابو حنیفہ اپنے معاصر محدثین اور تلامذہ

حدیث میں حاکم مانے جاتے تھے۔ مگر بظاہر یہ

اشکال وارد ہوتا ہے اور نہ جاننے والوں کو قریب دینے کے لئے عموماً وارد کیا جاتا ہے کہ امام بخاری نے تو اپنی صحیح کا انتخاب چھ لاکھ احادیث سے کیا ہے جبکہ امام ابو حنیفہ نے صرف ستر ہزار احادیث سے چالیس ہزار احادیث کا انتخاب کر کے "کتاب الایثار" لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب حدیث میں قلیل بضاعہ ہیں اور حدیث کے ایک کثیر حصہ تک ان کی رسائی نہیں ہو سکی۔ معترضین کا یہی سب سے بڑا اختیار ہے جس سے امام ابو حنیفہ کی شخصیت کو مجروح کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے۔ ایسا اشکال اور اعتراض وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں علم حدیث سے دور کا واسطہ بھی نہ ہو۔ علم حدیث کا مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ احادیث کی قلت اور کثرت درحقیقت طرق اور اسانید کی قلت اور کثرت سے عبارت ہے محدثین کی اصطلاح میں سند اور سند کے کسی راوی کے بدلنے سے حدیث کی کفایت اور تعداد بدل جاتی ہے جبکہ نفس حدیث کی تعداد چار ہزار سو سے زائد نہیں ہے۔

## احادیث صحیحہ کی تعداد | امام ابو جعفر محمد بن الحسین البغدادی نے کتاب التمیز

میں امام سفیان ثوری، امام شعبہ، امام یحییٰ،

امام عبدالرحمن بن مہدی اور امام احمد بن حنبل کا متفقہ فیصلہ نقل کیا ہے۔

ان جملة الاحادیث المسندة عن  
النبي صلى الله عليه وسلم يعنى الصحيحة  
بلا تكرر اس اربعة الاف واربعمائة  
بلا شبهة تمام مسند احادیث صحیحہ بلا تکرار  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں انکی  
تعداد چار ہزار چار سو ہے۔

چنانچہ اباب صحاح نے بھی مذکورہ تعداد کے قریب قریب اپنا کتابوں میں احادیث

مانے۔ حاکم، فن حدیث، کی اصطلاح میں وہ شخص کہلاتا ہے جس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ احادیث پر قننا و سنداً دسترس ہو۔ یہ تو صحیح الانکار ہے۔

کی تخریج کی ہے۔ چنانچہ حافظ عراقی نے صحیح بخاری کے مکررات نکال کر احادیث کی تعداد چار ہزار بتائی ہے۔ امام نووی نے بھی صحیح مسلم کی روایات کی تعداد بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ  
مسلم باسقاط المكر ما نحو ما بعدہ ۱۰۰۰۰

امام زرکشی نے سنن ابی داؤد کی احادیث کی تعداد چار ہزار اکٹھ سو گنوائی ہے۔  
ابن ماجہ کے متعلق بھی علامہ ابوالحسن بن قحطان فرماتے ہیں عدتہ اربعۃ الاف حدیث  
اسی پر دوسری کتب حدیث کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

امام ابو حنیفہ کا سن ولادت ۱۵۰ھ اور امام بخاری کا سن ولادت ۲۵۵ھ ہے۔  
دونوں کے درمیان ۱۰۵ سال کا طویل وقفہ ہے۔ اس عرصہ میں ایک حدیث کو سیکڑوں بلکہ  
ہزاروں اشخاص نے روایت کیا ہوگا۔ اس لئے دونوں کے درمیان چھ لاکھ اور  
ستر ہزار کا جو فرق ہے وہ دراصل اسانید کی تعداد کا فرق ہے۔ اصل جہت کا نہیں۔

# حدیث عہد رسول میں

## اخذِ حدیث میں صحابہ کرام کا احتیاط

مولانا محمد حنیف علی

صحابہ کا بعض حدیثوں کے لئے دوراوی کا مطالبہ قبول حدیث کے لئے بطور شرط ضروری نہیں تھا بلکہ انھوں نے ایک ہی راوی کی بے شمار حدیثیں قبول بھی کی ہیں اور اسے معمول بہا بھی بنا لیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوراوی کا اصرار انکی طرف سے غایت احتیاط، تحقیق اور بیداری کے لئے تھا نہ اسلئے کہ روایت دوراویوں کے بعد ہی صحیح ہوگی ایسی حدیثیں جنہیں خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ نے ایک راوی سے لی ہیں ان کی مجموعی تعداد ان روایتوں سے کہیں زیادہ ہے جنہیں صحابہ نے دوراوی طلب کیا ہے۔ ہم آپکی خدمت میں چند روایات بطور مثال پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ دیت عاقلہ پر ہوگی اور عورت اپنے مقتول شوہر کی دیت میں وارث نہ ہوگی لیکن جب حضرت ضحاک بن سفیان نے یہ حدیث بتائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشیم ضبابی کی بیوی کو ان کے شوہر کی دیت میں وارث قرار دیا ہے تو فاروق اعظم نے اپنے قول سے رجوع فرمالیا۔

۲۔ حضرت طاؤس سے منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آدمی پر قسم ہے جس نے جنین کے باپ سے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے اتنے میں حضرت جمل بن مالک ابن نابہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا امیر المؤمنین میری دو باندیوں کا معاملہ تھا ایک نے دوسرے



کو خیمہ کی چوب (لکڑی) سے مار دیا جس سے اس کا جنین ساقط ہو گیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیت میں ایک غلام واجب الادا رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نہ سنتا تو کچھ اور فیصلہ کرتا۔

۳۔ حضرت ابی عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے شام کا سفر کیا جب مقام سرخ پہنچے تو اسلامی لشکر یعنی حضرت عبیدہ بن جراح اور ان کے ساتھیوں سے ملاقات ہو گئی انھوں نے بتایا امیر المومنین شام میں وبا پھیلی ہوئی ہے، جابر بن انصار اور قریش کے بزرگوں نے آپس میں مشورہ کیا ہے کہ ایسی حالت میں کیا کیا جائے، انکی رائے مختلف ہو گئی اتنے میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جو اپنی کسی ضرورت سے غائب تھے آگئے اور فرمایا لوگو! یہ احتمال کیا ہے میرے پاس اس مسئلہ کا حل اور علم ہے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پاک ارشاد سنا ہے اذ اسمعتم بہ بارص فلا تقد موا علیہ واذ اوقع بارصا و انتم بها فلا تخرجوا فواما امنہ۔ جب تم کسی علاقے میں وبا پھیل جانے کی اطلاع پاؤ تو وہاں مت جاؤ اور پھر وبا اس جگہ آجائے جہاں تم ہو تو نکل کر مت بھاگو۔ یہ سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تمام ساتھیوں کو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی اس خبر پر رجوع فرمالیا۔

۴۔ حضرت علی ابن زین العابدین ناقل ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجوسیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے عرض کیا امیر المومنین قسم بخدا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی سنا ہے۔ ”سنوا بہر سلة اهل الكتاب، ان کے ساتھ اہل کتاب کا سا سلوک کرو۔“

۵۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے شرعی موزوں پر مسیح کے سلسلہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی خبر کو قبول فرمالیا اور اپنے صاحبزادے ابن عمر کو حکم دیا کہ اس پر تکبیر نہ کریں اور فرمایا صاحبزادے! حضرت سعد کوئی بھی حدیث تم سے نقل کریں تو اسے مت رد کرو، اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی موزوں پر مسیح فرمایا ہے۔ بعض روایتوں میں

ہیکہ حضرت سعد تم سے کوئی حدیث بیان کریں تو پھر دوسروں سے مت پوچھو۔ آپ کا یہ ارشاد خبر واحد کے قابل قبول ہونے کی واضح دلیل ہے حتیٰ کہ فاروق اعظم نے اپنے صاحبزادے کو بھی حضرت سعد کی حدیث پر دوسروں سے پوچھنے کی بھی ممانعت فرمادی۔ اگر حضرت عمرؓ کی یہاں کسی روایت کے لئے دو راوی کا ہونا شرط ہوتا تو وہ صاحبزادے کو حکم دیتے کہ حضرت سعد سے ایک راوی اور دریافت کر لو اور دوسروں سے دریافت کرنے کی ممانعت بھی نہیں کرتے۔

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک پاگل عورت کو رحم کرنا چاہا لیکن جب معلوم ہو گیا

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”رفح القلم عن ثلاث عن النائم حتیٰ یستيقظ وعن المجنون حتیٰ افاق وعن الصبی حتیٰ یبلغ“، تین شخص مرفوع القلم ہیں۔ سونے والا بیدار ہونے تک، دیوانہ ہوش میں آنے تک، بچہ بالغ ہونے تک، تو اب رحم نہ کرنے کا حکم دیا۔ امیر المومنین نے حاطب کی باندی کو بھی رحم کرنا چاہا لیکن جب حضرت عثمان نے بتا دیا کہ نادان پر حد جاری نہیں ہوتی تو اس کو سلگسا رکرنے سے باز آگئے۔

۷۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انگلیوں کی دیت میں تفاوت حکم کے قائل تھے لیکن جب تمام انگلیوں کے نقصان بیکساں دیت کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے معلوم ہو گیا تو اپنے قول سے رجوع فرمالیا اور مسادات پر عمل پیرا رہے۔

۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے بڑے دسی حضرت عثمان انصاری کے ساتھ باری باری پہنچنے کا واقعہ تو بہت مشہور ہے۔ اس واقعہ میں حضرت عمر فرماتے ہیں کہ کبھی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور کبھی میرے بڑے دسی۔ جب میں آپ کے پاس ہوتا تو اس دن کی ساری حدیثیں اور خبریں بڑے دسی کو آکر بتا دیتا اور جب وہ آپ کے یہاں پہنچتے تو اس دن کی تمام حدیثیں اور خبریں مجھے بتا دیتے۔ یہ واقعہ تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس حقیقت کے لئے کھلا اعتراف ہے کہ بڑے دسی یا کسی اور کی خبر واحد قبول کر لینے میں کوئی مضائقہ اور قباحت نہیں ہے۔



غرض ان تمام مثالوں سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے قبولیت حدیث کیلئے دوراوی کی شرط نہیں لگائی اور ابو موسیٰ اشعری کے ساتھ جو سلوک کیا اس کی وجہ انہوں نے خود بیان فرمادیا ہے کہ ان کا یہ اقدام برہمائے احتیاط تھا اس لئے ہرگز نہیں تھا کہ دو سے کم راوی ہوں تو روایت نہ کی جائے اور جن روایتوں میں دوراوی کی قید ہے اس کی توجیہ بھی یہی کی جائے گی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا موقف اور ان کا احتیاط بھی صرف اسی لئے تھا کہ ہر روایت راوی کی زبانی یاد ہو جائے۔ علاوہ ازیں انہوں نے کسی روایت میں دوراوی کی قید نہیں لگائی ہے بجز اس حادثہ کے جسے امام ذہبیؒ نے نقل کیا ہے۔ لیکن ابن حزم نے اس پر حرج کرتے ہوئے اس روایت کو منقطع بتایا ہے جسے حضرت ابو بکر کے موقف کے لئے حدیث کے باب میں صحیح ترمذی نے نہیں بنایا جاسکتا اس لئے کہ خود ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی بہت سی خبر واحد قبول کیا ہے۔ ہم نے پچھلے ادراک میں صدیق اکبر کا طریقہ کار اور ان کے موقف کو بتایا ہے لیکن یہ کہیں نہیں ملتا کہ انہوں نے روایت کرنے والوں سے شہادت بھی طلب کی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن کا ذکر ہے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بلا شرط لے لیا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی کسی روایت کے لئے دوراوی کا مطالبہ نہیں فرمایا اور گزشتہ روایت میں وضو کے بعد تمام حاضرین سے شہادت حاصل کرنے کا جو ثبوت ملتا ہے یہ تو صرف پوری تاکید کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی کیفیت بتانے کے لئے تھا۔ اور یہ بڑی بات یہ ہے کہ خود حضرت عثمان سے خبر واحد پر عمل کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری کی بہن فریجہ بنت مالک سے حضرت عثمانؓ نے ان کے شوہر کی وفات دریافت کیا اور ان کی خبر پر فیصلہ کیا۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے بارے میں جو مذکور ہے کہ روایت کرنے سے پہلے وہ راوی سے قسم لیتے تھے یہ بھی ان کی کوئی مقررہ عادت یا معمول نہیں تھا بلکہ وہ بھی بہت سی روایتیں بغیر قسم لے کر راوی سے لیتے تھے خود حضرت علیؓ نے

ابوبکر صدیقؓ کی تمام روایات اسی طرح لیا ہے غور کیا جائے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ رضی اللہ عنہما کے موقف میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ حضرت علیؓ نے خود مذہبی کا حکم جانے کیلئے مقداد بن اسودؓ کی روایت پر حلفیہ بیان لئے بغیر اعتماد اور عمل کیا۔ بہر حال یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خلفاء اربعہ کے یہاں اخذ حدیث اور قبولیت کے لئے کوئی خاص شرط نہیں تھی اور جن روایتوں سے شبہ ہوتا ہے وہ زبانی یاد کرنے کے ساتھ تحقیق و احتیاط کی ایک مناسب اور معقول تدبیر تھی مزید یہ کہ ان خلفاء نے عام طور پر دوسرے صحابہ سے بلا کسی شرط کے حدیثیں سنی بھی ہیں اور نقل بھی کی ہیں۔ بعض کے دور میں تابعین اور تبع تابعین نے بھی حدیث حاصل کرنے میں کسی طرح صحابہ سے کم احتیاط اور اہتمام نہیں کیا ہے۔ وہ اپنے دلوں کی تسکین کے لئے تحقیق و جستجو کے ساتھ احتیاط کی ہر تدبیر کر لیا کرتے تھے۔ بلاشبہ راویان اسلام کی تاریخ کا جسٹس بھی مطالعہ کیا اور حدیث حاصل کرنے والوں کی کیفیتوں کا جائزہ لیا ہے اسے تابعین کی بے مثال کاوشوں کا پورا علم ہے۔ انہی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث محفوظ شکل میں بعد میں آنے والوں تک پہنچی، ان کے بھی چند نقوش و آثار قدرے تفصیل سے ہم آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

حضرت مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا آپ کو اکثر شک کیوں ہوتا ہے فرمایا شک یقین کے لئے معین ہے یعنی شک جائیگا تو یقین آئیگا۔ مصر کے مشہور محدث حضرت زبید بن ابی حبیب فرماتے ہیں کہ جب تم حدیث سنو تو ہر پہلو سے خوب اچھی طرح غور کرو جیسے تم گمشدہ چیز کو تلاش کرتے ہو اگر شناخت ہو جائے تو لے لو ورنہ چھوڑ دو۔ اسی طرح تابعین اور تبع تابعین کے یہاں حدیث لینے کے لئے کوئی مخصوص شرط نہیں تھی اور نہ کسی تابعی سے یہ منقول ہے کہ اس شخص کی روایت کو قبول کرتے کیلئے دو یا دو سے زیادہ کی شرط لگائی ہو بلکہ وہ عدالت کے ساتھ حدیث لینے اور ادا کرنے کی شرط پاتے تو بعد شوق حدیث لے لیا کرتے تھے۔ اور کسی راوی کا عادل ہونا مشتبہ ہو تو اس سے روایت کرنا اور لینا دونوں ترک



کر دیتے تھے باپ ہمہ وہ روایت لیتے وقت اپنے دل کو مطمئن بھی کر لیتے تھے اس لئے کہ صحابہ کی نصیحتیں انکے دلوں میں محفوظ ہیں جو انھیں یاد دلاتی ہیں کہ ”ان هذا الحدیث دین فانظروا عمن تاخذون دینکم“ دیکھو حدیث کا پورا ذخیرہ دین ہے اس لئے خوب اچھی طرح غور کرو کہ تم اپنا دین کیسے لوگوں سے حاصل کر رہے ہو۔

صحابہ اور تابعین سیم و زرا در سونے چاندی کی امانت کو امانت حدیث سے بہت زیادہ آسان سمجھتے تھے۔ حضرت سلیمان بن موسیٰ فرماتے ہیں کہ انکی ملاقات حضرت طاؤس سے ہوئی اور عرض کرنے لگے کہ ایک شخص نے مجھ سے ایسی ایسی حدیث نقل کی ہے حضرت طاؤس نے فرمایا اگر وہ علم سے مہمور ہیں تو ان سے حدیث لے لو۔ حضرت ابن عوف فرماتے ہیں کہ ”لا یوخذ هذا العلم الا من شهد له بالطلب“ علم حدیث ایسے لوگوں سے حاصل کرو جن کے شوق اور طلب کی دنیا نے گواہی دی ہے۔ حضرت شعبہ بن جوالہ ابن عمر، عبد اللہ بن دینار سے کوئی حدیث غلام کی میراث اور اس کے بہن سے متعلق سنتے تو قسم بھی لیتے کیا تم نے اس حدیث کو ابن عمر سے سنا ہے۔ حضرت عکرم سعید بن مسیب کی سند سے بیہودی، نصرانی، مجوسی کی دیت بیان کرتے تو شعبہ ان سے دریافت کرتے کیا تم نے سعید بن مسیب سے سنا ہے۔ اس پر حکم فرماتے کہ تم چاہو تو حضرت ثابت حداد سے سن لو۔ حضرت شعبہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا تو انھوں نے مجھے اسی سند کے ساتھ حدیث سنادی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی بھی حدیث بغیر قسم کے یا دوسری روایت پر اعتماد کے بغیر قبول کیا ہو، بلکہ یہ سارا اہتمام، غایت احتیاط، غور و خوض، اعتماد اور تاکید صرف اس لالچے سے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی بھی حدیث محفوظ رہ سکے۔

عن ابن عمر عن عبد اللہ بن مسعود عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

# مطالعہ عالمیت تعلیمات

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

**جامع قیروان** | قیروان تونس کا مشہور تاریخی اسلامی شہر جو قدیم کارتاج کے قریب آباد کیا گیا تھا۔ یہاں کی مشہور عالیشان مسجد جس کی بنیاد فاتح افریقہ حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے رکھی تھی، اس کی تعمیر اعلیٰ دور سلطنت میں شروع ہوئی اور سلطان ابراہیم ثانی (۱۵۷۶ء تا ۱۵۹۲ء) کے عہد میں تکمیل کو پہنچی، اس مسجد کی تعمیر میں کارتاج کے کھنڈروں کے سنگ مرمر اور دیگر سامان سے مدد لی گئی، اس کے مینارے اموی اور شامی طرز کے پتھر کے تھے، بعد میں شمالی افریقہ میں یہی طرز تعمیر جاری رہا، مصر کے میناروں کی طرح ان کی شکل دائری نہیں تھی بلکہ عمودی تھی، اسی جامع قیروان کی وجہ سے مکہ اور مدینہ اور بیت المقدس کے بعد قیروان اسلامی دنیا کا مقدس شہر تصور کیا جانے لگا۔ اعلیوں کے دور سلطنت میں شمالی افریقہ کی زبان لاطینی کے بجائے عربی قرار پائی اور مقامی باشندوں کا مذہب عیسائیت کے بجائے اسلام بن گیا۔ اسی جامع قیروان کی درسگاہ کی وجہ سے قیروان اسلامی علوم و فنون کا مرکز بن گیا، یہاں سے ہر علم و فن کے بے شمار فضلاء زمانہ اور سرآمدگان روزگار پیدا ہوئے۔ رجال و تذکرہ کی کتابوں میں قیروانی علماء، محدثین، فقہاء، ادباء، شعراء کے درخشاں کارنامے سوزج



کی طرح چمک رہے ہیں، اسی طرح عالم اسلام کی ایک ایک درسگاہ سے ہزاروں اربابِ فضل و کمال پیدا ہوئے جن کے ناموں اور کارناموں کی برکات و حسنات سے آج تک مسلمان فیضیاب ہو رہے ہیں۔ مدرسہ نظامیہ بغداد، مدرسہ مستنصریہ بغداد، جامع ازہر قاہرہ، جامع زیتون قیروں، جامع قیروان اور اس طرح کے ہزاروں جوامع و مدارس عالم اسلام میں موجود تھے، اور ہر شہر مدرسہ اور ہر مسلمان طالب علم کی حیثیت رکھتا تھا۔

**ہم کون ہیں اور کیا ہیں؟** صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد تابعین

رحمہم اللہ کا زمانہ خیر القرون تھا۔ ہر طرف صحابہ کی مقدس صورتیں اور پاک سیرتیں دین دایاں کی روح کو تازہ کر رہی تھیں، جس طرف نظر اٹھتی تھی اسلام کی سچی تصویریں چلتی پھرتی نظر آتی تھیں، ہر بستی، ہر گھر اللہ اور اس کے رسول کے ذکر خیر سے گونج رہا تھا، ہر مجلس میں اسلامی زندگی برپا تھی، اس کے باوجود جب تابعین عظام صحابہ کرام کی عملی زندگی کو دیکھتے تو ان کے مقابلہ میں اپنے کو بالکل حقیر اور بے عمل پاتے تھے۔ اور ایسا سمجھتے تھے کہ ایمان و یقین اور عمل و کردار ہم میں اور ان میں وہی فرق ہے جو بادشاہ اور چور میں ہوتا ہے۔

مشہور تابعی حضرت ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی پر بے اختیار مدیا کرتے تھے، آنسوؤں سے دائرہ می تر ہو جاتی تھی اور صحابہ کرام کی صحبتوں کو یاد کر کے فرمایا کرتے تھے:

أَدْرُكُنَا قَوْمًا كُنَّا فِي جَنَّةٍ مِثْلَ لُصُوصٍ

(طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۱۱۱)

ہم نے ایسی جماعت کا زمانہ پایا ہے کہ ہماری حیثیت ان کے پہلو میں چور کی تھی۔ یعنی وہ حضرات علم و عمل کے بادشاہ تھے، اخلاق و کردار کے سلطان تھے، دین و دیانت کے شہریار تھے، اور ہم ان کے سامنے اپنے علم و عمل اور دین و دیانت کے معاملہ میں اس درجہ پیچھے تھے کہ ہمیں ان کی صحبت میں منہ چور ہونا پڑتا تھا اور چوروں کی طرح

ہم منہ پھیلاتے پھرتے تھے۔

غور کرو یہ ان قدوسوں کے احساسات ہیں جن کی گرد پا کو ہم نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کو صحابہ کرام کی دینا زندگی کے مقابلہ میں کس قدر وسیع سمجھتے تھے۔

اگر یہ حضرات آج ہمارے اعتقادی، بد عملی اور سینہ زداری کو دیکھیں تو ہمیں کیا کہیں گے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ہم کون ہیں اور کیا ہیں؟

بمبئی سے سورت جانے والی ریلوے لائن پر ایک اسٹیشن »سندھان« ہے جو غالباً

## سندھان کی جامع مسجد

علاقہ گجرات کا پہلا اسٹیشن ہے اور بمبئی سے قریب ہے اسی کو عربی میں »سندھان« لکھتے ہیں یہاں دوسری صدی میں مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی سلطنت دولت ماہانہ سندھان تھی۔ مشہور اسلامی جغرافیہ نویس یاقوت حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ سندھان ایک شہر ہے، اس کے اور چمپور (بمبئی) کے درمیان پندرہ مرحلہ کا فاصلہ ہے اور یہاں سے سمندر نصف فرسخ پر واقع ہے۔ (معجم البلدان ج ۵ ص ۱۵)

بلاذری نے لکھا ہے کہ بنو سامہ کے غلام فضل بن ماہان نے سندھان شہر کو فتح کیا اور اس پر قبضہ کر کے خلیفہ مامون کے پاس یہاں سے ہاتھی کا تحفہ بھیجا اور اس سے خط و کتابت کی۔ سندھان میں ایک جامع مسجد کی بنیاد رکھی اور خلیفہ مامون کے حق میں حمد کے خطبہ میں دعا کی۔ فضل بن ماہان کے انتقال پر اس کا بیٹا محمد بن فضل حکمراں ہوا اور شتر جنگی جہازوں کو لیکر سمندری ڈاکوؤں سے جنگ کی اور سوماشٹر کے ساحلی علاقہ پالی تھانہ کر کے سندھان واپس آیا تو دیکھا کہ اس کا بھائی ماہان بن فضل حکومت پر قابض ہو گیا ہے اور خلیفہ معتمد سے خط و کتابت کر کے اپنا کام کر چکا ہے اور اس کے پاس ساگوان کی ایک لمبی چوڑی لکڑی تحفہ میں بھیجی۔ آخر کار دونوں بھائیوں میں کشت و خون کی باری آئی، مقامی غیسلم باشندے ماہان بن فضل کے طرفدار تھے۔ اس برادر کشی کا نتیجہ



محمد بن فضل کے قتل کی صورت میں ظاہر ہوا، بلکہ اس کو قتل کے بعد سولی دیدی گئی۔

نشان الہند بعد غلبہ اعلیٰ سندان اس حادثہ کے بعد اہل ہند سندان پر قابض  
فتر کو مسجد ہا للمسلمین یجمعون ہو گئے اور وہاں کی جامع مسجد کو مسلمانوں کے  
لئے چھوڑ دیا جس میں مسلمان جمعہ کی نماز پڑھتے  
خیرہ دیدعون للخلیفۃ۔

(نوح البلدان ص ۳۳) تھے اور خلیفہ کے حق میں دعا کرتے تھے۔

دو بھائیوں کی جنگ میں ہندوؤں نے ایک بھائی کا ساتھ دیکر سندان پر قبضہ کر لیا۔  
اس کے بعد بھی مسلمانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا، ان کی جامع مسجد ان کے حوالہ کر کے عالم  
اسلام سے تعلق پیدا کرنے کی راہ باقی رکھی، یہ مقامی غیر مسلموں کی فرائض اور حوصلہ مندی  
کی بات تھی کہ مسلمانوں اور ان کی مسجد پر حزن نہیں آنے دیا، خدا ہی جہتر جانتا ہے کہ شمالی  
بھائی کے علاقہ سندان میں کتنی بار برسرِ منبر اسلام کا نام بلند ہوا اور خلیفۃ المسلمین کے  
لئے دعا کی گئی، کسی نے نہ مسجد ویران کی، نہ کسی نے مسلمانوں کو ستایا اور نہ ہی کسی نے  
خلیفہ اسلام کی طرف دیکھنے اور اس کے لئے دعا کرنے سے روکا۔ اس صورت میں جہاں  
مقامی غیر مسلموں کی رواداری، حوصلہ مندی اور شریفانہ برتاؤ کا ثبوت ہے وہیں مسلمانوں کے  
بلند کردار اور نیکی و شرافت کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ مسلمان اپنے دین پر صحیح طور سے قائم رہ کر  
دنیا کے ہر گوشہ میں امن و عافیت رکھ سکتا ہے، دنیا اس کی قدر کرے گی اور اس کے وجود  
کو اپنے لئے رحمت قرار دے گی۔

یہاں کے راجہ مہاراجہ اور انکی رعایا مسلمانوں کو بڑی عزت و احترام کی نظر سے  
دیکھتے تھے اور ان کے عقیدت و محبت میں اپنے لئے خیر و برکت سمجھتے تھے۔ ان کا حصيد  
تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک اور محبت کی وجہ سے راجوں مہاراجوں کی عمریں  
دراز ہوتی ہیں اور ان کے ملک میں امن و امان رہتا ہے۔

مسلمان اگر اسلامی اخلاق و کردار کا مظاہرہ کریں تو آج کے ناگفتہ بہ حالات میں بھی

نہایت پرسکون، باعزت اور محترم زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

مسلمان اور ہندو راجے بھاراجے | علامہ مسعودیؒ جو تھی صدی میں مشہور  
مؤرخ گذرے ہیں ان کی کتاب

”مروج الذهب“ تاریخ عالم کا خلاصہ ہے۔ مسعودی بہت بڑے سیاح بھی ہیں۔  
ہندوستان کے ساحلی علاقوں کا سفر کر چکے ہیں۔ سندھ، گجرات، کھبانت،  
سوپارہ، چمید، تھانہ وغیرہ میں آچکے ہیں اور یہاں کے دلچسپ حالات مروج الذهب  
میں بیان کئے ہیں۔ چنانچہ علاقہ گجرات، مہاراشٹر کے راجہ بلہرا (دلی بھی رہے) کے بارے  
میں لکھتے ہیں کہ سندھ اور ہند کے ملکوں میں راجہ بلہرا کے علاوہ کوئی ایسا بادشاہ نہیں ہے  
جو مسلمانوں کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آئے۔ اس کی حکومت میں اسلام محفوظ  
ہے۔ مسلمانوں کی مسجدیں اور جماعتیں نازیروں سے ہر وقت بھری رہتی ہیں اور ان میں  
بڑی رونق رہتی ہے۔ اس سلطنت کا ایک ایک راجہ چالیس اور پچاس سال بلکہ اس  
سے زائد مدت تک حکومت کرتا ہے۔ اور باب سلطنت کا عقیدہ ہے کہ ان کے راجاؤں کی  
عمریں اس لئے طویل ہوتی ہیں کہ وہ عدل و انصاف کی رسم کو زندہ رکھتے ہیں۔ اور  
مسلمانوں کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ مسلمان بادشاہوں کی طرح راجہ بلہرا کی فوجوں کو اس  
کے سرکاری خزانہ سے تنخواہ ملتی ہے اس کے پاس جنگی ہاتھی بھی ہیں (مروج الذهب ج ۱ ص ۱۷۸)  
ہندوستان کے عوام خواص پر کیا موقوف؟ عہد سلف کے مسلمان جہاں گئے لوگوں  
نے ان کو اپنے لئے باعث خیر و برکت سمجھا، کیونکہ ان کے اندر دین و دیانت اور  
اخلاق و محبت کی اتنی کشش موجود تھی جو دنیا کے دل کو اپنی طرف کھینچے۔ کیلئے کافی  
تھی جب ان کے اندر سے یہ متناطیسی قوت ختم ہو گئی تو مسلمان کے اندر دنیا کیلئے دل کشی باقی  
نہیں رہی اس لئے اب لوگ کیوں اور کیسے ان سے برکت حاصل کریں؟ اب یہ خود زندگی  
کی قدردان سے محروم ہو گئے ہیں، دوسروں کو زندگی کیا دیں گے؟

# لَا وَالا

قسط ۷

جناب محمد بدیع الزماں صاحب ریٹائرڈ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ پیٹہ

خدا کی وحدانیت پر ایمان لانے کے دلائل قرآن مجید میں طرح طرح سے لاتعداد  
بار دیے گئے ہیں۔ اور مختلف عنوانات اور مختلف ناموں سے اس کلمہ طیبہ کا ذکر  
فرمایا گیا ہے۔

”ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے سمجھایا مگر اکثر لوگ انکار ہی پر  
جے رہے۔“ (سورہ بنی اسرائیل ۷۱، رکوع ۱۰)

”ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح کی مثالیں دیں کہ یہ ہوش میں آئیں،  
(سورۃ الزمر ۳۹، رکوع ۳)

”ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے لوگوں کو سمجھایا کہ ہوش میں آئیں مگر وہ  
حق سے اور زیادہ دور ہی بھاگے جا رہے ہیں۔ اے نبیؐ، ان سے کہو کہ اگر اللہ کے ساتھ  
دوسرے خدا بھی ہوتے جیسا یہ لوگ کہتے ہیں، تو وہ مالک عرش کے مقام پر پہنچنے کی کوشش  
کرتے۔“ (سورۃ بنی اسرائیل ۱۷، رکوع ۵)

”ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے سمجھایا، مگر انسان بڑا ہی جھگڑالو  
واقع ہوا ہے۔“ (سورۃ الکہف ۱۸، رکوع ۷)

پھر بھی چند ارشادات جو نفس مضمون کو اور بھی واضح طور پر ذہن نشین کراتے ہیں۔  
ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں۔



”تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے، اُس رحمن اور رحیم کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔  
 اس حقیقت کو پہچاننے کے لئے اگر کوئی نشانی اور علامت درکار ہے تو جو لوگ عقل  
 سے کام لیتے ہیں اُن کے لئے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے  
 پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، اُن کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لئے  
 ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اُس پانی میں جسے اللہ  
 اوپر سے برساتتا ہے، پھر اس کے ذریعے سے مُردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے اسی  
 انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں،  
 اور اُن بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں،  
 بیشمار نشانیاں ہیں مگر وحدتِ خداوندی پر دلالت کرنے والے ان کھلے کھلے آثار  
 کے ہوتے ہوئے بھی، کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اُس کا ہمسر اور  
 مُد مقابل بناتے ہیں اور اُن کے ایسے گردیدہ ہیں جیسی اللہ کے ساتھ گردیدگی ہونی  
 چاہیے۔ حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔  
 (وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ) کاشش، جو کچھ عذاب کو سامنے دیکھ کر  
 انہیں سوچنے والا ہے وہ آج ہی ان ظالموں کو سوچھ چلتے کہ ساری طاقتیں اور  
 سارے اختیارات اللہ ہی کے قبضے میں ہیں اور یہ کہ اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔  
 (سورۃ البقرہ ۲ - رکوع ۲۰)

”ان سے کہو، بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ یہ زمین اور اس کی ساری آبادی کس کی ہے؟  
 یہ ضرور کہیں گے اللہ کی۔ کہو، پھر تم بخشش میں کیوں نہیں آتے؟ ان سے پوچھو، ساتواں آسمانوں  
 اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے؟ یہ ضرور کہیں گے اللہ۔ کہو، پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟  
 ان سے کہو، بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ ہر چیز پر اقتدار کس کا ہے؟ اور کون ہے جو پناہ دیتا  
 ہے۔ اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا؟ یہ ضرور کہیں گے کہ یہ بات تو اللہ

ہی کے لئے ہے، کہو، پھر کہاں سے تم کو دھوکہ لگتا ہے؟ جو امر حق ہے وہ ہم ان کے سامنے لے آئیں اور کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ (سورۃ المؤمنون ۲۴۔ رکوع ۵)

”حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں بے شمار نشانیاں ہیں ایمان لائیو الوں

کے لئے۔ اور تمہاری اپنی پیدائش میں، اور اُن حیوانات میں جن کو اللہ (زمین میں) پھیلا رہا ہے، بڑی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو یقین لانے والے ہیں۔ اور شب و روز کے فرق و اختلاف میں، اور اُس رزق میں جسے اللہ آسمان سے نازل فرماتا ہے پھر اس کے ذریعے مردہ زمین کو جلا اٹھاتا ہے، اور ہواؤں کی گردش میں بہت سی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں جنہیں ہم تمہارے سامنے ٹھیک ٹھیک بیان کر رہے ہیں۔ اب آخر اللہ اور اس کی آیات کے بعد اور کون سی بات ہے جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے۔ (سورۃ الجاثیہ ۵۴۔ رکوع ۱)

”وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ غائب اور ظاہر ہر چیز کا جاننے والا، وہی رحمن اور رحیم ہے۔ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ کی نہایت مقدس، سراسر سلامتی، امن دینے والا، نگہبان، سب پر غالب، اپنا حکم بزدور نافذ کرنے والا، اور بڑا ہی ہو کر رہنے والا، پاک ہے اللہ اُس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں، وہ اللہ ہی ہے جو تخلیق کا منصوبہ بنانے والا اور اُس کو نافذ کرنے والا اور اُس کے مطابق صورت گری کرنے والا ہے۔ اس کے لئے بہترین نام ہیں، ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اُس کی تسبیح کر رہی ہے اور وہ زبردست اور حکیم ہے۔“

(سورۃ المحشر ۵۹۔ رکوع ۳)

”تم رحمن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی غفل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نگاہ ٹھک کر نامراد پلٹ آئیگی یہ“

(سورۃ الملک ۴۷۔ رکوع ۱)

”اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور فرشتے اور سب اہل علم بھی راستی اور انصاف کے ساتھ اس پر گواہ ہیں کہ اس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی خدا نہیں ہے۔“ (سورۃ آل عمران: ۳۰-۳۱ رکوع ۲)

قرآن مجید کی ہر سورۃ کے ہر رکوع میں لا اِلهَ اِلَّا اللہ پر ایمان لانے کے دلائل موجود ہیں جن میں چند آیات اور پریش کی جا چکی ہیں۔ پھر بھی سورۃ النمل ۲۷-۲۸ رکوع ۵ کے درج ذیل آیات میں دلائل کے استقامت انداز بیان پر قربان جائیے۔ منکرین حق کے دل و دماغ میں تازیانے لگاتے ہیں:-

”اے نبی! ان سے پوچھو اللہ بہتر ہے یا وہ معبود جنہیں یہ لوگ اس کا شریک بنا رہے ہیں؟ بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی برسا یا پھر اس کے ذریعہ وہ خوشنما باغ اُگائے جن کے درختوں کا اُگانا تمہارے بس میں نہ تھا؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی (ان کاموں میں شریک ہے؟ نہیں) بلکہ یہی لوگ راہِ راست ہٹ کر چلے جا رہے ہیں۔“

”اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جلے قرار بنایا اور اس کے اندر دریا رواں کئے اور اُس میں (پہاڑوں کی) مینیں گاڑ دیں اور پانی کے دو ذخیروں کے درمیان پردے عاکل کر دیے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (ان کاموں میں شریک ہے؟ نہیں) بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں۔“

”کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جبکہ وہ اُسے پکارے اور کون اُس کی تکلیف رفع کرتا ہے اور (کون ہے جو) تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (یہ کام کرنا والا ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو۔“

”اور وہ کون ہے جو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں تم کو راستہ دکھاتا ہے اور کون اپنی رستہ کے آگے ہواؤں کو خوشخبری پکڑ بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی (یہ کام کرتا)“



ہے بہت بالا و برتر ہے اللہ اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔  
 ”اور وہ کون ہے جو خلق کی ابتدا کرتا اور پھر اُس کا اعادہ کرتا ہے؟ اور کون تم کو  
 آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی لان کاموں میں  
 حصہ دار ہے؟ کہو کہ لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو۔

”ان سے کہو، اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا۔ اور وہ  
 تمہارے معبود تو یہ بھی نہیں جانتے کہ کب وہ اٹھائے جائیں گے۔“

کلمہ طیبہ کا اقرار باللسان ہی مومن کی پہچان نہیں بلکہ اپنی عملی زندگی میں بھی عقیدہ  
 توحید کے تقاضوں کو پورا کرنا اصل ایمان ہے جسے درج ذیل آیات میں ”اُس پر ثابت قدم  
 رہے“ (ثُمَّ اسْتَقَامُوا) کہا گیا ہے۔

”جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اُس پر ثابت قدم رہے یقیناً اُن  
 پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور اُن سے کہتے ہیں کہ ”نڈر و انعم کرو اور خوش ہو جاؤ،  
 اُس جنت کی بشارت جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے  
 ساتھ ہیں اور آخرت میں بھی۔“ (سورۃ حٰجّم السجدہ: ام رکوع سم)

ذیل میں کلمہ طیبہ کی مقصدیت اور افادیت پر چند احادیث درج کی جا رہی ہیں:-

(۱) ”حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علی  
 نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ جل شانہ کی پاک بارگاہ میں عرض کیا کہ مجھے کوئی  
 وردِ تعلیم فرمادیجئے جس سے آپ کو یاد کیا کروں۔ ارشادِ خداوندی ہوا کہ ”لَا اِلٰهَ  
 اِلَّا اللہ“ کہا کرو۔ انھوں نے عرض کیا اے پروردگار یہ تو ساری دنیا ہی کہتی ہے، ارشاد ہوا کہ ”لَا  
 اِلَّا اللہ“ کہا کرو۔ عرض کیا۔ ”میرے رب میں تو کوئی ایسی محضو عن چیز مانگتا  
 ہوں جو مجھی کو عطا ہو۔ ارشاد ہوا کہ نہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین ایک پلڑے  
 میں رکھ دی جائیں اور دوسری طرف لَا اِلَّا اللہ کو رکھ دیا جائے تو لَا اِلَّا اللہ  
 والا پلڑا جھک جائے گا۔“

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپؐ کی شفاعت کا سب سے زیادہ نفع اٹھانے والا قیامت کے دن کون شخص ہوگا۔ حضورؐ نے جواب ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ سعادت مند اور نفع اٹھانے والا میری شفاعت کے ساتھ وہ شخص ہوگا جو دل کے خلوص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہے گا۔

(۳) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص خلوص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ کسی نے پوچھا کہ کلمہ کے اخلاص (کی علامت) کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ”حرام کاموں سے اس کو روک دے۔“

(۴) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو یعنی تازہ کرتے رہا کرو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ، ایمان کی تجدید کس طرح کریں؟ ارشاد ہوا ”کلمہ لا الہ الا اللہ کثرت سے پڑھتے رہا کرو۔“

(۵) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنت کے دروازے پر یہ لکھا ہوا ہے ”اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا لَا اُعَذِّبُ مَنْ قَالَهَا“ میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ جو شخص اس کلمہ کو کہتا رہے میں اُس کو عذاب نہیں دے گا۔ اس معنوں کو اقبال ہی کے درج ذیل شعر پر ختم کرنا زیادہ موزوں ہوگا۔

کیونکہ یہ نفسِ معنوں سے مطابقت رکھتا ہے۔

اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا لَا اُعَذِّبُ مَنْ قَالَهَا  
 (ابن کثیر)

# متنبی مرزا غلام احمد قادیانی کا انگریز فواری

مولانا امام علی دانش قاسمی

**اسلام کا بنیادی عقیدہ** | حضرت محمد مصطفیٰ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر سلسلہ نبوت و رسالت ختم ہو چکا ہے۔ عقیدہ ختم نبوت اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل ہے جس پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان رکھنا فرض ہے۔ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی انداز میں نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو شخص کسی ایسے مدعی نبوت پر ایمان رکھتا، اُسے نبی و رسول اور پیغمبر تسلیم کرتا ہے وہ مسلمان باقی نہیں رہتا۔

**مرزا غلام احمد قادیانی کے دعاوی** | مرزا غلام احمد قادیانی نے برطانوی دور حکومت میں پہلے مہدی و مسیح موعود ہونے کا اور پھر نبطی و بردری نبی ہونے کا اور آخر کار مستقل طور پر منصب رسالت و نبوت پر فائز ہونے کا دعویٰ کیا تھا جس کی وجہ سے تمام علمائے حق نے قرآن و سنت اور اجماع امت کی روشنی میں قادیانیوں کو اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔



۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جب  
ہندوستانیوں کو ناکامی ہو گئی اور

اسلام کے خلاف انگریزوں کی سازش

ملک پر برطانوی حکومت کا قبضہ مستحکم ہو گیا اس وقت صلیب پرست عیسائیوں نے  
منسوخ و محرف عیسائی مذہب پھیلانے کی بھرپور کوشش کر ڈالی مگر مسلمانوں کو عیسائی  
بنانے کا ان کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا اور علمائے حق کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور  
مدافعانہ جدوجہد کے نتیجہ میں بفضل اللہ مسلمانوں کی اسلام سے پختہ وابستگی برقرار رہی۔  
یہ دیکھ کر اسلام دشمن انگریزوں نے مکر و فریب کے نئے جال بچائے اور مسلمانوں کو ملحد  
اور بے دین بنانے اور ان کی اسلام سے وابستگی اور ایمان میں پھٹکی کو مٹانے اور عباد  
کا جذبہ ختم کرنے کے لئے خود کو مسلمان ظاہر کر کے اسلام کی تحریف کرنے والوں کی  
حوصلہ افزائی اور سرپرستی شروع کر دی، مقصود یہ تھا کہ اسلام کی چودہ سو سالہ  
تشریح و تعبیر کو ٹھکرا کر اسلام کا نیا ایڈیشن تیار کیا جائے اور امت مسلمہ کا رشتہ  
مسلمانوں کے شاندار ماضی سے منقطع کر دیا جائے۔ قرآن و حدیث کی نئی تشریحات  
و تعبیرات رائج کر کے قدیم فقہاء و محدثین و مفسرین سے امت مسلمہ کی نئی نسل کو بدظن  
کر دیا جائے۔ اس ناپاک مقصد میں انگریزوں کو ایک حد تک کامیابی ہوئی اور امت  
کے داخلی فتنوں نے مسلمانوں کو نقصان عظیم پہنچایا۔ اسلام دشمن مغربی مستشرقین  
کی فتنہ انگیزی اور تخریب کاری کا سلسلہ آج تک قائم ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ذہنی و فکری  
اعتبار سے جن کا رشتہ اسلام سے منقطع ہو چکا ہے وہ بھی اسلامی برادری میں شامل رہ کر  
مارا ستین بنے ہوئے ہیں۔

انگریز قادیانی نبوت کے سرپرست تھے | قادیان کے مدعی نبوت کو بھی مسلمانوں  
کو حقیقی اسلام سے برگشتہ کرنے کا بڑا

ذریعہ سمجھے ہوئے انگریز نے تعاون دیا۔ مرزائی تحریک کی حمایت و سرپرستی برطانوی

حکومت کرتی رہی اور برطانیہ کی حمایت کا بدلہ بھی مدنی نبوت کے اس طور پر ادا کیا کہ اپنی شریعت میں جہاد کو منسوخ قرار دیا تاکہ مسلمانوں کا جذبہ جہاد ختم ہو جائے اور وہ ہمیشہ کے لئے دشمنان اسلام کی غلامی قبول کئے رہیں۔ قادیانی مذہب میں برطانیہ کی اطاعت کو فرض کر دیا گیا اور انگریز کی مخالفت کرنے والوں کو ملعون و بدنام کرنے کی کوششیں پوری طرح کی گئی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی متعدد تصنیفات کے یہ باتیں عیاں ہوتی ہیں۔ چند حوالے بطور ثبوت پیش ہیں:-

» شہادۃ القرآن « جو خود مرزا غلام احمد قادیانی کی تصنیف ہے میرے پیش نظر اس کا جو نسخہ ہے وہ نظارت دعوت و تبلیغ قادیان کا پیش کردہ اور مرزا نسیم احمد ناظر دعوت و تبلیغ کا مصدقہ ہے۔

اس کتاب میں قرآنی آیات کی معنوی تخریف  
قرآنی آیات میں معنوی تخریف  
 کرتے ہوئے بزرگم خود مرزائے قادیان نے

اپنا مسیح موعود ہونا قرآن سے (العیاذ باللہ) ثابت کیا ہے اور سورۃ انفطار، سورۃ انشقاق، سورۃ تکوید میں جن آیات میں یقیناً مت کے ہولناک حالات اور خوفناک احوالات کو بیان کیا گیا ہے اُن تمام کے مطلب کو تبدیل کر کے مسیح موعود کے نزول کی علامات تکرار دیا ہے مثلاً وَإِذَا النُّجُومُ سُحِبَتْ کا مفہوم لکھا ہے:- وحشی قوت میں تہذیب کی طرف رجوع کریں گی (شہادۃ القرآن ص ۱۲) اور وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ کے تحت لکھا ہے:- یعنی جب علماء کا نور اخلاص جاتا رہے گا۔ (حوالہ بالا ص ۱۳) اور وَإِذَا الْكُوَاكِبُ انْتَشَرَتْ کا مطلب لکھا ہے:- یعنی ربانی علماء رفعت ہو جائیں گے ص ۱۴ اور وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ کی ترجمانی یہ کی ہے:- یعنی اشاعت کتب کے وسائل پیدا ہو جائیں گے یہ چھاپے خانوں اور ڈاک خانوں کی طرف اشارہ ہے کہ آخری زمانہ میں ان کی کثرت ہو جائے گی۔ (ص ۱۵) نقل کفر کفر نہ باشد پر یقین رکھتے ہوئے قرآن مجید کی

تحریر معنوی کے یہ چند نمونے پیش کئے گئے درندہ پوری کتاب اس قسم کی تبلیغ و تقریر سے بھری ہوئی ہے۔ بزرگم خلیفہ مسیح موعود ہونا ثابت کر کے مرزائے قادیان نے کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ شامل کیا ہے جس کا عنوان ہے ”گورنمنٹ کی توجہ کے لائق“ پھر اس کا آغاز ان جملوں سے کیا ہے۔

انگریز کے خاندانی وفادار:

”یہ عاجز صاف اور مختصر لفظوں میں گزارش کرتا ہے کہ باعث اس کے کہ گورنمنٹ انگریزی کے احسانات میرے والد بزرگوار مرزا غلام مرتضیٰ مرحوم کے وقت سے آج تک اس خاندان کے شامل حال ہیں اس لئے نہ کسی تکلیف سے بلکہ میرے رگ دریشہ میں شکر گزاری اس گورنمنٹ کی سمائی ہوئی ہے۔“ (صفحہ ۱)

انگریز سے اپنے دیرینہ خاندانی تعلقات اور باہمی احسان شناسی و شکر گزاری کا ذکر اخلاص و محبت سے بھرپور لفظوں میں کرنے کے بعد انگریز کے خلاف جہاد کریں والوں کو دشنام دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

انگریز کے خلاف جہاد کرنے والے حرامی اور بدکار

”بعض احمق اور نادان سوال کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ سے جہاد کرنا کونسا ہے یا نہیں؟ سو یاد رہے یہ سوال ان کا نہایت حماقت کا ہے کیونکہ جس کے احسانات کا شکر ادا کرنا عین فرض اور واجب ہے اس کے جہاد کیا؟ میں سمجھتا ہوں کہ مسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے۔“ (صفحہ ۲)

انگریز کی اطاعت فرض ہے

”سو میرا مذہب جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں ایک یہ کہ خدا کی اطاعت کریں دوسرے اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں ہمیں پناہ دی ہو سو وہ سلطنت حکومت برطانیہ ہے۔“ (صفحہ ۳)



اسلام کے دو حصے ہیں۔ اول اللہ کے ایک معبود ہونے کا اقرار اور دوسرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر مکمل اعتقاد مگر مرزائی مذہب میں دوسرا رکن انگریزی حکومت کی اطاعت ہے۔

### ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریز کی عملی مدد

مدعی نبوت نے حکومت برطانیہ کی اطاعت کو اسلام کا دوسرا حصہ بھی قرار دیا اور عملی طور پر انگریز کی مدد کرتے رہنے پر اپنا خاندانی رکارڈ بھی پیش کیا ہے۔ منجید کتاب کے پہلے صفحہ پر ہی لکھا ہے:-

”سند کے مفسدہ میں جبکہ بے تیز لوگوں نے اپنی محسن گورنمنٹ کا مقابلہ کر کے ملک میں شور ڈال دیا تب میسر والد بزرگوار نے پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر اور پچاس سوار بہم پہنچا کر گورنمنٹ کی خدمت میں پیش کئے۔  
مجاہدین آزادی جاہل و بدچلن تھے

”۱۸۵۷ء میں جو کچھ فساد ہوا اس میں بجز جہلار اور بدچلن لوگوں کے اور کوئی شامل نہیں ہوا۔“ (مسک)

جو شخص اپنے محسن انگریز کے مخالفین کو جاہل، بدچلن، بدکار، حرامی لکھے، کیا اسے مہذب سلیقہ مند بھی کہا جاسکتا ہے۔ نبی و رسول اور مہدی و مسیح ہونا تو بڑی بات ہے۔

### انگریز کا اعتراف

کتاب نگار کے (مدعی) بدکشتہ پنجاہ کے مراسلہ کو نقل کیا گیا ہے جو یہ ہے:-

”مشفق مہربان مرزا غلام قادر رئیس قادیان حفظہ

آپ کا خط ۲ ماہ حال کا لکھا ہوا ملاحظہ حضور میں جناب میں گذرا۔ مرزا

غلام مرتضیٰ صاحب آپ کے والد کی وفات سے ہم کو بہت افسوس ہوا۔ مرزا غلام مرتضیٰ سرکار انگریزی کا اچھا خیر خواہ اور وفادار بیش تھا ہم آپ کے خاندانی لحاظ سے اسی طرح عزت کریں گے جس طرح تمہارے باپ وفادار کی کی جاتی تھی ہم کو کسی طرح موقع کے نکلنے پر تمہارے خاندان کی بہتری اور پالنائی کا خیال رہے گا۔

المرقوم ۲۹ جون ۱۳۳۵ء الراقم فنانشل کمشنر پنجاب۔

### انگریز کی خیر خواہی کے لئے قرآن و حدیث کا تاکید حکم

ضمیمہ کتاب کو مرزا غلام احمد قادیانی نے ان جملوں پر ختم کیا ہے :-

”سو اس عاجز نے جس قدر حصہ سوم کے ہر چہ مشمول ہیں انگریزی گورنمنٹ کا شکر ادا کیا ہے وہ صرف اپنے ذاتی خیال سے ادا نہیں کیا بلکہ قرآن شریف اور احادیث نبوی کی ان بزرگ تاکیدوں نے جو اس عاجز کے پیش نظر ہیں مجھ کو اس شکر ادا کرنے پر مجبور کیا ہے۔“ (صفحہ ۷)

معاذ اللہ قرآن و حدیث پر کتنا بڑا بہتان ہے کہ ظالم و سرکش ملحد انگریز کی فخر گرداری کو قرآن و حدیث کا حکم بتایا جائے۔

انگریز کے لئے مرزا کی دعا

ضمیمہ کے حاشیہ پر مرزائے قادیان کی یہ غیرتناک دعا بھی درج ہے :-

”مہذب اور بارگم گورنمنٹ نے ہم کو اس بات کے لئے دلی جوش بخشا ہے کہ ہم انکی دنیا و دین کے دلی جوش سے یہودی و سلاطینی چاہیں تاکہ انکے گورے سفید منہ جس طرح دنیا میں خوبصورت ہیں آخرت میں نورانی و منور ہوں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی خود نوشتہ تحریروں سے روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ قادیانی نبوت و نبی کی برطانوی حکومت کی حمایت حاصل تھی اور انگریز مسلمانوں کو اسلام سے بیگانہ رکھنے کیلئے اس قسم کی تحریکات کی سرپرستی مسلسل کرتے رہے ہیں۔ مسلمانوں اور ملک کے تمام دیگر باشندوں کو انگریزوں کے ملک سے چلے جانے کے بعد انکی سرپرستی میں لٹنے والے فتنوں کو سمجھ کر انکے خلاف بھی سرگرم عمل رہنا چاہیے۔“

# جَبَّانِ کاغیروں نے اعتراض کیا۔

## صحابہ کرامِ غیمرِ مسلم و زہدین کی نظر میں

عبدالملک فاروقی متعلم دارالعلوم دیوبند

حقائق اور واقعات کا انکار کرنا بہت مشکل ہے، خصوصاً کسی ایسی کھلی ہوئی حقیقت کا انکار جس کا مشاہدہ ایک شخص نے نہیں، ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں نے اور ایک بار نہیں متعدد بار کیا ہو۔ اور جس کی صداقت و حقیقت کی گواہی ایک سچی اور ایک شہر کے لوگوں نے نہیں ایک عالم اور ساری کائنات نے مل کر دی ہو۔ یہ شان بے مثال اور یہ لازوال فوقیت مسلمانوں کے ان اکابر اور سلف کی اس مقدس اور خدا کی سب سے پیاری جماعت کو کیوں حاصل ہوئی؟ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ یہی حضرات آگے چل کر حضرت خاتم الانبیاء و اشرف الرسل محبوبِ داور شفیقِ محشر جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے عینی شاہد اور گواہِ عادل بنائے جانے والے تھے۔ اسی وجہ سے ان میں یہ عجوبہ روزگارِ خوبیاں پیدا ہو گئی تھیں اور اس کی بدولت ان کی ذواتِ عالیہ کو حضرت حق جل مجدہ نے ایک جہان سے خراجِ تحسین دلویا اور بتلادیا کہ جس نبی کے شاگرد ایسے باکمال اور جس رسول کے صحابی ایسے



عظیم النظیر اخلاق و صفات کے مالک ہوں، اُس رسول کی عنایت و جلال اخلاق و عادات،  
صدق و دیانت کا کیا مرتبہ ہو گا؟

خاتم المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب ازلالہ الخفایہ  
میں لکھا ہے کہ: جس وقت حضرت فاروق اعظمؓ کو بد نصیب ابو لولہ نے شہید کیا ہے اور  
اس حادثہ جانکاء کی اطلاع مدینہ منورہ سے نکل کر مالک اسلام میں پہنچی ہے تو ملک شام کا  
ایک پادری جس کے زیر اثر ایک عالیشان گرجا اور گرجے کے ساتھ کئی گاؤں معانی  
کے تھے بیخ کن کر دینے لگا اور مسلمانوں کے مجمع سے الگ ہو کر اپنی جماعت اور  
عیسائیوں کے گھروں پر پہنچ کر سب کو اطلاع دی کہ: آج امیر المومنین شہید ہو گئے۔  
لہذا ہم سب کو بھی غم منانا چاہیے۔ اور اس کے بعد ایک پتھر پر حسب ذیل عبارت  
کندہ کرا کر اپنے چرچہ کے صدر دروازے پر نصب کرا دی، جس میں اس نے لکھا  
تھا: یا عمر! ما کنت و لیا بل کنت والذی! یعنی اے عمر تم ہمارے حاکم اور بادشاہ  
نہ تھے، تم تو ہمارے ساتھ وہ سلوک کرتے تھے جو باپ اپنے بیٹے کے ساتھ کرتا ہے۔  
غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ کس کا اثر ہے اور کون اس طرح افسوس و حسرت کے  
ساتھ یہ کلمات کندہ کراتے پر مجبور ہو رہا ہے، یقیناً اُس وقت نہ تو خود حضرت فاروقؓ  
تھے اور نہ ان کے عتاب و سرزنش کا اندیشہ تھا اور پھر اس پادری کا مذہب بھی اسلام نہیں  
بلکہ مسیحی تھا اور ملک و قوم کے پھن جانے کا غضب بھی حد کو پہنچا ہوا تھا، پھر کیا چیز تھی  
جس نے اس کو اس عبارت کے کندہ کرا نے پر مجبور کیا؟ بس اس کے سوا اور کیا کہا جائے  
کہ یہ ان صحابہ کرام کا ذاتی اخلاق اور عادلانہ برتاؤ تھا، جس نے ان کے دشمن بھی ان کا  
دم بھرنے پر مجبور ہو جایا کرتے تھے۔

مشہور و معروف عیسائی مؤرخ سر ولیم میور اپنی کتاب

لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تیرہ برس پہلے تک ایک ذلیل حالت میں پڑا

ہوا تھا، مگر ان نیرہ برسوں میں کیا ہی عظیم اثر پیدا ہوا کہ سیکڑوں آدمیوں کی جماعت نے بت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش اختیار کی اور اپنے اعتقاد کے خلاف دجی الہی کی ہدایت کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے اور اسی قادر مطلق سے بکثرت و شدت دعائیں مانگتے اور اُس کی رحمت پر مغفرت کی امید رکھتے تھے اور حسنات، خیرات، پاکدامنی اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ انھیں شبِ روز اسی قادر مطلق کی قدرت کا خیال تھا اور یقین رکھتے تھے کہ وہی رزاق اور ہماری ادنیٰ سے ادنیٰ حوائج کا خبر گیر الہا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نئی حالت روحانی سے جس میں وہ ہمیشہ اپنے آقا کی یاد تازہ رکھتے تھے۔ مطمئن ہو کر اپنے مخالفین کی ہمہ گیر ذلت و رسوائی کا یقین رکھتے تھے۔ جناب محمدؐ کو جو ان کی ساری امیدوں کا مرکز تھے، اپنی حیات تازہ کا مطیع سمجھتے تھے اور ان کی ایسی کامل طور پر اطاعت کرتے تھے جو ان کے رتبہ عالی کے مناسب تھی، اس تھوڑے ہی زمانہ میں جبکہ مکہ اس عجیب و غریب تاثیر سے در حصوں میں منقسم ہو گیا تھا۔

مسلمانوں نے مصیبتوں کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کیا، تقریباً ایک سو دو مرد اور عورتوں نے اپنا گھر بار چھوڑا لیکن ایمان عزیز سے اپنا منہ نہیں موڑا اور جب تک کفار قریش کے مظالم ختم نہ ہو گئے یہ لوگ اپنا ملک چھوڑ کر ایک دوسرے ملک حبش میں ہاجر بن کر رہے، پھر اس کے بعد اس تعداد سے بھی زیادہ آدمیوں نے جنہیں ان کے نبیؐ اور صدیقؓ بھی شامل تھے، اپنے عزیز شہر اور مقدس سر زمین کعبہ کو جس کو وہ لوگ تمام روئے زمین سے زیادہ عزیز و محترم خیال کرتے تھے، چھوڑ کر مدینہ کی طرف کوچ کر گئے، ایک اور مورخ کاؤفری ہینکس اپنی کتاب

اپالوجی فرام محمدؐ میں اس طرح رقم طراز ہے: "ہاں جو دیکھ محمدؐ اور عیسیٰؑ کی ابتداء الیٰ سوانح عمری میں ایسے حالات میں جن میں بہت کچھ ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔ لیکن بعض باتوں میں بین طور پر اختلاف نظر آتا ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰؑ کے اولاد پر یہ

کو نا تربیت یافتہ اور نہایت کم رتبہ مانا گیا ہے، بخلاف (حضرت) محمدؐ کے اولاد میں ان کے کہ بجز ان کے غلام (زیدؓ) کے سب لوگ نہایت ذی وجاہت اور صاحب شرافت تھے، اور جب وہ اپنے نبیؐ کی وفات کے بعد سردار اور سارے مسلمانوں کے افسر بنائے گئے ہیں تو اُس زمانے میں ان کے کام کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ بڑے عقلمند اور اعلیٰ درجہ کی قابلیت کے لوگ تھے اور غالباً ایسے نہ تھے جن کو جھوٹا مسکار آدمی اپنے دام فریب میں پھانس لیتا۔ مجھ سے اگر کوئی یہی بات پوچھے تو میں بہ مجبوری اس کا اقرار کرتا ہوں کہ اگر لاگ اور نیوٹن جیسے اشخاص مذہب عیسوی کے محققین میں سے ہوتے تو مجھ کو بھی اپنے مذہب پر ویسا ہی اعتماد ہوتا جیسا مسلمانوں کو اپنے مذہب پر ہے۔ مسلمانوں کے پہلے چار خلفاء کے اطوار بالکل یکساں تھے۔ ان کی سرگرمی اور دلدادگی اخلاص کے ساتھ ہوا کرتی تھی اور مال و دولت پا کر بھی وہ لوگ اپنی عمریں ادائے فرائض اور اخلاقیات کی درستگی میں صرف کرتے رہے، بس یہی لوگ (حضرت) محمدؐ کے ابتدائی جملے شریک تھے اور یہ لوگ اس وقت سے (حضرت) محمدؐ کے شریک تھے، جس وقت محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت نہ تھی، ان کی سچائی اور اخلاص (اسی ایک بات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ایسے نازک اور آٹے وقت میں (حضرت) محمدؐ کی رفاقت کے لئے آمادہ ہوئے جب ان کے ساتھ نہ تو کوئی ظاہری شان و شوکت تھی اور نہ ہی کسی دنیاوی قوت کے حصول کی توقع، پھر اس معمولی حالت سے ایک اعلیٰ سلطنت پر قابض ہو جانے سے ان کی قابلیت اور قوت عمل کا اندازہ کرنا تو بہت ہی مشکل ہے۔

یہی مصنف اپنی اسی کتاب میں آگے چل کر مزید لکھتا ہے :-

..... اندر میں حالات کیا یہ کوئی داور کراٹنے کے لئے تیار ہے کہ وہ لوگ



جنہوں نے طرح طرح کی ایذائیں پائیں اور اپنے عزیز ملک و وطن سے جدا ہونا اختیار کیا خصوصاً یہ خیال کر کے کہ یہ سب باتیں ایک جماعت نے جسٹس ایک شخص کی محبت اور ایک آدمی کی دلدادگی کی وجہ سے برداشت کیں۔ ہرگز گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ان تمام باتوں کا مبداء اور مرکز جمل و خریب ہو گا۔ عیسائی میری اس بات کو یاد رکھیں کہ (حضرت) محمدؐ نے اپنے ماننے والوں میں اپنے دین کا نسخہ اس درجہ پیدا کر دیا تھا جو (حضرت) عیسیٰؑ کے ابتہرائی پیروؤں میں تلاش کرنے سے بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا مذہب بڑی تیزی کے ساتھ سارے عالم میں پھیلا اور نصف صدی سے کم زمانہ میں دنیا کی ہر بڑی سے بڑی قوت اور پُر شوکت سلطنتوں پر ان کا قبضہ ہو گیا۔

پنڈت دینا ناتھ اپنی کتاب "تاریخ مذاہب" میں لکھتے ہیں کہ: "مسلمانوں کی اس عالمیشان زرقی اور قوت پر پہونچ جانے کی اصل وجہ ان حضرات کا انھوں نے دنیا سے دنیا والوں کے سامنے پیش آنا تھا، ان کا وہ زبردست ایثار جو انھوں نے اپنے نبی کے ساتھ ان کے ابتدائی زمانہ تبلیغ میں دنیا والوں کے سامنے پیش کیا تھا، ایسا اہم اور قابل ستائش تھا، جس کو دیکھ کر اس وقت مشکل سے یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ ایسی کمزور مخلوق جس کے پاس نہ گھر ہے اور نہ مال دولت، اپنے ملک سے نکل کر دوسرے ملکوں پر بھی فتح پائے گی۔ مگر یہ سب مسلمانوں کی پہلی جماعت کے لوگوں کے ایثار و قربانی کا نتیجہ تھا۔"

# مجدد الف ثانی کی تعلیمات

مرتبہ، ماسٹر محمد عمر، خان گرٹھ

حقیقت تصوف فرمایا، فقیر کے نزدیک طریق صوفیاء حقیقت میں علوم شریعت کا خادم ہے، نہ کہ شریعت کے مخالف، نیز طریق صوفیہ کے سلوک سے یہ مقصود ہے کہ احکام فقہیہ کے ادائے میں آسانی ہو جائے اور وہ مشکل دور ہو جائے، جو نفس کی آمادگی سے پیدا ہوتی ہے، اس لئے طریق صوفیاء حقیقت میں علوم شریعت کا خادم ہے، (جلد نمبر ۲)

کشف شہود الہام فرمایا، جو کچھ اعتبار کے لائق ہے وہ کتاب و سنت ہے، جو وحی قطعی خوارق عادات کرامات سے مقرر ہے، علماء کا اجتماع و اجتہاد مجتہدین بھی اپنی دو اصولوں پر مبنی ہے، ان کے علاوہ جو کچھ ہو خواہ صوفیاء کے معارف ہوں یا ان کے کشف و الہام، اگر ان اصولوں پر ہوں تو مقبول ہیں وگرنہ مردود ہیں،

خوارق عادات و کرامات کا بکثرت ہونا کس ولی کی فضیلت پر دلیل نہیں، ممکن ہے کوئی شخص جس سے کوئی خرق عادت و کرامت ظہور پذیر نہ ہوئی ہو وہ اس شیخ سے افضل ہو جس سے اکثر کرامات کا ظہور سوتا رہتا ہو، بعض اولیاء اللہ جن سے کرامات و خوارق عادات ظاہر ہوئیں وہ آخر دم تک ان کے ظہور سے نادم ہوئے اور اکثر افسوس کرتے رہے کہ کاش ہم سے اس بات کا ظہور ہوتا اب سوال پیدا ہوتا ہے، خوارق عادات کا ظاہر ہونا ولایت کی شرط نہیں، ولی اور غیر ولی میں کیسے پہچان ہوگی اور سچے کو کھوٹے سے کیسے ٹھیکہ کیا جائیگا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمیز نہ ہونہ سمجھتی

کا باطل کے ساتھ مل کر ہونا اس چہان کے لوازم سے ہے اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا ضروری ہے، ہاں بنی کو اپنی نبوت کا علم ہونا اور خلائق عادات ہونا ضروری ہے، مگر نبی کا معجزہ بھی نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا بنی کو اپنی شرع کے مطابق عمل کرتا ہے، جب ولی کو اپنی شریعت کی متابعت کرنا ضروری ہے، اس کے لئے خلائق عادات ہونا ضروری نہیں، اس کے علاوہ مرید رشید اور طالب صاوق مستعد ہمت عالی اپنے شیخ کے ہر معاملات سے خلائق و کمالات محسوس کرتا ہے اولیاء اللہ نے جسمانی زندگی سے منہ پھیر کر روحانی زندگی کی طرف قدم بڑھایا اس لئے یہی لوگ زمین کا اسن اور غنیمت روزگار ہیں، انہی کے طفیل لوگوں پر مددش ہوتی ہے، انہی کے طفیل مخلوق کو رزق ملتا ہے، بہم یزد قن و بہم بھرون، ان کی نظر شفا ہے یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہیں، اور ان کا ہم نشین بد بخت نہیں ہوتا، جس کی صحبت سے حق تعالیٰ کی طرف توجہ پیدا ہو جائے وہ شخص سچا ہے اور درجات کے فرق کے مطابق وہ اولیاء اللہ میں شمار ہے۔

**پابندی نماز** نماز پنج وقتی باجماعت ادا کریں، اور زکوٰۃ رخصت سے ادا کریں، جوانی میں معمولی سائیکل عمل بھی بڑا اہم ہوتا ہے، کل بڑھاپے میں حواس اور قوتیں ست ہو جائیں گے، جمیت قلب کے اسباب پر آگندہ ہو جائیں گے، تو عنوائے حسرت و یاس اور عداوت و پریشانی کے کچھ حاصل نہ ہو گا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کل تک حق تعالیٰ اہمیت ہی نہ دیں اور مذلت و پشیمانی کا موقع جو ایک طرح کی توبہ ہے وہ بھی نصیب نہ ہو۔

**فرائض کی تاکید** جن اعمال سے خداوند تعالیٰ سبحانہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، وہ فرائض ہیں فرائض کے مقابلے میں نوافل کا کچھ اعتبار نہیں، فرضوں کے مقرب و مقربوں میں سے وقت پر ایک فرض کا بجالانا ستر سال کے نوافل ادا کرنے سے بہتر ہے، اگرچہ وہ نوافل نفل نبی کے ساتھ ادا کئے جائیں اور خواہ ان نفلوں کا تعلق نماز، زکوٰۃ، روزہ اور ذکر یا اس کی مانند دیگر عبادات ہوں، بلکہ فرض ادا کرتے وقت سنتوں میں سے کسی سنت کا اور مستحب میں سے کسی مستحب کا بجالانا بھی کیوں نہ ہو۔



ایک مرتبہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبح کی نماز پڑھائی آپ نے نماز کے بعد جماعت پر نگاہ ڈالی، اس وقت ایک صحابی کو موجود نہ پایا، پوچھا ظاہر شخص جماعت میں کیوں حاضر نہ ہوئے حاضر حضرات نے عرض کی کہ وہ اکثر شب بیدار رہتے ہیں، اس لئے ممکن ہے ان پر نیند کا غلبہ ہو گیا ہو گا۔ آپ نے فرمایا اگر وہ ساری رات سویا رہتا اور فجر کی نماز جماعت پڑھ لیتا تو یہ اس کے لئے ہزار درجے افضل ہوتا۔

ایک دانگ دھو رتی، سونے کا فرضیہ زکوٰۃ کے حساب میں دینا، مرتبہ میں سونے کے پہاڑ جتنی مقدار نفل خیرات دینے سے افضل ہے، اور اس کے ایک دانگ کے دیتے وقت کسی شرعی محتب اور ادب کا بجالانا مثلاً کسی قریبی محتاج کو دینا بھی درجے میں نفل خیرات کا ہزار روپیہ خرچ کر جانے سے بہتر ہے۔

**عمل کا وقت ضائع نہ کریں** | عمل کا وقت گزرتا جا رہا ہے، اور ہر لمحہ جو گزرتا ہے وہ عمر کو گھٹاتا ہے اور موت کی مقررہ گھڑی کو قریب لاتا ہے اگر آج خبردار نہ ہوئے تو کل مرنے کے بعد حسرت و ندامت کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا، اور گزرا ہوا وقت ہاتھ نہ آئے گا، اس لئے احتیاط کرنی چاہئے کہ اس زندگی کے چند روز شریعت مطہرہ کے مطابق گزر جائیں تاکہ نجات کی امید کی جاسکے، یہ وقت عمل کرنے کا ہے اور عیش و عشرت کا وقت آئندہ آنے والی زندگی میں ہے، اور اس جہاں میں کئے ہوئے نیک اعمال کا ثمرہ ہے، اس جہاں میں عمل کے وقت کو عیش و عشرت میں گنوا دینا ایسا ہے جیسے کہ کوئی اپنی کھیتی کو پکنے سے پہلے کھا جائے، فصل کٹنے کے موسم میں اس کے پختہ پھل سے محروم رہے۔

ضرورت معاش کے بعد دینا کے ساتھ تعلق رکھنا چاہئے، ماہر باقی سالہا وقت آخرت میں کام کرنے والے اعمال بجالانے میں مصروف کرنا چاہئے، حاصل کلام یہ ہے کہ دلہا سماعی اللہ تعالیٰ کی گرفتاری سے محفوظ رہو یا دُعا میں ہمہ وقت مصروف رہو، فراغت کو غنیمت سمجھنا چاہئے، ساری عمر بے فائدہ کاموں میں نہ گنوانی چاہئے، ماہر اپنی سالہا زندگی موزنیت مونی میں صرف

کردینی چاہیے۔

**ذکر اللہ کا طریقہ** | بائیں جانب گوشت کا نو قطرہ قلب حقیقی کے لئے حجرہ سا ہے اسم مبارک اللہ کو اس قلب پر وارد کرنا ہے، اور ہمت قلب کی طرف متوجہ ہو کر شیخ حاضر ناظر محض ذات حق تعالیٰ کو سمجھیں۔

**اتباع سنت کی تاکید** | اگر کوئی بات سنت اور بدعت کے درمیان پڑتی ہے تو سنت سمجھ کر اسے پورا کرنے کی نسبت اسے بدعت سمجھ کر ترک کر دینا بہتر ہے بدعت میں ضرر کا احتمال ہے، اور سنت میں نفع کی امید، اسی لئے ضرر کے احتمال کو نفع کی امید پر ترجیح دے کر بدعت کو ترک کر دینا ضروری ہے۔

**آداب شیخ کی تاکید** | پیروہ ہے کہ جو مرید کو حق سبحانہ کی طرف راہنمائی کرے یہ بات طریقت کی تعلیم میں زیادہ واضح ہے، کیونکہ شیخ شریعت کی تعلیم کا استاد بھی ہے اور طریقت کا رہنما بھی اس لئے پیر کے آداب کی رعایت از حد ضروری ہے، اس طریق میں اصل مقصد اور ریاضت و مجاہدۃ کاملہ عظام شرعی کی بجا آوری اور سنت کی متابعت میں تاکہ نفس امارہ کی خواہشات دور ہوں، احکام شرعی کی بجا آوری نفس پر سب باتوں سے زیادہ دشوار ہے، سنت کی تقلید کے علاوہ اور ریاضتیں مقبرہ نہیں، اس لئے شیخ کی توجہ و تصرف کے بغیر کام نہیں چلتا، اور صحبت شیخ کی توجہ و تصرف قوی ہوتی ہے، ان کی صحبت میں افادہ زیادہ تر خاموشی ہے، اہل حق کی بات یہ ہے کہ انہوں نے انوار نبوت سے نور لیا، انکی صحبت میں یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بواسطہ قلب اقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے شیخ کے قلب کے واسطے سے میرے قلب میں پڑی ہے۔

**فرائض کی تاکید** | فرائض کو چھوڑ کر نوافل میں مشغول ہونا لایینی میں شمار ہے اپنے حالات کی تفقیر کرنی چاہئے کہ میں فرائض میں مشغول ہوں یا نوافل میں، مثلاً ایک نفل حج کیلئے اتنے ممنوعات کا ترک نہیں ہونا چاہئے، لایینی میں مشغولیت خدا سے روگردانی ہے چاہے حج جیسی عبادت ہی کیوں نہ ہو، حج کے لئے استطاعت شرط اول ہے اس کے بغیر تقصیر اوقات ہے، ضروری کام کو چھوڑ کر غیر ضروری کام میں مشغول ہونا لایینی میں شمار ہے۔



دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

# کلام اللہ





دارالعلوم حبيب بن کایو جمان

# دارالعلوم

شماره نمبر ۲ بابہ ماہ نومبر ۱۹۸۶ء مطابقت مع رجب الاول ۱۴۰۷ھ جلد نمبر ۱

نہ گران

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مولانا حبیب الرحمن قاسمی فی پچہ 3/- سالانہ 30/-

سالانہ بدل اشتراک سعودی عرب، کویت، ابوظہبی جنوبی مشرقی افریقہ، برطانیہ 160/-

بیرون ممالک سے امریکہ، کیناڈا وغیرہ بذریعہ ایریل — 160/-

پاکستان 60/- ہندوستانی، بنگلہ دیش 40/- ہندوستانی

○ سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زرتعاون ختم ہو گیا۔  
(محبوب پرنٹنگ پریس دیوبند)

## فہرست مضامین

نمبر شمار	نکات	مضامین نگار	صفحہ
۱	حرف آغاز	مولانا معزالدین گونڈوی	۳
۲	عہد رسالت میں حدیث کیسے نقل ہوئی	مولانا محمد حنیف علی	۲۱
۳	مطالعات و تعلیقات	مولانا قاضی اطہر مبارکپوری	۲۲
۴	تاریخ طبری سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ	مولانا اسیر ادری	۲۹
۵	سیف مسلول	مولانا عزیز اللہ اعظمی فاضل دیوبند	۳۹
	سیرت نبویؐ ایک نظریں	مولانا حبیب الرحمن قاسمی	۵۳

## ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گزارش

(۱) ہندوستانی خریداروں سے ضروری گزارش ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پا کر اول فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر روانہ کریں۔

(۲) پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ ۶۰ روپے ہندوستانی مولانا عبد السلام صاحب مہاکرم علی والا تحصیل شجاع آباد، ملتان پاکستان کو بھیج دیں اور انھیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کر لیں۔

(۳) خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمائیں، خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

والسلام

(منیجر رسالہ)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## حشر آغاز

رپورٹ اجلاس تحفظ ختم نبوت ۲۹/۳۰/۳۱ اکتوبر ۱۹۹۶ء

از مولانا معین الدین گوندوی  
معین مدرس دارالعلوم دیوبند

اسلامیان ہند کی تاریخ شاہد ہے کہ برصغیر میں جب بھی اسلام یا مسلمانوں کے خلاف کسی فتنہ نے سراٹھایا ہے تو دارالعلوم نے آگے بڑھ کر اس کا کامیاب مقابلہ کیا ہے، اور بھگت سنگھ آج بھی یہ قلعہ اسلام (دارالعلوم) خرمین باطل کے لئے برق بے اماں بنا ہوا ہے چنانچہ ہندوستان میں قادیانیت کے فتنہ خفہ کی از سر نو حرکت کے پیش نظر دارالعلوم کی مقرر مجلس شوریٰ نے اپنے ۲۹/۳۰/۳۱ شعبان ۱۴۱۷ھ کے اجلاس میں یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ اس وقت سرزمین ہند پر قادیانیت کا عفریت پھر پنجہ گاڑنے کی تدبیریں کر رہا ہے اسلئے فوری طور پر اس کا علمی و عملی تعاقب ہونا چاہئے اور اہل علم و دانشورانِ ملت کو جمع کر کے اس کے تازہ پیرس کو تار تار کرنے کی جدوجہد کو تیز کر دینا چاہئے۔

مجلس شوریٰ کی تجویز کے مطابق دارالعلوم کی انتظامیہ نے ۲۹/۳۰/۳۱ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ اور اساتذہ دارالعلوم پر مشتمل ایک تیاری کمیٹی بنائی گئی جس کا نگران حضرت مولانا معراج الحق صاحب صدر المدین دارالعلوم دیوبند کو منتخب کیا گیا اور کنوینر جناب مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری استاذ دارالعلوم دیوبند

کو بنایا گیا، اس کمیٹی نے اساتذہ دارالعلوم، کارکنان مدرسہ اور طلبہ دارالعلوم کے تعاون سے اجلاس کا ایسا عمدہ اور موثر نظام مرتب کیا، اور ایسے نظم و نسق سے اس کو چلایا کہ ہر شریک اجلاس تعریف و تحسین کے بغیر نہ رہ سکا، اور اجلاس تمام تر کامیابیوں سے ہمکنار ہوا، قیام و طعام اور ریلوے اسٹیشن آمد و رفت کے سلسلہ میں معزز مہمانوں کو ہر قسم کی سہولت پہنچانے کی کوشش کی گئی اور ہر مندوب اجلاس کو رد قادیانیت کے سلسلہ کی دس عدد کتابیں بطور تحفہ دی گئیں جسے اجلاس کے موقع پر دفتر اجلاس نے شائع کیا تھا۔

یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اجلاس منتخب علماء و مشاہیر کی مخصوص علمی کانفرنس کے طور پر بلایا گیا تھا اس لئے دعوت نامے بھی محدود تعداد میں ارسال کئے گئے تھے لیکن اجلاس کی خبر سے ملک کے ہر علاقہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اجلاس میں شرکت کی خواہش کا اظہار زبانی اور خطوط کے ذریعہ ان حضرات کی طرف سے بھی جو باقاعدہ مدعو نہیں تھے ہونے لگا، اس لئے ایسے حضرات کے لئے بھی اجلاس کی نشستوں میں گنجائش رکھی گئی، چنانچہ ہندوستان کے ائمہ و بزرگوں کے علاوہ بنگلہ دیش، پاکستان، بھارت، اٹلی، سعودی عرب وغیرہ سے مندوبین سمیت ایک محتاط اندازہ کے مطابق تقریباً دس ہزار افراد نے شرکت کی، مشاہیر ہندوستان کے علاوہ دیگر بلاد اسلامیہ سے آنے والوں میں رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سکرٹری عبداللہ عمر نصیف الموقر، اخبار الاتحاد کے نامہ نگار محمد یاسل الرفاعی، جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی، اسلامک فونڈیشن ڈھاکہ کے ڈائریکٹر جناب مولانا فرید الدین مسعود وغیرہ حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اجلاس کی تمام کارروائی چھ نشستوں میں ہوئی جن میں چوتھی نشست تہجد و نذر کے لئے خاص تھی جبکہ پانچویں نشست میں صرف طلبہ و علماء کا پروگرام پیش کیا گیا بنظر اختصار ان نشستوں کی اجمالی کیفیت ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔

**پہلی نشست**۔ افتتاحی اجلاس ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو صبح ۹ بجے حضرت مولانا

محمد منظور نعمانی رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی صدارت میں منعقد ہوا، جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب صدر شعبہ تجوید دارالعلوم دیوبند کی تلاوت کلام پاک سے اجلاس کا آغاز ہوا، تلاوت کے بعد دارالعلوم کا مشہور ترانہ مولوی عرفان رامپوری، مولوی محمد عدنان دیوبندی، مولوی عبدالقیوم مظہری نے پیش کیا، پھر حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے انتہائی جامع دقیق اور تاریخی خطبہ استقبالیہ پیش کیا، اس کے بعد عالم اسلام کے مشہور عالم دین اور داعی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی.... ندوی مدظلہ نے افتتاحی تقریر فرمائی جس میں دارالعلوم کے اس اقدام کی تحسین فرماتے ہوئے فرمایا کہ حفاظت اسلام کا کام ہمیشہ علماء اسلام ہی نے انجام دیا ہے اور ضروری ہے کہ آج بھی علماء کرام فتنہ قادیانیت کے مقابلہ میں پوری تیاری کے ساتھ سامنے آجائیں۔

اس کے بعد صدر اجلاس حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کے خطاب عالی و دعا پلاس نشست کا اختتام ہوا۔

دوسری نشست ۱- ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو بعد نماز عشاء ۹ بجے زیر صدارت حضرت مولانا قاضی زین العابدین صاحب رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند منعقد ہوئی۔ اجلاس کا آغاز قاری عبدالرؤف صاحب بلند شہری استاذ تجوید دارالعلوم دیوبند کی تلاوت سے ہوا، بعد مولوی شفیق عالم بستوی معلم دارالعلوم دیوبند نے رد قادیانیت کے موضوع پر اپنی ایک لکھی ہوئی نظم پیش کی، اس اجلاس میں حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، مولانا حبیب الرحمن قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند، مولانا برہان الدین صاحب قاسمی سنیہل استاذ ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا ریاض احمد قاسمی فیض آبادی نے اپنے مقالات پیش کئے اور حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب جوپوری دامت برکاتہم اور حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب کلکی مدظلہ نے اپنے خطابات عالیہ سامعین کو مستفید فرمایا، صدر اجلاس کی تقریر اور دعا پلاس کا اختتام ہوا۔

تیسری نشست ۲- ۳۰ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو صبح ۸ بجے شروع ہوئی جس کی صدارت



جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم صاحبزادہ شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے فرمائی، قاری محمد زکریا گونڈوی متعلم دارالعلوم دیوبند کی تلاوت سے اس اجلاس کا آغاز ہوا، پھر عبدالوحید صاحب اشک نے ایک استقبالیہ نظم پیش کی۔

اس اجلاس میں حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہ کا مقالہ مولانا محمد نعیم صاحب استاذ جامعہ رحمانیہ مونگیر نے پڑھ کر سنایا، اور حضرت مولانا نسیم احمد فریدی امر وہہ، مولانا فرید الدین مسعود ڈھاکہ، مولانا عبدالحی صاحب فاروقی دہلی، مولانا عزیز احمد قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند، اور مولانا مفتی ظفر الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند نے اپنے وضع مقالات پیش کئے اور حضرت مولانا قاری محمد شتاق صاحب شیخ الحدیث مدرسہ فادم الاسلام ہاپور، حضرت مولانا منظور احمد مظاہری قاضی شہر کانپور، حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب ناظم مجلس علمیہ آندھرا پردیش، حضرت مولانا عبد العظیم صاحب فاروقی لکھنؤ، مولانا محمد عارف صاحب سنبھلی قاسمی استاذ ندوۃ العلماء لکھنؤ اور جناب ولی الدین صاحب حیدرآبادی (موصوف قادیانیت سے تائب ہوئے ہیں) نے اپنے خطابات اور تقریروں سے حاضرین اجلاس کو محفوظ فرمایا، صدر اجلاس کے خطاب عالی پر اجلاس کا اختتام ہوا۔

چوتھی نشست :- حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مستم دارالعلوم دیوبند کی صدارت میں (جو مندوبین کے لئے مخصوص تھی) ۳۰ اکتوبر کو بعد نماز ظہر منعقد ہوئی، قاری عبدالرؤف صاحب کی تلاوت سے اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی، اس اجلاس میں چھ تجویزیں پیش کی گئیں اور مندوبین نے ان کو منظور فرمایا۔

تجویز ۱ :- تحفظ ختم نبوت کا یہ اجلاس ہندوستان میں قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں پر انتہائی تشویش کا اظہار کرتا ہے، اور ملک میں اس فتنہ کی از سر نو حرکت کو دین اور وطن دونوں کیلئے نہایت خطرناک تصور کرتا ہے، اس فتنہ کی ہلاکت خیزیوں کی

بنیاد ضروری سمجھتا ہے کہ منظم ہو کر ملک گیر پیار نہ پر اس کا مقابلہ کیا جائے اس لئے یہ تجویز کرتا ہے کہ  
الف۔ کل ہند سطح پر مجلس ختم نبوت کی تشکیل کی جائے

ب۔ مرکزی نظام قائم کرنے کیلئے ارکان منتظمہ پورے ملک سے منتخب کر لئے جائیں  
ج۔ نوایا گیارہ افراد پر مشتمل ایک سب کمیٹی بنادی جائے جو مجلس مرکزیہ کے  
اصول و ضوابط اور طریقہ کار کا مسودہ تیار کرے، کام میں تیزی اور سہولت پیدا کرنے  
کے لئے اس سب کمیٹی کو اختیار دیا جائے کہ وہ ملک کے صوبوں میں مجلس کی شاخیں قائم  
کرے، نیز مرکزی دفتر کے انصرام و انتظام کی ذمہ داریوں کو پورا کرے، سب کمیٹی کے افراد  
حسب ذیل ہوں گے، حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا  
سید اسعد مدنی صدر جمعیت علماء ہند، حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب قاضی شہر  
کانپور، حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری استاذ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا  
مفتی عبدالعزیز صاحب رائے پوری، مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی، مولانا عبد العظیم صاحب  
فاروقی دارالبلغین لکھنؤ، منتظمہ اور سب کمیٹی دونوں کے کنوینر حضرت مولانا مرغوب الرحمن  
صاحب ہوں گے اور عارضی دفتر دارالعلوم دیوبند میں ہوگا

د۔ یہ اجلاس دارالعلوم دیوبند اور اس کے ارکان سے اپیل کرتا ہے کہ وہ مجلس  
تحفظ ختم نبوت الہند کی سرپرستی فرماتے رہیں گے اور علمی و تبلیغی امور میں ان کا تعاون  
مجلس کو حاصل رہے گا۔

تجویز ۲۔ تحفظ ختم نبوت کا یہ اجلاس حکومت ہند کو اس طرف توجہ  
دلانا ضروری سمجھتا ہے کہ ہندوستان اور دنیا بھر کے تمام مسلم علماء اور پوری ملت  
اسلامیہ مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں کو جنہیں ۔۔۔ قادیانی، احمدی، لاہوری  
وغیرہ مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے ایک جھوٹے مدعی نبوت کی پیروی کی بنا پر مرتداد اور  
مسلمانوں سے علاحدہ ایک اقلیت قرار دے چکے ہیں اور بہت سی مسلم حکومتیں مسلمانوں کے

اس اجماعی اور متفقہ فیصلہ کو قانونی حیثیت دے کر اپنے اپنے ملکوں میں اسکا نفاذ کر چکی ہیں اس لئے یہ عظیم اسلامی اجلاس حکومت ہند سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مسلمانان ہند کے دینی جذبات اور عالم اسلام کے اس متفقہ فیصلہ کا احترام اور لحاظ کرتے ہوئے قادیانی فرقہ کو ملت اسلامیہ سے الگ ایک اقلیت قرار دے اور مسلمانوں کے مخصوص معاملات اور حقوق میں اس فرقہ کو شریک نہ کرے۔

تجربہ ۳۔ تحفظ ختم نبوت کا یہ اجلاس وزیر قانون اور وزیراعظم ہند کے ان بیانات کو جن میں ملک کے اندر یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی بات کہی گئی ہے انتہائی تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے، کیونکہ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس میں متعدد مذاہب کے پیرو بستی ہیں اس ملک میں ایک زبان، ایک تہذیب اور ایک مذہب نہ کبھی ہوا ہے اور نہ کبھی ہو سکتا ہے، اس لئے جمہوریت اور آزادی فکر و رائے کے اس دور میں یکساں سول کوڈ کا تجربہ نہ صرف یہ کہ یہاں بسنے والے مختلف اہل مذہب کے ذہنی و فکری انتشار کا سبب بنے گا بلکہ ملک کی سالمیت اور قومی یک جہتی کو بھی پاش پاش کر دے گا

علامہ ازیں یکساں سول کوڈ کے نفاذ سے مسلم پرسنل لا کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی، اور مسلمان کسی حال میں بھی اسے برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی فرد یا حکومت خواہ وہ مسلمانوں ہی کی کیوں نہ ہو اس کے دینی و مذہبی معاملات میں دخل اندازی کرے، اس لئے مسلمانوں کی نظریں ہر وہ کوشش جو شرعی احکام اور اسکے ضابطوں کو ختم کرنے کیلئے یا گھٹانے بڑھانے کے لئے کھلے گا مداخلت فی الدین کے نام سے ہے۔

اس لئے یہ اجلاس حکومت ہند سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس خطرناک اسکیم سے جو ملک و قوم دونوں کو انتشار اور پرانگیزی میں مبتلا کر دے، دست بردار ہو جائے اور بغرض اگر وہ اس اسکیم کو بروئے کار لانے ہی کے درپے ہے تو کم از کم مسلمانوں کو دفعہ ۴۴ سے مستثنیٰ رکھے کیونکہ یہ اسکیم مسلمانوں کیلئے کسی صورت سے بھی قابل قبول نہ ہوگی۔



**تجویز نمبر ۱۔** تحفظ ختم نبوت کا یہ عظیم اجلاس تمام برادران ملت اور اپنے دینی بھائیوں کو اس امر کی جانب توجہ دلانا اپنا ایک اہم فریضہ سمجھتا ہے کہ قادیانی فرقہ باجماع ملت اسلامیہ مرتد اور کافر ہے اس لئے مسلمانوں کو ان کے اسلامی ناموں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے، یہ اسلام دشمن گروہ مسلمانوں میں گھس کر قرآن و حدیث کا نام لے کر اور مختلف قسم کے لالچ دے کر بھولے بھالے اور سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے دام فریب میں گرفتار کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اس لئے مسلمان ان سے ہمہ وقت چوکتا رہیں اور ان کے ساتھ کسی طرح کا میل جول نہ رکھیں

**تجویز نمبر ۲۔** تحفظ ختم نبوت کا یہ عالمگیر اجلاس قادیانی فتنہ کے تعاقب اور اس کی اسلام دشمن سازش کو بے نقاب کرنے کے سلسلہ میں رابطہ عالم اسلامی، موتمر عالم اسلامی الجامعہ الازہر، مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان اور دیگر عالمی اداروں کے مساعی جمیلہ کو بنظر استحسان دیکھتا ہے اور انھیں اس کارکردگی پر خراج تحسین پیش کرتا ہے

یہ اجلاس اپنے اس یقین کا اظہار بھی مناسب سمجھتا ہے کہ مسلم علماء، دانشوران ملت اور اسلامی ادارے اس فتنہ کی مکمل سرکوبی کیلئے سرگرم عمل رہیں گے اور مجلس تحفظ ختم نبوت الہند کے ساتھ بھرپور تعاون کریں گے۔

**تجویز نمبر ۳۔** دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس دینیہ کا اصل مقصد حفاظت و اشاعت دین کیلئے افراد سازی ہے، اب گونا گوں اسباب کی بنا پر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مقصد کیلئے ایک مخصوص شعبہ قائم کیا جائے جس میں منتخب فضلاء دارالعلوم کو دین کی اشاعت اور وقت کے فتنوں سے دین کی حفاظت کیلئے تیار کرنے پر خصوصی توجہ دی جائے۔

یہ اجلاس دارالعلوم دیوبند کی موقر مجلس شوریٰ سے اس شعبہ کو دارالعلوم دیوبند میں قائم کرنے اور اس جانب خصوصی توجہ کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔

**پانچویں نشست**۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو پراچے شب میں زیر صدارت حضرت مولانا مفتی منظور احمد مظاہری قاضی شہر کانپور رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند منعقد ہوئی، یہ نشست

طلبہ دارالعلوم کیلئے مخصوص تھی جس میں طلبہ دارالعلوم نے اپنی محنت و کاوش کو مقالات اور تقریروں کی شکل میں پیش کیا سامعین نے ذوق و شوق سے سنا، اور اندازے سے زیادہ یہ اجلاس کامیاب ہوا۔

اجلاس کی کارروائی قاری شفیع الرحمن بلند شہری متعلم دارالعلوم کی تلاوت سے شروع ہوئی طلبہ دارالعلوم میں سے مولوی ریاست علی رامپوری، مولوی محمد سفیان دیوبندی، مولوی شرافت علی سہارنپوری، مولوی محبوب اللہ درہنگوی، مولوی اختر امام عادل سمیٹی پوری نے اپنے مقالات پیش کئے اور مولوی سید محمد سلمان منصور پوری، مولوی سعید الرحمن بستی، مولوی خلیل الرحمن پورنوی، مولوی عبدالکریم گورکھپوری نے تقریروں سے سامعین کو ہمتن گوش کیا اسی اجلاس میں ڈاکٹر احمد غیل رئیس شئون الدینیہ للفتوحات المسلمہ کا بیغام جناب محمد باسل الرفاعی نامہ نگار اخبار الاتحاد، دبئی نے پڑھ کر سنایا، صدر اجلاس کی تقریر و دعا پر اس نشست کا اختتام ہوا۔

**چھٹی نشست :-** کا آغاز ۱۳ اکتوبر جمعہ کو صبح ۸ بجے ہوا جس کی صدارت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیتہ علماء ہند نے فرمائی۔ جناب قاری سید قمر احسن میرٹھی کی تلاوت سے اجلاس کا آغاز ہوا، جناب مولانا نور الحق حیدر آبادی نے بارگاہ رسالت میں تدرائے عقیدت پیش کیا۔

اسکے بعد مولانا رشید الوحیدی دہلی اور مولانا جمیل احمد ندیری اعظم گڑھ نے اپنا اپنا مقالہ پیش کیا پھر مولانا ابوالقاسم بنارسی نے تبادیہ پڑھ کر سنائے جسے اجلاس نے منظور کیا اور مولانا سید احمد پالن پوری استاذ دارالعلوم نے تقریر فرمائی، اس کے بعد دارالعلوم کا ترانہ پڑھا گیا، پھر حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب ہتھم دارالعلوم کی جانب سے جناب مولانا نور عالم صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند ایڈیٹر الداعی نے مہمان محترم ڈاکٹر عبد شہر نصیف جنرل سکریٹری رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ بعدہ مہمان محترم نے اجلاس سے خطاب فرمایا اور دارالعلوم

# عہد رسالت میں حدیث کیسے نقل ہوئی

مولانا محمد حنیف مٹلی

حدیث کے باب میں ہم نے صحابہ کی جستجو اور انہماک کا اندازہ لگایا اور یہ بھی جان لیا کہ حدیث بیان کرتے وقت ان کا تقویٰ اور خشیت کتنی زبردست تھی کہ ایک ایک صحابی بڑے اشتیاق سے حروف، کلمات اور مفہوم ضبط کر کے روایت کرتا تھا، بلکہ کبھی کسی سے کچھ دریافت کیا جاتا تو اس کی خواہش ہوتی کہ یہ بار کوئی اور اٹھا لیتا تو اچھا ہوتا، اور بعضوں کے بارے میں تو یہاں تک مطلب ہے کہ کمی اور بیشی کے اندیشہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کرنے سے بھی انکار کر دیتا تھا، اس کی مثال حضرت علامہ بن سعد بن مسعود کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک صحابی سے کہا گیا کہ فلاں فلاں کی طرح تم حدیث کیوں نہیں بیان کرتے، انہوں نے کہا ایسا نہیں ہے کہ میں نے ان لوگوں کی طرح پیغمبر علیہ السلام کی حدیث نہ سنا ہوا ان کی طرح آپ کی مجلسوں میں شریک نہ ہوا ہوں، لیکن میں اس لئے روایت نہیں کرتا کہ کہیں کچھ ہی دنوں کے بعد لوگ غفلت برتنے لگیں، اور آج ایسے لوگ موجود ہیں جو حدیث کی حفاظت کیلئے کافی ہیں اور مجھے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کمی بیشی پسند نہیں ہے۔

قلبت حدیث اور احتیاط کے ساتھ ہمارے لئے یہ تحقیق کر لینا بھی ضروری ہے کہ آخر



صحابہ حدیث کس طرح روایت کرتے تھے آیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ تک محفوظ رکھتے تھے یا ارشاد گرامی کے مفہوم کو بدلے بغیر اسے اپنے الفاظ اور اپنی زبان میں نقل کرتے تھے۔ روایتوں پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے صحابہ آپ کے ارشاد مبارک کا ایک ایک لفظ نقل کرنے کے بے حد خواہش مند تھے اور بعض نے بوقت ضرورت روایت بالمعنی کی اجازت دے دی، اسی طرح تابعین بھی صحابہ کے نقش قدم پر عمل کرتے ہوئے دونوں رائے کے حامل تھے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابہ اور تابعین یہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا ہے بحیثیت مجموعی دوسروں تک پہنچا دیا جائے، اسی لئے بعض صحابہ نے یہ بھی گوارا نہیں کیا کہ حدیث کے کسی لفظ اور کلمہ کو بدل دیں، یا کسی کو آگے پیچھے کر دیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ فرمایا کرتے تھے: "من سمع حدیثاً فحدث بہہ کما سمع فقد سلم" جس نے حدیث سن کر لفظ بلفظ نقل کر دیا وہ محفوظ ہو گیا، یہی قول ابن عمرؓ، زید بن ارقمؓ وغیرہ صحابہ کا بھی ہے، صحابہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ الفاظ حدیث من وعن نقل کرنے میں بڑے سخت تھے، حضرت ابو جعفر بخوالہ محمد بن سوہب نقل کرتے ہیں کہ جب وہ کوئی حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے یا کسی موقع پر آپ کے ساتھ شریک رہتے تو حدیث نقل کرنے میں کمی بیشی نہیں کرتے تھے، حضرت ابو جعفر کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمرؓ ایک مجلس میں تھے، حضرت عبید بن عمیرؓ مکہ والوں کو وعظ کر رہے تھے اتنے میں عبید نے کہا: "مثل المنافق مکمل الشاة بین الخفین ان اقبلت الی هذه الخنر نطحتھا وان اقبلت الی هذه نطحتھا" حضرت عبداللہ بن صفوان نے فرمایا ابن عمرؓ آپ پر مہربان ہو دونوں تو ایک ہی ہے حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا میں نے تو ان الفاظ کے ساتھ نہیں سنا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث: "بنی الاسلام علی خمس" بیان کی کسی نے سن کر اس کا اعادہ کیا، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا اس طرح نہیں صیام رمضان کو سب سے آخر میں ذکر کروا سٹے کہ میں نے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اسی طرح سنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود ہم بھی روایتوں میں راوی کے مختلف اقوال پاتے ہیں مثلاً کذا وکذا یا "ایہما قال قبل" یہ دراصل راوی حدیث کی طرف سے آگاہی ہے کہ اس نے حدیث تو جان لی اس کا مفہوم بھی سمجھ لیا لیکن وہ قطعی طور پر دوناموں اور دو کلموں کی ترتیب نہیں یاد رکھ سکا، اس لئے ایسے موقع پر راوی شک کی جگہ واضح کر دیتا ہے، یہ بھی ملحوظ ہے کہ یہ شبہ اصل حدیث میں نہیں بلکہ الفاظ حدیث میں ہوا کرتا ہے جس سے مفہوم و معنی متاثر نہیں ہوتے جیسا کہ حضرت خالد بن زید جہنیؓ نے ایک حدیث نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "قریش والانصار، واسلو وغفار" یا "وغفار واسلو"۔

بعض راویوں نے حدیث کے ہر لفظ کی حفاظت پر بہت زیادہ زور دیا ہے چاہے مفہوم نہ بدلے جب بھی ایک لفظ کی کمی بیشی سے بھی منع کیا ہے جیسا کہ حضرت سفیان بیان کرتے ہیں کہ امام زہری حضرت انس کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں "نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الدباء والمزفت ان ینتبد فیہ" حضرت سفیان سے کہا گیا کہ حدیث میں "ینبذ" ہے انھوں نے کہا نہیں نہیں ہم سے امام زہری نے بھی ینتبد فیہ نقل کیا ہے، بعض راوی تو الفاظ حدیث کے اتنے زیادہ حریص ہوتے ہیں کہ مشدد کو مخفف، اور مخفف کو مشدد پڑھنا بھی گوارہ نہیں کرتے۔ نما۔ نثی کا لفظ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں ہے "لیس الکاذب من اھلک بین الناس نقلاً خیراً او نسی خیراً" ہر چند کہ اس عمل سے معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا تاہم حاد فرماتے ہیں کہ میں نے یہی حدیث دو شخصوں سے سنا ہے ایک نے نما مخفف اور دوسرے نے نثی مشدد پڑھا ہے، بعض محدثین کو الفاظ حدیث کی حفاظت کا کتنا زیادہ شوق تھا اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب شاگرد روایت لکھنا چاہتے تو یہ بیان کرتے ورنہ نہیں اس لئے کہ انھیں یہ ناپسند تھا کہ وہ کچھ کا کچھ یاد کریں اور اہل حدیث میں ہم کھانا مل جائے جیسا کہ خطیب بغدادی نے حضرت ابی حنیفہؒ سے

نقل کیلئے کہ محمد بن عمرو کہتے ہیں، قسم بخدا جب تک تم حدیث لکھو گے نہیں میں بیان بھی نہیں کروں گا۔ مجھے ڈر ہے کہ تم میری طرف غلط بات منسوب نہ کر دو۔ ایک دوسری مثال راجہ رمزی نے طلحہ بن عبد الملک سے نقل کیلئے فرماتے ہیں، کہ میں حضرت قاسم کے پاس آیا اور ان سے کچھ باتیں دریافت کیں، میں نے عرض کیا کیا اسے لکھ لوں حضرت قاسم نے فرمایا ہاں لکھ لو پھر اپنے صاحبزادے سے کہا کہ ان کی کاپی دیکھ لو کہیں میری طرف کوئی زائد بات منسوب نہ کر دیں، طلحہ فرماتے ہیں کہ ابو محمد، اگر مجھے کذب بیانی کا خیال ہوتا تو آپ کی خدمت میں کبھی نہیں آتا، حضرت قاسم نے فرمایا یہ مقصد نہیں کہ مجھ کو آپ پر اعتماد نہیں رہا بلکہ میری منشاء تو یہ ہے کہ اگر سہواً کوئی لفظ رہ گیا ہو تو اسے بھی درست کر لیں، حضرت اعمش فرماتے تھے کہ یہ علم ایسے لوگوں کے پاس تھا جو یہ چاہتے تھے کہ ہم حدیث میں دآء الف یا دآل کا اضافہ کریں اس سے اچھا یہ ہے کہ آسمان سے گر کر جان دے دیں۔

حضرت ابن عون رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے تین ہی علماء پائے جو الفاظ حدیث کے باب میں بہت سخت تھے، قاسم بن محمد حجازی، محمد بن سیرین بصرہ میں، اور حضرت رجاء بن حیوۃ شام میں، حضرت ابراہیم بن میسرہ اور امام طاؤس دونوں ایک ایک حرف کی رعایت کر کے حدیث بیان فرماتے تھے، بلکہ طاؤس تو حدیث کا ایک ایک حرف گنتے تھے، یہی حضرت سفیان بن عیینہ کا بھی قول ہے، حجاز کے محدثین میں ابن شہاب زہری، یحییٰ بن سعید اور ابن جریج حدیث انہی الفاظ کے ساتھ بیان کرتے تھے جو حدیث میں موجود ہیں اس میں کوئی ترمیم نہیں کرتے تھے، حضرت امام مالک بھی انہی کلمات کے ساتھ حدیث نقل کرنے میں حریص تھے جو حدیث میں آئے ہیں صحابہ ائمہ تابعین کا دوسرا گروہ روایت بالمعنی کا قائل تھا اور ضرورت کے وقت ایک کلمہ کو دوسرے سے بدل دینے کی اجازت بھی دیا ہے، انہیں جب الفاظ بدلنے کی ضرورت ہوتی تو وضاحت کر دیتے کہ یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہمیں ایسے بھی بعض صحابہ ملتے ہیں جو غلطی کے اندیشے سے روایت کرنے میں بہت زیادہ احتیاط



کرتے تھے، یہ حضرت ابن مسعودؓ میں جب حدیث بیان کرتے تو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر فرماتے "ہکذا"، او نحو من هذا، او قریبا من هذا" یہ کہتے جاتے اور کانپتے جاتے۔ حضرت ابو دردا، رضی اللہ عنہ جب حدیث بیان کر کے فارغ ہو جاتے تو فرماتے او نحو هذا او شکله، یعنی یا یہی الفاظ حدیث کے ہیں یا اس سے ملتے جلتے، اور فرماتے اللہم الاہکذا" خدا کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی الفاظ ہوں، محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حدیث بہت کم بیان کرتے تھے اور جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد نقل کرتے تو اوکما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما دیتے تھے، حضرت عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے فرمایا اچھا یہ بتاؤ کہ دو مرتبہ کی روایاتوں میں کچھ فرق بھی ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں، اس پر انھوں نے فرمایا کہ پھر کوئی مضائقہ نہیں حضرت ایوب محمد بن سیرین سے نقل کرتے ہیں کہ بعض مرتبہ ایک حدیث الفاظ کے تھوڑے تھوڑے فرق سے دیں آدمیوں سے سنتا ہوں جبکہ مفہوم ایک ہوتا ہے، حضرت مکحول فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت ابو اذہر ایک مرتبہ حضرت داؤد بن اسقع رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ہم نے کہا ابن اسقع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث سنائیے جس میں دہم و نسیان اور کمی زیادتی کا کوئی امکان نہ ہو حضرت داؤد نے فرمایا تم میں سے کسی نے قرآن بھی پڑھا ہے ہم نے کہا ہاں! لیکن ہمیں خوب یاد نہیں ہے، ہم کبھی واؤ، الف بڑھا دیتے ہیں اور کبھی گھٹا دیتے ہیں، حضرت داؤد نے فرمایا کہ جب یہ قرآن جو کاغذ میں تحریر ہے جسے تم خوب یاد کرتے ہو تمہیں یاد نہیں اور اس میں کمی و زیادتی ہو جاتی ہے تو پھر ان حدیثوں میں کمی بیشی کیسے نہ ہوگی جسے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کاش ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہی بار حدیث سنتے اگر ہم کوئی روایت معنی کے لحاظ سے نقل کریں تو تم اس کو کافی سمجھو۔ حضرت زرارہ بن ابی وئی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے متعدد صحابہ سے ملاقات کی میں نے محسوس کیا کہ ان کی روایتوں میں الفاظ کا فرق تو تھا لیکن سب کی روایتوں کا مفہوم ایک تھا، حضرت جریر بن حازم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں کہ میں نے حسن بھری رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے ان کے الفاظ مختلف لیکن مفہوم ایک ہی ہوتا تھا، حضرت عمران قصیر فرماتے ہیں کہ میں نے حسن بھری رحمۃ اللہ سے عرض کیا ہم جن الفاظ کے ساتھ حدیث سنتے ہیں بعینہ اسی طرح بیان نہیں کر پائے فرمایا ہم بھی اگر سنی ہوئی حدیث کے ایک ایک لفظ کی روایت کر کے روایت بیان کریں تو وہ حدیث بھی بیان نہ کر سکیں بس حدیث میں حلال و حرام کا مفہوم آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت ابن مسعود، ابو درداری، انس بن مالک، حضرت عائشہ، حضرت عمرو بن دینار، عامر شعبی، ابراہیم نخعی، ابن ابی نجیح، عمرو بن مرہ، جعفر بن محمد، ابن عیینہ اور یحییٰ بن سعید قطان رضی اللہ عنہم سے روایت بالمعنی کی اجازت منقول ہے، ابن عثون نے ایسے تین محدثین سے ملاقات نقل کی ہے جو روایت بالمعنی کی اجازت دیتے ہیں ان کے نام یہ ہیں حسن بھری، ابراہیم نخعی، اور عامر شعبی، ان بزرگوں نے بضرورت روایت بالمعنی کی اجازت دی ہے، یہ بزرگ لوگوں سے کہا کرتے تھے ہم روایت بالمعنی تو کرتے تھے لیکن آخر میں اوگما قال علیہ السلام ”بھی کہہ دیتے تھے، صحابہ میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو لکھنے والوں کو روایت بالمعنی کی اجازت نہیں دیتا تھا محض اس لئے کہ کوئی یہ خیال نہ کر لے یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بھی ہیں، چنانچہ حضرت عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ روایت بالمعنی کرتے وقت فرماتے تھے ”احرجہ علی من یکتب جنی“ جس نے میری روایات لکھی اس نے دشواری پیدا کر دی، ہمیں یہاں تسلیم کر لینا چاہئے کہ جن علماء نے روایت بالمعنی کی اجازت دی ہے کچھ شرطیں بھی لگا دی ہیں اور سب کو روایت بالمعنی کی اجازت بھی نہیں دی بلکہ بضرورت مخصوص حالات میں اجازت دی ہے مثلاً ذہن سے لفظ حدیث ہی ذہول کر جائے یا روایت بیان کرتے وقت کسی وجہ سے کلمات یاد نہ آئیں تو اسے روایت بالمعنی کی اجازت ہے اور اس ضرورت کا استعمال بھی بقدر ضرورت ہوگا، امام شافعیؒ نے راوی کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جس سے روایت بیان کی جائے وہ ثقہ ہو، صدق گوئی کے لئے مشہور ہو، اپنی نقل کردہ حدیث

کو سمجھتا بھی ہو، اور معنی میں جو تبدیلی پیدا ہو اس سے بھی واقف ہو، حدیث جس الفاظ کیساتھ  
سے اسی طرح بیان کر دیا کرے اس لئے کہ جانکار نہ ہونے کی وجہ سے جب روایت بالمعنی  
کر لیا تو اسے خود خبر نہ ہوگی کہ وہ حرام کو حلال سے اور حلال کو حرام سے بدل تو نہیں رہا ہے  
اور جب الفاظ و حروف سمیت ادا کرے گا تو حدیث کے کچھ سے کچھ ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوگا۔  
راہر مزی فرماتے ہیں کہ امام شافعی کا ارشاد ہے کہ محدث الفاظ حدیث کا پابند ہو تو اس کے  
لئے روایت بالمعنی درست ہے، علاوہ ازیں وہ عربی زبان، محاورات عرب، رموز معانی،  
انداز گفتگو اور اسلوب کلام کی واقفیت کے ساتھ الفاظ کی تبدیلی سے پیدا ہونے والے  
معنی کو بھی جانتا ہو اگر اس میں یہ اوصاف ہوں تو اسے روایت بالمعنی کی اجازت ہے اس  
لئے کہ وہ اپنے فہم و ذکا سے مفہوم کو بدلنے اور حکم ختم ہونے سے بچا لے گا اور اگر رادی میں  
یہ اوصاف نہیں ہیں تو الفاظ کی رعایت کے ساتھ اس کو ادا کرنا ہی ضروری ہوگا بلکہ ظاہری  
الفاظ سے بھی انحراف کرنا اس کے لئے کسی طرح جائز نہ ہوگا، ہم نے اسی مسلک کا اکثر اہل  
علم اور فقہاء کو بھی پابند پایا ہے۔

جو لوگ روایت بالمعنی کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ خدا نے گذشتہ نبیوں اور  
قوموں کے واقعات نقل کئے، میں اور مختلف مقامات پر مختلف معنی و مفہوم کی رعایت رکھتے ہوئے  
بیان کیا ہے وہ بھی پچھلی قوموں کی زبان سے عربی میں منتقل کیا ہے جس میں تقدیم و تاخیر کے  
ساتھ کمی زیادتی بھی ہے بلکہ بعض باتوں کا ذکر ہے اور بعض کا نہیں ہے جس سے روایت بالمعنی  
کا ثبوت ملتا ہے۔

روایت بالمعنی کا یہ طریق صحابہ کے لئے کوئی نیا اور نرالا نہیں ہے بلکہ وہ تو خود قرآن کے  
حکیمانہ اسلوب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے اس کا جواز فراہم کر رہے ہیں جیسا کہ  
راہر مزی نے نقل کیا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفیر اور قاصد مختلف  
ملاقوں میں جب روانہ فرمایا تو یہ لوگ آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کا ترجمہ عربی کے



علاوہ علاقائی زبانوں میں کرتے رہے، جس میں تقدیم و تاخیر بھی ہوئی ہے، پس اگر حدیث کی ترجمانی دوسری زبانوں میں صحیح ہے تو غیر ملکی اور اجنبی زبانوں کے مقابلہ پر حدیث کی ترجمانی عربی زبان میں بدرجہ اولیٰ درست ہونی چاہئے اور جو لوگ روایت بالمعنی پسند نہیں کرتے ان کے پاس بھی دلائل ہیں مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "نضو اللہ، امراً سمع منا حدیثاً فاداکما سمعہ" خدا اس بندہ کو تردد تازہ رکھے جس نے ہماری کوئی حدیث سنی اور انہی الفاظ کے ساتھ دوسروں تک پہنچا دیا۔ حضرت برادر بن عازب فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جب تم بستر پر لیٹنے لگو تو کیا کہو گے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا اور رسول بہتر جانیں آپ نے فرمایا کہ جب تم سونے لگو تو اپنے دائیں ہاتھ پر سر رکھ لو پھر یہ پڑھو: "اللہم اسلمت وجہی الیک وفوضت امری الیک والجات ظہری الیک رغبۃ ورہبۃ الیک امنت بکتابک الذی نزلت ونبیک الذی ارسلت" حضرت براہ فرماتے ہیں کہ آپ نے مجھے جس طرح سکھایا اسی طرح پڑھا ہاں نبیک کی جگہ رسولک کہہ دیا اس وقت آپ نے دست مبارک سے میسر سینہ پر ازراہ شفقت مارا اور فرمایا نبیک ہی کہو اور پھر فرمایا کہ جو شخص یہ کہے اور اتفاق سے اسی رات انتقال ہو جائے تو اس کی فطری موت ہوگی۔

بعض علماء نے دونوں فریق کی دلیلوں پر لمبی چوڑی بحثیں کی ہیں لیکن تمام علماء کا اس بر اتفاق ہے کہ جاہل کو روایت بالمعنی کی مطلق اجازت نہیں ہے اور جن علماء نے اجازت دی ہے تو وہ بھی کچھ شرائط کے ساتھ، حضرت ابووردی فرماتے ہیں کہ اگر راوی لفظ بھول جائے تو اس کے لئے جائز ہے اس لئے کہ وہ لفظ اور معنی دونوں کا امین ہے، لیکن اگر ایک کو ادا کرنے سے قاصر ہے تو اس کے لئے دوسری صورت ضروری اور ناگزیر ہے خصوصاً اس لئے بھی کہ بالکل روک دینے سے حدیث کا کتمان (چھپانا) لازم آئیگا، اس لئے اسی صورت میں روایت بالمعنی کی اجازت ہے، ہاں اگر اسے الفاظ یاد ہوں تو روایت بالمعنی درست

نہ ہوگی اس لئے کہ جو فصاحت آپ کے کلام مبارک میں ہے وہ دوسروں کے کلام میں نہیں ہے، علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ضروری یہ ہے کہ وہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع کلم میں نہ ہو اور ایسے الفاظ بھی نہ ہوں جنہیں بطور عیادت کے ادا کرنا حدیث میں منقول ہو تو روایت بالمعنی جائز ہے

ان تفصیلات کے بعد ہم قطعی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ روایت بالمعنی ضرورت کی بنا پر ہے اور صحابہ کا تقویٰ اور روایت میں ان کی دقت نظر، حفاظت حدیث کا اہتمام اور غایت احتیاط کے پیش نظر روایت بالمعنی مخصوص حالات میں جائز رہی ہے ہر وقت نہیں، میرے نزدیک یہی راجح ہے کہ روایت بالمعنی اگر تارخہ نخی طور پر صحابہ سے ثابت بھی ہے تو اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات مبارک سے بہت زیادہ ہم آہنگ اور قریب ہے اسلئے کہ صحابہ نے آپ کو دیکھا ہے، آپ سے حدیث سنا ہے آپ کے مبارک حلقہ سے بانیض ہو کر اٹھے ہیں اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے التفات کریمانہ اور دعوت گرامی سے ان کے دیدہ و دل روشن ہوئے ہیں وہ فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ مقام پر ہیں عربوں کی زبان کو امت میں سب سے زیادہ جاننے والے ہی ہیں ان کے کلام میں کسی غلطی اور مفسدہ کو راہ نہیں ملتی، قوموں اور علاقوں میں رہنے کے باوجود ان کی زبان دمزاج تغیر پذیر نہیں ہوئے انھیں رسول اللہ کے ارشادات عالیہ سے بے پناہ مناسبت ہے اس لئے روایت بالمعنی میں آپ کے مفہوم گرامی سے کبھی منحرف نہیں ہوں گے، میرے نزدیک زیادہ زور دار بات یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین نے جو حدیث بھی بیان کی ہے وہ زیادہ تر اُن حضرت کے الفاظ ہی ہوتے ہیں اس لئے کہ ان میں کچھ تو ایسے تھے جو حدیث سنتے ہی آپ کے سامنے لکھ لیتے تھے اور حلقہ بنا کر سنی ہوئی حدیث کا مذاکرہ کرتے تھے ایک دوسروں کی نقلی اصلاح بھی کرتے تھے اور اگر کسی کو کوئی شبہ ہو جائے تو فوراً ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کر کے شبہ دور کر لیتا تھا اور تابعین بھی صحابہ سے جو کچھ سنتے لکھ کر یاد کر لیتے تھے ان میں کچھ ایسے بھی تھے کہ حدیث یاد کر لینے کے

بعد اسے مٹا دیتے، بعض ایسے بھی تھے جو یاد کر کے اپنی بیاض یا تختی پر محفوظ کر لیتے اور بعض صحابہ اپنی ڈائری پر محفوظ کر لیتے تھے، اور جو تابعین لکھنے کا اہتمام نہیں کرتے ان کی تمام تر خواہش اور کوشش یہ ہوتی تھی کہ اسے اپنے سینوں میں زبانی محفوظ رکھیں حدیث کا وقتاً فوقتاً مذاکرہ کیا کبھی حدیث حاصل کرنے اور کبھی سنی ہوئی حدیث کی تصدیق و توثیق کیلئے صحابہ کے پاس ایک شہر سے دوسرے شہر جاتے اور اس طرح وہ حدیث کے ایک ایک لفظ اور اس کے مفہوم کو ضبط کرتے تھے۔

بلاشبہ اس قوت حافظہ سے جو خدا نے ان عالمین شریعت اور راویان حدیث کو بخشی ہے ہمارے اعتماد کو اور تقویت پہنچتی ہے کہ صحابہ نے جتنی روایات آن حضرت صلی اللہ علیہ سے کی ہیں زیادہ تر آپ ہی کے الفاظ ہیں چنانچہ تاریخ میں حضرت ابو ہریرہ وغیرہ کے حفظ کا ذکر ملتا ہے اور جب کوئی صحابہ کرام کی بے پناہ قوت حافظہ اور یادداشت کی صحیح کیفیت معلوم کرتا ہے تو دنگ رہ جاتا ہے اسی قوت حافظہ کی بدولت حدیث رسول ہم تک صحت کے ساتھ پہنچی ہے۔ آپ قوت حافظہ کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں جو قوت حافظہ میں بہت مشہور ہیں، ان کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ حدیث ایک ہی مرتبہ سننے کے بعد ابربر ہو جاتی تھی، تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے ابن ابی ربیعہ کے اسی اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ سنا اور پہلی ہی مرتبہ اسے یاد کر لیا، حضرت ابن عباس کی طرح اور بھی مثالیں صحابہ کرام میں ملتی ہیں ان میں حضرت زید بن ثابت بھی ہیں جنہیں بانغ ہونے سے پہلے ہی قرآن کریم کا اکثر حصہ یاد تھا اور کل سترہ دن میں یہودیوں کی زبان بھی انہوں نے سیکھ لی، یہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ ہیں جو ذکاوت اور حفظ میں امتیازی مقام رکھتی تھیں، تابعین میں حضرت ابن عمر خادم حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ جن سے ساری عمر حافظہ کی کوئی غلطی نہیں ہوئی اور جن کے حفظ کی باریکیوں پر تمام اقدموں نے اتفاق کیا ہے انہیں میں اپنے زمانہ کے مشہور ترین محدث امام زہری علوم اسلامیہ



کے ان ایکلوپیڈیا امام شعبی اور ممتاز فقیہ حضرت قتادہ بن دعامہ دوسی بھی ہیں جو بلا کی بہارت، غضب کی یادداشت میں ضرب المثل ہیں

روایت کے مختلف طریقوں میں راوی کے اختلاف لفظ پر جب ہم غور کرتے ہیں تو ایک بڑا حصہ ایسی روایات کا کتاب ہے جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل کا ذکر ہوتا ہے یا پھر کسی خاص واقعہ کا جسے راوی نے خود شاہدہ کیا ہے اور اس واقعہ سے کوئی نتیجہ اخذ کر کے دوسروں تک پہنچا رہا ہو تو عموماً الفاظ حدیث میں اختلاف ہو جاتا ہے جس کی رواد اس طرح تعبیر کرتے ہیں۔ "امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکذا اور نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کذا" وغیرہ حالانکہ دونوں کا مطلب ایک ہے اور یہ تو فطری بات ہے کہ صیغوں کی علیحدہ علیحدہ ادائیگی میں شک کی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ ہر راوی جو کچھ اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے اس کی ترجمانی اپنے الفاظ میں کرتا ہے، ہاں یہ بات بہت شاذ و نادر ہے کہ راوی کا لفظی اختلاف عبادت کے لئے خاص کردہ الفاظ میں ہو یا ان حدیثوں میں ہو جو مع الکلم ہیں جیسے اذان و اقامت کے کلمات مقررہ دعائیں اور شہد کے جملے وغیرہ اس لئے کہ وہ تو بہر حال مقرر اور طے شدہ ہیں

یہ بھی ملحوظ رہے کہ ہم تک الفاظ کا جو اختلاف روایت بالمعنی کی وجہ سے پہنچا ہے اس کا زیادہ تر مدار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس اور اسکی کثرت پر ہے اس لئے کہ آپ مختلف موقعوں پر ایک موضوع بیان فرماتے ہیں اور دریافت کرنے والوں کو ان کے مبلغ فہم کے مناسب جواب عنایت فرماتے ہیں، کبھی کبھی ایک ہی مسئلہ سے متعلق متعدد باتیں ذکر فرماتے اور ہر شخص کو مطمئن فرماتے تھے جس کی تعبیر جدا گانہ، الفاظ مختلف، اور جملے متفاوت ہوتے اور مقصود پورا ہو جاتا تھا، ان صورتوں میں جو روایات بالمعنی بیان کی جائیں ظاہر ہے کہ اہل علم کی غیر معمولی جستجو اور حدیث رسول کا بہت زیادہ مطالعہ ہونے کی وجہ سے یہ روایتیں ان کی نظر سے مخفی نہیں رہ سکیں بلکہ یہ علماء ضبط و

# مطالعات و تعلقات

مولانا قاضی اطہر سہروردی

**اسلامی عدل و انصاف** | غزوہ بدر کا خاتمہ اسلام کی شاندار فتح ہے

کتنے ہی سربراہ دروگان کفر و شرک قید کئے گئے، قیدیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب بھی ہیں، کفار قریش زبردستی کہہ کے ان کو اپنے ساتھ لئے تھے، اور گرفتاروں میں وہ بھی شامل ہو گئے، فیصلہ ٹھہرا کہ قیدیوں سے فدیہ کی رقم لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے، یہ کوئی ذاتی معاملہ اور خاندانی قضیہ نہیں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے مطالبہ فرمایا کہ وہ فدیہ کی رقم ادا کریں، اس پر ایک انصاری صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا

ایذن لنا فلنترك لابن اخينا  
العباس بن عبدالمطلب فداءه  
آپ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھتیجے  
عباس بن عبدالمطلب کا فدیہ معاف کر دیں  
یہ جملہ سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لا، ولا درھما (طبقات ابن سعد ۴/۴۴۸) نہیں، ایک درہم بھی معاف نہیں ہوگا  
اپنے چچا کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبی تعلق کا یہ حال تھا کہ زنجیروں میں انکی

کراہ کی وجہ سے آپ کو نیند نہیں آتی تھی، مگر عدل و انصاف کا یہ حال تھا کہ چچا کے فدیہ کی معمولی رقم بھی معاف نہیں فرمائی اور اسلام کے حربی قوانین کی رو سے جنگی قیدی کیساتھ جو معاملہ کیا جاتا ہے وہی معاملہ چچا کے ساتھ بھی کیا، یہ اسلامی عدل و انصاف کی ایک ہلکی سی مثال ہے۔

آخری باتیں | حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں ۵۳ھ میں بصرہ میں فوت ہوئے، عیسٰی میں علاج

کا ایک طریقہ کئی یعنی داغنا بھی رائج تھا اس میں بدن کا حصہ گرم لوہے سے داغا جاتا ہے اسلئے ناپسندیدہ تھا مگر بعض اوقات مجبوراً ایسا کرنا پڑتا تھا، حضرت عمران بن حصین بھی اس کو سخت ناپسند کرتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے رد کرتے تھے، اتفاق سے ایک مرتبہ ایک ہلک بیماری میں مبتلا ہو گئے اور کئی کے ذریعہ علاج کرانا پڑا بعد میں اس پر افسوس کر کے فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے بدن کو آگ سے داغنا لیکن نہ تکلیف سے نجات ملی اور نہ شفا نصیب ہوئی، ایک تابعی حضرت مطرفؓ کا بیان ہے کہ عمران بن حصین جب زیادہ بیمار ہو گئے تو مجھ کو بلا کر کہا کہ میری زندگی میں ملائکہ مجھے سلام کیا کرتے تھے اس وقت میں چند باتیں بیان کر رہا ہوں اگر میں اس بیماری سے شفا یاب ہو گیا تو تم ان باتوں کو چھپائے رکھنا اور اگر میرا انتقال ہو جائے تو تمھارا جی چاہے تو لوگوں سے بیاہ کر دینا ان باتوں سے شاید اللہ تعالیٰ تم کو نفع دے مجھے فرشتے سلام کیا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اور عمرہ ایک ساتھ جمع کر کے ادا فرمایا اس کے بعد اس بارے میں نہ تو قرآن میں کچھ نازل ہوا اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، اس بارے میں جس نے چاہا اپنی رائے سے بات کہی

اور حضرت عمران بن حصین کا بالکل آخری وقت آیا تو کہا کہ جب میں مرجعاً تو میرے عمامہ سے مجھے میری چار پائی سے باندھ دینا اور دفن سے لوٹ کر اونٹ ذبح کرنا اور اس کو



غریب، دساکین کو کھلا دینا (طبقات ابن سعد ج ۱، قسم دوم ص ۱۵۷)  
 بندگان دین اور صحابہ کرام اپنے کو کس طرح دنیا کی نظر سے چھپاتے تھے حضرت عمران  
 بن حصین نے دنیا سے جاتے وقت بتایا کہ مجھے ملائکہ سلام کیا کرتے تھے، اگر میں شفا یاب ہو گیا  
 تو اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرنا، علمی و دینی معاملات و مسائل میں اس قدر محتاط تھے کہ جو کچھ حج و  
 عمرہ کے بارے میں ان کو صحیح طور سے معلوم تھا بیان کر دیا، اور کتمان سے کام نہیں لیا، اللہ والے  
 اپنی مصلحتوں کو خوب سمجھتے ہیں کسی مصلحت کی وجہ سے وصیت فرمائی کہ میرے عمار سے میری لاش  
 کو میری چارپائی سے باندھ دینا، اس کا میزان کا ادا شناس ہی سمجھ سکتا ہے۔

**امام احمد بن حنبل کے دو خط** | حضرت امام احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ  
 جس وقت فتنہ خلق قرآن میں مقام عسکریں

نظر بند کئے گئے تھے، اور آپ کے چھوٹے صاحبزادے ابوالفضل صالح بن احمد بغداد واپس آ گئے  
 تھے امام صاحب نے ان کے پاس یہ خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم! اللہ تعالیٰ تم کو نیک انجام بنائے اور دنیا کی تمام بلیات و گرد ہاتھ  
 سے محفوظ رکھے تم سے پہلے تمہارے بڑے بھائی عبداللہ سے میں نے کہا تھا کہ وہ بغداد ہی میں  
 رہیں میرے پاس عسکریں نہ آئیں، اور آج تمہارے پاس سی مضمون کا خط لکھ رہا ہوں،  
 میری تمنا ہے کہ یہاں میرا چرچا نہ ہونے پائے، تم لوگوں کی موجودگی کی وجہ سے میرا تذکرہ ہوتا  
 رہے گا، تمہاری مجلسوں میں آنے والے جب واپس جاتے ہیں تو میرا ذکر ادھر ادھر ہوتا ہے،  
 اگرچہ یہ ذکر خیر کے ساتھ ہوتا ہے لیکن میں ہرگز نہیں چاہتا ہوں کہ لوگ میرے حالات سے واقف  
 ہوں اور عقیدہ تمندی کے باعث میرے لئے مصیبت بنیں۔

یارے بیٹے صالح! اگر تم اور تمہارے بھائی عبداللہ بغداد میں رہو اور میرے پاس  
 نہ آؤ تو اس میں میری عین خوشی ہے، ان سطور سے اپنے دل میں کوئی خیال نہ لانا، اسی میں تم  
 لوگوں کے لئے سراسر خیر ہے۔

اسی زمانہ میں امام صاحب نے ان کے نام یہ دوسرا مکتوب عسکر سے روانہ فرمایا  
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ! اللہ تعالیٰ تمہیں نیک انجام بنائے، اور اپنی رحمت سے تمام  
 برائیاں تم سے دور رکھے، یہ خط تمہارے نام ہے، لہذا تم اپنے کو مخاطب سمجھ کر اس پر عمل کرو،  
 یہاں میرے پاس اللہ کی دی ہوئی ساری نعمت موجود ہے اللہ تعالیٰ ان میں مزید اضافہ کرے  
 اور شکر کی توفیق دے، اب میری زندگی کی مشکل گریں کھل چکی ہیں یہاں پر جو دوسرے علماء  
 ہیں شاہی عطیات قبول کر کے شاہی خواہش کے تابع ہو گئے ہیں اور دربار شاہی سے ان کے  
 وظیفے مقرر ہو گئے ہیں، درحقیقت یہی وظائف ان کے لئے زنجیر بن گئے ہیں جن میں وہ جکڑ  
 چکے ہیں اور اب ان کا حال یہ ہے کہ دین میں نئے نئے باب کا اضافہ کرتے رہتے ہیں، دربار میں  
 جا کر رات دن بادشاہ کی چشم واپرو کو دیکھتے رہتے ہیں، ہم تو اللہ تعالیٰ سے یہی التجا کرتے ہیں  
 کہ ہمیں ایسے دنیا دار علماء کے شر سے محفوظ رکھے اور ان کی صحبت سے بچائے۔

میں یہاں پر جس مکر و فضا اور غر دینی ماحول میں گھرا ہوں اگر اس سے مجھے نجات دلانے  
 کیلئے تم کو اپنے اہل دہال کا فدیہ ادا کرنا پڑے اور میری خلاصی ہو جائے تو تم اسے بہت ہی سہل  
 نسخہ سمجھو، ان حالات میں اگر تمہارے پاس اس قسم کے خطوط لکھوں تو تمہاری طبیعت پر گراں  
 نہ ہونی چاہئے، یہ فتنہ و فساد کا زمانہ ہے، تم لوگ گھر سے باہر قدم نہ نکالو، یقیناً اللہ تعالیٰ میری  
 نجات کی کوئی نہ کوئی سبیل نکالے گا، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

**زچہ بچہ** | ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں نو مود بچے برکت  
 کیلئے لائے جاتے تھے، اور آپ ان کے حق میں دعا و خیر و برکت کیا کرتی تھیں  
 ایک مرتبہ آپ نے ایک بچہ کو دیکھا کہ اس کے سر ہانے تکیسے چھپا ہوا اُسترا رکھتا ہے، گھر  
 والوں سے دریافت کیا کہ یہاں اُسترا کس لئے رکھا گیا ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ ہم لوگ جنت  
 سے بچنے کیلئے بچوں کے سر ہانے اُسترا رکھ دیا کرتے ہیں، یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے اُسترا اٹھا کر  
 پھینک دیا، لوگوں کو سختی کے ساتھ اس سے روکا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بد فالی کو

سمت مکردہ اور ناپسند سمجھتے تھے (الادب المفرد امام بخاری ص ۱۳۳)  
مسلمانوں کے یہاں بھی ہندوؤں کی طرح زچہ بچہ کے بارے میں بہت سی توہم پرستیاں  
چلتی ہیں، زچہ خانے کے دروازے پر چھ سات دن تک مستقل طور سے آگ رکھی جاتی ہے اور  
لوہے کی سلاخ گاڑ دی جاتی ہے تاکہ جاہل عوام کے خیال کے مطابق ارواح خبیثہ اور جنات  
و شیاطین اس ترکیب سے بچہ زچہ کو تکلیف نہیں پہنچاتے ہیں، اسکے علاوہ بچہ جب تک سال  
دو سال کا نہیں ہو جاتا اس کے سر ہانے کچھ دھار کا قفل رکھنے کا لوہے کا برتن رکھا جاتا ہے، کیا  
مجال کہ کسی دقت وہاں سے ہیٹ جائے۔

یہ توہمات اسلامی ذہن و مزاج کے سراسر خلاف اور از روئے شریعت حرام ہیں، مسلمان  
مردوں اور عورتوں کو اس قسم کے توہمات سے دور رہنا چاہئے، خاص طور سے عورتیں ان سے  
دور رہیں، یہ مرض مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کے اندر زیادہ پایا جاتا ہے

**ابوالحسن، ابن حامد دیلی بغدادی** ہمارے ملک میں پرانے زمانہ

کمال گذرے ہیں، جن کو یہاں کے لوگ بھول گئے مگر اسلامی تاریخ نے ان کو اپنے سینے میں  
چھپائے رکھا ہے، انہی میں ابوالحسن ابن حامد دیلی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، ان کا پورا  
نام حسن بن حامد بن حسن بن حامد بن حسن ہے، کنیت ابوالحسن ہے، سندھ کے شہر دیسبل  
کے رہنے والے تھے مگر مستقل سکونت بغداد میں اختیار کر لی تھی، ۳۴۰ھ میں انتقال کیا،  
بہت بڑے محدث اور عربی زبان کے ادیب و شاعر تھے اسی کے ساتھ نہایت کامیاب تاجر اور  
الدار عالم تھے، انھوں نے بغداد میں ایک سرائے بنوائی تھی ان کے نام سے خان ابن حامد  
مشہور تھی ان کا تذکرہ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں اور ابن عساکر نے تاریخ کبیر  
میں لکھا ہے کسی ہندی مورخ نے اس ہندی محدث اور شاعر و تاجر کا حال نہیں لکھا ہے  
خطیب کا بیان ہے۔



مکان صدوقاً، تاجراً، مسؤولاً والیہ ابن حامد نہایت سچے اور مالدار تاجر تھے بغداد  
 ینسب خان ابن حامد الذی فی درجہ کی زعفرانی گلی والی سرائے خان ابن حامدان  
 الزعفرانی بغداد (تاریخ بغداد ج ۲) ہی کی طرف منسوب ہے۔

ابو الحسن ابن حامد دیہلی کی بیان ہے کہ مشہور شاعر متنبی جب بغداد آتا تو میرے ہی مکان  
 پر قیام کرتا تھا، ایک مرتبہ متنبی نے مجھ سے کہا کہ اگر میں کسی تاجر کی مدح میں شعر کہتا تو آپ کی  
 مدح سب سے پہلے کرتا۔

دیہلی سے نکل کر بغداد گئے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کی اور موت کا وقت  
 قریب آیا تو قسمت نے مصر پہنچا دیا جہاں شروع شروع میں روزِ یکشنبہ منہ میں انتقال کیا  
 ان کے دو اشعار بھی سن لیں۔

شریت المعالی غیر منتظر بہا  
 کسّاداً ولا سوف یقوم لها اُخری  
 ولا انا من اهل المكاس وکلمنا  
 توفرت الاثمان کنت لها اشری

ابو الحسن ابن حامد دیہلی کے وطن دیہلی کو حضرت محمد بن قاسم ثقفی نے پہلی صدی  
 ہجری کے آخر میں پہلی بار فتح کیا تھا، وہاں بہت بڑا بت خانہ تھا اسی لئے اس شہر کا نام ہی  
 دیہلی تھا جو عربی میں دیہلی ہو گیا، راقم الحروف اپنی ۱۹۸۲ء میں دیہلی میں حاضر ہو چکا ہے  
 قدیم شہر کی کھدائی ہوئی ہے، شہرِ پناہ کی دیواریں اور بہت سی قدیم چیزیں نکلی ہیں، عجیب  
 حسرت و عبرت کا منظر ہے، ایک مسجد کا فرش بھی نکلا ہے جس کے بارے میں بتایا جاتا ہے  
 کہ مشرقی عالم اسلام کی پہلی مسجد ہے، میں نے اس میں دو رکعت نماز پڑھی اور ایک جمع کے لئے  
 اس شہر کی اسلامی تاریخ پر مختصر تقریر کی، اس کا ایک عجائب خانہ بھی اس میں ہے جس میں  
 وہاں سے ملی ہوئی قدیم چیزیں رکھی ہیں، میں نے اسکے بعض پتھروں سے عربی تحریر نقل کی جو

اسلامی ہند کی تاریخ میں بڑے کام کی ہے۔

**مسجد و مدرسہ کے امام و معلم** | حضرت عمر بن مسلم رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت سلمہؓ کی زبانی یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور

میری قوم کے چند افراد اپنی بستی سے چل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اس سفر کا مقصد قرآن کی تعلیم حاصل کرنا تھا جب میرے قبیلہ والے اپنا کام کر چکے تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہماری بستی میں ہمارا امام کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جس نے قرآن کی تعلیم زیادہ حاصل کی ہے وہی امامت کریگا۔

جب یہ لوگ اپنے قبیلے میں واپس گئے اور نماز کے لئے امام تلاش کرنے لگے تو مجھ سے زیادہ قرآن کا جتنے والا اور پڑھنے والا کوئی دوسرا شخص نہ مل سکا میں اس وقت کم عمر لڑکا تھا لوگوں نے متفقہ طور پر مجھے نماز کیلئے آگے بڑھایا اس وقت سے آج تک ان کا کوئی مجمع ایسا نہیں ہوتا جس کا امام میں نہ ہوتا ہوں (ابتدائے اسلام میں اباباخ کی امامت جائز تھی) اس واقعہ کے راوی حضرت سلمہؓ اپنی قوم کو پنج وقتہ نماز پڑھانے کے ساتھ ان کے جنازوں کی نماز بھی پڑھاتے تھے اور مختلف مسجدوں میں بوقت ضرورت امامت کرتے تھے اس طرح زندگی بھر انھوں نے امامت کی اور آخری وقت تک یہ خدمت انجام دی (سنن بیہقی ۲۲۵)

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں جس دن سے مدرسہ نبوت سے سند لے کر نکلے اپنی قوم کی امامت میں لگ گئے در رسالت میں بلکہ اس کے بعد تک مسجدوں کے امام وہاں کے مدرس معلم بھی ہوا کرتے تھے اور مسجدوں ہی میں دینی درس دیتے تھے حضرت سلمہؓ اپنے قوم کے جیسے بچے تھے جو بچپن ہی سے عالم دین بن جاتے تھے ان کی قوم ان کو ہر جگہ ادھر موقع پڑا گئے بڑھاتی تھے اور جب تک زندہ رہے مسجد اور مدرسہ کے ذریعہ دینی خدمت انجام دیتے رہے

امامت اعلیٰ دونوں کا عہد بہت شریف اور معزز ہے بشرطیکہ اس عہدہ والے اپنی ذمہ داری پوری کریں اور آج کل کے مالوں اور مملکتوں کی طرح اپنے کو مسجد کے نازیباؤں اور مدرسوں کے ناظموں کا خادم سمجھ کر کسی کمزری میں مبتلا نہ ہوں بلکہ نہایت خود داری کیسا تھا اپنی ذمہ داری پوری کریں، وہ عالم نہیں مخدم ہیں۔

# تاریخ طبری سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

مولانا سیرادروی

ابوجعفر محمد بن جریر بن زید الطبری علمی دنیا میں زندہ جاوید اور عالمی شہرت کے مالک ہیں ان کے دو عظیم الشان کارنامے ہیں، ایک قرآن پاک کی ضخیم تفسیر جو جامع البیان عن تائیل آی القرآن کے نام سے مشہور ہے، ان کا دوسرا زندہ و جاوید کا زامہ اسلامی تاریخ کی قدیم ترین اور مبسوط کتاب "تاریخ الامم والملوک" ہے جو تاریخ طبری کے نام سے مشہور اور علمی دنیا سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔

ابن جریر طبری کے فضل و کمال کا اندازہ صرف ایک واقعہ سے کیا جاسکتا ہے جس کے ناقل مشہور مصنف و مورخ خطیب بغدادی متوفی ۴۰۳ھ ہیں، وہ طبری کے حالات میں لکھتے ہیں

ان الطبری قال لأصحابه انشطون	طبری نے اپنے تلامذہ سے کہا تفسیر قرآن
تفسیر القرآن؟ قالوا، کویکون	لکھنے سے دلچسپی رکھتے ہو؟ تو ان لوگوں نے
قدره؟ قال، ثلاثون الف	دریافت کیا، وہ کتنی ضخیم ہوگی؟ تو طبری نے
ورقة، فقالوا، هذا ما یفنی	کہا کہ تیس ہزار اوراق میں آئے گی، تو لوگوں نے
الأعمار قبل تمامه، فاختصره	کہا کہ تفسیر پوری ہونے سے پہلے ہماری عمریں



فی نحو ثلاثہ الاف ورقہ

ثم قال انشطون لتاريخ العالم  
من آدم الى وقتنا هذا؟ قالوا، كرم  
يكون قدوة؟ فذكروا نوحا وما  
ذكره في التفسير، فاجابوا مثل  
ذلك، فقال انا لله، ماتت الهم  
فاختصره في نحو ما اختصر  
التفسير

ہی ختم ہو جائیں گی، یہ سن کر آپ نے اس کو  
صرف تین ہزار صفحات میں لکھا۔  
پھر پوچھا، تاریخ اسلام سے دھپسی ہے جو  
آدم سے ہمارے زمانے تک کی تاریخ ہو؟ تو پھر  
لوگوں نے پوچھا، کتنے اوراق میں آئیگی تو پھر  
وہی بات فرمائی جو تفسیر کے سلسلہ میں کہی تھی  
لوگوں نے وہی جواب دیا جو پہلے دے چکے  
تھے، تو طبری نے کہا، انا لله حوصلے پست ہو چکے  
ہیں اور تاریخ کو بھی تفسیری کی طرح مختصر  
کر دیا۔

علمی دنیا میں یہ دونوں کتابیں قبولیت عامہ کے ہاتھوں لی گئیں اور شوق و عقیدت  
کی نگاہوں سے پڑھی گئیں، اکابر علماء امت نے شاندار لفظوں میں دونوں کتابوں کو خراج  
تحسین پیش کیا، ان کی تفسیر کے متعلق ابو حامد الاسفرائینی کے یہ الفاظ مشہور ہیں اور ہر تذکرہ  
نگار نے نقل کئے ہیں۔

لو سافر رجل الى الصين حتى  
يحصل له كتاب تفسير ابن جرير  
لم يكن ذلك كشيء  
اگر کوئی چین جیسے دور و دراز ملک کا سفر  
صرف تفسیر طبری حاصل کرنے کیلئے کرے تو یہ  
کوئی لمبا سفر نہیں ہے۔

مشہور محدث ابن خزیمہ صاحب صحیح ابن خزیمہ نے تفسیر طبری کو دیکھ کر فرمایا  
قد نظرت فيه من اوله الى اخره  
میں نے تفسیر از ابتدا تا انتہا دیکھی ہے،

۱۔ تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۱۳۔ ۲۔ لبان المیزان ج ۵ ص ۱۰۲، تذکرۃ الحفاظ ج ۲  
ص ۱۲، وغیرہ۔

وما اعلو علی ادیوا الارض اعلم      مسیح علم میں اس وقت محمد ابن جریر طبری  
 من محمد بن جریر الطبری      سے بڑا کوئی عالم روئے زمین پر نہیں ہے  
 ان کی تاریخ کی مقبولیت کا یہ عالم ہوا کہ تصنیف کے کچھ ہی برسوں بعد مختلف زبانوں  
 میں اس کے ترجمے کئے گئے اور پھر اس کتاب کو شاہی سرپرستی حاصل ہو گئی، اور بہت بڑے پیمانہ  
 پر اس کی اشاعت ہوئی، اسلامی تاریخ میں کوئی کتاب اتنی جامع نہیں لکھی گئی تھی اس لئے مؤرخین  
 میں تمام مشاہیر اصحاب تاریخ جیسے ابن مسکویہ، ابن اثیر، حافظ ابن کثیر وغیرہ نے اپنی اپنی کتابوں  
 میں اس سے استفادہ کیا۔

طبری کی دونوں کتابوں کے بار بار ایڈیشن شائع ہوئے، تفسیر کے قدیم ایڈیشنوں میں وہ  
 نسخہ ہے جو پہلے پہل امراء نجد میں آل رشید کے کتب خانہ کے مخطوطہ کو تصحیح و تحقیق اور کتب خانہ  
 خدیویہ قاہرہ و مصر کے مخطوطہ سے مقابلہ کر کے مطبع میمنیہ مصر سے شائع کیا گیا تھا، دور  
 جدید میں یہ تفسیر خوبصورت ٹائپ میں ۳۰ جلدوں میں شائع ہو کر دنیا میں پھیل گئی ہے۔  
 ان کی تاریخ کا غالباً پہلا اور قدیم ایڈیشن لیڈن سے شائع ہوا تھا جو اب بھی لاہور یونی  
 میں پایا جاتا ہے، ماضی قریب میں مصر سے ۱۳ جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور عام طور سے  
 کتب خانوں میں پائی جاتی ہے۔ ابن جریر طبری کی ان دونوں کتابوں کے علاوہ دوسری  
 اور پندرہ کتابیں ہیں جن کی فہرست اکثر تذکرہ نگاروں نے دی ہے۔

عصر حاضر میں تاریخ طبری اسلامی تاریخ کے سلسلہ میں اہم ترین مآخذ کی حیثیت رکھتی ہے  
 اسلامی دنیا سے گذر کر یورپین مصنفین اور مستشرقین کی تحقیق اور مطالعہ اور ان کے حوالہ  
 نے اس کی اہمیت میں اور اضافہ کر دیا ہے۔ تدوین حدیث کی تاریخ کے سلسلہ میں مستشرقین  
 کا سب سے اہم اور بڑا مآخذ یہی کتاب بنتی ہے اور وہ اسی کے حوالے دیتے ہیں اور وہ اس تاریخ  
 کو اسی ابن جریر طبری کی تصنیف مانتے ہیں جس کی وفات ۳۲۰ھ میں ہوئی اور جو مشہور

تفسیر جامع البیان عن تاویل آی القرآن کا مصنف ہے۔

اسی طرح قدیم مصنفین میں ابن ندیم متوفی ۳۸۵ھ اور خطیب بغدادی متوفی ۴۶۲ھ سے لے کر متاخرین میں حافظ ابن حجر، علامہ ذہبی، ابن العماد الحنبلی وغیرہ تک سبھی تفسیر طبری اور تاریخ طبری دونوں کا مصنف ایک ہی فرد کو تسلیم کرتے ہیں، کسی کے یہاں یہ شبہ بھی نہیں پایا جاتا کہ مذکورہ بالا دونوں کتابوں کے مصنف دو ہو سکتے ہیں، اور تفسیر کا مصنف صحیح العقیدہ اور تاریخ کا مصنف غالی رافضی ہے، یہ خیال چودھویں صدی میں منظر عام پر آیا ہے۔

یہ غلط فہمی کہاں سے پیدا ہوئی؟ اس کی بنیاد کیا ہے؟ اس کا سراغ ہمیں علامہ ذہبی کی کتاب میں ابن جریر طبری کے ترجمے میں سلیمانی کی جرح سے ملتا ہے، علامہ ذہبی لکھتے ہیں

محمد بن جریر بن یزید الطبری  
الامام الجلیل المفسر ابو جعفر صاحب  
القضا نیف لباهرات مات سنة عشر  
وثلاثمائة اقدح احمد بن علی  
السیما فی الحافظ فقال کان یضع  
لروافضی - هذا رجوع بالنظر  
الکاذب بل ابن جریر من کبار ائمة  
الاسلام المعتمدين . . . . .  
فعلل السیما فی اراد الا فی له

محمد ابن جریر بن یزید الطبری جلیل القدر  
امام و مفسر جن کی کنیت ابو جعفر ہے، عظیم  
المرتب کتابوں کے مصنف ہیں جن کا انتقال  
سنہ ۳۲۰ھ میں ہوا ہے، احمد بن علی سلیمانی نے ان  
کے بارہ میں برا بھلا کہا ہے، انھوں نے کہا کہ وہ  
رافضیوں کیلئے حدیثیں وضع کرتے تھے، یہ ان پر  
بے بنیاد اور غلط الزام ہے، ابن جریر تو قابل قہاد  
ائمہ اسلام میں سے ہیں، ہو سکتا ہے کہ سلیمانی نے  
یہ بات اس ابن جریر کے متعلق کہی ہو جس کا ذکر  
آگے آ رہا ہے۔

اس کے بعد ذہبی نے محمد بن جریر بن رستم ابو جعفر طبری کا ترجمہ لکھا ہے، اس کے

لے ابو الفضل احمد بن علی بن عمر السیما فی الحافظ البیہندی المتوفی سنہ ۴۰۰ھ بیکندر کتاب لاناہ السیما فی ۷۷ ص ۱۹



متعلق انھوں نے صاف طور پر لکھ دیا ہے۔

رافضی لہ توالیف منها کتاب  
الرواة عن اهل البيت، وما  
بالرفض عبد العزيز الکتابی۔

یہ رافضی ہے، اس کی کئی کتابیں ہیں، اسکی  
تصانیف میں قابل ذکر کتاب الرواة عن اهل  
البيت ہے کتابی نے اس پر رافضی ہونے کا  
الزام لگایا ہے

حافظ ابن حجر نے دونوں کے ترجموں میں ذہبی کی پوری عبارت نقل کر دی ہے اور  
اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ ابن جریر بن یزید طبری پر رافضیت کا الزام غلطی سے لگایا  
گیا ہے، ان کے الفاظ ہیں۔

انما صرة بالاشتراك في  
اسمه واسوایه ونسبه وكنيته  
ومعاصرتہ وكثرة تصانيفه

ابن جریر طبری رافضی کے ترجمے میں حافظ ابن حجر نے ابن جریر ابن یزید طبری پر  
رافضیت کے الزام کی وجہ بتائی ہے کہ یہ بات مشہور کر دی گئی کہ وہ وضو میں پاؤں  
کو دھونے کے بجائے اس کے مسح کے قائل ہیں حالانکہ ایسی بات نہیں ہے، حافظ ابن  
حجر کے الفاظ ہیں۔

لحل ما حكي عن محمد بن جوير  
الطبري من الاكتفاء في الوضوء  
بمسح الرجلين انما هو هذا  
الرافضی فانه هو مذاهبهم

شاید بات یہ ہوئی کہ لوگ کہنے لگے کہ وہ وضو  
میں پاؤں پر مسح کو کافی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ  
بات ابن جریر رافضی کی ہے کیونکہ رافضیوں  
کا یہی مذہب ہے۔

اب یہ بات ناقابل انکار ہو گئی کہ طبری دو ہیں، ایک ابن جریر بن یزید طبری معتمد ائمہ اسلام ہیں، دوسرا ابن جریر بن رستم طبری غالی رافضی ہے، اتفاق سے دونوں ابن جریر صاحب تصانیف ہیں، اور "تاریخ الامم والملوک" کا طرز تحریر ایسا ہے سرسری مطالعہ کرنے والوں کو اس سے شیعیت کی بُرائی ہوتی ہے۔ بس اتنی سی بات نے ایک خلاف حقیقت ادیبے بنیاد دعویٰ کرنے پر مجبور کر دیا حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ کتاب کا تحقیقی مطالعہ کر کے اس کی روایتوں کا مستند روایات سے موازنہ کر کے رد و قبول جمع و تطبیق سے کام لیا جاتا اور طرز تحریر کی وضاحت کی جاتی۔ سہل الحصول طریقہ یہ سمجھا گیا کہ کتاب ہی کو ابن جریر رافضی کی طرف منسوب کر دیا جائے، جس کم جہاں پاک۔

سوال یہ ہے کہ ابن جریر رافضی نے کوئی اسلامی تاریخ لکھی بھی ہے یا نہیں جتنے بھی قابل حصول تذکرے مجھے دستیاب ہوئے ان میں کہیں بھی یہ نہیں ملتا کہ ابن جریر رافضی کی فن تاریخ میں تاریخ الامم والملوک کے نام سے کوئی کتاب ہے، اس کے برعکس ابن جریر بن یزید طبری کی تمام کتابوں کی فہرست متعدد کتابوں میں پائی جاتی ہے اور ہر جگہ ان کی تفسیر تاریخ ان کی تصانیف میں شامل پائی جاتی ہیں۔

قدیم و جدید کسی تذکرے میں ادنیٰ شبہ کا اظہار بھی نہیں کیا گیا ہے کہ تاریخ الامم والملوک ابن جریر رافضی کی ہے اور تفسیر ابن جریر بن یزید طبری کی ہے، اس سلسلہ میں اتنی شہادتیں ہیں کہ کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ چند شہادتیں آپ کے سامنے پیش ہیں

علوم و فنون کے تعارف کے سلسلہ میں سب سے قدیم تصنیف ابن ندیم کی "الفہرست" ہے، ابن ندیم ابن جریر طبری سے قریب العبد بھی ہیں کیونکہ طبری کا انتقال ۳۲۰ھ میں ہوا ہے اور ابن ندیم کا سال وفات ۳۴۵ھ ہے یعنی طبری سے ۲۵ سال کے بعد اگر ابن ندیم نے اپنی

۱۔ تفصیل کیلئے دیکھئے تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۲، فہرست ابن ندیم ص ۳۲۶، ۳۲۷، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۱۳۶، تاریخ الامم والملوک ج ۱ مقدمہ ناشر ص ۴-۵

یہ کتاب در شباب میں لکھی ہے تو طبری کے انتقال کو زیادہ سے زیادہ بیس چالیس سال کا نازہ گذرا ہوگا، انھوں نے اپنی کتاب میں ایک مستقل عنوان ہی "الطبری واصحابہ" قائم کیا ہے ان کی زندگی کے حالات اور سال وفات کو ابوالفرج المعانی بن زکریا النہروانی کی روایت سے یا جو بغداد کے قاضی تھے جہاں طبری کی علمی و تصنیفی زندگی کا بیشتر حصہ گذرا ہے، ان کے بچپن میں جب ان کی عمر سات سال کی تھی تو طبری کا بغداد میں انتقال ہوا تھا، ان کو ابن جریر سے وہ عقیدت تھی کہ لوگ ان کو "جریری" کہا کرتے تھے، انھی کے بیان پر ابن ندیم نے طبری کا سال وفات سن ۳۱۳ بتایا جو متفق علیہ ہے۔

ابن ندیم نے لکھا ہے کہ مجھ سے ابواسحاق بن محمد ابن اسحاق نے بتایا کہ مجھ سے ایک قابل اعتماد اور ثقہ آدمی نے بتایا جس نے مصر میں طبری سے ملاقات کی تھی اور ان کی مجلسوں میں شریک ہوا تھا، وہ کہتا ہے کہ میں طبری کے خط کو پہچانتا ہوں میں نے ان کے بہت سے مخطوطے ان کے قلم کے لکھے ہوئے دیکھے ہیں پھر اس نے طبری کی تصنیفات کو شمار کرتے ہوئے ان کی تفسیر و تاریخ کے متعلق بتایا۔

ان کی تاریخ کی کتاب ہے اس کے دو حصے بتائے جاتے ہیں، انھوں نے سن ۳۱۳ کے حالات اٹھا کر لکھے ہیں، ہمارے یہاں ایک حصہ ہے بعض لوگوں نے اس کی تلخیص بھی کی ہے اور اس کی سندوں کو حذف کر دیا ہے، تلخیص کرنے والوں میں محمد بن سلیمان ہاشمی ہیں، ان کی کتاب التفسیر جس سے بہتر اب تک کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی اسکی بھی تلخیص ہوئی ہے

کتاب التاریخ ویضاف الیہ القطعان  
واخر ما املیٰ منہ الی سنۃ ۳۱۳ و  
فہنا قطع، وقد اختصر ہذا  
الکتاب وحذف اسانیدہ جماعۃ  
منہم رجل یعرف بمحمد بن سلیمان  
الہاشمی.... کتاب لتفسیر لویجیل  
احسن منہ وقد اختصر جماعۃ متلم



ابن ندیم نے ان دو کتابوں کے علاوہ ان کی دوسری پندرہ کتابوں کو بھی شمار کر لیا ہے۔  
ان دونوں کتابوں کو اسی صحیح العقیدہ ابن جریر طبری کی تصنیف بتاتے ہیں جن کا انتقال  
۳۱۰ھ میں ہوا ہے

ابن ندیم کے بعد خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ کا زمانہ آتا ہے انھوں نے اپنی مشہور  
عالم کتاب تاریخ بغداد میں طبری کا سات صفحات میں مفصل تذکرہ کیا ہے، ان کے علمی مقام  
درتبہ، فضل و کمال، اسفار، دیگر حالات اور وفات، تجئز و تکفین، جنازہ پڑھنے والوں کا  
ازدحام تک کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اور بتاتے ہیں کہ ان کا انتقال اتوار کے دن ۲۸ شوال  
۳۱۰ھ کو نماز مغرب کے وقت ہوا، حبابہ کے تشدد اور مخالفت کی وجہ سے ان کو عام  
قبرستان میں دفن نہیں کیا جاسکا بلکہ ان کو ان کے گھر میں جو ”رُحْبہ یعقوب“ میں واقع تھا  
دفن کیا گیا۔

خطیب بغدادی نے بڑے ہی پر شکوہ الفاظ میں ان کے فضل و کمال اور ان کی  
بے مثال تصانیف کو خراج تحسین پیش کیا ہے انھوں نے طبری کی کئی کتابوں کا ذکر کیا ہے  
پھر ان کی تفسیر و تاریخ کے بارے میں تحریر فرمایا

.... ولله الکتاب المشهور فی تاریخ  
الامور والملوک و کتاب فی التفسیر  
انھیں کی فن تاریخ کی مشہور کتاب تاریخ  
الانعم والملوک ہے اور تفسیر میں ایسی کتاب  
لکھدی کہ اب تک ایسی کتاب نہیں لکھی گئی  
ولہ یصنف احد مثله ۹

ان جملوں سے جہاں دونوں کتابوں کے مصنف کے ایک ہونے کی شہادت ملتی ہے  
انھیں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خطیب کے زمانے تک طبری کی تاریخ کی شہرت بام عروج پر  
پہنچ چکی تھی، یہ شہرت خود بتاتی ہے کہ اس کے مصنف کے بارے میں کس کو کوئی اشتباہ  
و اشکال نہیں تھا۔

فن اسرار الرجال کے امام علامہ ذہبی نے اپنی کتاب کے ۶ صفحات میں ابن جریر کے حلال لکھے ہیں اور ان کے علم و فضل اور کمال فن کو خراج عقیدت پیش کرنے کیلئے خطیب بغدادی کی عبارت مستعار لی ہے، تفسیر و تاریخ کے سلسلہ میں طبری نے اپنے تلامذہ سے جس ضخامت کا اظہار کیا تھا اور طلبہ کی کم ہمتی کی وجہ سے دونوں کتابوں کو مختصر کرنے کے واقعہ کو ذہبی نے بھی مفصّل لکھا ہے، پھر ذہبی نے ان کے مشہور کتاب گرد فرغانی کا بیان نقل کیا ہے۔

قال الفرغانی تحریله التفسیر  
والتاریخ و کتاب القراءات  
و کتاب العدد و التنزیل و کتاب  
اختلاف العلماء و کتاب تاریخ الرجال  
و کتاب لطیف القول فی الفقه  
و کتاب التبصیر فی الاصول و کتاب  
تہذیب الاثار۔

فرغانی کہتے ہیں کہ ان کی درج ذیل کتابیں  
مکمل ہو گئیں، تفسیر، تاریخ، کتاب القراءات  
کتاب العدد و التنزیل، کتاب اختلاف العلماء  
کتاب تاریخ الرجال، لطیف القول فی  
الفقه اور اصول میں کتاب التبصیر اور کتاب  
تہذیب الاثار (جو مکمل نہ ہو سکی) وغیرہ

ابن ندیم اور خطیب بغدادی نے ان کی جن تصانیف کا ذکر کیا ہے اور جو فہرست  
دی ہے علامہ ذہبی اسی فہرست کو نقل کرتے ہوئے طبری کی تفسیر اور تاریخ کے سلسلہ  
میں لکھتے ہیں۔

لہ کتاب الکبیر المشہور فی تاریخ  
الامور لہ کتاب التفسیر الذی لہ  
یصنف مثله۔

ان کی عظیم کتاب تاریخ اہم میں مشہور  
ہے اور ان کی تفسیر کی کتاب تو ایسی ہے  
کہ اس جیسی کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔

تاج الدین السبکی متوفی ۷۷۰ھ نے بھی اپنی کتاب میں ابن جریر کا مفصّل تذکرہ لکھا

ہے اور ان کی پیدائش، تاریخ وفات، تفسیر تاریخ کی ضمانت کا واقعہ تصانیف کی فہرست یہ سب کچھ انھوں نے خطیب بغدادی سے ہو ہوئے لیا ہے اور حقیقت مسلمہ کے طور پر ان تمام باتوں کو نقل کرتے چلے گئے ہیں، تصانیف کو شمار کراتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے۔

ومن تصانیفه کتاب التفسیر  
و کتاب التاريخ  
ان کی تصانیف میں کتاب التفسیر اور  
کتاب التاريخ وغیرہ ہیں۔

باقی آئندہ

### بقیہ ص ۲۱۔ حدیث عہد رسول میں

اتقان، قوت حافظہ اور وقت نظر میں دنیا کے لئے بہترین مثال ثابت ہوئے، یہ روایت بالمعنی کرتے بھی ہیں تو پورا احتیاط ملحوظ رکھتے ہیں حتیٰ کہ روایت کے دوران سہو و خطا وغیرہ پر تنبیہ بھی کرتے ہیں ان کی ہر وقت یہ خواہش ہوتی ہے کہ جو کلمات اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں بس اسے ہی نقل کریں، اس غایت احتیاط کے بعد کسی اندیشہ کا کوئی امکان نہیں رہ جاتا جیسے مصنفین اور اعتراض کرنے والے ہوا دیتے ہیں

یہ بھی یاد رہے کہ روایت بالمعنی کا یہ اختلاف اکثر علماء کے یہاں نظر پاتی ہے قرن اول میں بھی روایت بالمعنی اسی دائرہ میں ہوتی رہی ہے جسے مفسر نہیں کہا جاسکتا اسلئے اس بحث کو از سر نو پھیرنا فضول ہے جبکہ زمانہ بھی لدچکل ہے اور امت نے ان صحیح کتابوں کی صحت کے ساتھ ذکر کردہ حدیثوں کی صحت پر بھی اجماع کر لیا ہے تو پھر دلوں میں شکوک پیدا ہونے کی کوئی گنجائش بھی نہیں رہ جاتی جبکہ یہ حدیثیں انتہائی محفوظ طریقوں سے اور امت کے سب بہترین گروہ صحابہ و تابعین کے ہاتھوں ہم تک پہنچی ہے تو کیا شک و شبہ کی ادنیٰ سی گنجائش بھی رہ جائے گی۔



# سیف مسلول کا ایک باب

بیلقی عصر قاضی ثناء اللہ، پانی پتی، متوفی ۱۲۲۵ھ

ترجمہ: مولانا عزیز اللہ اعظمی فاضل دیوبند

”سیف مسلول“ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی ایک اہم تصنیف ہے، موضوع ردّ شیعیت ہے، کتاب کی زبان فارسی ہے، تقریباً دو سو صفحات پر پھیلی ہے، موضوع کے لحاظ سے کتاب بہت اہم اور نادر ہے، اس میں شیعوں کے فرقے، ان کے عقائد و نظریات اور خلفائے ثلاثہ حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہ کے بارے میں ان کے غلط سلط خیالات پر سیر حاصل بحث ہے اس کتاب کی امتیازی خصوصیت جو اس موضوع کی دیگر کتابوں کے مقابلہ میں اس کو ایک نمایاں مقام عطا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مصنف نے قرآنی آیات کے ساتھ خود ان کے معتبر علماء کی کتابوں سے بھرپور استدلال کیا ہے، اور جابجا محمد بن یعقوب الکلبی کی کتاب کافی ابو جعفر محمد بن حسن طوسی کی کتاب، تہذیب و استبصار، محمد بن علی بن بابویہ القمی کی نقہ من لا یخفہ الفقیہ، اور استبصار ابن منظر الحلی اور جامع عباسی اور ابو محمد حسن الحسکری کی تفسیر سے روایات نقل کر کے ان کے خلاف استدلال کیا ہے تاکہ کسی کے لئے انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔

۳۴

کتاب ایک مقدمہ و خاتمہ اور سات مقالات پر مشتمل ہے، چوتھا مقالہ خلفاء اربعہ اور دیگر صحابہ کے مطاعن کے رد میں ہے، اس مقالہ میں قاضی صاحب نے ان کے اعتراضات کا مکمل جواب دیا ہے جو انھوں نے خلفائے ثلاثہ و غیر ہم پر کیا ہے، اس کی افادیت کے پیش نظر

ہم اس مقالہ کا خلاصہ سیف مسلول کا ایک باب کے عنوان سے اردو میں پیش کر رہے ہیں۔  
خلفائے ثلاثہ کی ترتیب سے اعتراض و جواب تحریر کیا جا رہا ہے۔

پہلا اعتراض ————— حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جہزدا جیش اسامہ لعن اللہ من تخلف عنہ۔ شکر اسامہ کی تیاری کر دو جو اس سے پیچھے رہ جائے اللہ اس پر لعنت کرے۔

ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے شکر سے تخلف کیا، اس طرح حضور کی نافرمانی کی اور اللہ کی لعنت کیے مستحق ہوئے  
جواب ————— یہ حدیث اپنی جگہ صحیح تو ہے لیکن اس کا آخری ٹکڑا

لعن اللہ من تخلف عنہ کسی روایت میں موجود نہیں ہے شہرستانی صاحب مغل و نخل نے بیان کیا ہے کہ یہ ٹکڑا موضوع ہے، حدیث کا جزو نہیں ہے اور تہذیب جیش کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت کی حالت میں دیا تھا۔ اس حدیث سے حضرت ابوبکرؓ پر طعن و تشنیع کرنا سراسر غلط ہے، اسکی چند وجوہ ہیں۔

(۱) حضرت ابوبکرؓ اس حکم سے خارج تھے، اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نماز کی امامت سونپ دی تھی کہ لوگوں کو وقت پر نماز پڑھایا کریں، ایسی صورت میں آپ شکر اسامہؓ کے ساتھ نہیں جاسکتے تھے، اسلئے آپ بالیقین اس حکم سے مستثنیٰ تھے۔

(۲) بالفرض اگر اس حکم میں داخل ہوں تب بھی امامت کا حکم اس کیلئے ناسخ ہوگا، اور شکر کے ساتھ جانا ضروری نہیں ہوگا۔

(۳) حضورؐ نے تہذیب جیش (شکر اور سامان شکر تیار کرنے) کا حکم دیا تھا، جس کے مفہوم میں خود شکر میں شریک ہونا یا دوسروں کو بھیجنا یا اس کیلئے ضرورت کا سامان تیار کرنا سبب داخل ہیں یہ نفس نفیس جانا ضروری نہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے شکر تیار کر کے محاذ پر روانہ کیا، پس کیونکر لعنت کے مستحق ہوں گے۔

دوسرا اعتراض ————— یہ ہے کہ عمر بن خطابؓ نے بیان کیا ہے

كانت بيعة ابي بكر فلتة وحق  
الله المؤمنين من شرها فمن  
عاد الى مثلها فاقطوه۔  
ابوبکر کی بیعت اچانک پیش آئی، اللہ نے اس  
کے شر اس وقت کے شر سے مؤمنین کی حفاظت  
فرمائی، اب اگر کوئی بیعت کیلئے سراٹھائے  
تو اس کا سر قلم کر دو۔

عمر بن خطاب کا یہ قول اس بات کی صراحت ہے کہ ابوبکر کی خلافت حقیقت پر مبنی نہیں  
تھی اور وہ خلیفہ برحق نہیں تھے۔

**جواب**۔۔۔۔۔ اس بے اصل اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر بن خطاب  
کے قول کا جو مطلب بیان کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے اس کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر  
کی بیعت بغیر کسی تردد کے اچانک عمل میں آئی۔ طویل بحث و مباحثہ کی ضرورت نہیں ہوئی، اس  
کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ حضرت ابوبکر کی بیعت ہی صحیح نہیں تھی۔ بالفرض یہ بات ہوتی تو  
حضرت عمرؓ و صحابہؓ کے بھرے مجمع میں کیونکر یہ کہتے۔۔۔

ابوبکر خیرنا وسیدنا لیس بیننا من ہوا فضل منہ

ابوبکر سب سے بہتر ہیں ان سے بہتر کوئی نہیں وہ ہمارے سردار ہیں۔

باقی "وقی اللہ المؤمنین من شرھا" سے یہ اشکال کہ یہ بیعت شر پر مبنی تھی، صحیح نہیں ہے  
یہ غلط ذہن کی اتباع اور عربی قواعد سے ناواقفیت کی دلیل ہے، عربی کا ایک عام قاعدہ ہے  
کبھی فعل کی اضافت ظرف کی جانب کر دی جاتی ہے اور فعل کے خیر و شر کی نسبت اس سے جوڑ دیتے  
ہیں، قرآن میں اس طرح کی مثال ملتی ہے، آیت کریمہ ہے مکر اللیل والنہار۔

اس قاعدہ کے پیش نظر حضرت عمرؓ کے قول کا مطلب یہ ہوگا کہ "اللہ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت  
سے مسلمانوں کو اس وقت کے ایک عظیم فتنہ سے بچایا، اگر صحابہؓ حضرت ابوبکرؓ سے بیعت نہ کرتے  
تو ایک عظیم فتنہ کھڑا ہو جاتا

تیسرا اعتراض۔۔۔۔۔ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے



لست بخیر کو و علیٰ فیکم علیؑ کے ہوتے ہوئے میں کیونکر بہتر ہو سکتا ہوں  
اگر یہ قول صادق ہے تو آپ خلافت کے قابل نہیں کیونکہ ادنیٰ اعلیٰ کے ہوتے ہوئے  
خلافت کا مستحق نہیں ہو سکتا ہے، اور اگر کاذب ہے تب بھی خلافت کے مستحق نہیں کہ جھوٹا  
خلیفہ بن سکتا ہے۔

جواب ————— ادلاً اہل سنت کے نزدیک آپ کا یہ قول ثابت نہیں ہے  
مانیا صحیح مان لیا جائے تو کسیر نفسی اور انکساری پر محمول ہوگا یہ ایک عاکیات ہے بزرگوں کے ہاں  
اس طرح کے اقوال بکثرت پائے جاتے ہیں، صحیفہ کاملہ میں علی بن حسین سے مروی ہے کہ وہ دعا میں  
کہا کرتے تھے۔

انا الذی افنت الذنوب عمری گناہوں نے میری زندگی کو فنا کے گھاٹ اتار دیا  
اگر یہ اعتراض صحیح ہے تو علی بن حسین پر بھی یہی اعتراض ہو سکتا ہے اور امامت کے لئے  
مخفی بن سکتا ہے۔

چوتھا اعتراض ————— روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت  
کے نویں سال جب سورہ برات نازل ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ کو مکہ روانہ کیا کہ جا کر حاجیوں کو اسکے  
نازل ہونے کی اطلاع کر دیں اور سنائیں لیکن بعد میں اس کا کیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے  
حضرت علیؓ کو بھیجا اور ابوبکرؓ کو روک دیا گیا۔

جس میں ایک سورہ کی ادائیگی کی صلاحیت نہیں وہ کیونکر خلیفہ بن سکتا ہے اور  
مسلمانوں کے جملہ امور کو بحسن و خوبی انجام دے سکتا ہے۔

جواب ————— واضح ہونا چاہیے کہ یہ روایت ہمارے سے غلط ہے  
حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو، امیر حج بنا کر بھیجا تھا، ان کے جانے کے بعد جب سورہ برات  
نازل ہوئی تو حضرت علیؓ کو اس کی تلاوت کے لئے بھیجا، ابوبکرؓ کو اس کام کیلئے بھیجے  
کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

اگر روایت کو صحیح فرض کر لیا جائے تو اس کو کسی وقتی مصححت پر محمول کیا جائیگا، جس سے عدم عدالت و استحقاق کا نتیجہ نکالنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا، اور اس روایت کو لے کر ابو بکرؓ پر طعن و تشنیع کرنا ایک لمحہ کیلئے جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

**پانچواں اعتراض** ————— ابو بکرؓ نے چور کا بایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا جب کہ یہی طرح مناسب نہیں تھا۔

**جواب** ————— اہل سنت کے نزدیک یہ روایت ثابت نہیں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے سرقہ اولیٰ (پہلی چوری) میں بایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا، بلکہ نسائی طبرانی اور حاکم نے عارت بن عاطب سے روایت نقل کی ہے کہ اپنے سرقہ سوم میں بایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا تھا، اور امام مالک نے عبدہ بن رحن بن قاسم عن ابیہ کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ چور کا دہتا ہاتھ اور بایاں پیر کاٹا ہوا تھا، اس وجہ سے بایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا تھا، اور نیز آپ کا یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل حدیث کے عین مطابق تھا

عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی السارق ان سرق فاقطعوا یدہ ثمان سرق فاقطعوا رجلہ ثمان سرق فاقطعوا یدہ ثمان سرق فاقطعوا رجلہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کے بارے میں فرمایا اگر چوری کرے (پہلی مرتبہ) تو ہاتھ کاٹ دو پھر اگر چوری کرے (دوسری مرتبہ) تو پیر کاٹ دو، پھر اگر کرے (تیسری مرتبہ) تو ہاتھ کاٹ دو، پھر کرے (چوتھی مرتبہ) تو اس کا پیر کاٹ دو
--	---

چنانچہ امام شافعیؒ اور مالکؒ کا مذہب حدیث بالا پر ہی مبنی ہے، اسی پر عمل کرتے ہیں۔ البتہ اس سلسلے میں امام صاحب اور احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ دہتا اور بایاں پیر کاٹنے کے بعد قید کر دیا جائیگا۔ حضرت علیؓ کا خیال بھی کچھ اسی قسم کا ہے۔

انہ قال انی لا استعفی من اللہ ان مجھے یہ پسند نہیں کہ اس کے پاس ایک ہاتھ بھی

لَا يَكُونُ لَهُ يَدٌ يَأْكُلُ مِنْهَا وَيُسْتَنْجَى مِنْهَا نہ ہو جس کے دل کے ادریشاب پانخانہ کے  
لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ خیال استحسان عقلی کی قبیل سے ہے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کا عمل نص کے  
جوڑ کھاتا ہے اور استحسان عقلی، نص کے مقابلہ میں مترک ہوتا ہے، اور نیز حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ  
کا عمل قواعد کی رو سے راجح معلوم ہوتا ہے۔

پہلی چوری میں اس کا داہنا ہاتھ کاٹا جائیگا، اور دوسری چوری میں بنظر آیت فاقطعوا  
بایاں ہاتھ کاٹا جانا چاہئے، لیکن یہ حدیث کے بیان کردہ ترتیب کے خلاف ہوگا، اس لئے بایاں پیر  
کاٹ دیا جائیگا، جب تیسری مرتبہ چوری کریگا تب بایاں ہاتھ کاٹا جائیگا۔

اگر ان ہی لیا جائے کہ پہلی چوری میں ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا تو یہ  
کہا جائیگا کہ آپ نے حکم کو مطلق تصور کیا اور امر قطع ید میں دست راست و چپ دونوں کو داخل  
سمجھ کر بایں ہاتھ کے کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ اور جس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے  
جوڑ کا داہنا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا، اسے اتفاق پر محمول فرمایا، ایسی صورت میں آپ  
پر اعتراض کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔

یہ اشکال کہ یہ عمل اجماع کے خلاف تھا اس کا جواب یہ ہے کہ سرقہ اولیٰ (پہلی چوری)  
میں قطع ید میں پرائمہ کا اجماع بعد میں منعقد ہوا تھا، جو ابو بکر رضی اللہ عنہ کیلئے حجت نہیں بن سکتا تھا۔

**چھٹا اعتراض** — ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو لواطت  
کی سزا میں نذر آتش کر دیا جبکہ حضور نے تعزیر بالنار (آگ کی سزا) سے منع فرمایا ہے  
**جواب** — ۱۔ قاضی صاحب نے اس کا جواب چند طریقے سے دیا ہے

- (۱) روایتی اعتبار سے یہ حدیث ضعیف ہے، حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے پسند ضعیف مروی ہے  
اور شاید اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور اس باب میں کوئی صحیح یا حسن حدیث منقول نہیں ہے  
اگر حدیث مذکور صحیح بھی ہو تو ممکن ہے آپ تک نہ پہنچی ہو یا پہنچی ہو مگر مخصوص ہے یا عمومی، یا تنزیہی  
(۲) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے زندہ نذر آتش نہیں کیا تھا۔ سوید بن غفلہ نے بیان کیا ہے کہ اپنے



حکم دیا تھا کہ پہلے سر قلم کر دیا جائے اس کے بعد نذر آتش کر دیا جائے اور حدیث میں زندہ جلانے کی ممانعت آئی ہے

(۳) ابوبکرؓ نے جلانے کا حکم حضرت علیؓ کے مشورہ سے دیا تھا، یہی حق نے شعب الایمان میں محمد بن المنکدر اور واقدی کے واسطے سے نقل کیا ہے

ان ابابکر لما استشار الصحابة ابو بکرؓ نے جب لوطی کی سزا کے سلسلے  
فی عذاب اللوطی قال علیؓ اری ان تم اصحاب سے مشورہ کیا تو حضرت علیؓ نے کہا کہ  
یعرق بالنار واجتمع الصحابة میری رائے یہ ہے کہ آگ میں جلادیا جائے، صحابہ نے  
علیؓ ذلك فامر به ابوبکرؓ اس رائے سے اتفاق کیا، پس ابوبکرؓ نے  
فما حرقه بالنار۔ اسے نذر آتش کرنے کا حکم دیدیا

فرقہ امامیہ کے عالم مرتضیٰ نے تنزیہ الانبیاء والائمة میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے لواطت کے فعل میں مبتلا ایک شخص کو آگ میں جلادیا تھا، الفاظ یہ ہیں

ان علیا احرق رجلا اتی حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو جس نے ایک  
غلاما فی دبرہ۔ لڑکے سے لواطت کیا نذر آتش کر دیا۔

ان حقائق کی روشنی میں حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کے معاذ اللہ حقیقی مستحق ٹھہرتے ہیں نہ کہ ابوبکرؓ۔

ساتواں، اٹھواں اعتراض ————— ان دونوں اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو جہدہ کی میراث اور کلامہ کے مسئلے میں جواب نہیں آتا تھا، صحابہ کے مشورے کے محتاج بنے۔

جواب ————— یہ دونوں اعتراض نہایت لچر اور بھس پھسے

ہیں، ایک دو مسئلہ نہ جاننے سے کسی کی یاقات اور قابلیت میں فرق نہیں پڑتا، اور نہ اس پر آواز کسے کا جواز نکلتا ہے، صحابہ کرام خصوصاً حضرات شیخین کی عادت کہ یہ تھی کہ جب کوئی مسئلہ

پیش آتا تو سب کے پہلے قرآن و حدیث میں اس کا حکم تلاش کرتے۔ نہ مٹنے کی صورت میں صواب کلام کو جمع کر کے مشورہ کرتے اور سب کے اتفاق سے مسئلہ کا حکم بیان کر دیتے تھے اس طرح یہ مسئلہ اجماعی بن جاتا اور اس میں خطا کا احتمال نہیں ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ شیخین کے زمانہ خلافت میں کثرت سے اجماعی مسائل ظہور پذیر ہوئے، درحقیقت امت مسلمہ پر ان حضرات کا احسان عظیم ہے جس کے سبب وہ شکر کے مستحق ہیں نہ کہ طعن و تشنیع کے، اللہم اہدنا الی سولہ السبیل۔  
عبداللہ ابن بشر سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی مسئلہ میں استفسار کیا گیا تو آپ نے صاف فرمادیا

لَا عَلَمَ لِي بِهَا ————— مجھے اس کے بارے میں علم نہیں ہے  
ایک دوسرے کی ناواقفیت اگر طعن و تشنیع کا باعث بن سکتی ہے تو انصاف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آپ کے اعتراض سے بچ نہیں سکتے، شاید اعتراض کرتے وقت آپ نے واقعات سے نظر بند کر لی تھی۔ "ہریں عقل و دانش بہاید گریست"

نوادل عتراض ————— حضرت فاطمہ زہراؓ نے جب حضرت ابوبکرؓ سے میراث پدیری کا مطالبہ کیا تو انھوں نے مطالبہ رد کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا۔

يَا ابْنَ اَبِي قَحَافَةٍ اے ابو قحافہ (والد کا نام ہے) کے لڑکے  
تَوْرِثُ اَبَاكَ وَلَا ارِثُ آپ اپنے والد کے وارث نہیں اور میں اپنے  
الہی۔ والد کی وارث نہ ہوں

جواب ————— ابوبکرؓ نے فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے  
نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَاءِ لَا  
نُورِثُ وَلَا نُورِثُ مَا تَرَكْنَا  
صدقہ۔ ہم (انبیاء) نہ کسی کے وارث بنتے ہیں اور  
نہ ہمارا کوئی وارث بنتا ہے، ہمارا متروک  
صدقہ ہوتا ہے

یہ روایت خبر واحد کے درجہ میں ہے اس کے راوی صرف ابوبکرؓ ہیں، لہذا اس سے

زیر بحث مسئلہ میں استدلال کرنا صحیح نہیں۔ نیز یہ حدیثی استدلال قرآن کی ان آیات کے مخالف بھی ہے

(۱) یوصیکم اللہ فی اولادکم  
للذکر مثل حظ الانثیین  
اللہ تعالیٰ تمکو تمھاری اولاد کے بارے میں  
حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کو دو حصہ اور ایک  
لڑکی کو ایک حصہ۔

(۲) وورث سلیمان داؤد  
سلیمان، داؤد کے وارث ہوئے۔

(۳) وھب لی من لدنک ولیاً یرثنی ویرث من آل یعقوب۔

پہلی آیت عا ہے اس لئے پیغمبر اور غیر پیغمبر دونوں کی اولاد میں وراثت کا قاعدہ جاری ہوگا اور پیغمبر کی اولاد بھی وراثت کی مستحق ہوگی، اور اس کی تائید بعد کی دونوں آیتوں سے ہوتی ہے

**جواب** — ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حق میں اس حدیث کو خبر واحد کہنا

روایت اور درایت کے اصول کے خلاف ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ متعدد صحابہ جیسے حذیفہؓ، زبیر بن عوامؓ، ابو دردارؓ، ابو ہریرہؓ، اور حضرت عائشہؓ اس کے راوی ہیں، ایسی صورت میں اسے خبر واحد کہنا کم علمی اور نادانی کی دلیل نہیں تو اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ اور اگر بالفرض حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ روایت میں منفرد ہوں تب بھی حدیث ان کے حق میں متواتر کا درجہ رکھنیگی علاوہ اس کے کہ دوسرے کے حق میں ظنی ہو، ورنہ اس کی یہ ہیکہ زبان حق تر جان سے سننے کے بعد حدیث صحابی کے حق میں واجب العمل ہو جاتی ہے، اس سے انحراف کسی حال میں بھی جائز نہیں ہوتا ہے۔

جب صورت یہ ہے تو حضرت ابو بکر کا زیر بحث مسئلہ میں حدیث بالا سے استدلال کرنا صحیح ہی نہیں بلکہ منشاء رسول کے عین مطابق ہے کہ انبیاء کرام اپنے مال و اسباب کا کسی کو وراثت نہیں پہنچاتے جو کچھ ان کی ملک میں ہوتا ہے وہ سب لوہ خیر میں ہوتا ہے، ان کا اصل



مترک وہ علوم الہیہ ہیں جو ان کے سینہ مبارک میں محفوظ ہوتے ہیں، اور ہر شخص اپنی اپنی وسعت اور ظرف کے مطابق لیتا اور حاصل کرتا ہے۔

خود اس طرح کی روایت ان کے علماء سے منقول ہے، محمد بن یعقوب نے کافی میں ابو یوسفی کے واسطے سے ابو عبد اللہ جعفر بن محمد صادق سے نقل کیا ہے

العلماء ورثة الانبياء و ذالك  
ان الانبياء لم يورثوا درهما  
ولا دينار و انما ورثوا من احاديثهم  
فن اخذ بشئ منها فقد اخذ بحظ وافر  
علماء دارشین انبیاء ہیں، اس لئے کہ انبیاء نے  
کسی کو درہم و دینار کا طرث نہیں بنایا بلکہ اپنی  
احادیث کا وارث بنایا ہے سو جو حاصل کرے  
وافر مقدار میں حاصل کرے۔

کلمہ انما حصر کے لئے آتا ہے تو مطلب ہوگا انبیاء علیہم السلام نے اپنی احادیث ہی کا وارث بنایا ہے مال و دولت کا وارث نہیں بنایا ہے۔ بالفرض آیت کریمہ یوصیکم اللہ الخ کو عالم ارواح ابو بکرؓ کو خبر واحد تسلیم کیا جائے تب بھی حدیث کا مطلب اپنی جگہ برقرار رہے گا اور زیر بحث مسئلہ میں فرق نہیں پڑے گا ورنہ اس کی یہ ہے کہ جمہور فرقہ امامیہ کے نزدیک ان کے فقہاء کی تصریح کے مطابق آیت کی تخصیص، خبر واحد سے جائز ہے، دریں صورت غیر پیغمبر کی اولاد کو کو خاص ہوگی اور ان کے حق میں وراثت کا قاعدہ جاری نہ ہوگا

اس بحث و تمحیص سے صرف نظر کر کے حضرت فاطمہ زہراءؓ کو مستحق وراثت مان لیں تو یہ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ حضرت عباس، ابن عباس اور ازواج مطہرات کیوں محروم کر دی گئیں جبکہ یہ حضرات بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عارمین میں سے تھے۔

آیت کریمہ عورت سلیمان وادہ وھبلی سے وراثت انبیاء پر استدلال کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے کیونکہ دونوں آیتوں میں وراثت علم و نبوت مراد ہے وراثت مالی مراد نہیں ہے کلینی نے نقل کیا ہے

ان سلیمان وراثت داود و ان عیسا  
سلیمان، داؤد کے وارث سمجھے اور یہاں

## ورث سلیمان

نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سلیمانؑ کے وارث ہوئے

اگر وراثت مالی مراد ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلیمان علیہ السلام کے کیونکر وارث ہوتے اور سلیمانؑ کی تخصیص بھی صحیح نہیں ہوتی کیونکہ داؤدؑ کے دوسرے صاحبزادے بھی تھے ایسے ہی حضرت یحییٰ علیہ السلام تو اپنے پدر بزرگوار حضرت زکریا علیہ السلام کے سوا، آل یعقوبؑ کے کیسے وارث ہو سکتے تھے، پتہ چلا دونوں آیتوں میں وراثت سے مراد یقینی طور پر وراثت علمی ہے

واضح رہے کہ ازدواج مطہرات کے حجرے ان کو وراثت میں نہیں ملے تھے بلکہ حضورؐ نے اپنی حیات میں الگ الگ ان کو مالک بنادیا تھا، اس کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت شریفہ ہے۔

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ      تم اپنے گھروں میں رہا کرو

اس میں بیوت (گھروں) کی اصناف کن (اپنے) ضمیر کی جانب کی گئی ہے، جس کا مطلب ہے تم۔ اپنے گھروں میں رہا کرو۔

دسواں اعتراض — ابو بکرؓ نے فاطمہ زہراؑ کو "باغ فدک" نہیں دیا، فاطمہ زہراؑ نے دعویٰ کیا کہ حضورؐ نے مجھے بطور مہبہ دیا تھا، اور شہادت میں حضرت علیؓ دام امینؓ یا ام ایمنؓ کو پیش کیا، ابو بکرؓ نے ان پاک ہستیوں کی شہادت رد کر دی فاطمہ زہراؑ ناراض ہو گئیں، جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

فاطمۃ بضعة منی فمن غضبها فقد اغضبنی      فاطمہ میری نخت جگر ہے جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

جواب — شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرۃ العین میں لکھا ہے۔

باغ فدک کے بارے میں فاطمہ زہراؑ کا دعویٰ، اور علیؓ دام امینؓ یا ام ایمنؓ اور حسنؓ کو

شہادت میں پیش کرنا اور ابو بکرؓ کا شہادت رد کر دینا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے۔  
ابوداؤد میں ایک حدیث ہے۔

ان عمر بن عبد العزیز جمع بنی مروان حین استخلف فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت لہ فذلک کان ینفق منها ویعود منها علی صغیر بنی ہاشم ویزوج منها ایملہ مروان فاطمة سئلتہ ان یجعلہا لہا فابی فکانت علی ذلک فی حیوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی مضی بسبیلہ الا

خلیفہ بنی کے بعد عمر بن عبد العزیز نے بنی مروان کو جمع کر کے کہا فذلک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا اس میں سے کچھ اپنے لئے خرچ کرتے اور باقی سے بنی ہاشم کے یتیموں اور ان کی بیواؤں کی شادی میں خرچ کرتے تھے اور فاطمہ زہراؓ نے حضور سے کہا کہ اسکو میرے لئے خاص کر دیا جائے تو آپ نے انکار کر دیا آپ کی زندگی میں اسی حالت پر رہا یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو گئے

حدیث بالا میں وضاحت ہے کہ حضور نے باغ فذلک فاطمہ زہراؓ کو عطا نہیں کیا، جب تک آپ باحیات رہے اپنی تحویل میں رکھا۔

اگر مان ہی لیا جائے تب بھی ہمہ کی بات نہیں کہی جاسکتی ہے اسلئے کہ ہمہ میں تملیک شرط ہوتی ہے اور یہاں یہ چیز مفقود ہے جیسا کہ ادیر کی حدیث سے ظاہر ہے، اور غالباً یہی وجہ ہے جس کی بنیاد پر حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں فذلک کو حکومت کی تحویل میں رکھا۔ جہاں تک فاطمہ زہراؓ کی ناراضگی کا سوال ہے اس سلسلے میں دو باتیں عرض ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ حدیث اغتصاب کا مصداق وہ شخص ہے جو قصداً اپنے فعل و عمل سے فاطمہ زہراؓ کو ناراض کرے، کسی شرعی حکم کے عمل میں لانے سے ناراض ہوں تو وہ شخص وعید کا مستحق نہیں ہوگا مثلاً حاکم کسی کو قصاص یا حد میں قتل کر دے تو آیت کریمہ میں مذکور وعید کا مستحق نہیں ہوگا۔ فمن قتل مؤمناً متعمداً فجزاءہ جہنم۔ جو شخص کسی



مومن کو جان بوجھ کر ناحق قتل کر دے اس کی سزا جہنم ہے۔ — یہی حال یہاں ہے اب اگر فاطمہ زہرا حضرت ابوبکرؓ کے کسی شرعی فعل سے ناراض ہو جائیں تو ابوبکرؓ مذکورہ وعید کے مستحق نہیں ہوں گے۔

دوسری بات جو پہلی بات سے تعلق رکھتی ہے، حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کی آیت فاستشهدوا ۱۱ اور حضرت کی حدیث ”ان فاطمة سألته ان یحطلها“ ۱۲ پر عمل کیا اور اس سے فاطمہ زہرا ناراض ہو گئیں، جبکہ ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی — انصاف سے دیکھا جائے تو یہ اعتراض ابوبکرؓ کے بجائے فاطمہ زہرا کی جانب لوٹ رہا ہے اور ایک شرعی حکم سے اعراض لازم آ رہا ہے جو مندرجہ ذیل آیت کی رو سے جائز نہیں معلوم ہوتا ہے۔

فلا وربك لا يؤمنون حتى  
يحكموك ذیما شجریٰ بینہم بشو  
لا یجدوا فی انفسہم حرجا مما  
قضیت ویسلموا تسلیمًا۔  
تیرے رب کی قسم وہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے  
جب تک وہ اپنے اختلافی امور میں آپ کے ثالث  
نہ بنائیں اور پھر اپنے جی میں تنگی نہ پائیں آپ کے  
فیصلہ سے اور پورا پورا مان لیں

اس سلسلے میں بعض علماء کا یہ جواب کہ فاطمہ زہرا بشر تھیں، ان کے پاس بھی نفس تھا، حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے جو یہ صورت قرآن و حدیث کے عین مطابق تھا اختلاف طبع ہونے سے ناخوش ہو گئیں، فقیر (قاضی صاحب) کے نزدیک صحیح نہیں ہے، کیونکہ ایسی مقدس ذات سے اس طرح کی بات مستبعد معلوم ہوتی ہے، اس کا صحیح اور معقول جواب یہ ہے جس سے تمام بحث و مباحثہ اور تادل و توجیہ کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے۔ معترضین کہتے ہیں ابوبکرؓ نے فدک نہیں دیا جس سے فاطمہ زہرا ناراض ہو گئیں اور زندگی بھر ان سے بات نہیں کی۔

ففضبت ولو تكلو حتى ماتت پس ناراض ہو گئیں اور زندگی بھر بات نہیں کی

امام بخاریؒ نے مذکورہ بالا عبارت کی بجائے اپنی کتاب بخاری میں اس کو ان الفاظ

کے ساتھ نقل کیا ہے

فوجدت ولو تکلمو حتی ماتت پس شرمندہ ہوئیں اور زندگی بھران سے  
اسکے بارے میں کلام نہیں کیا۔

”وجدت“ تین معنی۔ ندمت۔ اغمت۔ اور غضبت میں مشترک ہے، اصل راوی نے  
وجدت کو ندمت یا اغمت کے معنی میں روایت کیا ہے اور بعد کے راویوں نے روایت  
بالمعنی کی بنیاد پر وجدت کو غضبت کے معنی میں سمجھ کر روایت کرنا شروع کر دیا ہیں  
سے غلطی ہوئی جو آگے چل کر تمام غلط فہمیوں کی سرچشمہ بنی۔  
جبکہ عبارت کا واضح مطلب یہ تھا کہ فاطمہ زہراؑ نے جب ابوبکرؓ کی بات سنی اور اپنے  
مطالبے کو خلاف شرع سمجھا تو نادم ہوئیں کہ کیوں مجھ سے ایسا فعل سرزد ہوا، اور لم تکلم  
حتی مات کا مطلب یہ ہے کہ جب تک زندہ رہیں اس کے بارے میں گفتگو نہیں کی  
یہ سوال کہ فاطمہ زہراؑ کا مطالبہ منظر آیت کریمہؑ تھا، البتہ حدیث لا تورث کا انھیں  
علم نہیں تھا بعد میں معلوم ہو جانے کے بعد جب مطالبہ کرنا بند کر دیا تو اس میں ندامت اور  
غم کی کیا بات تھی؟

بات دراصل یہ ہے کہ فاطمہ زہراؑ سے کسی غلطی کا صدور نہیں ہوا تھا، لیکن بارگاہ الہی  
کے مقربین کا حال ہم خطا کار و خطا کوش سے مختلف ہوتا ہے، ان کے ہاں تو حسنات  
الابرار سیئات المقربین کا معاملہ ہوتا ہے اگر ان سے بھول کر کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو  
ندامت و غم میں النسوؤں کے دریا بہا دیتے ہیں جب کہ وہ اس معاملہ میں عندا شد باجور  
اور مغفور ہوتے ہیں، کچھ یہی صورت فاطمہ زہراؑ کے ساتھ بھی پیش آئی ہے

کارپا کاں راقیاس از خود بگبیر  
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

# سیرت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ایک نظر میں

ترتیب ————— مولانا حبیب الرحمن قاسمی

۲۰ اگست - ولادت باسعادت (ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، ۱۰ جون ۵۶۹ء کو ہوئی)	سرخسوی ۵۴۰ھ
وفات حضرت آمنہ والدہ ماجدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم -	۵۴۵/۴۶ھ
آنحضرت کے دادا خواجہ عبدالمطلب کی وفات	۵۴۸ھ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ملک شام کی طرف پہلا سفر	۵۸۲ھ
ملک شام کا دوسرا سفر، حضرت خدیجہ الکبریٰ کی تجارت کی غرض سے	۵۹۵ھ
حضرت خدیجہ الکبریٰ سے عقد	۵۹۵ھ
تجدید عمارت کعبہ معظمہ	۶۰۵ھ
آغاز وحی - (ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کی رو سے وحی کی ابتداء ۲۳ دسمبر ۶۰۹ء کو ہوئی ہے)	۶۱۰ھ
حبشہ کی جانب پہلی ہجرت (رجب ۶۱۰ھ نبوی)	۶۱۵ھ
قابل عرب کی جانب سے نبی ہاشم و بنی عبدالمطلب کا معاشرتی مقاطعہ (سولہ مائیکٹ)	۶۱۵ھ
حضرت خدیجہ اور خواجہ ابو طالب کی وفات	۶۲۰ھ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر طائف -	۶۲۰ھ



۶۲۱ھ	محراج و فرضیت نماز (ہجرت سے ایک سال قبل ۲۴ رجب)
۶۲۱ھ	بیعت عقبہ اولیٰ (۱۲ شعبان ۶۲۱ھ)
۶۲۲ھ	ہجرت مدینہ منورہ (۱۲ ربیع الاول بروز دوشنبہ) حسب تحقیق ڈاکٹر حمید اللہ ۳۱ مئی ۱۹۲۲ء یوم شنبہ
۶۲۳ھ	تحويل قبلہ (آنحضرتؐ نے مدینہ منورہ میں ۱۲ ربیع الثانی بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز ادا کی)
۶۲۳ھ	سریہ حمزہ و عبیدہ بن حارث
۶۲۳ھ	رجون (غزوہ ابواء) (جولائی) غزوہ بواط (اکتوبر) غزوہ عسیرہ (نومبر) سریہ عبد اللہ بن جحش
۶۲۴ھ	(جنوری) غزوہ بدر الکبریٰ (رمضان ۲ھ) ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کے مطابق ۱۸ نومبر
۶۲۳ھ	یوم جمعہ (فروری) غزوہ بنی قینقاع (شوال ۲ھ) (اپریل) غزوہ سویق،
۶۲۳ھ	(ذی الحجہ ۲ھ) (ستمبر) سریہ زید بن حارثہ
۶۲۵ھ	(جنوری) غزوہ اہد (شوال ۴ھ) و غزوہ حمراء الاسد (مئی) حادثہ رجع ویر معونہ ۴ھ
۶۲۵ھ	(رجون) غزوہ بنو نضیر و غزوہ فات الرقاع ۵ھ، اسی سال شراب حرام ہوئی
۶۲۶ھ	(جولائی) غزوہ دومتہ الجندل (ربیع الاول ۵ھ) و غزوہ بنی مصطلق (شعبان ۵ھ) اس کو غزوہ ربیع بھی کہا جاتا ہے
۶۲۶ھ	(فروری) غزوہ خندق (۲۹ شوال ۵ھ) (ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی تحقیق ہے کہ غزوہ خندق ۱۴ جنوری ۶۲۶ء کو پیش آیا ہے) (اپریل) غزوہ بنی قریظہ (ذی قعدہ ۵ھ) (رجون)
۶۲۶ھ	(جولائی) غزوہ بنی لحيان (ربیع الاول ۶ھ) و غزوہ ذی قرد
۶۲۸ھ	(جنوری) صلح حدیبیہ (ذی قعدہ ۶ھ) (مئی) روم و فارس کو دعوت اسلام بندینہ مکتوب
۶۲۸ھ	(اگست) غزوہ خیبر (محرم ۶ھ)
۶۲۹ھ	(فروری) عمرہ قضا (ستمبر) سریہ موتہ (جمادی الاولیٰ ۶ھ) (اکتوبر) سریہ ذات السلاسل (جمادی الثانی ۶ھ)
۶۳۰ھ	(جنوری) فتح مکہ معظمہ و ہدم اصنام (رمضان ۶ھ) (فروری) غزوہ حنین (شوال ۶ھ)

۶۳۳ھ	دغزوہ طائف (اپریل) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی ولادت، (اکتوبر) غزوہ تبوک (رجب ۳۹ھ)
۶۳۱ھ	(مارچ) حضرت ابوبکر صدیق کی امارت حج (ذی الحجہ ۳۹ھ) (جون) صاحبزادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم کی وفات
۶۳۲ھ	(مارچ) حجۃ الوداع (سنہ ۳۹ھ) حسب تحقیق ڈاکٹر حمید اللہ (مارچ ۶۳۲ھ) یوم جمعہ (مئی) حبشہ اسامہ کی ملک شام جانے کی تیاری (صفر ۳۹ھ) (جون) وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ربیع الاول ۳۹ھ) یوم دو شنبہ، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی تحقیق کے مطابق ۲۵ مئی ۶۳۲ھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔

### بقیہ رپورٹ تحفظ ختم نبوت

کے اس اقدام کو انتہائی مستحسن قرار دیتے ہوئے اس سلسلے میں رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے بھرپور تعاون کا یقین دلایا اور فرمایا کہ دنیا میں ہمیشہ سے حق و باطل کی کش مکش جاری ہے اور آج بھی یہ کش مکش زوروں پر ہے، دارالعلوم اور اس جیسے تمام اسلامی اداروں کی ذمہ داری ہے کہ احقاقِ حق اور باطلِ باطل کے سلسلہ میں اپنی تمام توانائیاں صرف کر ڈالیں۔ اہل عوام کو قادیانیوں کی دسیہ کاریوں سے بچانے کے لئے ہر قسم کے وسائل کام میں لائیں۔

ترجمانی کے فرائض جناب مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری نے انجام دیئے۔

آخر میں صدر اجلاس حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیت علماء ہند نے خطاب فرمایا، اور حضرت مولانا عبد کلیم صاحب جو نیوری مظللہ کی دعائے پُر اثر پیرہ سہ روزہ اجلاس انتہائی کامیابی و کامرانی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

# سلام بحضور آقائے کائنات امام المرسلین محیر صادق شافع یوم النشور حضرت سیدنا ابوالقاسم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سید محمود رضا آبادی

مصطفیٰ شان وحدت پہ لاکھوں سلام  
کجکلاہ رسالت پہ لاکھوں سلام  
کعبہ روح رحمت پہ لاکھوں سلام  
آنتاب شریعت پہ لاکھوں سلام  
جن کے آتے ہی چھٹی گئیں ظلمتیں  
جس نے بخشا کلاہ سعادت اسے  
جس کے لب سے ہے بولا خدائے کریم  
بخش دی ہے خطا جس نے ہر ایک کی  
جس نے دھویا لگنا ہوں کے ہر داغ کو  
اسم پاک محمد ہے وہ سکون  
محفل انبیاء کے ہیں مندرشیں  
ہمکاب نبوت میں صدیق پاک  
ہیں عمرہ بالیقین شان جلالیتیں  
ہیں جو عثمانؓ داما د خیر البشر  
جس طرف ہیں علیؓ حق بھی ہے اس طرف  
فاطمہ سیدہ صادقہ طاہرہ  
ہیں امام حسنؓ نور چشم نبیؐ  
خسرو کربلا شاہ گلگوں قب

ان کے جلوؤں کی کثرت پہ لاکھوں سلام  
رازدار مشیت پہ لاکھوں سلام  
شب چراغ محبت پہ لاکھوں سلام  
ماہتاب طریقت پہ لاکھوں سلام  
ایسے قدموں کی برکت پہ لاکھوں سلام  
قبلہ آدمیت پہ لاکھوں سلام  
ایسے نطق صداقت پہ لاکھوں سلام  
سبیل مروت پہ لاکھوں سلام  
آبشار شفاعت پہ لاکھوں سلام  
دافع رنج و کلفت پہ لاکھوں سلام  
خواجہ بزم عصمت پہ لاکھوں سلام  
اس رفیق رسالت پہ لاکھوں سلام  
ان کے خرق جلالیت پہ لاکھوں سلام  
اس شہید خلافت پہ لاکھوں سلام  
صدر بزم ولایت پہ لاکھوں سلام  
مازنین طہارت پہ لاکھوں سلام  
اس رگ جانِ عترت پہ لاکھوں سلام  
آبروئے شہادت پہ لاکھوں سلام

رمز حق در جنت وہ ہے جو کہے

خاندان رسالت پہ لاکھوں سلام



۱۲/۶/۲۸



تذکرہ

تذکرہ ملازمین و کارکنان

مدیر

حیدر علی خان

پیشانی ۱۲۸۵ مطابق دسمبر ۱۹۸۶ء

-

4

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

# دارالعلوم

شمارہ نمبر ۹ ماہ دسمبر ۱۹۸۶ء مطابق ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ جلد نمبر ۱

ہجری

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدینہ

سالانہ  
30/=

مولانا حبیب الرحمن القاسمی

فی پرخہ  
3/=

سالانہ بدل اشتراک { سعودی عرب، کویت، ابوظہبی، جنوبی و مشرقی افریقہ، برطانیہ } Rs 160/=

بیرون ممالک سے { امریکہ، کناڈا وغیرہ بھی بذریعہ ایر مییل } Rs 160/=

پاکستان ت 60/ ہندوستانی۔ اور بنگلہ دیش۔ Rs 40/ ہندوستانی

✓ محبوب پریس دیوبند (مترجم نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا رتعاون ختم ہو گیا ہے)



# فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	حرف آغاز	حبیب الرحمن قاسمی	۳
۲	حیات نبیؐ۔ انسانیت کاملہ کا ایک نمونہ	حکیم حبیب شیدائی آمہوری	۷
۳	تاریخ طبری سے متعلق ایک غلط کا ازالہ	مولانا اسیر ادروی بنارس	۱۱
۴	حضرت نانوتویؒ اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم	مولانا حافظ محمد اقبال پانچسٹر	۲۲
۵	تحقیق و تجال پر ایک نظر	مولانا محمد عبدالدیان اعظمی	۳۲
۶	متنبی۔ عربی شاعری کا منفرد شاعر	ڈاکٹر محمد یوسف خاں صاحب	۴۱
۷	جدید کتابیں (تبصرہ)	شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	۴۵
۸	غزل (ادبیات)	مدیر سید محمود رزمزاد آبادی	۴۸

## ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گزارش

۱۔ ہندوستانی خریداروں سے ضروری گزارش ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکستانی فراہم کنندہ میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر روانہ فرمائیں۔

۲۔ پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ -/۶۰ روپے ہندوستانی مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والا تحصیل شجاع آباد ملتان، پاکستان کو بھیج دیں اور انھیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو سالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کریں۔

۳۔ خسریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمائیں خط و کتابت کے وقت خسریداری نمبر ضرور تحریر فرمائیں۔

والسلام

ممبر سالہ دارالعلوم دیوبند

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# حَرْفُ آغَاذ

حَبِیْبِ الرَّحْمٰنِ قَاسِمِی

ہر قوم اور ملت کا اپنا ایک مخصوص معاشرتی نظام اور اپنی ایک منفرد تہذیب ہوتی ہے۔ جس کے ذریعہ اس کی قومی شناخت اور ملی تشخص قائم رہتا ہے۔ اور اس کا معاشرہ شکست و ریخت اور دوسری تہذیبوں میں جذب ہونے سے محفوظ رہتا ہے۔ البتہ دیگر اقوام و مذاہب کے معاشرتی آئین بالعموم خود ان کے اپنے وضع کردہ عادات و رسوم پر مشتمل ہوتے ہیں جس کا مذہب سے تعلق برائے نام ہوتا ہے۔ جب کہ مسلمانوں کا یہ غیر متزلزل عقیدہ ہے کہ عبادات و معاملات وغیرہ کی طرح اسلامی نظام معاشرت بھی اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و ہدایات پر مبنی ہیں۔ اس لئے کہ اسلام میں قانون سازی کا حق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں خدائے ماحدی کے احکام و قوانین کی عملداری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا صاف اعلان ہے "الْاِلٰهُ الْخَلْقِ وَالْاَمْرِ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ" (اعراف) یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا بڑی خوبیوں والے ہیں اور اللہ ہی تمام عالم کے پروردگار ہیں۔

اس سلسلے میں اپنے رسول کو یہ ہدایت دی ہے۔

نَحْنُ جَعَلْنٰكَ عَلٰی شَرْعٍ مِّنْ اَمْرِیْ بِمَرِّمَیْنِیْ اَبُو دین کے ایک خاص طریقہ پر

فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (جاثیہ)  
 کر دیا لہذا آپ اسی طریقہ پر چلیں اور ان  
 جہلا کی خواہشوں پر نہ چلیں۔

قانون الہی کے اساسی مجموعہ قرآن کے مقصد نزل کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔  
 اَنَا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ  
 بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ (نساء)  
 بیشک ہم نے آپ کے پاس یہ قرآن بھیجا ہے  
 واقع کے موافق تاکہ آپ اس کے مطابق فیصلہ  
 کریں جو اللہ نے آپ کو بتایا ہے۔

احکام خداوند کو نظر انداز کرنے والوں کی مذمت ان الفاظ میں فرمائی گئی ہے۔  
 وَمَن لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ  
 هُمُ الظَّالِمُونَ (مائدہ)  
 اور جو لوگ اللہ کے بتائے ہوئے احکام و قوانین  
 کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ ظالم ہیں

ان آیات قرآنیہ سے حسب ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) تشریع اور قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے (۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
 ان قوانین کا نفاذ فرماتے ہیں (۳) خدا کے مقرر کردہ احکام میں کسی کو تغیر و تبدل کا حق و  
 اختیار نہیں ہے۔ ایسا کرنے والے اللہ کے نزدیک منکر، ستمگار اور نافرمان ہیں۔  
 اسلام کا یہ نقطہ نظر اتنا واضح اور روشن ہے کہ مستشرقین بھی اس سے چشم پوشی  
 نہیں کر سکے اور انھیں اس کا اعتراف کرنا پڑا۔ چنانچہ مشہور مستشرق "کولسن" اقرار کرتا ہے کہ  
 اسلام کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی واحد قانون ساز ہے اور زندگی تمام  
 شعبوں میں اسی کے احکام کا غلبہ ہے۔ (اے ہسٹری آف اسلامک لاء، کولسن ص ۱۳)

فیز جیرالڈ بھی اسے تسلیم کئے بغیر نہ رہ سکا وہ لکھتا ہے "اسلام اللہ تعالیٰ کا واحد  
 قانون ساز و صاحب تشریع قرار دیتا ہے اور اس سلسلہ میں کسی کو بھی اس کا شریک نہیں  
 گردانتا" (دی ایجوڈٹ آف اسلامک ٹورین، فیز جیرالڈ ص ۸۴ ج ۱۷۸)

گوالے ٹاٹن مستشرق کو بھی اعتراف ہے کہ دقیق قانونی معاملات بھی دین سے مراد ہیں



بلکہ وہ وحی الہی کا ناقابل تقسیم حصہ ہیں شریعت ایسے عصری تقاضوں کا مجموعہ نہیں ہے جو قرآن اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد مرتب ہوئے ہوں بلکہ اسلامی معاشرہ میں ان کا باضابطہ نفاذ خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی زندگی میں کیا، (اسٹڈیز ان اسلام ہسٹری، گوائے ٹائن ص ۱۲۹) لے

آئیے اب دستور ہند پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں اور دیکھیں کہ سیکولر ہندوستان میں بسنے والی اکائیوں کو وہ کیا حقوق دیتا ہے اس سلسلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ دستور کی دفعہ (۲۵) میں یہاں کے ہر شہری کو کسی بھی مذہب کو قبول کرنے، اس پر قائم رہنے اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ اور پرچار کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ دفعہ (۲۶) کی رو سے مسلمانان ہند جداگانہ ایک مذہبی گروہ قرار پاتے ہیں اور انھیں اپنے مذہبی امور کے منظم کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ دفعہ (۲۹) مسلمانوں کو اپنے کلچر، زبان اور رسم الخط کے تحفظ کا حق اور اختیار دیتی ہے۔ اور دفعہ (۳۰) کے تحت انھیں تعلیمی ادارے قائم کرنے اور ان کے انتظام سنبھالنے کا حق ملتا ہے۔

اوپر کی تفصیلات سے معلوم ہو چکا ہے کہ مسلمان اپنی کمیونٹی اور انفرادیت کی بقا اور جداگانہ شناخت کے لئے جن عناصر کو تسلیم کرتے ہیں وہ ان کا عالمگیر مذہب، ان کی چودہ سو سالہ قدیم تہذیب اور مخصوص معاشرتی اقدار ہیں۔ اس لئے لازمی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ۔

(۱) کیا موجودہ حکومت کا نظریہ "یکساں سول کوڈ" دستور ہند میں دئے گئے حقوق اور تحفظات سے ہم آہنگ ہے؟

(۲) کیا اس نظریہ کو پیش کرنے والے آئین ہند کے حق میں وفادار ہیں؟  
 (۳) کیا سول کوڈ کے نفاذ کے بعد ہندوستان کی سیکولر حیثیت محفوظ رہ جائے گی؟  
 (۴) کیا دستور ہند کی وفاداری سے دست بردار ہو جانے کے باوجود کسی فرد یا جماعت کو  
 کے مستشرقین کے تینوں حوالے ماہنامہ معارف اعظم گڑھ سے ماخوذ ہیں

ملک میں حکومت کرنے کا حق باقی رہ جاتا ہے؟

(۵) کیا مسلمان مسلمان رہتے ہوئے اس نظریہ کو قبول کر سکتے ہیں۔

(۶) کیا مسلمانوں کو مذہبی طور پر یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اسلام کے پیش کردہ معاشرتی نظام کے مقابلے میں کسی اور نظام کو اختیار کر لیں؟

(۷) کیا اس نظریہ کو قبول کر لینے اور اپنی زندگی میں نافذ کر لینے کے بعد مسلمانوں کی علاحدہ شناخت اور ان کا علی تشخص باقی رہے گا؟

امید ہے کہ ان سوالات پر علمائے امت، دانشوران قوم اور ملکی سیاسی رہنما بالخصوص حکومت میں ذہیل اصحاب فکر و رائے ہر قسم کے سیاسی، مذہبی اور قومی تعصب اور جنبداری سے بلند ہو کر بالغ نظری کے ساتھ غور و خوض کریں گے۔

## حدیث رسول

عن عمرو بن شعيب عن جدّه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله يحب ان يورى اثر نعمته على عبدا (ترمذی)

(ترجمہ) عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ بندے پر اس کی طرف سے جو انعام ہو اس کا اثر اس پر نظر آئے۔

(تشریح) مالی وسعت اور فراخ دستی کے باوجود جو لوگ محض طبیعت کے بخل یا لا ابالی پن کی بنا پر بچھے حال رہتے ہیں گویا کہ تنگ دستی اور فقر کی وجہ سے انھیں کپڑے بھی نصیب نہیں ہیں وہ اپنی زبان حال سے اللہ کی نعمتوں کا انکار کر رہے ہیں ان کی یہ طرز زندگی اللہ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے۔ (ایک صاحب خیر)

( از حکیم حبیب شہدائی آمپوری )

# حیاتِ نبویؐ

## انسانیت کاملہ کا ایک نمونہ

انسانی زندگی کیلئے وہی شخصیت نمونہ بن سکتی ہے جس کی سیرت میں یہ چار چیزیں پائی جائیں۔ تاریخیت، کاملیت، جامعیت، اور علمیت،  
تاریخیت ایسی کہ تمام دنیا متفق ہے کہ اسلام نے اپنے پیغمبر کی بلکہ ہر اس چیز کی اور اس شخص کی جس کا ادنیٰ اساتعلق بھی حضرت کی مبارک زندگی سے تھا جس طرح حفاظت کی ہے وہ عالم کیلئے مایہ حیرت ہے آنحضرتؐ کے اقوال و افعال اور متعلقات زندگی کی روایت، تحریر اور تندوین کا فرض صحابہ کرام اور اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین نے انجام دیا جب تمام سرمایہ روایت تحریری صورت میں آگیا تو ان تمام راویوں کے نام و نشان، تاریخ زندگی، اخلاق، عادات کو بھی تحریر میں لایا گیا جس کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے۔ اور ان سب کے مجموعہ احوال کا نام اسماء الرجال ہے۔ ایسی مستند سیرت بتائیے کیس کی ہو سکتی ہے۔

آنحضرتؐ کی کاملیت کا یہ عالم کہ پوری زندگی لوگوں کے سامنے موجود ہے۔ آنحضرتؐ کی زندگی کا کوئی لمحہ پردہ میں نہ تھا۔ اندر آپؐ بیوی اور بچوں کے مجمع میں ہوتے تھے۔ باہر مشغول اور دوستوں کی محفل میں۔ آپؐ خواہ جلوت میں ہوں یا خلوت میں اسجد میں ہوں یا میدان جہاد میں، نماز پنجگانہ میں مصروف ہوں یا فوجوں کی دستیا میں بٹیس میں



و غظن سوار ہے ہوں۔ یا خلوت میں آرام فرما ہوں ہر وقت ہر شخص کو حکم تھا کہ جو کچھ میری حالت اور کیفیت ہو وہ سب منظر عام پر لائی جائے۔ ازواج مطہرات آپ کے صوت خانوں کے حالات سننے اور بتانے میں مشغول ہیں۔ اصحاب صفہ کا کام محض آپ کے ملفوظات سننا۔ آپ کے حالات دیکھنا اور ہر وقت آپ کی معیت میں گزارنا تھا۔ آنحضرتؐ پر جو لوگ ایمان لائے وہ ہموی قسم کے افراد نہیں تھے۔ بلکہ ایک ایسی آزاد قوم کے افراد تھے جو اپنی عقل و دانش کے لحاظ سے ممتاز تھے۔ جس نے ابتدائے آفرینش سے آج تک کبھی کسی کی اطاعت نہیں کی تھی وہ لوگ جو مشہور و معروف تاجر تھے جن کی دقیقہ سنجی، نکتر سی اور عقل و ذہانت کے ثبوت مسائل اور احکام کی صورت میں آج بھی موجود ہیں۔ کیا ایک لہو کے لئے بھی کوئی یہ تصور کر سکتا ہے کہ ایسے پرزور، قوی بازو، اصحاب عقل خود سے آنحضرتؐ کا کوئی حال چھپا رہ سکتا تھا؟ اور وہ دھوکہ کھا سکتے تھے؟ بلکہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کی ایک جنبش کی نقل کی ہے۔ اور آپ کے نقش قدم پر چلنا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ یہ آپ کی کاملیت کی ناقابل تردید دلیل ہے۔

عزم و استقلال، شجاعت، صبر، شکر، توکل، رضا، تقدیر، مصیبتوں کی برداشت، قربانی، قناعت، استغناء، جود، تواضع، خاک ساری، مسکنت، غرض نشیب و فرار، بلند و پست ہر ایک اخلاقی پہلو کیلئے جو مختلف انسانوں کو مختلف حالتوں میں — اور مختلف صورتوں میں پیش آتے ہیں۔ ہم کو عملی ہدایت اور مثال کی ضرورت ہے۔ مگر وہ کہاں مل سکتی ہے؟ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس۔ ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسان کی مختلف زندگیوں اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو۔ صرف رسول اللہ کی سیرت ہے۔ اگر تم دولت مند ہو تو ملکہ کے تاجر اور بحرین کے خنزیرہ دار کی پیروی کرو، اگر تم غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو! اگر تم استاد ہو اور معلم ہو تو صفہ کی درس گاہ کے معلم قدس کو دیکھو۔ اگر تم شاگرد ہو تو روح امین کے سامنے

بیٹھنے والے کو دیکھو اگر تم تنہائی اور بے کسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی کا اسوہ تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد دشمنوں کو زیر اور اپنے مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو، اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو۔ اگر تم یتیم ہو تو عبداللہ اور آمنہ کے گوشہ جگر کو نہ بھولو۔ اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہ اور عائشہؓ کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو۔ اگر تم عدالت کے قاضی ہو اور بچپائیوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو، جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک کونے میں کھڑا کر رہا ہے۔ مدینہ کی کچی مسجد کے محن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب برابر تھے۔ تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لئے سامان تمہارے ظلمت خلیے کے لئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کبریٰ کے خزانے میں ہر وقت اور ہر دم مل سکتا ہے۔

حضور کے علاوہ جن شخصیتوں کو دنیا مانتی ہے۔ ان کی سیرتوں کے تمام صفحات پڑھ جائیے۔ دلچسپ تھیوریاں ملیں گی۔ دلائل و حقائق ملیں گی۔ خطیبانہ بلند ہم آہنگیاں ملیں گی۔ تقریر کا زور و شور اور فصاحت و بلاغت کا جوش نظر آئے گا۔ مؤثر عقلی تھوڑی دیر کیلئے دل خوش کر دیں گی۔ مگر جو چیز نہیں ملے گی وہ عمل، کام اور اپنے احکام اور نصیحتوں کو آپ برت کر اور کر کے دکھانا ہے بحیثیت ایک عمل پیغمبر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک درحقیقت قرآن حکیم کی عملی تفسیر ہے۔ جو حکم آپ پر اتارا گیا آپ نے خود اس کو کر کے دکھایا۔ ایمان، توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ و خیرات، جہاد، ایثار، قربانی، عزم، استقلال، صبر، شکر، ان کے علاوہ اور حسن عمل اور حسن خلق کی باتیں جس قدر اپنے بیان فرمائیں ان کے لئے سب سے پہلے آپ نے اپنا عمل

نمونہ پیش فرمایا۔ جو کچھ قرآن میں تھا وہ سب مجسم ہو کر آپ کی زندگی میں نظر آیا۔ چند صحابی حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے ام المؤمنین! حضورؐ کے اخلاق اور معمولات بیان فرمائیے۔ ام المؤمنین جواب میں کہتی ہیں۔ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ قرآن الفاظ و عبارت ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اس کی عملی تفسیر ہے۔ بتائیے ایسی عملیت ہم کس کی زندگی میں پاسکتے ہیں؟ یہ تو صرف اور صرف حضورؐ ہی کی شخصیت ہے۔

ابن آدم میں کہاں اس کی مثال اس کا جواب  
ایک کملی پوش لیکن آبروئے شمس جہات  
ایک درس خلق اطہر اک محبت کی کتاب  
ایک چرواہا مگر ہاتھوں میں نبض کا تانتا

اس لئے طبقہ انسانی کے ہر طالب علم اور نو راہیسانی کے ہر متلاشی کے لئے صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت آج سکون اور حق کی متلاشی دنیا کے لئے واحد دوکان ہے۔ جہاں ہر جنس کے خریدار اور ہر شے کے بہترین نمونے موجود ہیں۔





قسط ۲

# تاریخ طبری سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

از۔ مولانا اسیر ادرویہ

حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں ابن جریر کا نسب نامہ، سال پیدائش، محلہ ذات اور تصنیفات کا تذکرہ کرتے ہوئے دوسری بعض حقیقتوں سے بھی پردہ اٹھایا ہے، وہ اپنی گفتگو کا آغاز یہاں سے کرتے ہیں۔

محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب  
امام ابو جعفر طبری کی پیدائش ۲۳۳ھ  
میں ہوئی، گندم گوں، سرگیں آنکھوں والے  
بیچ چہرے والے، دراز قامت، فصیح اللسان  
تھے۔ ایک جم غفیر سے انھوں نے روایتیں کی  
ہیں اور طلب حدیث میں دنیا کا کونہ کونہ چھان  
مارا ہے انھوں نے ایک جامع تاریخ اور  
ایک مکمل تفسیر تصنیف کی ہے جس کی کوئی  
نظیر نہیں ہے ان دونوں کتابوں کے علاوہ  
ان کی اور بھی تصنیفات ہیں۔

محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن  
غالب الامام ابو جعفر الطبری کا  
مولد فی سنۃ اربع و عشرين و مائتین  
وکان اسمہ العین ملیح الوجه مدید  
القامة فصیح اللسان، روی الكثير عن  
الجم الغفیر حل الی الآفاق فی  
طلب الحدیث و صنف التاريخ الحافل  
ولہ التفسیر الکامل الذی لا یوجد  
لہ نظیر و غیر ہما من المصنفات  
۔۔۔ لے

اس کے بعد طبری کی دوسری تصنیفات کے نام لکھے ہیں آخر میں ان کا سال وفات، تاریخ اور وقت تحریر فرماتے ہیں۔

قد كانت وفاته وقت المغرب عشية يوم الاحد ليومين بقيا من شوال من سنة عشر وثلاث مائة وقد جاور الثمانين بخمسي سنين او ست سنين وفي شعر راسه و لحيته سواد كثير و دفن في داره

ان کی وفات اتوار کے دن مغرب کے وقت ہوئی اور تاریخ ۲۸ شوال ۳۱۰ھ تھی۔ ان کی عمر پچاسی یا چھیالیس سال کے قریب ہو گئی تھی لیکن ان کے سر اور داڑھی کے بالوں میں سفیدی سے سیاہی زیادہ تھی اور وہ اپنے مکان ہی میں دفن کئے گئے۔

اتنی جسرئی تفصیلات اور چھوٹی چھوٹی باتوں کے ذکر کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ابن کثیر کو ابن جسریر طبری کی شخصیت متعین کرنے میں کوئی دھوکا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ صحیح العقیدہ طبری اور رافضی طبری دونوں کی الگ الگ شخصیتوں کو خوب پہچانتے ہیں اور پھر پورے وثوق کے ساتھ فرماتے ہیں۔

« عارفاً بإيام الناس وأخبارهم وله الكتاب المشهور في تاريخ الامم والملوك » و کتاب فی التفسیر لم یصنف احد مثله، و کتاب سماه تهذيب الآثار ولم أر سواه في معناه الا انه لم ينه ..... ۲۵

ایام الناس اور اخبار کو خوب جاننے والے تھے تاریخ میں ان کی مشہور کتاب تاریخ الامم والملوک ہے اور تفسیر کی کتاب تو ایسی ہے کہ کسی نے اس جیسی تفسیر نہیں لکھی، تہذیب الآثار کے نام سے ایک کتاب لکھنی شروع کی تھی یہ کتاب بھی بے مثل ہوتی، مگر افسوس کہ وہ مکمل نہ کر سکے۔۔۔۔۔»

ابن کثیر نے اس تفصیل کے بعد حقائق سے ان پردوں کو اٹھایا ہے جو رافضی طبری کی کتاب ان کے نام سے مشہور عوام ہو گئی تھی، انھوں نے ہمیں بتایا کہ طبری کے علم و فضل اور عظمت و

شہرت کا سب سے بڑا دشمن ابو بکر محمد بن داؤد ظاہری تھا۔ وہ طبری پر نکتہ چینیوں کرتا اور ان پر رافضیت کا جھوٹا الزام عائد کرتا تھا۔ اور بہت سی غلط باتوں کو ان کی جانب منسوب کر کے عوام میں ان کی مقبولیت کو داغدار بنانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ اس کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے بغداد کے حنابلہ طبری کے دشمن ہو گئے اور ان کو عام قبرستان میں دفن نہیں ہونے دیا۔

ان کی جانب غلط باتوں کے منسوب کئے جانے کے متعلق انھوں نے لکھا ہے کہ ایک ضخیم کتاب دو جلدوں میں ہے۔ جس میں غدیر خم کی روایتیں جمع کی گئی ہیں، ایک اور کتاب ہے جس میں حدیث منطلق الطبر کے طرق جمع کئے گئے۔ یہ رافضی طبری کی کتابیں ہیں۔ جو ابن جریر طبری کے زمانہ میں تھا۔ عوام ان کی جانب منسوب کر کے ان کو مہتمم کرنے لگے تھے، اس کے ساتھ ساتھ ایک اور غلط بات ان کی جانب منسوب کی گئی کہ وہ وضو میں پاؤں دھونے کے بجائے ان کے مسح کے قائل ہیں جو شیعوں کا مذہب ہے، یہ تمام تفصیل حافظ ابن کثیر ہمیں بتاتے ہیں اور اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

فمن العلماء من يزعم ان ابن جرير اثنان بعض علماء يسمونه ابن جرير و هو ابن  
أحد هما شيعي واليه ينسب ذلك و میں ایک شیعہ ہے اور وہ لوگ مذکورہ بالا  
ينزهون، ابا جعفر هذا عن هذا باؤں کو اسی شیعہ طبری کی طرف منسوب کرتے  
الصفات، لہ اور ان کی طرف سے صفائی دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ ابن جریر طبری کو بدنام کرنے کے لئے رافضی طبری کی کہتا ہیں ان کی جانب منسوب کر کے عوام کو ان کے خلاف بھڑکایا جاتا تھا۔ خود ان کی کسی تصنیف کو رافضی طبری کی طرف کبھی منسوب نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس سے ان کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اسی سازش کے ذیل میں رافضی طبری کی تصانیف کا بھی ذکر آ گیا ہے،





حقیقی مصنف کی طرف کر دی،

شذرات الذہب بہت پہلے چھپی تھی پھر کیا اب ہو گئی، ماضی قریب میں داراللمیہ بیروت سے خوبصورت اور روشن ٹائپ میں چھپ کر علمی دنیا میں عام ہو گئی ہے اور تحقیقی کام کرنے والوں کے یہاں اس کے حوالے بہت ملنے لگے ہیں، اس کے مصنف ابن عماد حنبلی متوفی ۵۹۰ھ ہیں، انھوں نے سلسلہ کے حالات میں لکھا ہے۔

فیہا البحر البحر الامام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری صاحب التفسیر والتاریخ والمصنفات الكثيرة۔ اسی سال عظیم المرتبت امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری جو تفسیر و تاریخ اور دوسری بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، انتقال فرمایا، حاجی خلیفہ کاتب چلبی متوفی ۸۶۱ھ کی کشف الظنون عن اسامی الکتاب والفنون مشہور و معروف ہے۔ کتابوں کے نام اور ان کے مصنفین کے سلسلہ میں علمی حلقوں میں ایک قابل اعتماد اور مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ عام طور سے لائبریریوں میں پائی جاتی ہے۔ اس میں حاجی خلیفہ لکھتے ہیں۔

تاریخ الطبری، ابو الامام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری، اس کے مصنف ابو جعفر محمد بن جریر متوفی ۳۲۰ھ ہیں۔ یہ تاریخ کی مشہور کتابوں میں سے ہے اور اخبار عالم کی جامع ہے حضرت آدم سے لیکر سلسلہ تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ طبری نے اس کا نام تاریخ الامم والملوک رکھا ہے۔

• • • • •

والملوک، ۱۰۰ھ

یعنی تاریخ الامم والملوک اسی ابن جریر طبری کی تصنیف ہے جن کی وفات سلسلہ میں

۱۰۰ھ شذرات الذہب ج ۲ ص ۲۶۰،

ہوئی پھر تفسیر کے سلسلہ میں وہ رقمطراز ہیں،

تفسیر ابن جریر، ہو ابو جعفر محمد  
الطبری المتوفی سنۃ ۲۲۰ ثلثاۃ  
وقال السیوطی فی الاتقان و کتابہ اجل  
التفاسیر واعظمها.... نقلہ بعض  
المتاخرین الفارسیۃ لمنصور بن نوح  
السامانی لہ

تفسیر ابن جریر کے مصنف ابو جعفر محمد طبری  
متوفی سنۃ ۲۲۰ ہیں، اس تفسیر کے بارے  
میں سیوطی نے اپنی کتاب الاتقان میں  
لکھا ہے کہ یہ تفسیروں میں جلیل القدر اور  
عظیم ترین تفسیر ہے... متاخرین میں سے  
کسی نے منصور بن نوح سامانی کیلئے اسکا فارسی میں ترجمہ کیا ہے

سب سے بڑی اور مضبوط شہادت کہ تفسیر و تاریخ دونوں کا مصنف ایک ہے خود تاریخ  
طبری ہی سے ملتی ہے، مورخ طبری نے القول فی خلق آدم کے عنوان کے تحت اپنی تاریخ  
میں لکھا ہے۔

وقیل اقوال کثیرۃ فی ذلک، قد  
حکینا منها جملانی کتابنا المسمی  
جامع البیان عن تاریخ آی القرآن  
فکرہنا اطالۃ الكتاب بذکر  
ذلک فی هذا الموضع لہ

اس سلسلہ میں بہت سے اقوال ہیں ان  
میں سے بہت سے ہم نے اپنی کتاب جامع البیان  
عن تاویل آی القرآن میں نقل کر دیئے ہیں،  
طوالت کے خیال سے ان کا یہاں نقل کرنا  
ہم نے پسند نہیں کیا۔

مذکورہ بالا قول کی صداقت و حقیقت معلوم کرنے کے لئے تفسیر جامع البیان کو دیکھا تو  
یقین ہو گیا کہ مورخ طبری نے اپنی تاریخ میں جن اقوال کو اپنی تفسیر میں ذکر کرنے کو بیان کیا ہے  
حقیقتاً وہ اقوال تفسیر میں موجود ہیں۔ یہ سارے اقوال قرآن کی آیت قالوا اجعل فیہا من فضیل  
فیہا ویسفک الدماء کے ذیل میں پورے سات صفحات میں نقل کئے ہیں۔ یقین و صداقت  
میں مزید اضافہ اس وقت اور بھی ہو گیا جب میں نے دیکھا کہ تاریخ میں اس موقع پر بعض الفاظ

لہ کشف الظنون ج ۱ ص ۴۳۷ تاریخ الامم والملوک ج ۱ ص ۴۵۔ لکھ جامع البیان مدارجہ  
میمنیہ مہر جلد اول از صفحہ ۱۵ تا ۱۶۲،



اور جملے جواستعمال کئے ہیں ٹھیک وہی الفاظ تفسیر میں بھی موجود ہیں۔  
تاریخ میں اس موقع پر ایک جملہ ہے یقول اعلم ما لا تعلمون من انطواء ابلیس  
على التكبر تفسیر میں اسی لفظ انطواء کو اس موقع پر استعمال کرتے ہیں، اظہر لہم من  
ابلیس ما كان منطويا عليه من الكبر، تاریخ میں ایک موقع پر لکھتے ہیں فخلق الله  
آدم من طين لاذب واللاذب اللزج الطيب من حمأ مسنون، منتن انما كان  
حمأ مسنونا بعد القرب قال فخلق منه آدم بيده له بالکل یہی عبارت تفسیر  
میں بھی ہے۔ ایک حرف کی کمی بیشی نہیں۔

خلق الله من طين لاذب کے ذیل میں اپنے شیخ ابو کریب کی جس روایت کو اپنی  
تاریخ میں لکھا ہے۔ ٹھیک وہی روایت انھیں سے اپنی تفسیر میں بھی لکھی ہے۔ تخلیق آدم کیلئے  
مٹی لانے کیلئے فرشتوں کو بھیجے گا ذکر اپنی تاریخ میں اپنے شیخ موسیٰ بن ہارون کی روایت  
سے بیان کرتے ہیں۔ انھیں کی وہی روایت ان کی تفسیر میں بھی درج ہے، علم آدم الاسماء  
کلہا کی تفسیر میں اگر پہلی روایت ان کے شیخ ابو کریب کی ان کی تفسیر میں ہے تو تاریخ میں بھی  
پہلی وہی روایت انھیں ابو کریب کی ہے۔ پھر ان کے شیخ محمد بن عمرو کی روایت تاریخ میں ہے  
وہی روایت محمد بن عمرو کی ان کی تفسیر میں بھی ہے۔ درمیان میں تین چار روایتیں تفسیر  
میں زیادہ ضروری ہیں۔ لیکن ترتیب قائم ہے پھر تاریخ میں ابن وکیع کی روایت آئی ہے  
وہی روایت اسی ترتیب سے تفسیر میں بھی ہے، تاریخ میں پھر ان کے شیخ بشر بن معاذ کی  
روایت ہے، تفسیر میں بھی انھیں کی وہی روایت موجود ہے پھر قاسم بن حسن کی جو روایت  
ہے دونوں کتابوں میں ہے۔

اس طرح دونوں کتابوں کو سامنے رکھ کر مقابلہ کرنے پر روایتوں کی ترتیب تاریخ میں  
وہی بنتی ہے جو ترتیب تفسیر میں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب طبری نے تاریخ لکھنی  
تو تاریخ الامم والملوک ج ۱ ص ۴۵ تفسیر طبری ج ۱ ص ۵۵ تاریخ طبری ج ۱ ص ۴۵،

شروع کی تو اپنی تفسیر سامنے کھول لی ہے۔ اور جس روایت کو تاریخ کے لئے مناسب سمجھتے ہیں لے لیتے ہیں اور باقی روایتوں کو چھوڑتے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مشترک موضوعات سے متعلق ان کی تفسیر و تاریخ دونوں کی روایتوں میں ایک مخصوص ترتیب پائی جاتی ہے۔

طببری نے اپنی تاریخ میں صرف "خلق آدم" کے عنوان کے تحت اپنے شیوخ میں سے ابو کریب، ابن حمید موسیٰ بن ہارون، احمد بن اسحاق الاہوازی، یعقوب بن ابراہیم، علی بن الحسن، محمد بن عمرو وکیع، حسن بن یحییٰ، ابن وکیع، بشر بن معاذ، قاسم بن الحسین، یونس بن عبد اللہ اور بعض دوسرے شیوخ کی روایتیں درج کتاب کی ہیں۔ انھیں شیوخ سے وہی روایتیں اسی ترتیب سے وہ اپنی تفسیر میں پہلے لکھ چکے ہیں،

گہرائی سے جائزہ لینے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی تفسیر یقیناً ان کی تاریخ سے پہلے لکھی گئی ہے چونکہ تفسیر کے مقابلہ میں تاریخ میں اختصار مد نظر تھا اور تفسیر میں روایات کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ اس لئے تاریخ لکھتے ہوئے انھوں نے انھیں روایتوں میں سے انتخاب کیا ہے، حیرتناک یکسانیت و اشتراک یہ ہے کہ تاریخ میں جس ترتیب سے جن مشائخ سے جن روایتوں کو لکھتے ہیں یہ ٹھیک وہی ترتیب ہے جو تفسیر میں ہے جبکہ درمیان میں کئی کئی صفحات تک دوسری تفصیلات و روایات پیش کرتے جاتے ہیں مگر تاریخ میں تفسیر سے روایتوں کا انتخاب اپنی ترتیب کے ساتھ ہے لہ

ڈو مصنف کی دو کتابوں میں یہ اشتراک، یکسانیت، ترتیب مضامین و روایات ممکن ہے؛ یقیناً آپ کا جواب نفی میں ہو گا۔ اگر بالفرض ایسی کوئی مثال مل جائے تو سوا اس کے اور کیا کہا جائے کہ اپنی کتاب بعد میں مرتب کرنے والا شخص مصنف نہیں کچھ اور ہے۔ اور اس کا ہاتھ تو نہیں کاٹا جائے گا۔ لیکن اس کے قلم کو ذلت و رسوائی کی سزا ضروری جائیگی، طببری کی تفسیر و تاریخ میں مضامین روایتوں اور عبارتوں میں اشتراک و یکسانیت اور ترتیب اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ مؤرخ طببری نے اپنی تاریخ میں اپنی تفسیر کا اس



موقعہ پر جو حوالہ دیا ہے وہ اپنے اندر پوری صداقت لئے ہوئے ہے۔ مصنفین کی اپنی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں، ہر ایک کے کچھ مخصوص الفاظ، جملے اور مخصوص طرز تحریر ہوتا ہے۔ اور وہ ان سے اپنی ہر تصنیف میں کام لیتے ہیں۔ اگر کوئی مصنف اپنی ایک کتاب کے بعد کوئی دوسری کتاب لکھتا ہے اور اس میں اس کی پہلی کتاب میں درج کسی خاص بحث کا موقعہ آتا ہے تو بالعموم وہی انداز بیان، وہی معلومات وہی عبارت اور جملے بلا تکلف زیر تصنیف کتاب میں استعمال کرتا ہے کیوں کہ یہ اس کا اپنا فراہم کردہ سرمایہ ہے اور اس کو استعمال کرنے کا اس کو حق حاصل ہے، اور یہ کوئی عیب نہیں ہے۔ طبری نے پہلے تفسیر لکھی اور جب تاریخ لکھنی شروع کی تو جو باتیں تفسیر میں تفصیل سے لکھ چکے تھے۔ ضرورت پڑھنے پر اس کی تلخیص کر کے اس بحث کو اپنی تاریخ میں شامل کر دیا۔ یہی سب سے بڑا ثبوت ہے کہ تفسیر و تاریخ دونوں ایک ہی مصنف کی کتابیں ہیں۔

اس تفصیل سے میرا مقصد یہ کہ تفسیر طبری جس کا نام جامع البیان عن تاویل آی القرآن ہے اور تاریخ طبری جس کا نام تاریخ الامم والملوک ہے آج ہمارے ہاتھوں میں ہیں اور ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان دونوں کے مصنف ابو جعفر محمد ابن جریر بن یزید الطبری متوفی سن ۲۴۰ھ ہیں اور صحیح العقیدہ ہیں البتہ اتنی سی بات ضرور ہے جو علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے ان کے بارے میں لکھی ہے۔ ثقہ، صادق فیہ تشیع یسیر و موالات لا تضر لہ، مذکورہ بالا شہادتوں کے بعد اس کہنے کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے کہ تفسیر طبری تو ضرور ان کی ہے لیکن تاریخ رافضی طبری کی ہے،

میں نے طبری کے معاصرین سے لے کر گیارہویں صدی تک کے ارباب تحقیق و تصنیف کی شہادتیں آپ کے سامنے پیش کر دی ہیں۔ ان شہادتوں کی روشنی میں آپ خود فیصلہ کریں کہ تفسیر طبری اور تاریخ طبری کے بارے میں ایک مصنف کی تصنیف ہونے کا جو دعویٰ کیا گیا ہے۔ کیا یہ دعویٰ غلط ہو سکتا ہے؟ مجھے کسی تذکرے میں یہ شائبہ بھی



نہیں ملا کہ تفسیر و تاریخ میں سے کسی کو کسی دوسری شخصیت کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے۔ یہ تو ضرور ہوا کہ طبری کی عزت و شہرت کو نقصان پہونچانے کی نیت سے رافضی طبری کی بعض ہفتوات کو ان کی جانب منسوب کر کے ان کے خلاف محاذ بنانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن پوری تاریخ سے ایک معمولی شہادت بھی ایسی نہیں ملی کہ ان کی کتابوں کو کسی نے رافضی طبری کی طرف منسوب کیا ہو، ان حالات میں یہ بات کس طرح قابل قبول ہو سکتی ہے کہ تاریخ طبری یہی ہے اور تفسیر سنی طبری کی ہے، اس تقسیم کی پوری تاریخ میں کہیں بھی گنجائش نظر نہیں آتی،

یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ اس تقسیم سے کیا نقصان ہے؟ بظاہر نقصان کے بجائے فائدہ نظر آتا ہے اگر تاریخ کو رافضی طبری کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے تو سیکڑوں وہ روایتیں جو اس کتاب میں ہیں جن سے صحابہ کرام کی پاکیزہ زندگی بد منظر ہو جاتی ہے ان سے نجات حاصل ہو جائے گی اور کہہ دیا جائے گا کہ یہ تاریخ ہمارے لئے قابل حجت نہیں کیوں کہ اس کا مصنف غالی رافضی ہے، لیکن یہ دعویٰ آسان نہیں ہے۔

چونکہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہوگا، اس لئے علمی دنیا میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہوگی۔ آج کی علمی دنیا بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ قدیم سے قدیم مخطوطے تحقیق و تفتیش کے دیوانے حاصل کر چکے ہیں اور قدیم ترین مخطوطے برابر دستیاب ہوتے جا رہے ہیں۔ جن مصنفین کی تصنیفات کو ناممکن الحصول سمجھ کر ہم مطمئن ہو چکے تھے۔ آج ان کے مخطوطے دریافت ہو گئے۔ اسی طرح تاریخ طبری کے بہت سے مخطوطے علمی دنیا نے حاصل کر کے اس کی تحقیق کی ہے، اور ناقابل شکست دلائل سے اس کتاب کا مصنف اسی شخصیت کو قرار دیا گیا ہے۔ جس کی تصنیف ماننے سے انکار کیا جا رہا ہے۔

آج بہت سی علمی بحثوں میں طبری کی یہ تاریخ مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ مستشرقین کا ایک پورا گروہ جو اپنی تحقیق اور وسعت مطالعہ کی بنا پر طبری کی اس تاریخ

کے مقام و مرتبہ سے خوب واقف ہے وہ آپ کے دعویٰ بلا دلیل کو کسی قیمت پر تسلیم نہیں کرے گا، اور اگر علی بنیاد پر اپنے دعویٰ کو ثابت کرنا چاہیں گے اور ثبوت و شہادت کی تلاش میں نکلیں گے تو ہر قدم پر آپ کو آپ کے دعویٰ کے خلاف ہی ثبوت و شہادت ملتی جائے گی۔

اس تقسیم سے سب سے بڑا نقصان یہ ہو گا کہ یہ کتاب ناقابل اعتبار ہو جائے گی اور اہل علم کا اعتماد اٹھ جائے گا۔ اور اسی کتاب کی بنیاد پر بعد میں لکھی جانے والی بہت سی اسلامی تاریخوں کا دار و مدار ہے۔ اس لئے وہ تمام کتابیں اور تاریخیں بھی ناقابل اعتماد اور ناقابل حجت بن جائیں گی۔ جن میں تاریخ طبری سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس طرح اسلامی تاریخ کا پورا سرمایہ ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے لائق ہو جائے گا اس لئے یہ تقسیم کسی بھی حیثیت سے قابل قبول نہیں ہو سکتی،

رہ گئی تاریخ طبری کی وہ روایتیں جن سے صحابہ کرام کی شخصیتوں پر حرف آتا ہے تو ایسی روایتوں کی علی بنیاد پر تردید ہونی چاہئے، ہمارے ہاتھوں میں فن اسماء الرجال اور فن جرح و تعدیل کی کسوٹی موجود ہے۔ اگر تاریخ طبری کی کوئی بھی روایت اس کسوٹی پر کھری ثابت نہیں ہوتی تو اس کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دینے کا ہم کو حق حاصل ہے، خود طبری کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ ہم نے روایتوں کی صحت و صداقت چانچنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ بلکہ جو رطب و یابس روایتیں ہم تک پہنچیں ہم نے ان کو اسی طرح انھیں پاویوں کی زبانی نقل کر دیا ہے۔ اب یہ قاری کی ذمہ داری ہے کہ وہ جواہرات کو پرکھ کر الگ کر لے اور خرف ریزوں کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دے،


چونکہ اس بحث کو ہم نے اپنی کتاب تاریخ طبری کا ایک تحقیقی جائزہ "میں مفصل لکھ دیا ہے اس لئے سلسلہ کلام یہیں ختم کیا جاتا ہے۔

# حضرت نانوتوی اور عشق رسول ﷺ

از۔ مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی مائجسٹر انگلینڈ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ !

گزشتہ صدی عالم اسلام خصوصاً ہند و پاک کیلئے عجیب مدد و جزر کی حامل رہی ہے اس میں خلافت عثمانیہ کا سورج غروب ہوا۔ اسی میں قادیان سے انکار ختم نبوت اور دعوے نبوت کا فتنہ اٹھا۔ اسی میں فتنہ انکار حدیث نے جنم لیا۔ اسی میں عیسائیت نے اپنا جال بچھانے کی بھرپور کوشش کی، اسی میں مسلمانوں نے مسلمانوں پر تیغ تکفیر بے نیام کی اسی میں فرق باطلہ نے مستقل روپ دھار کر اسلام اور اہل اسلام پر کندیں ڈالنے کی کوششیں کیں غرضیکہ اسلام اور مسلمانوں پر کوئی آزمائش ایسی نہ تھی جو اس صدی میں نہ آئی ہو۔ لیکن خالق کائنات کی عنایت ہوئی کہ اس نے ہندوستان کے ایک قصبہ دیوبند میں دارالعلوم کی بنیاد رکھوائی اور اس درگاہ سے ایسی جہا بذرہ روزگار اور تاریخ ساز شخصیتیں پیدا ہوئیں جنہوں نے ہر مرحلے اور ہر موڑ پر اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کی۔ ہر باطل قوت سے ٹکری۔ ہر تاریکی کے آگے علم و عمل کے چراغ روشن کئے۔ ان چراغوں کی ہی روشنی میں ہر آگے آنے والے قافلے کو راہ ملتی رہی۔ اور انشا اللہ جو بھی اس سے روشنی حاصل کرتا رہے گا۔ اپنی زندگی کے ہر خاکے میں رنگ بھرتا چلا جائے گا۔

چلی سمت غیب اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا  مگر ایک شاخ نہاں غم جسے دل کہیں ہری



ان حضرات نے اپنی زندگی میں جو چراغ روشن کئے اور جو کارہائے نمایاں انجام دئے اس کا داعیہ کیا تھا؟ کس لئے قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کیا؟ کیوں جابر و ظالم حکمرانوں کے آگے پہاڑ کی طرح ڈٹ گئے؟ کس لئے اپنے جان و مال، اہل و عیال، ملک و وطن کو خیر باد کہا؟ جب تک ان سوالوں کے جوابات دل و دماغ میں نہ ہوں گے ان حضرات کے کارنامے ذہن نشین نہیں ہو سکتے؟

ہم ذیل میں چند اکابر کے چند واقعات درج کریں گے جن سے بآسانی معلوم ہو جائیگا کہ ان حضرات کی ان بے لوث قربانیوں اور ہر مرحلے میں جان کی بازی تک لگا دینے سے گریز نہ کرنے کی اصل وجہ کیا تھی؟ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ان حضرات کو اپنے آثارِ حمیدین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ عشق، محبت، عقیدت اور آپ کے لائے ہوئے دینِ غرطہ کے ساتھ پیار تھا اور بس! اس کی خاطر سب کچھ کیا سب کچھ کر رہے ہیں۔ اور سب کچھ کرتے رہیں گے۔ (انشاء اللہ)

توحید کی امانت سینوں میں، ہمارے آسان نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا، قبل اس کے کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا تذکرہ چھپڑوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دارالعلوم دیوبند۔ دیوبندیت، اور اکابر دیوبند کے ضمن میں تین بیانات پیش کروں۔

**دارالعلوم کیا ہے؟** حضرت مولانا حبیب الرحمن قاسمی صاحب مدیر ماسٹر دارالعلوم اس کی تشریح فرماتے ہیں کہ:

خاصانِ خدا کی دُعاؤں سحر گاہی کا ثمرہ، علمائے حق کے جذبہٴ ایثار و قربانی کا منظر، مجاہدین اسلام کے جہد و اخلاص کی لازوال نشانی، علم و معرفت کا حسین امتزاج، مسلمانانِ ہند کے حیاتِ قلبی کی صراطِ مستقیم اور ملامذہ بیت کے اس دور میں اسلامی تہذیب و تمدن اور دینی آثار و اقدار کا نقیب و علمبردار، تاریخِ اسلامی کی اولین درس گاہ۔ صفہ کی یادگار اور عکس

جیل۔ اور ہر باطل فتنے کے خلاف برصغیر کی واحد اسلامی چھاؤنی۔ اور تربیت گاہ حریت

(ملخص) دارالعلوم ماہ جون ۱۹۸۶ء

**دیوبندیت کیا ہے؟** محقق العصر حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مظلہ

دایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی برمنگھم) تحریر فرماتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کسی مستقل مکتب فکر کا بانی نہیں اور نہ مسلک اکابر دیوبند کی تاریخ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ سے شروع ہوتی ہے بلکہ تمام اکابر دیوبند انہی عقائد و افکار کے پابند رہے جو قرونِ ثلاثہ مشہودِ لہا بالخیر سے ”ما انا علیہ واصحابی کی مقدس وراثت کے طور پر چلے آ رہے تھے۔ دیوبندیت کسی مستقل مکتب فکر یا مسلک عمل کا نام نہ تھا بلکہ سلف صالحین اہل تحقیق کی کامل اتباع اسی کی تسلیم و اشاعت اکابر دارالعلوم دیوبند کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ یہ تمام حضرات عقائد میں اہل سنت والجماعت اور فروعات میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مسلک پر عمل پیرا تھے اور دارالعلوم دیوبند پورے ایشیاء میں حنفی مسلک فکر کا سب سے بڑا مرکز تھا۔

(مقام حیات ص ۲۲۳ (۱۳۸۰ھ)

**اکابر دارالعلوم کیا تھے؟** اس کا جواب پاکستان کے مشہور عالم دین جسٹس مولانا محمد تقی عثمان صاحب مظلہ کی زبانی سنئے! فرماتے ہیں۔

اس کا جواب مختصر لفظوں میں یوں بھی دیا جاسکتا ہے کہ وہ خیر القردن کی یادگار تھے سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ اسلامی مزاج و مذاق کی جیتی جاگتی تصویر تھے لیکن ان مختصر جملوں کی تشریح و تفصیل کرنے بیٹھیں تو اس کے لئے دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان کی خصوصیات کو لفظوں میں سمیٹنا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن ہے اس لئے کہ ان کی خصوصیات کا تحقق درحقیقت اس مذاق و مزاج سے ہے جو حضرات صحابہ کرامؓ کی سیرتوں اور ان کے طرز زندگی سے مستفید تھے۔ اور مذاق و مزاج وہ چیز ہے جسے محسوس تو کیا جاسکتا ہے۔ لیکن الفاظ کے ذریعے ٹھیک ٹھاک بیان نہیں کیا جاسکتا۔ جس طرح گلاب کی

خوشبو کو سونگھا تو جاسکتا ہے لیکن اس کی پوری کیفیت کو افسانہ میں ڈھانا ممکن نہیں۔ اسی طرح ان حضرات کے مزاج و مذاق کو ان کی صحبتوں اور ان کے واقعات سے سمجھا جاسکتا ہے مگر اس کی منطقی تعبیر ناممکن ہے۔ (دارالعلوم دیوبند نمبر ۳۶۲)

ان تین بیانات سے دارالعلوم دیوبند، دیوبندیت، اور اکابر دیوبند کے خدو خال واضح ہو گئے ہیں۔ اسی لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ

اولئک ابائی فجئنی بمثلہم اذا جمعتنا یا جریں صبا مع

حضرت مولانا نانوتویؒ اور بارگاہ رسالتؐ مآب صلی اللہ علیہ وسلم

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا سلسلہ نسب سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جا کر ملتا ہے۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اول اور عارف باشر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے مرید و مجاز تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ، حضرت نانوتویؒ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ:

حق تعالیٰ اپنے بندوں کو جو اصطلاحی عالم نہیں ہوتے ایک لسان (زبان) عطا کرتے ہیں چنانچہ حضرت شمس تبریزیؒ کو مولانا رومؒ لسان عطا ہوئے جنہوں نے شمس تبریزی کے علوم کو کھول کھول کر بیان فرمادیا اسی طرح مجھ کو مولوی محمد قاسم لسان عطا ہوئے ہیں۔ (مواخات نامی جلد ۱ ص ۲۹۷ و حسن العزیز ص ۳۸۲)

امیر شاہ خاں صاحب مرحوم کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحبؒ کی مجلس میں مولانا اسماعیل شہیدؒ کا تذکرہ ہوا تھا۔ اور ان کے مناقب بیان کئے جا رہے تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے مولانا نانوتویؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ:

مولانا اسماعیلؒ تو تھے ہی۔ کوئی ہمارے اسماعیل کو بھی دیکھے

(ارواحِ ثلاثہ ص ۷۷)



اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا۔

اگر حق تعالیٰ مجھ سے دریافت کرے گا کہ امداد اشرکیا لائے تو میں قاسمؒ اور رشیدؒ کو پیش کروں گا کہ یہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔ (حیات اشرف)

حضرت حاجی صاحبؒ کی یہ الہامی تحریر بھی ملاحظہ فرمائیے!

جو آدمی اس نقر سے محبت، عقیدت اور ارادت رکھتا ہے اسے چاہئے کہ مولوی محمد قاسمؒ اور مولوی رشید احمد صاحبؒ جو کہ تمام ظاہری اور باطنی کمالات کے جامع ہیں میری طرح بلکہ مجھ سے بڑھ کر شمار کرے اگرچہ معاملہ برعکس ہے وہ میری جگہ اور میں ان کی جگہ ہوں ان کی صحبت کو غنیمت سمجھے کیونکہ ان جیسے آدمی اس زمانہ میں نایاب ہیں۔

(ضیاء القلوب ص—)

ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت نانوتویؒ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسے لوگ کبھی پہلے زمانہ میں ہوا کرتے تھے۔ اب مدتوں سے نہیں ہوتے

(سوانح قاسمی جلد ۱ ص ۳۲۸)

اور پھر ساتھ ہی حضرت نانوتویؒ کے رفقاء کو حج سے واپسی پر وصیت فرمائی کہ:-

مولوی صاحبؒ کی تحریر و تقریر کو محفوظ رکھا کرو اور غنیمت جانو (ایضاً ص ۳۲۶)

یہ اس بابرکت ہستی کا ارشادِ فرمان اور وصیت و اعلان ہے جو علمائے دیوبند اور علمائے بریلی دونوں کے نزدیک قابلِ احترام ہے۔ اور دونوں مکتبِ فکر ان کی عزت و عظمت کے

قائل ہیں۔ اور بریلوی مکتبہ فکر کے مولانا سعید احمد کانپلی نے اپنی کتاب الحق المبین میں حضرت

حاجی صاحبؒ کو علما حق اور علماء اہل سنت میں شمار فرمایا ہے (ص ۱۳۱)

علاوہ ازیں وقت کے مسلم مذاہب اربعہ اور مشہور روحانی شخصیت حضرت مولانا

شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادیؒ کی یہ شہادت بھی بڑھ لیجئے!

مولانا محمد قاسم کو کم سنی ہی میں ولایت مل گئی (کمالات رحمانی ص ۱۶۷)

اس کے باوجود جو لوگ حضرتؒ پر الزام و اتہام رکھتے ہیں وہ خود غور کریں کہ ان کے اس الزام سے کون کون سی شخصیتیں مجروح ہو رہی ہیں؟۔

حضرت نانوتویؒ کو اپنے محبوب نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر عشق و تعلق تھا اور آپ کے ارشادات گرامی کا کس قدر پاس تھا اسے چند واقعات اور ارشادات کی روشنی میں بیان کرتے ہیں اور اکتما س کرتے ہیں کہ نگاہ تعصب کے بجائے حقیقت کی عینک لگا کر ان واقعات و ارشادات کو پڑھیں۔ اور فیصلہ کریں کہ کیا ایسا شخص (نعوذ باللہ) گستاخ رسول کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے۔

(۱) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی جب حج کی سعادت حاصل کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ فراغت کے بعد جب مدینہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانگی ہوئی تو دیر حبیب سے کئی میل دور ہی سے گنبد خضراء پر نظر پڑتے ہی اپنا جوتا اتار لیا حالانکہ وہاں سے راستہ نوکدار پتھر کے ٹکڑوں سے بھرا تھا مگر آپ کے ضمیر نے گوارا نہ کیا کہ دیار حبیب میں جوتا پہن کر چلا جائے نامعلوم کس مقام پر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدام مبارک پڑے ہوں اور میری کیا مجال کہ میں جوتا پہن کر اس مقام پر چلوں حضرتؒ کے رفیق سفر مولانا حکیم منصور علی خاں مرحوم فرماتے ہیں کہ:-

جب منزل بمنزل مدینہ شریف کے قریب ہمارا قافلہ پہنچا جہاں سے روضہ پاک جناب لولاک (صلی اللہ علیہ وسلم) نظر آتا تھا فوراً جناب مولانا مرحوم نے اپنے نعلین (جوتے) اتار کر نعل میں دبائے اور پابرہنہ چلنا شروع کیا۔ (سوانح قاسمی جلد ۳ ص ۱۷)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اس سفر کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:- جناب مولانا نانوتویؒ چند منزل برابر بھی اونٹ پر سوار نہ ہوئے حالانکہ اونٹ ان کی سواری کا موجود تھا اور خالی تھا پیر میں نہ خرم پڑ گئے تھے کانٹے لگے تھے پتھروں اور ٹوکیلے ٹکڑوں کی تلخیاں محبوب کے دیدار کے مقابلے میں بالکل بیچ ہو گئی تھی۔ نہ آپ کی زیارت

شکوہ آیا نہ چہرے پر اس کے آثار ظاہر ہوئے۔ اور ہوتے بھی کیسے؟ یہ تو دیا حبیب ہے  
یہاں شکوہ و شکایت کو کیا دخل اور کیا مجال؟ یہ تو وہ مقام ہے جہاں ہزاروں جانیں  
بھی نذا ہو جائے بھر بھی یہ ہی کہا جائے گا کہ!

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

دیکھئے تو سہی کہ حضرت نانوتویؒ کو مدینہ منورہ اور گنبد خضراء و مکین گنبد خضراء کے  
ساتھ کس قدر عقیدت و محبت اور کیسی وابستگی و فریفتگی تھی اور یہ بھی دیکھئے کہ کیسا عقائد  
اور محبتانہ طریقہ اختیار فرما کر اپنی فرط محبت کا اظہار فرمایا یہ ساری عقیدت و محبت حضرت  
سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وجہ سے تو ہے ورنہ یہ ایک سنگلاخ رقبہ  
پتھر پل زمین ہے۔ اس میں جو کچھ بھی ہے اور جتنا کچھ بھی ہے وہ سب کا سب محبوب  
رب العالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بدولت اور آپ ہی کے واسطے سے ہے۔  
اسی لئے نہ آپ کی زبان پر آہ یا ادہ کے الفاظ آتے نہ زخم کی کوئی پر واہ کی شدید  
تکلیف کو راحت سمجھ کر ان سے فرحت و لذت حاصل کرتے ہوئے دیار محبوب کی طرف  
کشاں کشاں چلتے رہے۔ گویا۔ بزبان حال یہ کہہ رہے ہیں۔  
اے میرے دل ادب کر ادب کر وہ ادب کا مقام آرہا ہے۔

پھر عقیدت کے سجدے لگا کہ ان کا دارالسلام آرہا ہے۔

حضرت نانوتویؒ خود بھی اسی کی طرف اشارہ کر گئے ہیں کہ۔

فلک پہ عیسیٰ و ادریس ہیں تو خیر سہی! زمیں پر جلوہ نما ہیں محمد مختار

فلک پہ سب سہی پر ہے نہ ثناء احمد زمیں پہ کچھ نہ ہو پر ہے محمدی سرکار

عرش پر گز فرشتہ بھاری ہے تو ہے اس ملک جس میں محو خواب ہے کون و مکان تاجدار

میرا اور میرے تمام اکابر کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کا وہ حق  
جو آپ کے جسد اطہر سے متصل اور ملا ہوا ہے وہ عرش عظیم سے بھی زیادہ مرتبہ اور توقیت و کثافت  
(بحوالہ دارالعلوم دیوبند نمبر ۱۱۵)



(۲) حضرت نانوتویؒ نے اپنے پیرومرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی زیر قیادت کشمیر میں انگریزوں سے جہاد کیا اور شاہی کی مشہور لڑائی میں پیش پیش رہے۔ انگریز حکومت کی طرف سے آپ کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کیے گئے تھے اور انعام بھی مقرر کر دیا گیا تھا۔ وارنٹ کی خبر سن کر دوست، احباب متعلقین و متوسلین تلامذہ و اعزہ نے مصلحت کے پیش نظر روپوش ہو جانے پر اصرار کیا۔ مجبور ہو کر آپ ایک مکان میں روپوش ہو گئے۔ تین دن تک آپ اسی مکان میں رہے۔ جب چوتھا دن ہوا تو گوشہ تنہائی کو خیر باد کہہ کر باہر تشریف لے آئے مخلصین و متوسلین نے جب آپ کو باہر دیکھا تو حیران ہوئے اور دوبارہ روپوش ہونے پر اصرار کیا۔ آپ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت غار ثور میں تین دن ہی روپوش رہے ہیں تین دن سے زیادہ روپوش ہونا سنت سے ثابت نہیں۔ لہذا روپوشی بھی ختم (نقش حیات جلد ۲ ص ۵۸، سوانح قاضی جلد ۲ ص ۱۷۱)

غور کیجئے اس جذبہ اتباع سنت و محبت پر کہ ظالم و جابر حکمران جو ان دنوں اہل ہند پر غور و اور مسلمانوں پر خصوصاً کس قدر سفاکانہ اور قاتلانہ حربے استعمال کر رہا تھا اور مسلمانوں کے خون سے سڑ میں ہند کو میراب کر کے اپنا سکہ بٹھانا چاہتا تھا۔ وہ کونسی دلآزار اور شرمناک حرکت نہ تھی جو ان ظالموں اور بد بختوں نے نہ کی ہو۔ اس نازک موڑ پر حضرت نانوتویؒ کا اپنی حیات سے بے نیاز ہو کر روپوشی ختم کر دینا کیا۔ اس بات کا بین ثبوت نہیں کہ یہ سب کچھ محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے ہے۔ جو آپ کے دل میں رچی بسی تھی اور اتباع سنت کا جذبہ آپ کے رگ و پیشے میں سرایت کر چکا تھا۔

(۳) ہندوستان میں بعض حضرات سبز رنگ کا جوٹا بڑے شوق سے پہنتے تھے اور اب بھی پہنتے ہیں۔ لیکن حضرت نانوتویؒ نے ایسا جوٹا مدت العمر کبھی نہیں پہنا۔ سبز رنگ کا جوٹا پہننے سے گریز محض اس لئے کرتے تھے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد خضر امکاویگ

سب سے پہلے ایسے رنگ کے جوتے پاؤں پر کیسے اور کیونکر استعمال کئے جاسکتے ہیں؟  
 حضرت شیخ الاسلام حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:  
 حضرت نانوتویؒ نے تمام عمر کجخت کا جوتا اس وجہ سے کہ قبہ مبارک سبز رنگ کا  
 ہے نہ پہنا۔ (الشہاب الثاقب ص ۵۴)

اندازہ فرمادیں۔ حضرت نانوتویؒ کے اس عشق و محبت کا کہ گنبد خضراء کے ظاہر رنگ کے ساتھ  
 بھی کس قدر عقیدت اور اس پر فدا اور قربان تھے۔

(۴) ایک مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ مولانا  
 محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کو گلاب سے زیادہ محبت تھی جانتے بھی ہو کیوں تھی؟ ایک صاحب نے  
 عرض کیا کہ حضرت ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ گلاب جناب رسول اللہ علیہ وسلم کے عرق  
 مبارک سے بنا ہوا ہے۔ فرمایا کہ ہاں حدیث ضعیف ہے مگر ہے تو حدیث۔

(ارواحِ ثلاثہ)

کیا یہ عشق و محبت کی معراج نہیں؟ کہ گلاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک تعلق ہے  
 اس لئے مجھ سے زیادہ محبوب ہے۔ اس حدیث کی صحت اور ضعف سے اس وقت بحث  
 نہیں بلکہ نا صرف یہ ہے کہ حضرت نانوتویؒ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر عقیدت  
 و محبت تھی۔

(محدثین کا قاعدہ ہے کہ ضعیف روایت بالخصوص جب کہ وہ متعدد طرق سے نقل کی جائے  
 فضائل میں معتبر ہوتی ہے۔ فضائل درود شریف از حضرت شیخ الحدیث صاحب مگر عقائد کا  
 معاملہ اس سے مختلف ہے عقائد کے لئے پکی اور صحیح حدیث کا ہونا ضروری ہوگا۔)

(۵) اصح الکتاب بعد کتاب اللہ یعنی بخاری شریف جن کے ۲۵ پارے محدث سہارنپوری  
 حضرت مولانا احمد علی صاحب اور آخر کے ۵ پارے حضرت نانوتویؒ کے قلم سے ہیں۔ یہ حاشیہ  
 بخاری شریف برصغیر پاک و ہند میں مقبول و معروف ترین اور متداول ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم



کی حدیث مبارک کی خدمت سے بڑھکر اور کونسی دولت ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ سے یہ خدمت بھی لے لی اور یہ اتنی بڑی خدمت ہے کہ آج تک علماء و محدثین اسی حاشیہ کو اصول کے طور پر سامنے رکھتے ہیں اور جہاں جہاں بخاری شریف طبع ہوئی اسی حاشیہ کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بحث آئی اور فرق باطلہ نے ..... اس میں تاویلات و تحریفات کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو آپ نے مسئلہ ختم نبوت پر کتاب مستطاب، تحذیر الناس تحریر فرمائی۔ جس میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کو ہر طرح سے ختم فرمانا ثابت فرما کر جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ وہیں فرق باطلہ کے لئے بھی کوئی جگہ نہ چھوڑی۔

(۶) حضرت نافوتویؒ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نعت شریف کا بھی نذرانہ پیش کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

تو فخر کون و مکان زبدۂ زمیں زماں	امیر شکر پیغمبر ال، شہر ابرار
تو بونے گل ہے گر مثل گل ہیں اور بنی	تو نور شمس اگر اور انبیاء میں شمس بہار
جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں	تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار
جو انبیاء ہیں وہ آگے تیری نبوت کے	کریں ہیں اتنی ہونے کا یا نبیؐ اشرار
امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے	کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار
جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے چہرہ	مردن تو کھائیں مدینہ کے بھجھ کو مرغ و مار
اڑا کے باد مری مشت خاک کو پس مرگ	کرے حضورؐ کے روضہ کے آس پاس نثار
ملے یہ رتبہ کہاں مشت خاکِ قاسم کا	کہ جائے کوچہ اطہر میں تیرے ہن کے غبار

مندرجہ بالا اشعار بلا رعایت ترتیب پیش کئے ہیں۔ آپ کا یہ قصیدہ تقریباً اٹھ اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ تمام اشعار عشق و محبت، عقیدت و الفت، عزت و عظمت میں ڈوبے ہوئے ہیں ہر شعر سے عشق رسولؐ ٹپکتا نظر آتا ہے۔ اور ہر شعر سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے قلب میں حضورؐ کی عظمت اور محبت کھٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ (باقی آئندہ)



# تحقیق حدیث رجال پر ایک نظر

مولانا محمد عبد الدیان اعلیٰ عظمیٰ

حَمْدًا وَمُصَلِّيًا وَمُسَلِّمًا۔ رسائل و مسائل حصہ اول میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی ایک تحقیق ہے، تحقیق حدیث رجال اس میں مولانا موصوف نے دجال کے زمانہ خروج و مقام خروج وغیرہ تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو قیاس کی طرف منسوب کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے قیاس سے فرمایا تھا اور قیاس کی طرف منسوب کرنے کا مقصد لوگوں کو یہ تاثر دینا ہے کہ ان ارشادات میں دی گئی خبروں کے صحیح ہونے کی کوئی گارنٹی نہیں۔ غلط بھی نکل سکتی ہیں اور نکلیں بھی۔ چنانچہ بعد کے واقعات اور سارے تیرہ سو برس کی تاریخ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرمودات کی تردید کر دی اور ثابت کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اندیشہ صحیح نہیں تھا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھنا اور ان کی نقل و روایت کرنا اسلام کی صحیح نماندگی نہیں۔

مجھ کو مولانا کی اس تحقیق سے اتفاق نہیں بلکہ علمی حیثیت سے شدید اختلاف ہے اور قبل اس کے کہ میں اس پر کچھ عرض کروں مولانا موصوف کی یہ تحقیق ناظرین کے سامنے من و عن پیش کر دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ کسی صاحب کو قطع و برید یا حذف و اضافہ

یا من مانا مطلب نکالنے کے الزام لگانے کا موقع ہی نہ ملے۔ نیز ناظرین کے سامنے مسئلہ کا دونوں رخ موجود رہے تاکہ وہ دونوں رخ دیکھ کر اپنی صحیح رائے قائم کر سکیں۔ کیونکہ مولانا مودودی صاحب کی خود ہدایت ہے کہ :-

”کسی پڑھے لکھے آدمی کیلئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ محض ایک رخ مطالعہ پر اپنا ایک ذہن بنانے اور دوسرا رخ دیکھنے سے انکار کر دے“

ترجمان القرآن لاہور ۳ جولائی ۱۹۷۹ء جلد نمبر ۵۵۰ بھگت سنگھ پور (۱)  
مولانا کی تحقیق سوال و جواب پر مشتمل ہے یعنی کسی صاحب نے مولانا سے سوال کیا تھا اس کا مولانا نے جواب دیا ہے۔ وہ سوال و جواب درج ذیل ہے۔

## تحقیق حدیث دجال

### سوال :-

ترجمان القرآن میں کسی صاحب نے سوال کیا تھا کہ ”کانے دجال کے متعلق مشہور ہے کہ وہ کہیں مقید ہے تو آخر وہ کون سی جگہ ہے؟ آج دنیا کا کونہ کونہ انسان نے چھان مارا ہے پھر کیوں کانے دجال کا پتہ نہیں چلتا؟“ اس کا جواب آپ کی طرف سے یہ دیا گیا کہ ”کانا دجال وغیرہ تو افسانے ہیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں“ لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے کم از کم تین روایات میں دجال کا تذکرہ موجود ہے جس کی تصدیق بخاری و مسلم

۱۔ یہاں ہم رسائل و رسائل کے ابتدائی ایڈیشن سے مولانا کی تحقیق نقل کر رہے ہیں بعد کے ایڈیشنوں میں سنتے ہیں مولانا نے عبارت بدل دی ہے مگر پھر بھی نظریہ وہی ہے جو پہلے ایڈیشن کا ہے۔ بلکہ بعد کی عبارت اس پہلی عبارت کی مزید تائید کرتی ہے۔ عبارت بدلنے کے بعد بھی جب مولانا کا نظریہ اپنی جگہ برقرار ہے تو اختلاف بھی برقرار ہے۔ ۱۱۔

ابوداؤد، ترمذی شرح السنۃ بیہقی کے ملاحظہ سے کی جاسکتی ہے۔ پھر آپ کا جواب کس سند پر مبنی ہے۔

## جواب :-

میں نے جس چیز کو افسانہ قرار دیا ہے وہ یہ خیال ہے کہ دجال کہیں مقید ہے۔ باقی رہا یہ امر کہ ایک بڑا فتنہ پرداز (الدجال) ظاہر ہونے والا ہے تو اس کے متعلق جو احادیث میں خبر دی گئی ہے۔ میں اس کا قائل ہوں۔ اور ہمیشہ اپنی نماز میں وہ دعا پڑھا کرتا ہوں جس میں منجملہ دو سکر تعوذات کے ایک یہ بھی ہے کہ "أَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ"

دجال کے متعلق جتنی احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ ان کے مضمون پر مجموعی نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضور کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس معاملہ میں جو علم ملا تھا وہ صرف اسی حد تک تھا کہ ایک بڑا دجال ظاہر ہونے والا ہے۔ اور اس کی یہ اور یہ صفات ہوں گی اور وہ ان خصوصیات کا حامل ہوگا۔ لیکن آپ کو یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ کب ظاہر ہوگا اور کہاں ظاہر ہوگا۔ اور یہ کہ آیا وہ آپ کے عہد میں پیدا ہو چکا ہے۔ یا آپ کے بعد کسی زمانہ میں پیدا ہونے والا ہے۔ ان امور کے متعلق جو مختلف باتیں حضور سے احادیث میں منقول ہیں وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں جن کے بارے میں آپ خود شک میں تھے۔

لہٰذا بعد کے ایڈیشنوں میں یہ خط کشیدہ عبارت نکال دی گئی ہے اور اس کی جگہ مندرجہ ذیل عبارت لکھی گئی ہے۔

"ان امور کے متعلق جو مختلف باتیں حضور سے احادیث میں منقول ہیں ان کا اختلاف مضمون یہ ظاہر کرتا ہے اور حضور کے طرز کلام سے بھی ہی مترشح ہوتا ہے کہ وہ اپنے برہنہ و حق نہیں بلکہ برہنہ و ظن و قیاس ارشاد فرمائیں۔ کبھی آپ نے یہ خیال کیا..... (بقیہ حاشیہ منقطع)



کبھی آپ نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ دجال خراسان سے اٹھے گا کبھی یہ کہ اصفہان سے  
اور کبھی یہ کہ شام و عراق کے درمیان علاقے سے پھر کبھی آپ نے ابن صیاد نامی اس یہودی  
بچے پر حرم مدینہ میں غالباً ۳۰۰ یا ۳۵۰ میں پیدا ہوا تھا یہ شبہ کیا کہ شاید یہی دجال ہو۔  
اور آخری روایت یہ ہے کہ ۳۰۰ میں جب فلسطین کے ایک عیسائی راہب تمیم نامی آکر اسلام  
قبول کیا اور آپ کو یہ فقہ سنایا کہ ایک مرتبہ وہ سمندر میں (غالباً بحر روم یا بحر عرب) سفر کرتے  
ہوئے ایک غیر آباد جزیرے میں پہنچے اور وہاں ان کی ملاقات ایک عجیب شخص سے ہوئی اور  
اس نے انہیں بتایا کہ وہ خود ہی دجال ہے تو آپ نے ان کے بیان کو بھی غلط باور کرنے کی  
کوئی وجہ نہ سمجھی۔ البتہ اس پر اپنے شک کا اظہار فرمایا کہ اس بیان کی رُوح سے (دجال)  
بحر روم، یا بحر عرب میں ہے مگر میں خیال کرتا ہوں کہ مشرق سے ظاہر ہوگا۔ یہ تردد اول  
تو خود ظاہر کرتا ہے کہ یہ باتیں آپ نے علم وحی کی بنا پر نہیں فرمائی تھیں اور آپ کا گمان وہ  
چیز نہیں ہے جن کے صحیح نہ ثابت ہونے سے آپ کی نبوت پر کوئی محض صرف آتا ہو۔ یا  
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴) دونوں عبارتوں میں حضور کے ارشادات کو ظن و قیاس کہا گیا ہے جب کہ  
وہ ارشادات اخبار غیب و امور دین سے متعلق ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا انبیاء علیہم السلام غیب  
کی خبریں اپنے قیاس سے دیتے رہے ہیں۔ اس کے لئے دیکھا جائے۔ نبوت اور کہانت کا فرق  
لے یہاں کہا جا رہا ہے کہ آپ نے کبھی یہ خیال ظاہر فرمایا کبھی یہ اور کبھی یہ۔۔۔۔۔ سوال یہ ہے کہ  
کیا حضورؐ اپنے خیالات کی پیروی کے لئے آزاد تھے؟ دیکھئے خود مولانا مہا کی کتاب منصب رسالت  
صفحہ ۳۳ یا کتاب ہمام صفحہ ۳۷ کیا شبہ کرنے کا کوئی قطعی ثبوت بھی ہے؟ دیکھئے کتاب ہمام  
صفحہ ۳۷ سوال یہ ہے کہ ”میں خیال کرتا ہوں“ کا ترجمہ کہاں سے کیا گیا جب کہ حدیث کے الفاظ  
یہ ہیں:۔۔۔۔۔ لا بل من قبل المشرق ما هو، لا بل من قبل المشرق ما هو، لا بل من  
قبل المشرق ما هو و اویٰ ہدیٰ الی المشرق“ (مسلم) (دیکھئے کتاب ہمام تحریف مغوی)  
صفحہ ۳۷ صحیح نہ ثابت ہونے سے ”یجملہ غازی کر رہا ہے کہ مولانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبروں کا  
غلط ہونے کے قائل ہیں۔“ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶)

جس پر ایمان لانے کے لئے ہم مکلف کئے گئے ہوں پھر جب کہ بعد کے واقعات سے ان باتوں کی تردید بھی ہو چکی ہے۔ جو اس سلسلے میں آپ نے گمان کی بنا پر فرمائی تھیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ ان کو عقائد میں داخل رکھنے پر اصرار کیا جائے۔ ابن صیاد پر آپ کو شبہ ہوا تھا شاید وہی دجال ہو اور حضرت عمرؓ نے تو قسم بھی کھائی تھی کہ یہی دجال ہے مگر بعد میں وہ مسلمان ہوا، حسنین میں رہا حالت اسلام میں مرا اور اس کی نماز جنازہ مسلمانوں نے پڑھی۔ اب اسکی کیا گنجائش باقی رہ گئی کہ آج تک ابن صیاد پر دجال ہونے کا شبہ کیا جاتا رہے۔ تیمم داری کے بیان کو حضورؐ نے اس وقت تقریباً صحیح سمجھا تھا مگر کیا ساڑھے تیرہ سو برس تک بھی اس شخص کا ظاہر نہ ہونا جیسے حضرت تیمم نے جسزیرے میں مجبوس دیکھا تھا یہ ثابت کرنے کیلئے کافی نہیں ہے کہ اس نے اپنے دجال ہونے کی جو خبر حضرت تیمم کو دی تھی وہ صحیح نہ تھی حضورؐ کو اپنے زمانہ میں یہ اندیشہ تھا کہ شاید دجال آپ کے عہد ہی میں ظاہر ہو جائے یا آپ کے بعد کسی قریبی زمانہ میں ظاہر ہو۔ لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضورؐ کا اندیشہ صحیح نہیں تھا۔ اب ان چیزوں کو اس طرح نقل و روایت کئے جانا گویا یہ بھی اسلامی عقائد ہیں نہ تو اسلام کی صحیح نمائندگی ہے۔

(بقیہ حاشیہ ۳۳ کا) اے معلوم نہیں کس بنیاد پر مولانا کہہ رہے ہیں کہ حرف نہیں آتا جب کہ یہاں یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خموشی بھی سند و حجت قرار دی جاتی تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک حرکت اور سکون سے قانون بن رہا تھا۔ (منصب سالت نمبر ۳۳) اے بعد کے واقعات تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشاروں پر ڈھلتے اور آپ کی باتوں کی تائید تصدیق کرتے ہیں نہ کہ تردید۔ جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ اے بعد کے ایڈیشن میں یہ خط کشیدہ عبارت اس طرح بدل دی گئی ہے۔

”ان مختلف روایات پر جو شخص بھی مجموعی نظر ڈالے گا وہ اگر علم حدیث اور اصول دین سے کچھ بھی واقف ہو تو اُسے یہ سمجھنے میں کوئی زحمت پیش نہ آئے گی کہ اس معاملہ میں حضور ص کے ارشادات دو اجزاء پر مشتمل ہیں۔ (بقیہ مسئلہ پر)



(بقیہ ماضیہ صفحہ گذشتہ) جزو اول یہ کہ دجال آئے گا اور ان صفات کا حامل ہوگا اور یہ اور یہ فقہی برپا کیے گا۔ یہ بالکل یقینی خبریں ہیں۔ جو آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہیں۔ ان میں کوئی روایت دوسری روایت سے مختلف نہیں ہے۔ جزو دوم یہ کہ دجال کب اور کہاں ظاہر ہوگا اور وہ کون شخص ہے اس میں نہ صرف یہ کہ دجال کب اور کہاں ظاہر ہوگا اور وہ کون شخص ہے اس میں نہ صرف یہ کہ روایات مختلف ہیں بلکہ اکثر روایات میں شک و شبہ اور گمان پر دلالت کرنے والے الفاظ بھی مہر دی ہیں۔ مثلاً ابن صیاد کے متعلق آپ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتا کہ اگر دجال یہی ہے تو اس کے قتل کرنے کا کوئی حق نہیں ہے یا مثلاً ایک حدیث میں آپ کا یہ ارشاد کہ اگر وہ میری زندگی میں آگیا تو میں حجت سے اس کا مقابلہ کروں گا۔ ورنہ میرے بعد میرا رب تو ہر مومن کا حامی و ناصر ہے۔ اس دوسرے جزو کی دینی اور اصولی حیثیت ظاہر ہے کہ وہ نہیں ہو سکتی جو پہلے جزو کی ہے۔ جو شخص اس کی بھی تمام تفصیلات کو اسلامی عقائد میں شمار کرتا ہے وہ غلطی کرتا ہے بلکہ اس کے ہر حقے کی صحت کا دعویٰ کرنا بھی درست نہیں ہے۔

اس عبارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو دو اجزاء میں تقسیم کر کے حضور کی جدا جدا دو حیثیتیں قرار دی گئی ہیں (دیکھئے کتاب ہذا ص ۱۷ حضور کی دو حیثیت قرار دینا) لے ابن صیاد کے مسلمان ہونے کا آپ کے پاس قطعی ثبوت کیا ہے؟ دیکھئے کتاب ہذا ص ۱۷ ابن صیاد کیا تھا) لے یہاں کی خط کشیدہ عبارت اس طرح بدل گئی ہے۔

”لیکن کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ سارے تیرے سو برس گزر چکے ہیں اور ابھی تک دجال نہیں آیا۔“

۵۵ غور فرمائیے کہ دجال کے زمانہ و مقام وغیرہ سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو ملاحظہ فرمائیے اور فرمائیے کہ انہوں نے جو عقائد و مذہبیں نے برحق اور اسلام کی صحیح نمائندگی سمجھ کر تلفواً و لولاً ایدہ کے تحت ان کی نقل و نقل کیا۔ آج مولانا کے نزدیک ان کی نقل و روایت اسلام کی صحیح نمائندگی نہیں ہے یعنی مولانا کا راستہ سلف صالحین کے راستے سے ہٹا ہوا ہے۔



اور نہ اسے حدیث ہی کا فہم صحیح کہا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں۔ اس قسم کے معاملہ میں نبی کی قیاس و گمان کا درست نہ ٹکنا ہرگز منصب نبوت پر طعن کا موجب نہیں ہے نہ اس سے عصمت انبیاء کے عقیدے پر کوئی حرف آتا ہے۔ اور نہ ایسی چیزوں پر ایمان لانے کیلئے شریعت ہم کو مکلف کیا ہے۔ اس اصول حقیقت کو تاہر نخل والی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود واضح فرما چکے ہیں۔

(ترجمان القرآن فروری ۱۹۸۶ء)

### (مولانا کی تحقیق سے مترشح عقیدے)

مولانا کی تحقیق کا بیان آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ یہ بیان علمی حیثیت سے کہاں تک صحیح ہے اس کو بعد میں دیکھا جائے گا پہلے یہ ملاحظہ فرمائیے کہ تحقیق میں کس نظر سے کی تعلیم دی گئی ہے اور ایک خالی الذہن شخص جب تحقیق کو پڑھتا ہے تو پڑھتے ہی اول وہلہ میں اس کے دل میں رسول و احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کیا عقیدے بنتے ہیں۔

۱۔ جب وہ تحقیق میں یہ دیکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی شخص (دجال) کی صفات و خصوصیات کے بارے میں تو بذریعہ وحی بیان فرمایا۔ اور پھر اسی کے زمان و مکان کے بارے میں اپنے قیاس سے تو یہ دیکھ کر اس کا منکرین حدیث جیسا یہ عقیدہ بننے لگتا ہے کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) انسان ہونے کی حیثیت سے ماسوا اس وحی کے جو ان کے پاس خدا کی طرف سے آتی ہے وہ خود اپنے بھی کچھ خیالات رکھتے تھے۔ اور اپنے ان خیالات کے زیر اثر وہ کام

(۱۔ یہاں کی عبارت یہ بدلی گئی ہے۔)

”اس قسم کے معاملہ میں اگر کوئی بات نبی کے قیاس یا گمان یا اندیشے کے مطابق ظاہر نہ ہو تو

یہ اس کے منصب نبوت میں ہرگز قاذب نہیں ہے۔“

۲۔ تاہر نخل والی حدیث دنیاوی امور سے متعلق ہے اور دجال کی بابت حدیثیں اخبار غیب اور امور دین سے متعلق، پھر معلوم نہیں مولانا کا دینی اور غیبی امور کو دنیاوی امور پر قیاس کرنا کیونکر صحیح ہے جبکہ خود حدیث تاہر نخل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو واضح فرما چکے ہیں۔

کرتے تھے۔ بھی تو اپنے خیالات کے زیر اثر اس کے زمان و مکان کے بارے میں ادھر ادھر کی خبریں دیں کبھی یہ فرمایا کہ وہ خراسان سے اٹھے گا۔ پھر کبھی یہ کہ اصفہان سے اور کبھی یہ کہ شام و عراق کے درمیانی علاقے سے۔۔۔ وغیرہ

۳۔ جب وہ تحقیق میں یہ پڑھتا ہے کہ ”یہ باتیں آپ نے علم وحی کی بنا پر نہیں فرمائی تھیں (بلکہ قیاس و گمان سے فرمائی تھیں) اور آپ کا (قیاس و گمان وہ چیز نہیں ہے جس کے صحیح نہ ثابت ہونے سے آپ کی نبوت پر حرف آتا ہو۔۔۔ بعد کے واقعات سے ان باتوں کی تردید بھی ہو چکی ہے۔ تو یہ پڑھ کر اس کا عقیدہ یہ بنتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ اپنے قیاس و خیال کے زیر اثر فرمایا ان کے صحیح ہونے کی کوئی گارنٹی نہیں۔ چنانچہ دجال ہی کے مقام خروج کے بارے میں خراسان، اصفہان اور شام و عراق کا درمیانی علاقہ وغیرہ کئی کئی خبریں دیں جب کہ اس کا خروج ان فرمائے ہوئے مقامات میں سے کسی مقام سے آگے ہو گا بھی تو زیادہ سے زیادہ صرف ایک مقام سے اور باقی مقامات بہر حال غلط اور بغیر گارنٹی کے فرمائے گئے پس آپ کے قیاس و خیال سے فرمائی ہوئی باتیں نہ تو ہمارے لئے سند و حجت ہیں اور نہ ہم اس پر ایمان لانے کے لئے مکلف اور نہ ان کے صحیح نہ ہونے سے آپ کی نبوت پر کوئی حرف ہی آتا ہے۔ جیسا کہ منکرین حدیث کہتے ہیں کہ ”یہ صحیح ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی گناہ نہیں کیا مگر وہ غلطیاں تو کر سکتے تھے اور حقیقت قرآن میں تسلیم کی گئی ہے۔“

۳۔ جب وہ تحقیق میں یہ پڑھتا ہے کہ ”حضور کے ارشادات و اجزاء پر مشتمل ہیں

جزو اول یہ کہ۔۔۔ جزو دوم یہ کہ۔ اور پھر اس کے بعد یہ لکھا ہوا دیکھتا ہے کہ ”اس دوسرے

جزو کی دینی اور اصولی حیثیت ظاہر ہے کہ وہ نہیں ہو سکتی جو پہلے جزو کی ہے۔ بلکہ اس کے

ہر حصے کی صحت کا دعویٰ کرنا بھی درست نہیں ہے، تو اس سے اس کا عقیدہ یہ بنتا ہے کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی (نحوہ بالشر) جدا جدا دو حیثیتیں تھیں ایک رسول ہونے کی حیثیت جس میں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ وحی کلام فرماتے تھے جس کو جزو اول قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی جزو اول



کی حیثیت سے فرمائی ہوئی باتوں کے ماننے کے ہم مکلف ہیں اور دوسری شخصی اور انسان ہونے کی حیثیت جس کو جزو دوم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس حیثیت کی باتیں قیاس و خیال کے زیر اثر ہوتی تھیں ان کے ماننے کے ہم مکلف نہیں۔ جو شخص اس کی بھی تمام تفصیلات کو اسلامی عقائد میں شمار کرتا ہے وہ غلطی کرتا ہے۔ بلکہ اس کے ہر حصے کی صحت کا دعویٰ کرنا بھی درست نہیں ہے۔

۴۔ جب وہ تحقیق پڑھ کر یہ محسوس کر لیتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارشادات کے صحیح ہونے کی کوئی گارنٹی نہیں ان میں بھی غلطی کا امکان ہے تو پھر اس کا عقیدہ یہ بنتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات بلا چون و چرا صحیح تسلیم کرنے کے لائق نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بھی (نعمو بالشر) معیار حق اور تنقید سے بالاتر نہیں ہے۔ ان کے اقوال و افعال کو خوب جانچا اور پرکھا جائے کہ کس حیثیت کے ہیں جزو اول کے قبیل سے ہیں یا جزو دوم کے بحیثیت رسالت ہیں یا بحیثیت شخصی صحیح ہیں یا غلط۔ نقل و روایت کے لائق ہیں یا نہیں بہر حال جس درجے میں پائے جائیں اس درجے میں ان کو رکھا جائے گا۔ ۵۔ جب وہ تحقیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو دو اجزاء پر مشتمل دیکھتا ہے تو اس کا عقیدہ یہ بنتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس جو ذخیرہ احادیث ہے وہ اسی طرح وحی و قیاس اور صحیح و غلط کا ایک مرکب مجموعہ ہے۔ جو قابل اعتماد نہیں، معلوم نہیں جس حدیث کو ہم آج صحیح سمجھ رہے ہوں غلط ثابت ہو جائے اور نقل و روایت کے لائق نہ رہے جیسا کہ وہاں کی حدیثوں کو سلف صالحین صحیح سمجھ رہے تھے اور نقل و روایت کرتے چلے آ رہے تھے مگر سارے تیرہ سو برس بعد آج وہ خود مولانا ہی کی تحقیق سے غلط ثابت ہو گئیں۔

۶۔ اسی کے ساتھ یہ بھی عقیدہ بنتا ہے کہ پوری امت و جمال کے معاملہ میں غلطی میں مبتلا تھی کہ اس کے زمانہ و مقام وغیرہ سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبروں کو برحق سمجھ رہی تھی اور بَلِّغُوا عَنِّي مَوْكُوفَاتِي کے تحت ان کی نقل و روایت کرتی چلی جا رہی تھی مگر

(باقی صفحہ ۴۱ پر)



ڈاکٹر محمد یوسف خاں  
شعبہ عربیہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

# متنبی

## عربی شاعری کا منفرد شاعر

ابو طیب متنبی جدتِ ادا اور امثالِ حکم کا امام تھا۔ خصوصاً وہ معرکائے جنگ کو اس طرح نئے نئے انداز میں پیش کرتا ہے کہ اس کے الفاظ میں بہادر اور نرد آزما سورموں کی تصویریں آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہیں۔ اس کے اشعار پڑھتے پڑھتے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معرکہ کارزار گرم ہے۔ جنگ آزما بہادر برق و دش تلواریں اور گندی نیزوں کے ساتھ شدید ضرب و پیکار میں مصروف ہیں۔ ساتھ میں معلوم ہوتا ہے کہ فصاحت و بلاغت کے جواہر پارے آسمانِ ادب سے بارش کی طرح برس رہے ہیں۔

شریف رضی نے لکھا ہے کہ متنبی سب سالار ہے۔ جس کے الفاظ سے لوگوں کی نظروں کے سامنے ایسے شیر دل بہادروں کے خوفناک اور بارعب چہرے آ جاتے ہیں۔ جو ہتھیاروں سے مسلح حملہ کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔

علامہ ثعلبی نے اپنی کتاب یتمة الدھر میں ایک مستقل باب قائم کر کے متنبی کے کلام پر تنقید کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ اس شاعر نے سیف الدولہ کو حیاتِ جاوید بخش دی ہے۔ اور اس کے ذکر کو زمین سے آسمان تک پھیلا دیا ہے۔ زمانہ میں جب تک چاند اور سورج طلوع اور غروب ہوتے رہیں گے۔ اس کا کلام یاد رکھا جائے گا۔ اور اس کے اشعار گائے جاتے رہیں گے۔ اس کے ماننے والوں میں کچھ شیعوں ہیں۔ جو

اس کی مدح سرائی میں ضرورت سے زیادہ مبالغہ کرتے ہیں۔ اور بعض خوارج ہیں جو اس کے کلام پر جرح کرنے میں حد سے زیادہ غلو کرتے ہیں۔

متنبی کے اشعار امثال و حکم سے پُر ہیں۔ کوئی خطیب یا انشا پر داز ایسا نہیں جو اس کے اشعار سے مدد نہ لیتا ہو، عربی زبان اس کے کلام کی وجہ سے بلیغ صنائع اور جدید استعارات و کنایات سے مالا مال ہو گئی۔ معنی آفرینی، طرزِ ادا میں جہد، دقیق افکار کو حسن ادا کے قالب میں ڈھالنا۔ نئے نئے اسلوب بیان کو استعمال کرنا اس کی شاعری کی خصوصیات میں سے ہیں۔

متنبی دل کی ترجمانی کرتا ہے۔ وہ بے چین دل کی کروٹوں سے خوب واقف تھا، اس لئے اس کے اشعار زبانوں پر ایسے چڑھے رہتے تھے کہ فضا اس سے گونج اٹھتی تھی۔ اس کے کلام میں جادو تھا، اور الفاظ میں شیرینی اس کے نغمات نے کانوں کو ایسا مسحور کر لیا کہ وہ ان میں کھو کر رہ گئے۔ اور اس کے اشعار کے قالب میں ڈھالی ہوئی تصویریں آنکھوں میں کھپ کر رہ گئیں۔

ابن الاثیر نے کتاب الوشی المرقوم میں لکھا ہے کہ جب میں ۵۹۶ھ میں مصر گیا۔ تو میں نے دیکھا کہ لوگ متنبی کے اشعار کے بڑے گردیدہ ہیں۔ میں نے اس کی وجہ معلوم کرنا چاہی تو قاضی عبدالرحیم البیانی جیسے فاضل نے کہا اور سچ کہا۔ رات ابوالطیب نطق عن خواطر الناس“

اسی طرح ابن رشیق نے کتاب الحمد میں بڑے بڑے شعراء عرب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ”ثم جاء المتنبی، فملا الدنيا،

متنبی ان طبائع شعراء میں سے تھا جو معنی آفرینی اور تحنیل کی بلند پروازی کے مقابلہ میں الفاظ کی تحسین اور صنائعِ فحش کے اصول و قواعد کی قطعی پرواہ نہیں کرتے۔ بلکہ ان نوابغ میں سے تھا۔ جو فطرت کی طرف سے شعر گوئی میں

ماہرانہ کمال رکھتے تھے۔ ان کے آئینہ دل میں جو بات بھی منعکس ہوتی ہے وہ بالکل نئے نئے انداز میں اور اچھوتے اسلوب میں جلوہ نما ہوتی ہے۔ ان میں اور دوسرے شعرا میں وہی فرق ہے۔ جو سونے اور پیتل میں ہے۔

## قصیدہ گوئی میں متنبی کا امتیاز

عہد بنو امیہ میں اخطل، جسریر اور فرزدق پھر دور عباسیہ میں بشار مروان بن ابی حفصہ، ابو نواس، ابومتمام، بحتری، اور متنبی عربی شاعری کے بڑے نامور شعرا میں سے ہیں۔ اور یہ سب بہت بلند مرتبہ تھے۔ لیکن ان میں متنبی کے علاوہ کسی نے قصیدہ گوئی میں تمام اصناف شاعری کو قربان نہیں کیا۔ یہ صرف متنبی تھا جس نے قصیدہ گوئی کو عروج کمال پر پہنچا دیا۔ اس نے شاعری کو اس حد تک کسب معاش کا ذریعہ بنایا کہ قصیدہ گوئی اور کاسہ لیبی دو مترادف الفاظ بن کر رہ گئے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ متنبی سرزمین عرب کا سب سے بڑا قصیدہ گو شاعر تھا۔ اس کی شاعری میں تمام فنی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ الفاظ کی کثرت، تشبیہ کی بلاغت، استعارہ و تمثیل کی لطافت، مضمون کی گہرائی، طرز ادا کی دلکشی، جدت طرازی اور مبالغہ آرائی جو قصیدہ کی جان سمجھی جاتی ہیں۔ پھر اس نے قصائد کا اتنا بڑا مجموعہ چھوڑا ہے کہ اگر ان کو اس کے صحیح دیوان سے الگ کر لیا جائے تو باقی اشعار اس کے کلام کا آٹھواں حصہ بھی نہیں رہ جاتے۔ یہ ایک ایسا امتیاز ہے جس میں وہ یقیناً منفرد ہے۔

دوسری خصوصیت جس کی وجہ سے اس کے قصائد ایک ممتاز مرتبہ پر فائز ہیں یہ ہے کہ اس نے اپنی شاعری سیف الدولہ کے سنہرے دور میں اس کے ساتھ شریک جہاد ہو کر پروان چڑھائی ہے۔ اس موقع پر اس نے جو اشعار کہے ہیں وہ اس



قدر پرجوش اور دولہ انگیز ہیں کہ بجائے خود اس کی شاعری کا ایک باب بن گئے ہیں یہ ایسا امتیاز ہے جو شعرِ عرب میں کسی کو حاصل نہیں۔  
تیسری خصوصیت اور سب سے بڑا امتیاز جس پر متنبی کے قصر شاعری کی بنیاد ہے جدت طرازی ہے۔ شاعری اس کے نزدیک معنی آفرینی کا نام ہے۔ نہ کہ قافیہ پیمائی کا۔ شاعری میں سارا کھیل کہنے کے انداز کا ہے متنبی نے جو کچھ کہا ہے وہ صنائع و بدائع کی خاطر نہیں کہا ہے۔ بلکہ اختراع معانی کی صناعت سے ایک نیا پیکر خیال پیش کیا ہے۔ یا پھر کسی پامال خیال کو اپنی جگہ رکھ کر طرزِ ادا کی جدت سے اس میں ایک نئی روح پھونک دی ہے۔ یا پھر نئی تشبیہات و استعارات سے صہبائے کہن کو نئے شیشوں میں پیش کیا ہے۔ یہ ایک ایسا بڑا امتیاز ہے جس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔

(بقیہ منسلک) آج ساڑھے تیرہ سو برس بعد یہ غلطی ظاہر ہوئی۔ اور مولانا کی بدولت معلوم ہوا کہ اب اُن چیزوں کی اس طرح نقل و روایت کرنا نہ اسلام کی صحیح نمائندگی ہے اور نہ حدیث کا صحیح فہم ہی ہے۔

۴۔ جب وہ تحقیق میں رجال کی حدیثوں کی نسبت جو علوم غیب اور امور دین سے متعلق ہیں قیاسی اور ناقابلِ حجت ٹھہرانے کیلئے حدیث تاہیرِ نخل سے مولانا کا استدلال دیکھتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ حدیث تاہیرِ نخل انکارِ حدیث کیلئے ایک ایسا حربہ ہے۔ جس کی مثال دیکر جس حدیث کو چاہو، مجروح کر دو۔ مضائقہ نہیں۔

یہ مذکورہ بالا عقائد جو ایک خال الذہن اور سادہ مزاج شخص کے دل میں تحقیق کے پڑھنے سے پیدا ہو رہے ہیں۔ کس قدر غلط اور خلافِ دین اسلام ہیں۔ اس کو اب آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیے۔ دَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ

## جدید کتابیں

تبصرہ کیلئے کتاب کے دو نسخے ضروری ہیں۔  
 شہید کربلا تاریخ و مذہب کی روشنی میں، مؤلف، مولانا قاضی زین العابدین سجاد علی  
 تقطیع خرد، کاغذ، کتابت، طباعت بہتر، صفحات ۱۷۸، مجلد مع کور، قیمت درج نہیں، ناشر  
 مکتبہ علیہ قاضی منزل، قاضی اسٹریٹ میرٹھ، یو۔ پی، موضوع کتاب کے نام سے ظاہر ہے۔ اسلامی  
 تاریخ کا یہ ایک نازک ترین موضوع ہے جس پر ہر دور کے اصحاب قلم اپنے اپنے انداز تحقیق سے  
 لکھتے آتے ہیں۔ لیکن ان میں گنتی کے چند ہی مصنف ایسے ہیں جو افراط و تفریط کی آلودگی سے  
 اپنے قلم کو محفوظ رکھ پاتے ہیں۔ زیر نظر کتاب کا مطالعہ بتا رہا ہے کہ حضرت قاضی صاحب بھی  
 انہیں خوش بخت مصنفین کی فہرست میں شامل ہیں۔ کتاب شہید کربلا اگرچہ ادراک کی وضاحت  
 کے اعتبار سے مختصر ہے لیکن موضوع سے متعلق مستند، مفید اور مناسب مندرجات اور نقول کے لحاظ سے  
 اس قابل ہے کہ اس موضوع لکھی گئی ضخیم کتابوں کے مقابلہ میں پیش کی جاسکتی ہے شروع  
 میں پس منظر کے طور پر خلافت راشدہ اور حضرت حسن و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے عہد کے  
 ساتھ یزید کے دور حکومت پر بھی اجمالی نظر ڈالی گئی ہے۔ آخر میں ”صحابہ کرام کے اختلافات  
 کی نوعیت، کے عنوان سے مشاجرات صحابہ کے سلسلے میں بڑی معتدل بحث کی گئی ہے جو  
 خاصے کی چیز ہے۔ امید کہ علمی حلقوں میں کتاب پسندیدگی اور وقعت کی نگاہ سے دیکھی جائے گی

بابری مسجد تاریخی پس منظر اور پیش منظر کی روشنی میں، مرتبہ جناب سید

صباح الدین عبدالرحمن صاحب، تقطیع کلاں، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ۔ صفحات ۶۵، قیمت ۲۱/۲۵

شائع کردہ دارالمنہجین شبلی اکبر کی اعظم گڑھ۔ بابر مسجد اجمودھیا ہندوستان کی وہ قسمت مسجد ہے۔ جس پر انتظامیہ اور عدلیہ کی سازش سے ناجائز قبضہ کر کے مندر میں تبدیل کر دیا گیا اور آج اس میں انٹرکسبر کی صدائیں بلند ہونے کے بجائے سنگھ اور گھنٹہ کی آوازیں گونج رہی ہیں۔ زیر نظر کتاب میں اسی مسجد کی مسجدیت کو مستند تاریخی حوالوں اور ناقابل تردید نقول سے ثابت کیا گیا ہے اور نواب داج علی شاہ والی اودھ کے دو سے لیکر آج تک اس مسجد کے خلاف جو کوششیں ہوتی رہی ہیں ان کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ زبان در بیان کی خوبی و متانت اور تحقیق و تدقیق کی اہمیت کیلئے مرتب کا نام ضمانت کے لئے کافی ہے۔ البتہ کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں ہیں۔ امید ہے کہ اگلے ایڈیشن میں انھیں ٹھیک کر دیا جائے گا۔ بڑے کتبے کی آخری دو سطروں کی عبارت یہ ہے۔ "تہت ہذا التوحید و نعت و مدح و صفت نور اللہ برہانہ خط عبد الضعیف غیف فتح اللہ محمد غوری، اس عبارت کے انکشاف سے یہ بات مزید معلوم ہو گئی کہ اس کتبہ کے کاتب کوئی فتح اللہ غوری ہیں۔ اگلے ایڈیشن میں اس کا اضافہ مناسب ہو گا۔

**تاریخ قضاة و مفتیان بھوپال :-** تالیف مولانا قاضی سید عابد علی و جدی ایسی صاحب تقطیع خورد، کاغذ بہتر، کتابت و طباعت معمولی، بجلد صفحات ۳۷۵ قیمت ۳۵ روپے۔ ملنے کا پتہ بھوپال، بک ہاؤس، بدھوارہ، بھوپال،

قاضی صاحب کی بھوپال سے متعلق یہ چوتھی تصنیف ہے۔ اس سے پہلے تاریخ ریاست بھوپال، تحریک آزادی ہند میں بھوپال کا حصہ انقلابی سوانح مولانا برکت اللہ بھوپالی، ہوصوف کے قلم سے نکل کر شائع ہو چکی ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، بھوپال کے قاضیوں اور مفتیوں کے تراجم پر مشتمل ہے۔ ابتداء میں مؤلف ہی قلم سے مبسوط مقدمہ ہے جس میں دارالقضاء کی تاریخ، اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالی گئی ہے، صفحہ ۷ سے قضاة اور مفتیان کا تذکرہ شروع ہوا ہے۔ پوری کتاب میں ۲۱ قاضی اور ۲ مفتی کے حالات درج



کئے گئے ہیں۔ کتاب جانفشانی اور تحقیق سے لکھی گئی ہے۔ لیکن کتابت، تصحیح اور طباعت کے سلسلہ میں سہل انگاری سے کام لیا گیا ہے۔ جس کی بنا پر کتابت کی غلطیاں جا بجا نظر آتی ہیں۔ مثلاً ص ۲۹ سطر ۵ میں خدا کے رسول کی جگہ خدا رسول ہے۔ ص ۵۰ سطر ۳ میں احکام نے استنباط کا سہرا چھپا ہے، جبکہ احکام کے ہونا چاہئے۔ اسی طرح ص ۵۹ سطر تین پر ان کی دو بیٹیاں تھیں لکھا گیا ہے جبکہ ”دو بیویاں تھیں“ ہونا چاہئے امید ہے کہ اگلے ایڈیشن میں ان غلطیوں کو درست کر دیا جائے گا۔ ان کتابتی اور طباعتی کوتاہیوں کے باوجود کتاب لائق مطالعہ ہے۔ اور ہندوستان کی علمی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کیلئے اچھا مواد فراہم کرتی ہے۔

ماہنامہ الفاروق کراچی، افغان جہاد مجوز، مرتبہ مولانا عبید اللہ خالد، کاغذ گلیر، کتابت عمدہ، طباعت آفسیٹ، خوشنما سرورق، صفحات ۴۰، قیمت ۱۰ روپے پستہ۔ دفتر الفاروق جامعہ فاروقیہ کراچی۔

ماہنامہ الفاروق کراچی اپنے مضامین کے تنوع اور حسن ترتیب کے اعتبار سے پاکستان کے دینی جرائد میں اپنا خاص مقام رکھتا ہے۔ زیر نظر شمارہ مجاہدین افغانستان کی داستان عزیمت کے لئے مخصوص ہے جس میں تقریباً ۲۰ عنوانوں کے تحت اصحاب قلم کے مقالات درج... ہیں۔ اکثر مضامین جہاد اور مجاہدین افغانستان ہی سے متعلق ہیں۔ میدان جنگ کے جا بجا فوٹو بھی دئے گئے ہیں۔ جس سے نمبر کی افادیت دو بالا ہو گئی ہے مولانا زبیر احمد خالد کمانڈر حسرتہ الجہاد الاسلامی کا ولولہ انگیز پیغام اور ڈاکٹر عبد اللہ عزام کا مقالہ ”ہم جہاد کیوں کرتے ہیں۔ خلاصے کی چیز ہیں۔ الحاصل نمبر ظاہری اور معنوی خوبیوں سے مزین ہے۔ امید ہے کہ علمی حلقوں میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ البتہ ”ایک دفعہ کا ذکر ہے“ کے عنوان سے جو مقالہ ص ۲۱ سے شروع ہوا ہے اس کے خطا کی باریکی مطالعہ کرنے والوں کے لئے بار خاطر ضرور ہوگی۔

# ادبیت غزل

سید محمود رمنال آبادی

مجھے زندگی کی خبر ملے مجھے آگہی کی نظر ملے  
مجھے رگزارِ خیال میں کہیں وہ جو بارِ دگر ملے  
کبھی سوئے راہِ حرم چلے کبھی تہکدے میں ٹھہر گئے  
تری جستجو کے دیار میں کئی رہبرانِ سفر ملے  
یہ حصّہ غم، یہ روائے شب، تری یاد کے ہیں اسیر سب  
مرے غمکدہ میں تو آ بھی جا مجھے سے تو مفر ملے  
جو خودی پہ تیرا یقین ہو تو کٹیں سلاسلِ بندگی !!  
اسی کارزارِ حیات میں تجھے ہر قدم پر ظفر ملے  
اُسی سمت ہی میں بناؤں گانیا ایک کعبۂ کافراں  
کہیں شاہِ راہِ حیات میں ترا نقشِ پا جو اگر ملے  
ہے فصیلِ شب میں گھرا ہوا وہی صندوقِ حسیں  
وہ مٹائے زلف اگر کہیں نہیں کاروانِ سحر ملے  
بڑی ہونگی مجھ پہ عنایتیں بنے غمکدہ بھی قسربکف،  
کبھی بھولے سے چلے آئے سیرِ راہِ سرا جو گھر ملے  
میں تھارمز جس کے شعور کا میرے ساتھ وہ بھی نہ چل سکا  
مجھے رہ نوردی سے کام ہے مجھے کیوں رفیقِ سفر ملے

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

# کلام اللہ علیہ السلام

سریپرست

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب جہانگیر کلاں صاحب

مدین

حبیب الرحمن قاسمی







دارالعلوم دارالعلوم دارالعلوم

# دارالعلوم

شماره نمبر ۱۰ بابہ ماہ جنوری ۱۹۸۶ء مطابقت جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ

نہ گراں

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند  
مدین

سالاںہ  
30/-

مولانا حبیب الرحمن قاسمی

فی پیرچہ  
3/-

سالاںہ بدل اشتراک { سعودی عرب، کویت، ابو ظہبی جنوبی و مشرقی افریقہ برطانیہ 160  
بیرون ممالک سے { امریکہ، کناڈا و غیرہ بذریعہ ایر میل — 160/-  
پاکستان 60/- ہندوستانی، بنگلہ دیش 40/- ہندوستانی

سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زرتعادون ختم ہو گیا۔

# فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	مضامین نگار	صفحہ
۱	حرف آغاز	حبیب الرحمن قاسمی	۳
۲	سکویہ کا تلفظ - ایک علمی تحقیق	از حضرت مولانا حکیم محمد ناصار حبیب حسینی	۷
۳	مسلم پرسنل لاء اور طلبہ برادری	مولانا عبدالحمید نعمانی قاسمی	۱۶
۴	عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت نانوتویؒ	حافظ محمد اقبال مابخشر انگلینڈ	۲۴
۵	مولانا مودودی کی تحقیق، حدیث رجال پر لکھنؤ	مولانا عبداللہ دیاں اعظمی	۳۵
۶	روس میں ترجمہ قرآن مجید	مولانا ابوالکلام قاسمی سلیم	۴۱
۷	جدید مطبوعات	مدیر	۴۵
۸	غزل	سید محمود مرزا ایڈوکیٹ	۴۸

## ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گزارش

۱۔ ہندوستانی خریداروں سے ضروری گزارش یہ ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پا کر اول فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ کریں۔

(۲) پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ ۶۰ روپے ہندوستانی مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی دالہ تحصیل شجاع آباد ملتان پاکستان کو بھیجیں اور انہیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کریں۔

(۳) خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمائیں خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ والسلام منیجر رسالہ



# حرف آغاز

حَبِیْبُہُ الرَّحْمٰنِ الْقَاسِمِی

فرقہ شیعہ اپنے ابتدائے وجود سے آج تک مسلسل مسلمانوں کی بیخ کنی میں کوشاں ہے اور اسلام دشمن طاقتوں کے ساتھ ملکر اسلام اور مسلمانوں کو صفوہ ہستی سے مٹا دینے کیلئے سرگرم عمل ہے۔ حضرت عثمان غنی داماد رسول و خلیفہ راشد کے خلاف بغاوت اور ان کی شہادت ۳۵ھ سازش عبداللہ ابن سبا موجد شیعیت جنگ جمل ۳۶ھ، جنگ صفین ۳۷ھ بہ سازش پیروان ابن سبا سقوط خلافت عباسیہ اور مسلمانوں کا قتل عام ۱۳۵ھ بہ سازش شیخ الشیعہ نصیر طوسی اور وزیر علقمی شیعہ، نادر شاہ کے ہاتھوں دلی کی تباہی اور علمائے اسلام کی تذلیل اہانت ۱۳۴۲ھ سلطان ٹیمپو کی شہادت اور ریاست میسور پر انگریزوں کا قبضہ ۱۱۶ھ بہ سازش میر صادق شیعہ، ریاست چوہیٹس پر گنہ بنگال کا سقوط اور انگریزوں کا تسلط ۱۲۵ھ بہ سازش میر جعفر شیعہ، حکومت روہیلہ کا خاتمہ ۱۸۸ھ بذریعہ شجاع الدولہ وغیرہ سیکڑوں قیامت نما حادثات ہیں جن سے اسلام اور مسلمانوں کو محض شیعوں کی فتنہ پرداز یوں کی بنار پر دوچار ہونا پڑا ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ان پیہم غدار یوں کے باوجود عام طور پر علماء دین انکی تکفیر کے سلسلے میں خاموش رہے۔ کیونکہ تقیہ اور کتمان مذہب کی وجہ سے ان کے عقائد و نظریات کی صحیح حقیقت واضح ہو کر سامنے نہیں آئی تھی۔ لیکن پریس کے ایجاد نے جب علمی کتابوں کی

اشاعت عام کر دی تو ان کی کتابیں بھی علمائے اسلام کے ہاتھوں میں پہنچیں جن کے مطالعہ سے تقیہ و کتمان کا غبار ان کے عقائد سے صاف ہو گیا۔ اور علماء اسلام اس نتیجہ پر پہنچے کہ فرقہ اثنا عشری اپنے کفر یہ عقائد کی بنا پر خارج از اسلام ہے۔ کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ ان کے ائمہ پر فرشتے وحی لیکر نازل ہوتے ہیں۔ (الجامع الکافی ص ۵۱) ائمہ کا مرتبہ انبیاء و رسل سے بھی بلند تر ہے۔ (الحکومت الاسلامیہ خمینی ص ۵۲)۔ ائمہ کی تعلیمات احکام قرآن کی طرح واجب الاتباع ہیں (الحکومت الاسلامیہ خمینی ص ۱۱۳) رسول کی اطاعت کی طرح ائمہ کی اطاعت بھی فرض ہے۔ (الکافی ۱۰۹) ائمہ گناہوں سے پاک اور معصوم ہیں (الکافی ص ۹۱) شیعوں کے ان عقائد سے ختم نبوت کا اجماعی و قطعی عقیدہ باقی نہیں رہتا جب کہ علمائے ائمتہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس عقیدہ کے انکار سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ مسند ہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کافر، منافق، اور زندیق میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اوقال ان الذی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبوة ولكن معنی هذا الكلام انه لا یحوز ان یسقط بعدہ احد نبی و اما معنی النبوة و هو کون الانسان مبعوثاً من اللہ تعالیٰ الی الخلق مفترض الطاعة معصوماً من الذنوب فهو موجود فی الائمة بعد فذلک هو الرندیق وقد اتفق جماہیر المتأخرین من الحنفیة و الشافعیة علی قتل من جرى هذه المجرى (المسوی شرح مؤطا ج ۲ ص ۳۰) کتب خانہ رشیدیہ سبیل مسجداً دہلی یا اقرار کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم نبوت ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد کسی کو نبی کہنا جائز نہیں ہے۔ البتہ حقیقت نبوت یعنی کسی انسان کا اللہ کی جانب سے مخلوق کی طرف بھیجا جانا، اس کی اطاعت و پیروی کا فرض ہونا، گناہوں سے معصوم ہونا تو یہ صفات و خصوصیات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اماموں میں موجود ہیں تو ایسا کہنے والا زندیق ہے۔ متأخرین علمائے احناف و شوافع یا اتفاق اس طرح کے عقائد رکھنے والوں کے قتل کا فتویٰ دیتے ہیں۔



علاوہ ازیں فرقہ اثنا عشری تحریف قرآن کا بھی قائل ہے۔ چنانچہ اس فرقہ کے عالم بکیر المحدث المجتہد العلامة حسن بن محمد تقی النوری الطبرسی المتوفی ۱۳۲۲ھ نے اس موضوع پر فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب (۱) کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔ جس میں وہ اثنا عشری کے تین مسل جلیل القدر محدثین، مفسرین اور مجتہدین کا نام شمار کرانے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ سب علماء تحریف قرآن کے قائل ہیں (فصل الخطاب ص ۱۳۸) مجتہد طبرسی اسی کتاب میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ مشہور محدث سید نعمت اللہ الجزائری نے لکھا ہے کہ ائمہ کی جن روایتوں سے تحریف قرآن کا ثبوت ہوتا ہے۔ وہ دو ہزار سے زائد ہیں اور علماء کی ایک جماعت ان کو متواتر مانتی ہے (فصل الخطاب ص ۲۳۷)

فرقہ اثنا عشری کا یہ دھوٹی بھی موجب کفر ہے۔ علامہ قاضی عیاض متوفی ۵۴۲ھ لکھتے ہیں: «وکنّا لک من انکار القرآن اوحرفا منه او غیر شیئاً منه او زادا فیہ» (الشفاع ص ۲۶۲) اسی طرح وہ بھی کافر ہے جس نے قرآن یا اس کے کسی ایک حرف کا انکار کیا یا اس میں رد و بدل اور زیادتی کی علامہ بحر العلوم متوفی ۱۲۲۵ھ تحریف قرآن کے قائل کو کافر لکھتے ہیں (فوائح الربوت ص ۶۱۷)

اثنا عشری فرقہ کے ان عقائد کے منظر عام پر آ جانے کے بعد علمائے اہمیت کیلئے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا کہ اس فرقہ کو خارج از اسلام قرار دیں۔ کیونکہ کافر کو کافر نہ کہنا اُسے مسلمان تسلیم کرنا ہے جو شریعت کی نگاہ میں جرم عظیم ہے۔ (۱۰) ادخال کافر فی الملۃ یا اخراجم مسلماً عنہا عظیم فی الدین، (لا کفاراً للملحدین ص ۲۰) کافر کو اسلام میں شامل کرنا اور مسلمان کو ملت سے خارج کرنا از روئے دین کے (دونوں) جرم عظیم ہیں۔ اس لئے کسی فرد یا جماعت سے کفر یہ عقائد کے ظاہر ہو جانے کے بعد اس کی تکفیر سے گریز کسی طرح بھی درست نہیں ہے بلکہ علمائے دین کی ذمہ داری ہے کہ ایسے لوگوں کے کفر کو ظاہر کر دیں تاکہ دوسرے مسلمان ان سے اور ان کے باطل عقائد سے دور رہیں۔



چنانچہ ۱۳۴۸ھ میں امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی کے ایک فتویٰ کی تصدیق کرتے ہوئے علمائے دیوبند نے متفقہ طور پر فرقہ اثنا عشری کی تکفیر کی تھی۔ بعد میں یہ فتویٰ کتابی شکل میں شائع ہو گیا تھا۔ جس کا جدید ایڈیشن اضافہ کے ساتھ حال ہی میں پاکستان سے شائع ہوا ہے۔ ادھر ماضی قریب میں ایران کے اندر سیاسی انقلاب کے بعد عینی حکومت کی طرف سے جس شد و مد کے ساتھ پُر فریب انداز میں شیعیت کی تبلیغ ہو رہی ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ علمائے اسلام خصوصی طور پر اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے سرگرم عمل ہو جائیں۔ یہ ضرورت اس لئے اور بڑھ گئی ہے کہ بعض اسلامی جماعتیں سیاسی مفاد یا اپنے زینع اور کجی کی بنا پر ایران کے شیعہ انقلاب کو اسلامی انقلاب بنا کر مسلمانوں کو اس کی تائید و حمایت کی دھواں دے رہی ہیں۔ اس لئے عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم (منعقدہ ۲۹/۳۰/۳۱ اکتوبر ۱۹۸۶ء) کے موقع پر اسی تقاضائے شرعی کے تحت حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی نے ایک تجویز پیش فرمائی جو بحث و تمحیص کے بعد اجلاس نمائندگان میں منظور کر لی گئی تجویز کا متن یہ ہے۔

یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ شیعہ اثنا عشری مسلک کا، جو فی زمانہ دنیا کے شیعوں کی اکثریت کا مسلک ہے اور ایران میں اسی مسلک کے ماننے والوں کے ذریعہ ماضی قریب میں ایک انقلاب برپا ہوا ہے جس کو اسلامی انقلاب کہہ کر عالم اسلام کو زبردست دھوکہ دیا جا رہا ہے، اس مسلک کا ایک بنیادی عقیدہ، عقیدہ امامت براہ راست ختم نبوت کا انکار ہے۔ اسی بناء پر حضرت شاہ ولی اللہ نے صراحت کے ساتھ ان کی تکفیر کی ہے۔ لہذا یہ اجلاس تحفظ ختم نبوت اعلان کرتا ہے کہ یہ مسلک موجب کفر اور ختم نبوت کے خلاف پُر فریب بغاوت ہے۔ نیز یہ اجلاس تمام اہل علم سے اس فتنہ کے خلاف سرگرم عمل ہونے کی اپیل کرتا ہے۔

اجلاس کی جو رپورٹ گذشتہ سے پیوستہ شمارے میں شائع ہوئی تھی غلطی سے یہ تجویز اس میں نہیں آ سکی تھی حالانکہ اس تجویز کی اہمیت کا تقاضا تھا کہ اسے نمایاں طور پر شائع کیا جاتا جسے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی اور شرکائے اجلاس سے معذرت کے ساتھ تجویز شائع کی جا رہی ہے۔

العذر عند کرام الناس مقبول

# مسکویہ کا تلفظ ایک علمی تحقیق

از حضرت مولانا حکیم محمد زماں حنا حسینی

ابن مسکویہ (المتوفی ۴۲۱ھ) اس نام کی ایک عظیم شخصیت آل بویہ یعنی دیلمیوں کے دور حکومت میں گذری ہے۔ اس خاندان کے سلاطین و امراء خود بھی بڑے صاحب علم و فن تھے اور دوسرا باب علم و فن کے قدرداں بھی تھے۔ اسی عہد میں شیخ بوعلی ابن سینا جیسے ماہر فن طبیب و فلسفی اور بدیع الزماں ہمدانی جیسے جامع الفنون نامور ارباب کمال بھی تھے۔ جن کا ملک کے گوشے گوشے میں چرچا تھا۔ اس زمانہ میں ابن مسکویہ کا بھی علمی شہرہ ہوا اور خوب ہوا۔ اس زمانے کے تمام مروجہ علوم و فنون پر اس نے بے مثال کتابیں تصنیف کیں۔ طب، منطق، طبیعیات، الہیات، ریاضیات، اخلاقیات، کیمیاء، سارے مضامین پر اس نے داد تحقیق دی،

یہ شیخ بوعلی ابن سینا اور ہمدانی سے ذاتی تعلقات بھی رکھتا تھا، الغرض یہ شخص آل بویہ کا ایک ایسا نامور فرد فرید ہے کہ صدیوں سے مجالس علم و ادب میں اس کا بھی ذکر خیر اصحاب علم کی زبانوں پر آتا رہتا ہے۔ اور آج بھی طلبہ علم اور شیدایان تحقیق اس کی تحقیقات و خیالات سے مستفید ہوتے ہیں۔ اسی تقریب سے باہمی علمی گفتگو

میں کبھی کبھی اس فلسفی کا نام بھی زبانوں پر آتا ہے۔  
یہ فلسفی بین الاقوامی مقبولیت کی بنا پر ہر ملک کے حلقہ علم میں قابل ذکر شخصیت ہے۔ مگر چونکہ خطہ ایران کے علاقے رے سے رشتہ زاد و بوم رکھتا ہے اس لئے ایرانی دانشوروں کو اس سے خصوصی دلچسپی ہے اور عرب اور روسی ملکوں کے ارباب دانش اور فضل و کمال بھی اس میں عمومی رغبت رکھتے ہیں۔

ایک دن میرے ایک مہمان نے جو بڑے علم دوست، محقق اور پی، ایچ ڈی ہیں اور ایک مشہور یونیورسٹی سے تعلیمی تعلق رکھتے ہیں۔ مجھ سے ذاتی علاقہ اور محبت کی بنا پر اس فلسفی کے نام ”مسکویہ“ کے صحیح تلفظ کے بارے میں سوال کیا اور ساتھ ساتھ اس لفظ کے صحیح تلفظ کے بارے میں اپنا ایک ذاتی واقعہ بھی سنایا کہ۔  
— میں نے اپنے ایک بزرگ استاد، پروفیسر کی مجلس علمی میں ”مسکویہ“ میرے اس تلفظ پر انھوں نے مجھے ٹوکا اور تعجب سے کہا کہ ”تم بھی اردوں کی طرح یہی تلفظ کرتے ہو؟“ اس کا صحیح تلفظ ہے ”بکسر اللیم، بسکون سین، بضم کان، بفتح یا۔ یعنی ”مسکویہ“ اور حوالہ میں کسی ایرانی پروفیسر کا نام لیا جس نے ان کو بھی اسی طرح اس کے تلفظ پر ٹوکا تھا۔

یہ سن کر میں نے تو اس کے تلفظ کے بارے میں اپنی معلومات کی بنا پر اپنے مہمان کو اپنی رائے بتادی تھی، مگر مزید تحقیق کا وعدہ کر لیا۔ اس لئے اس واقعہ کی نوعیت نے مجھے اپنی طرف خاص طور پر متوجہ کر لیا تھا۔ اور مجھے بھی اس سے گہری دلچسپی ہو گئی تھی۔ چنانچہ طالب علمانہ تفتیش و تحقیق شروع کر دی، مجددہ تعالیٰ ایک صحیح اور واضح نتیجہ پر پہنچ گیا۔ جس سے خوشی ہوئی اور معلومات میں اضافہ بھی ہوا۔ اس مرحلہ پر جی چاہا کہ دو سکر اہل علم دوستوں کو بھی شریک مسرت کروں، اسی غرض سے یہ چند سطریں قلم بند کر دی ہیں۔



غور کرنے پر درج ذیل چیزیں اس سلسلہ میں سامنے آئیں۔

- ۱۔ یہ سوال صرف لفظ "مسکویہ" کے تلفظ کا نہیں ہے۔ بلکہ اس وزن اور وضع کے جتنے بھی اعلام و اسماء ہیں سبھوں کے تلفظ کا یکساں سوال ہے۔
- ادنیٰ توجہ سے اس قسم کے چند ناموں کی ایک فہرست بن گئی۔ جو درج کر رہا ہوں۔
- یہ نام بڑے حکماء، علماء، اطباء اور محدثین کے ہیں، اپنے، اپنے فن کے یہ حضرات
- امام ہیں اور اسی تقریب سے کتب علم و حکمت میں ان حضرات کے نام آتے ہیں۔
- (۱) سیبویہ (۲) اسحاق بن راہویہ (۳) ابن مندویہ (۴) ماسرجویہ،
- (۵) سلمویہ (۶) ماسویہ (۷) نردویہ (۸) دوستویہ (۹) ابن بختویہ (۱۰)
- ابن خالویہ (۱۱) نطفویہ (۱۲) حکمویہ (۱۳) بویہ (۱۴) بابویہ (۱۵) زادویہ
- (۱۶) شاہویہ۔ یہ ایک مختصر فہرست ہے ان ناموں کی جو لفظ "مسکویہ" کے مماثل ہیں۔ پس اس کا جو صحیح تلفظ ہوگا وہی تمام اسمائی مذکورہ کا ہوگا۔
- (۲) یہ تمام اسماء دو لفظوں سے مرکب ہیں، جزر اول وہ حصہ ہے جو لفظ "ویہ" سے قبل ہے اور جزر دوم خود لفظ "ویہ" ہے مثلاً "مسکویہ" جزر اول "مسک" ہے اور جزر دوم "ویہ" ہے اسی طرح دیگر اسماء مذکورہ کا تجزیہ کیا جائے گا۔

- ۱۳۔ ان اسماء کی فہرست پر نظر ڈالی جائے تو فوراً یہ محسوس ہوگا کہ یہ اسماء اپنی فطری وضع اور بناوٹ کے لحاظ سے عجیب نژاد ہیں اس لئے کہ ان ناموں کا جزر اول یا تو خالص فارسی لفظ ہے۔ یا اگر عربی ہے تو اہل فارس نے فارسی میں اسے داخل کر کے فارسی کا درجہ دے دیا ہے۔ اور ایرانی ڈھنگ سے اس کی ترکیب کی گئی ہے۔
- ۱۴۔ اور رواج و چلن کے اعتبار سے جس طرح ایرانیوں میں یہ اسماء مروج ہیں اسی طرح سے عربوں نے بھی اسے اپنے ہاں قبول کیا ہے۔ عربی لغات و نحو کی کتابوں میں

بھی علی طور پر ارباب علم نے ان اسامی کی بنیاد اور تلفظ اور اعراب و دیگر قواعد کے بیان میں ان اسامی کا ذکر بطور سند پیش کر کے ان کو عربی ادب و زبان کا جز ہونے کا شرف بخشا ہے۔

۵۔ اسی صورت میں لسانی تقاضے کے مطابق یہ ممکن ہے کہ ان الفاظ کے بارے میں عجمیوں اور عربوں کے تلفظ جدا جدا ہوں۔ جیسا کہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ جب کسی زبان کا لفظ دوسری زبان میں داخل ہو جاتا ہے تو اس زبان کے مزاج اور اہل زبان کے ذوق کے مطابق اس کا تلفظ دلچہ ہوتا ہے اور یہ کبھی کبھی اس قدر اصل زبان کے تلفظ و لہجے سے مختلف ہو جاتا ہے کہ یہ تمیز مشکل ہوتی ہے کہ یہ لفظ ذیل ہے یا اس زبان کا اصل لفظ ہے۔

ان اسامی کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی کہ گویہ عجمی الفاظ ہیں مگر عربوں نے اپنے یہاں ان کو اپنے ڈھنگ کا بنا کر لغات عربی میں داخل کیا اور ان کا تلفظ اپنی زبان کے مزاج کے مطابق کیا۔ عربوں کے یہاں ان الفاظ کی اسی وضع بن گئی جو ایرانیوں، فارسیوں کے تلفظ سے بالکل جدا گانہ ہے۔

اصل حقیقت کی وضاحت کیلئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ چند محققین اہل لغت اور ماہرین فن لسانی و ادب کی رائیں نقل کروں تاکہ اصل سوال کے صحیح جواب کے تعین میں مدد مل سکے۔

### (۱) القاموس۔

”ویہ“ و تکر الہاء و ویہا اغراء و تكون للواحد والجمع والمذكر والمؤنث وکل اسم ختم بہ۔ کسیبویہ و عمر ویہ، یعنی لفظ ”ویہ“ میں ہا کو کبھی زیر دیدیتے ہیں اور کبھی اس کا تلفظ ”ویہا“ بھی کرتے ہیں۔ یہ لفظ اس موقع پر استعمال کرتے ہیں جب کسی کو کسی معاملہ میں ابھارنا بھرکانا ہو، واحد جمع مذکر مؤنث ہر صورت میں اسی طرح استعمال ہوتا ہے اور یہی صورت حال ہر اس

اسم کی ہے جس کا آخر ”ویہ“ پر ہو جیسے ”سیبویہ“ ”عمرویہ“

(۲) ابن خلکان

والعجم یقولون سیبویہ بضم الباء الموحدة وسكون الواو وفتح  
الیاء المتناة من تحتها، یعنی اہل عجم سیبویہ کا تلفظ با کے ضمہ اور واؤ ساکن  
یا مفتوحہ کے ساتھ کرتے ہیں یعنی سیبویہ

(۳) ابن خلکان

بویہ بضم الباء الموحدة وفتح الواو وسكون الیاء المتناة من تحتها  
وبعدھا هاء ساكنة (وفیات جلد اول ص ۱۵۹) یعنی بویہ بار کو ضمہ اور واؤ کو فتح  
اور یائے ساکن اور ہائے ساکن کے ساتھ تلفظ ہوگا بویہ۔ وفیات ص ۱۵۹  
۴۔ السیوطی :-

نظریہ :- قال یاتوت الحموی قد جعل ابن بسام بضم الطاء و  
سكون الواو وفتح الیاء (المزهر) یعنی یاتوت حموی نے کہا ہے کہ ابن بسام  
نے نطفویہ کا تلفظ طاء کے ضمہ اور واؤ ساکن یا مفتوحہ کے ساتھ قرار دیا ہے  
یعنی نطفویہ۔

(۵) صراح :-

”ویہ“ و يقال ویها یا فلان و تحریض کما يقال دونک یا فلان  
یعنی، ہلاہین، اے فلان۔ سیبویہ نام استاد نحو و لغت فہر اسم  
بنی مع صوت فجعل اسمًا واحدًا وکسر آخره وکذا عمرویہ و سعلویہ  
ونطفویہ (صراح ص ۵)

ویہ اور اس کا تلفظ ویہا بھی ہوتا ہے یہ لفظ تحریض کیلئے آتا ہے۔

سیبویہ، امام نحو و لغت کا نام ہے۔ یہ ایسا اسم ہے جو صوتی لفظ سے ملا کر بنایا



گیا ہے اور دونوں مل کر ایک اسم قرار پا گئے ہیں، اس کے اخیر یعنی لفظ ہا میں کسرہ دیتے ہیں۔ یہی حال عمرویہ و سعدویہ، نبطویہ کا ہے۔  
صاحب صراح کی اس صراحت کے مطابق کہ یہ لفظ مرکب اور مبنی بر کسرۃ آخر ہے۔ اس کا تلفظ خود بخود متعین ہو جاتا ہے۔ یعنی واؤ مفتوحہ اور ہائے ساکن کے ساتھ اس قسم کے مرکبات مبینہ اور یا غیر متصرفہ کے ملاحظہ ہو شرح جامی بحث اسم کے صفحات ۲۱۴ و ۲۱۵ بحث مرکبات)

اب ارباب لغات و ادب کی منقولہ تحریروں سے یہ واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ زیر بحث اسامی کے تلفظ میں عربوں اور ایرانیوں کی رکوش میں فرق ہے۔  
اہل عرب یا ہائے ساکن والی شکل پسند کرتے ہیں اور اہل عجم یا ہائے مفتوحہ والی صورت کو اختیار کرتے ہیں۔

مذکورہ حوالوں کی روشنی میں علمی اور لسانی طور پر دونوں تلفظ صحیح ہیں۔  
کسی ایک متعین تلفظ کو اختیار کرنے پر کسی کی تغلیط و تخطیہ بے بنیاد بات ہے۔  
ایرانی پر و فیسر صاحب کا اپنے ذوق و ماحول کے مطابق ”مسکویہ“ کے تلفظ میں ایرانی مذاق کی رعایت کی وجہ سے دوسروں کو اس کی ترغیب و تلقین تو بالکل درست و بجا ہے، اس لئے کہ زبانوں کی اصل حفاظت عصبیت ہی پر مبنی ہے جب تک کسی قوم کو اپنی زبان سے جذباتی و عصبی لگاؤ نہیں ہوگا۔ اس وقت تک اس زبان کی ہیئت و خصوصیت باقی رکھنا ناممکن ہے۔ لیکن اس کے خلاف اگر باعتبار لغت عرب صحیح تلفظ کوئی کرنا چاہے تو اس کی تغلیط نامناسب ہے۔ اسی طرح کسی عرب کا اپنے لہجہ خاص اور تلفظ خاص کا پابند بنانے کی دلچسپی فطری ہے۔ مگر ایرانی تلفظ کے خلاف پرکھا اصرار کرنا غیر مناسب ہے۔

یہ الفاظ زیر بحث اہل عرب کی طرح اہل فارس کے یہاں بھی مرکبات میں سے ہیں اور دو جز پر مشتمل ہیں۔ اور دونوں جزء الگ الگ با معنی ہیں اس کے تجزیہ کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ مسکویہ :- اس میں پہلا جز ”مسک“ ہے۔ الگ با معنی لفظ ہے بمعنی مشک نافہ مشہور، خوشبودار چیز اور دوسرا جز ”ویہ“ یہ لفظ فارسی میں ”چہ خوش“ کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ کشوری نے لکھا ہے۔ اب یہ دونوں جز کی ترکیب سے مل کر ایک با معنی مرکب لفظ ہو گیا۔ ”مسکویہ“ یعنی اچھا مشک، یہی مرکب جب کسی شخص کا علم اور اسم بنا تو گو معنوی اعتبار سے اس جگہ یہ معنی مذکور مراد نہیں ہے۔ لیکن باعتبار تلفظ اس مرکب کا تلفظ وہی ہوگا جو عربوں کا تلفظ ہے۔ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور یہی حال اس کے مماثل اسماء کا ہوگا۔ مگر تجزیہ کی یہ صورت باعتبار تلفظ ان ایرانیوں اور فارسیوں کے نزدیک وقع ہوگی۔ جو ان اسماء کا تلفظ عربوں کے انداز پر کرنا جائز خیال کرتے ہوں۔ مگر وہ حضرات جو عربوں کے بالمقابل ان اسماء کے تلفظ میں واؤ ساکن اور یائے مفتوحہ پڑھنا ضروری سمجھتے ہیں ان کے اعتبار سے تجزیہ کی یہ صورت ہے کہ :-

۲۔ اس مرکب کا لفظ آخر ”یہ“ قرار دیا جائے، فارسی میں یہ لفظ ”والا“ کے معنی میں آتا ہے جیسے کہ ”دورویہ“۔ ”دوجویہ“۔ ”چوپایہ“ اس صورت میں تلفظ ایرانیوں کا باقی رہے گا اور معنویت بھی باقی رہے گی۔ مگر بصورت علمیت یہ معنی مراد نہ ہو۔

اب مسکویہ کے معنی ہوئے، مشک والا، سیبویہ۔ رواں پانی والا، وغیرہ وغیرہ اس وضاحت کے بعد بآسانی یہ حقیقت کھل گئی کہ ان اسماء کے تلفظ کے بارے میں خواہ عربوں کی روش اختیار کی جائے۔ خواہ اہل فارس کی، ہر دو طریقے لفظاً و معنیاً ہر لحاظ

سے درست ہیں۔

البتہ یہ ایک اہم سوال ہو سکتا ہے کہ ہندوستان ارباب علم و دانش زمانہ قدیم سے ان الفاظ کے تلفظ میں عربوں ہی کی پیروی کیوں کرتے ہیں؟۔ اس سوال کا جواب میرے خیال میں یہ ہے کہ، ہندوستان میں زبان فارسی اور زبان عربی کی تعلیم کا پورا نظام بنیادی طور پر ان علماء کرام سے متعلق رہا جو دراصل عربی زبان و ادب کے ماہر اور اسی سے مذہبی ربط و تعلق زیادہ رکھتے تھے اور ان حضرات کا سلسلہ تعلیم بھی خاص عرب اساتذہ پر مشتمل ہوتا ہے، ان حضرات نے عربوں سے جو کچھ سیکھا انہی لوگوں کے ڈھنگ سے سیکھا پھر ان لوگوں کی وساطت سے پورے ہندوستان میں جس قدر بھی نظم تعلیم کو وسعت ہوئی اس پر انہی لوگوں کے علمی اطوار کی چھاپ پڑی۔

کچھ اساتذہ کا اگرچہ سلسلہ تلمذ ایرانی اساتذہ پر مشتمل ہوتا ہے مگر کچھ اسباب کی بنا پر ان لوگوں کا حلقہ ملک میں بہت ہی مختصر اور چھوٹا ہے جس کی بنا پر عموماً ہندوستانی ارباب علم ان لوگوں سے کچھ کم متاثر ہوتے، نتیجہ کے طور پر ہندوستانی فارسی دانوں کا انداز تلفظ اور لہجہ وغیرہ ایرانیوں سے ہٹ کر یا تو خالص عربی انداز کا ہو گیا یا ہندی، عربی ایرانی اختلاط کے زیر اثر ایک ایسی قسم کا ہو گیا جو ان تینوں زبانوں کے اصل لہجہ سے بالکل جداگانہ قسم کا معلوم ہوتا ہے۔

انگریزی دور حکومت کے قبل ایرانی ہندی علماء کا آپس میں جو رابطہ تھا وہ انگریزی دور حکومت میں قریب قریب ختم ہو گیا۔ اس دو صدی میں بھی دونوں ملکوں کے اہل علم میں بہت دوری ہو گئی۔ اور اگر کچھ تعلق رہا تو وہ صرف ہندوستانی اہل تشیع حضرات کی بدولت۔ اس لئے کہ ان لوگوں کا ایران سے مذہبی اور روحانی رشتہ بھی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس بنیاد پر ایرانی مذاق علمی کا رداج صرف اہل تشیع حضرات کے محدود علمی حلقہ میں رہا۔ اس کے عمومی اثرات ہندوستان کے عام ارباب علم پر نہیں ہوئے بلکہ



ہندوستانی آبادی کا بڑا حصہ بالخصوص مسلمانوں کا تجارتی، سیاسی، مذہبی علمی لحاظ سے ارتباط عربوں ہی سے تھا۔ اور اب بھی ہے اس لئے زیادہ تر عربوں ہی کے علمی اثرات کا نفوذ ہوا۔ البتہ اب ہندوستانی یونیورسٹیوں میں فارسی زبان کا جو جدید نظام تعلیم رائج ہوا ہے۔ اس کے زیر اثر جو طلبہ فارسی زبان سیکھ رہے ہیں وہ بڑی حد تک ایرانی فارسی اثرات قبول کر رہے ہیں۔ اور یہی طلبہ رفتہ رفتہ ہمارے ملک میں اس فارسی کی ترویج کا مضبوط ذریعہ بنیں گے۔ جو ایرانی لہجہ اور فارسی زبان کی اصل مزاج و مذاق سے مطابقت رکھے گی۔

ہندوستانی اور ایرانی طلبہ کا دونوں ملکوں کی یونیورسٹیوں میں آمد و رفت اساتذہ کے باہمی علمی تبادلے اور ان کی آپس کی میل ملاقات اس صورت حال کو روز بروز مستحکم بنا رہی ہے۔

ادھر ملک میں قدیم نظام تعلیم کا ڈھانچہ بے جان ہو رہا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ اب یہاں کے ارباب علم، زبان عربی اور زبان فارسی کیلئے کوئی جدید راہ اختیار کر لیں جس کے واضح امکانات نظر آ رہے ہیں اور ان کی روشنی میں نئے خطوط پر تعلیمی نظام مرتب ہو سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ الفاظ زیر بحث کا تلفظ عربوں کے ڈھنگ کا ہمارے ہندوستانی ارباب علم میں عربوں کے اثرات علمی کے نفوذ کا نتیجہ ہے۔ فقط۔



# مسلم پرسنل لار اور طلبہ برادری

از۔ مولانا عبدالحمید نعمانی القاسمی۔ آئی۔ ٹی۔ او، نئی دہلی

دور جدید میں یہ بات واقعاتی مرحلے میں داخل ہو چکی ہے کہ دنیائے انسانیت خالقِ فطرت کے فطری قانون ہی کو اپنا کر منزلِ مقصود تک پہنچ سکتی ہے۔ اس فطری قانون اور ضابطہٴ معیات کا نام ”اسلام“ ہے۔ جسے اصولی و آفاقی حیثیت حاصل ہے۔ وقت اور تجربے نے خدا کی اس وسیع و عریض دنیا میں رہنے والے انسانوں کو واضح طور پر بتلادیا ہے کہ تمہارے درد و دکھ کا صحیح مداوا اسلام کے علاوہ دنیا میں پائے جانے والے کسی نظریہ اور ازم کے پاس نہیں ہے۔ چاہے مغرب کی ذہنی و فکری فیکٹری کا ڈھلا ہوا قانون ہو۔ چاہے اس کے سرخ آسمان کا نازل کردہ ضابطہ۔

**ایک مثال** | اپنی بات کی وضاحت کے لئے میں یہاں ایک چھوٹی سی مثال دینگا۔ گریٹا گار یو مغرب کی فلمی دنیا کی ایک ایسی ابھرتی اداکارہ تھی جس نے جوانی کی ترنگ میں شادی نہیں کی۔ لیکن شادی نہ کرنے کا اسے زندگی کے آخری ایام میں بہت زیادہ قلق تھا۔ اور بڑی حسرت سے کہتی تھی، شادی نہ کرنا ایک بہت بڑی بھول ہے۔ یہ چھوٹا سا واقعہ خدا کے فطری قانون کو چھوڑ کر اپنی بنائی ہوئی ڈگر پر چل کر حسرت ناک زندگی گزارنے کا آئینہ دار ہے۔ قانون خداوندی سے منحرف

آغاز ہونے والے ہر سفر زندگی کا اتمام حسرت و ناکامی پر ہوتا ہے۔ زندگی گزارنے کے دوسرے طریقے ہیں (۱) انسانی فطرت سے مکمل طور پر ہم آہنگ خدائی طریقہ دوسرا خود اپنے جیسے بے خبر انسانوں کا خود ساختہ..... پہلا طریقہ کامیابی اور منزل مقصود تک پہنچانے کا ضامن اور دوسرا زندگی کے تاریک جنگل میں سرگرداں پھرنے اور ناکامی کا پیش خیمہ ہے۔ یہ حقیقت واقعاتی و مشاہداتی طور پر بالکل واضح انداز میں سامنے آچکی ہے اور اسے انسانوں کی ایک عظیم اکثریت تسلیم کر چکی ہے۔ لیکن شیطان کے ہتھے چڑھے ہوئے انسانوں کی ایک دوسری عظیم اکثریت بھی ہے جو اپنی آنکھوں پر رنگین عینک لگا کر مذکورہ فلمی اداکارہ کی سی غلطی کا ارتکاب کر رہی ہے۔ اور پیشاب کی شیشی پر ”آب حیات“ کا لیبل لگا کر اسے امرت دھارا کا نام دینے اور دوسروں سے زبردستی منوانے کا احمقانہ اقدام برابر کرتی آرہی ہے۔ جس کے نتیجے میں طرح طرح کے فتنے خدا کی زمین پر برپا ہوتے رہتے ہیں ان ہی فتنوں میں سے ایک جدید فتنہ خالق کائنات کے دین فطرت اسلام کے اوٹ جھٹے ”مسلم پرنسپل لار“ میں ترمیم و تبدیلی کا بھی ہے۔ یہ اس قدر شدت کے ساتھ اپنے بال و پر نکالتا اور پھیلاتا جا رہا ہے کہ آج لیلائے مغرب کی زلف گرہ گیر میں گرفتار مسلمان بھی خدا کے فطری قانون کی جگہ انسانی ذہن و فکر کے خود ساختہ طریقے کو رائج کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں اور اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ باری تعالیٰ کے محکم قانون اور ضابطہ حیات کو از کار رفتہ اور فرسودہ قرار دے کر مسلمانوں کے متلی وجود کو معرض خطر میں ڈال دیں یا کم از کم اسلام کو مسلمانوں کی معاشرتی زندگی سے خارج کر دیں۔

**ایسا خیال کیوں پیدا ہوا؟** | یہاں پہنچ کر یہ سوال فطری طور پر پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ شیطانی خیال لوگوں کے ذہن میں پیدا کیوں ہوا؟ اس کے



اسباب کیا ہیں؟ جہاں تک ہماری معلومات اور مطالعہ کا تعلق ہے اس کی روشنی میں ہمارے نزدیک مذکورہ خیال کے پیدا ہونے کے چند وجوہ ہیں۔ عادیں کو مختلف خانوں میں باٹنے کا غلط اور غیر اسلامی رجحان کہ دین و مذہب کا دائرہ صرف مسجدوں، مندروں، کلیساؤں اور انسانی روحانی اور انفرادی زندگی تک محدود ہے۔ وہ زندگی کے عام اجتماعی مسائل اور معاملات سے کوئی تعرض نہیں کرتا ہے۔ ان مسائل میں ان کو اختیار ہے۔ وہ جو راستہ چاہے اختیار کرے۔ اور زندگی کا جو نظام چاہے اپنائے۔ خدا اور مذہب کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔

(۳) اسلامی قانون کو دیگر مذاہب کے قانونی تناظر میں دیکھنا (۳) خدائی قانون کو انسانی ذہن کے بنائے ہوئے قانون کی سطح پر لاکھڑا کرنا۔ صرف یہی نہیں بلکہ خدائی قانون پر انسانی قانون کو ترجیح دینے کا غلط رجحان ہے۔ ان وجوہ کے علاوہ دیگر اور وجوہ بھی ہیں۔ لیکن یہ سب کی سب جزئی اور مذکورہ تینوں وجوہ کی پیداوار ہیں۔

مذکورہ باتیں ان مذاہب کے متعلق تو صحیح ہو سکتی ہیں اور

## اسلامی شریعت ناقابل تقسیم ہے

بڑی حد تک صحیح بھی ہیں۔ جو رسوم و رواج اور فرسودہ ادہام و خیالات سے عبارت ہیں لیکن جہاں تک دین فطرت اسلام کا تعلق ہے۔ اس میں تنوعی ضد غلط اور خلاف واقعہ ہیں تقسیم دین کے متعلق مذکورہ غیر اسلامی خیال کو اسلامی شریعت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اسلام نے دین و شریعت کا جو تصور دیا ہے۔ وہ مغرب اور دیگر تصور مذاہب سے یکسر مختلف ہے۔ اسلامی شریعت ناقابل تقسیم اکائی کی حیثیت رکھتی ہے۔ خالق کائنات نے اس کائنات میں رہنے والے انسانوں کا جو نظام زندگی اور ضابطہ حیات عطا فرمایا ہے۔ اس میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ "بادشاہ کا

حصہ بادشاہ کو دو، اور پوپ کا حصہ پوپ کو، بلکہ اس نے بادشاہ اور پوپ کے تمام حصے ختم کر کے صرف ایک ہی ذات کا حصہ دین و دنیا میں قائم کیا ہے۔ دنیا کا معاملہ ہو یا آخرت کا سب میں ایک ہی برتر مستی کی طرف اپنی نیت، عمل اور فکر و نظر کا رخ رکھنے کی اس نے تلقین کی ہے۔ ہر جزو دو سکر اجزاء سے اس قدر مربوط اور جڑا ہوا ہے کہ کسی حال میں الگ الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اسلامی نقطہ نظر تمام نازل کردہ احکام کی تابعداری ضروری ہے۔ اتبعوا ما انزل الیکم من دتکم، اس لئے نتائج کے اعتبار سے دین میں حبسزنی ترمیم کلی ترمیم کے ہم معنی ہے۔

دین کا دائرہ اثر صرف نجی اور روحانی زندگی تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ اسلامی شریعت ایک ہمہ گیر اور مکمل طریقہ زندگی ہے۔ جو عقائد، عبادات، اخلاق، معاشرت، معاملات، معیشت، سیاست اور بین الاقوامی امور یعنی انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو بیک وقت محیط ہے۔ اس نے ہر شعبہ زندگی کے بارے میں واضح ہدایات دی ہیں۔ اسلام کے نزدیک دین و مذہب انسان کا کوئی پرائیوٹ معاملہ نہیں ہے۔ جس سے دنیوی زندگی کے معاملات خارج ہوں۔ بلکہ وہ عالم انسانیت کی فلاح و صلاح کا ایک ایسا جامع دستور ہے جس میں پیدائش سے لیکر موت تک کے تمام معاملات اور نشیب و فراز داخل ہیں۔ خدا کا ایک وفادار بندہ اس کے احکام کا ہر وقت پابند ہے۔ ان صلاتی و نسکی و محیائی و مہماتی للہ رب العالمین۔ اسلامی شریعت انسان کی زندگی سے لیکر موت تک حاوی ہے۔ یہ ایک ایسی مسئلہ حقیقت ہے۔ جسے اپنے ہی نہیں غیر بھی تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک مغربی ماہر قانون پروفیسر جے۔ این۔ ڈی اینڈرس لکھتا ہے "اسلامی قانون اپنے دائرہ کار کے لحاظ سے مغربی قانون سے غیر معمولی طور پر وسیع ہے۔ اسلامی قانون سب انسانی معاملات کو اپنے دائرہ کار میں لیتا ہے۔ دوسری جگہ لکھتا ہے

اسلامی قانون زندگی کے ہر شعبہ اور قانون کے ہر میدان کو محیط ہے یہ  
اسلامی شریعت کی اسی ہمہ گیری اور جامعیت کے پیش نظر ہم کہتے ہیں کہ اس میں  
کسی کو تراش خراش کا حق نہیں ہے۔ اور نہ اس میں کمی بیشی کی گنجائش ہے۔

## اسلامی قانون اور دیگر مذاہب

اسی طرح اسلامی قانون و شریعت  
کو دیگر مذاہب و ادیان کے آئینی  
تناظر میں دیکھنا بھی غلط اور غلط رخ کی طرف بے چلنے والا ہے۔ کیوں کہ اسلامی شریعت  
کا معاملہ تمام رائج الوقت آئین مذاہب سے بالکل الگ ہے۔ چند لفظوں میں اس کا  
خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی شریعت خدائی آئین اور فطری قوانین کا وہ مجموعہ ہے۔ جو  
بندوں کی ہدایت و رہنمائی اور ان کی دنیا اور آخرت کی صلاح و فلاح کے لئے توسط  
رسول بھیجا گیا ہے یا یہ کہئے کہ وہ زندگی کے تمام گوشوں کے لئے دستور فکر و عمل بنا کر  
اتارا گیا ہے۔ جس کی بنیاد باری تعالیٰ کے اعلیٰ ارشادات پر ہے۔ جو ناقابل تبدیل  
اور بھول چوک سے بالاتر اور عین فطرت کے مطابق ہے۔ فطرۃ اللہ الی فطر  
الناس علیہا لا تبدل لخلق اللہ، اس میں تبدیلی اسی وقت ہو سکتی ہے  
جب کہ انسانی فطرت کو بدل دیا جائے۔ حالانکہ یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ فطرت نہ بدلنے کی  
چیز ہے اور نہ بدلی جاسکتی ہے۔

اسلامی شریعت کی بنیاد وحی الہی اور مستند نقل صحیح پر ہے۔ وہ تاریخی طور پر  
ایک مستند قانون ہے۔ وہ ایک روشن اور زندہ قانون زندگی ہے۔ جس کی روشنی میں  
انسانیت کامیاب سفر کر سکتی ہے۔ اس کے برعکس دیگر آئین مذاہب کی بنیاد سماجی  
اور خیالی رسوم و رواج اور عقلی اختراعات پر ہے۔ جسے انسانی فطرت سے دور کا بھی واسطہ  
نہیں ہے۔ وہ تاریخی استناد سے بھی محروم ہے۔ اور اس کا وجود مفرد ذاتی اور قیاسی،

لے دیکھئے۔ اسلامی قانون جدید دنیا میں مستند ۱۷۶



وہ ایک تاریک اور مردہ قانون ہے۔ جسے اپنا کر انسانیت زندہ رہ سکتی ہے اور نہ کائنات سفر کر سکتی ہے۔

## خدا کے عطا کردہ اسلاف

### خدا کی قانون اور انسانی آئین میں فرق

میں یہ تیسرا انداز فکر بھی راست نہیں ہے کہ اسے انسانی قانون کی سطح پر لا کھڑا کیا جائے۔ کیونکہ دونوں قانون کے مابین مختلف حیثیت و نوعیت سے واضح فرق ہے۔ آپ اس اصولی اور واضح فرق کو ایک مثال سے سمجھئے کہ جس قدر کسی کو مستقبل کے بارے میں علم و آگہی ہوگی۔ اسی قدر وہ جامع مکمل اور صحیح قانون بنائے گا۔ مخلوق کے پاس چونکہ مستقبل کا صحیح علم نہیں ہے۔ ساتھ ہی بہت ہی ناقص بھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ضرب روز سر کی کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ ملک و قوم کے اعلیٰ ذہین و فطرتی قانون ساز افراد بڑی کوشش اور بسیار بحث و تمحیص کے بعد ایک قانون وضع کرتے ہیں اور چند دنوں کے بعد ہی اس میں ترمیم و ترمیم کا بیونڈ لگانا پڑتا ہے۔ اس کے برعکس خدا کے پاس مستقبل کے متعلق پورا علم ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا وضع کردہ قانون جامع اور مکمل ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی فطرت کے چوکھٹے میں بالکل فٹ بیٹھتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عصر حاضر کی جدید علمی تحقیق نے یہ ثابت کر دیا کہ انسان کا علم محدود ہے۔ اور ہمیشہ محدود رہے گا۔ وہ اپنا قانون زندگی صحیح معنی میں دریافت کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔ ہزار ہا ترقیوں کے باوجود انسانی دنیا تلاش کی منزل میں ہے۔ جب بات یہ ہے تو پھر کیوں کر خدائی اور انسانی قانون کو ایک حیثیت میں رکھا جاسکتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ قانون ساز کو قانون پر عمل پیرا ہونے والے سے جتنی گہری محبت اور دنیاوی مفاد سے بے غرضی ہوگی وہ اتنا ہی نفع بخش اور کارآمد آئین بنایا گیا اور ظاہر ہے کہ خدا سے بڑھ کر کوئی حقیقی ہمدرد (الہمد) اور بے نیاز نہیں۔ ہر انسانی

قانون کی بنیاد مفاد پرستی، خود غرضی پر ہوتی ہے۔ اس سے اوپر اٹھ کر کوئی قانون بنایا نہیں جاسکتا۔ قانون کے اندر جو بنیادی اوصاف ہونے چاہئیں۔ وہ صرف خدائی قانون میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً قانون معاشرے کی ترقی و فلاح کا ذریعہ بنے۔ اس کے بنیادی تصورات و افکار کے مطابق ہو۔ تہذیبی اصول و اقدار کا نمونہ اور جذبات و احساسات کا عکاس ہو۔ ایسا قانون ہو جس سے انسان ذہنی طور پر مانوس ہو۔ اور خوش دلی سے اس کی پابندی پر آمادہ ہو جائے۔ یہ اوصاف صرف اور صرف خدائی قانون میں پائے جاتے ہیں۔ ایک فرق انسانی اور خدائی قانون میں یہ بھی ہے کہ انسان کا بنایا ہوا اور قانون خداوندی ہمیشہ سے ایک منظم اور مکمل شکل میں موجود رہتا ہے۔

## ایک فریب

مذکورہ باتوں کی روشنی میں یہ بات پورے یقین و اعتماد سے کہی جاسکتی ہے کہ اسلام نہ تشکیل جدید کا محتاج ہے اور نہ اسلامی شریعت ترمیم و تبدیلی کی اور اسلامی قانون و شریعت میں تبدیلی کے سلسلے میں جو پُر فریب بات کہی جاتی ہے کہ اسلامی قانون کی افادیت اپنے عہد کے ساتھ مخصوص تھی۔ آج کے برق رفتار ترقی یافتہ اور سائنسی دور میں اس کے چلنے کی گنجائش نہیں ہے تو یہ اسلامی قانون و شریعت سے سراسر بے خبری پر مبنی ہے۔ متانت و سنجیدگی سے اسلام کا مطالعہ کرنے والا جانتا ہے کہ اسلام کا قانونی نظام اپنی ماہیت و ترکیب میں اتنا ترقی پذیر اور لچک دار ہے کہ زمان و مکان کے اختلافات ہوں یا سیاسی و سماجی ماحول کے اثرات ان تمام احوال میں وہ اپنے ماننے والوں کی صحیح اور صحت مند تہذیبی خطوط پر نہایت اور رہبری کر سکتا اور کرتا ہے۔ اسلام کا نظام حیات بالخصوص عائلی نظام مکمل طور پر خود کفنی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بہت سے مسلمان عملی کوتاہی اور بے علمی کی وجہ سے پوری ذمہ داری سے اپنی سماجی زندگی میں اس کو تمام و کمال برپا نہیں کر پاتے۔ مسلمانوں کی اس بے علمی کی وجہ سے اسلامی قانون کو ملحوظ نہیں کیا جاسکتا۔

جسے مکمل نہیں کیا جاسکتا۔  
جسے مکمل نہیں کیا جاسکتا۔  
جسے مکمل نہیں کیا جاسکتا۔

ہے۔ اسلام کی تو یہی دعوت ہے کہ باری تعالیٰ کے نازل کردہ اسلام کے دائرہ حیات میں لوگ کلیتہً داخل ہو جائیں۔ یا ایہا الذین امنوا ادخلوا فی السلم كافة۔ یہ بات صحیح ہے کہ آج کی سائنسی دُنیل نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ مگر اس کا اثر اسلامی قانون و شریعت پر کیا پڑتا ہے؟ واقعہ تو یہ کہ اسلام کی حقانیت اور کھل کر سامنے آتی ہے۔ اور آتی جا رہی ہے۔ سائنسی ترقی کا تعلق اسباب و وسائل سے ہے نہ کہ انسان کی اُٹل فطرت سے۔ اسلام تو انسانِ املا س کی فطرت سے بحث کرتا ہے نہ کہ اسباب و وسائل سے۔ اور یہ بات پہلے کہی جا چکی ہے کہ فطرت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس کی پُست پر لَا تَبْدِلُ لِخَلْقِ اللّٰهِ کی مضبوط قوت ہے۔ بالکل اسی طرح اسلامی شریعت و قانون میں جس کا تعلق کائنات کے فرمانروائے اعلیٰ کے نظام امر سے ہے۔ تغیر و تبدیل نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ اس کی بنیاد بھی لَا تَبْدِلُ لکلمات اللہ کے اُٹل نظام پر ہے۔

## جاریہ

ماہنامہ دارالعلوم۔ آپ کا اپنا رسالہ ہے۔ اس کی توسیع شاعت میں اپنا بھرپور تعاون پیش کیجئے۔

منیجر رسالہ



قسط ۷

# عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت نانوتویؒ

از حافظ محمد اقبال ماہر۔ انگلینڈ

۴۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس جو چیز منسوب ہو گا وہ با عظمت ہو جاتی ہے اب ایک محب کا حال یہ ہونا چاہئے کہ محبوب جس چیز سے خوش ہو۔ اس سے یہ بھی خوش ہو، محبوب جس سے ناراض ہو یہ بھی اس سے ناراض ہو جائے۔ محب کے ساتھ تعلق رکھنے والی چیزوں سے محبت اور شیفتگی صحیح محبت کی علامت اور نشانی ہے۔

امر علی الدیار دیار لیلی      اقبل ذا الجدار وذا الجدار

وما حب الدیار شغفن قلبی      ولكن حب من سكن الدیار

حضرت نانوتویؒ کا ارشاد ملاحظہ کیجئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کی وجہ سے وہ مکانات با عظمت ہو گئے۔ وہاں کے اشخاص با عظمت ہو گئے۔ عربوں سے بغض و عناد رکھنا نفاق کی علامت ہے اور ان سے الفت اور محبت کی بینگیں بڑھانا ایمان کی علامت ہے۔

(ماہنامہ دارالعلوم فروری ۱۹۵۶ء)

سرزمین عرب اور اہالیان عرب سے یہ تعلق کیوں؟ صرف اسی وجہ سے کہ محبوب یہاں مقیم ہے۔ محبوب کا در اور گھر ہے اور یہ لوگ محبوب کے شہر کے باشندے ہیں۔ اس لئے ان سے بھی محبت اور عشق علامت محبت و عشق محبوب ہے۔

۸۔ حضرت نافوتویؑ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قلبی تعلق کتنا تھا؟ اور آپ کے نام اقدس کی ان کے دل میں کس قدر عظمت تھی۔ اس کا اندازہ کیجئے کہ اہم گرامی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا سنکر لرزہ بدن میں پڑ جاتا تھا اور چہرہ کارنگ متغیر ہو جاتا تھا اور ایک عجیب حالت نمایاں ہوتی تھی جو معرض بیان میں نہیں آسکتی۔ (سوانح قاسمی جلد ۱ ص ۲۸۲)

۹۔ حضرت نافوتویؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کی خود بھی کثرت فرماتے تھے اور اپنے معتقدین و متوسلین کو بھی اسی کی نصیحت و وصیت فرماتے تھے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ۔

درود شریف کی جتنی کثرت ہو سکے اتنی بہتر ہے۔ (مکتوبات اکابر ص ۵۴)

۱۰۔ حضرت نافوتویؑ کے نزدیک اصل علم قرآن و حدیث ہی تھا۔ رامپور کے ایک وعظ میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں نے معقول معقول پکار رکھا ہے۔ اصل علم قرآن و حدیث میں ہے۔ (حسن العزیز جلد ۱ ص ۳۸)

۱۱۔ حضرت نافوتویؑ کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کو کسی طرح کا بھی تغیر و تبدل کرنا خدا تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا مقام یوں بیان فرماتے ہیں کہ

تمام امت (کے لوگوں) کو عالم ہوں یا جاہل فقیر باصفا ہوں یا دنیا دار خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں عقائد ہوں یا اعمال۔ قواعد کلیہ ہوں یا صور جزئیہ تبدل و تغیر کی بیشی کا اختیار نہیں اور کریں تو خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغضوب اور خلائق کے نزدیک بحکم عقل مغلوب ہوں گے۔ (سوانح قاسمی جلد ۲ ص ۵۷)

۱۲۔ حضرت نافوتویؑ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بھی وحی ہیں۔

آپ فرماتے ہیں۔

اہل اسلام بھی اس بات کے قائل ہیں کہ مضامین احادیث وحی سے متعلق ہیں پر الفاظ وحی میں نہیں آتے۔ چنانچہ اسی وجہ سے قرآن و حدیث کو باہم ممتاز سمجھتے ہیں اور شرفِ قرآن شریف کو جو نماز میں پڑھتے ہیں اور احادیث کو نہیں پڑھتے تو اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ وہ گویا ہم کلامی خدا ہے۔ اس وقت وہی الفاظ چاہئیں جو خدا کے یہاں سے آئے ہیں۔ (حجۃ الاسلام ص ۱۱۱) ایک جگہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہا خدا ہی کا کہا ہے۔ جو کچھ آپ کی زبان پر جاری ہوا وہ سب اقلائے ربانی تھا۔ (حدیث الشیعہ ص ۵۵) حضرت نانوتویؒ کے اس علمی کلام کو سامنے رکھتے آپ کا عقیدہ یہی تھا کہ احادیث مبارکہ کے مضامین بھی وحی سے ہوا خود ہیں یہ الگ بات ہے کہ قرآن کریم وحی متلو ہے اسکے الفاظ بھی منجانب اللہ ہیں۔ اور احادیث وحی غیر متلو ہیں۔ یعنی الفاظ آپ کے ہیں البتہ مضامین خدا کی طرف ہی سے انشاء کئے گئے ہیں۔

۱۳۔ حضرت نانوتویؒ احادیث مبارکہ کی سند اور منکرین حدیث کو تازیانہ عبرت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اہل اسلام کے پاس احادیث کی سندیں من اولہ الی آخر موجود اس زمانہ سے لیکر اوپر تک تمام راویوں کا سلسلہ بتلا سکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بات کس قدر موجب اعتبار ہے علاوہ بریں جس زمانہ تک احادیث متواتر تھیں اس زمانہ تک کے راویوں کے احوال مفصل بتلا سکتے ہیں۔ (حجۃ الاسلام ص ۱۱۱)

(۱۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارے پیغمبرِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں بھی اس قدر ہیں کہ کسی اور نبی کی نہیں کسی صاحب کو دعویٰ ہو تو مقابلہ کر کے دیکھیں جن میں سے کثرت سے صادق بھی ہو چکی ہیں۔ مثلاً خلافت کا ہونا حضرت عثمانؓ اور حضرت حسینؓ



کا شہید ہونا۔ حضرت حسنؑ کے ہاتھ پر دو گروہ اعظم کا صلح ہو جانا۔ ملک کسریٰ اور ملک روم کا فتح ہونا۔ بیت المقدس کا فتح ہونا۔ مروانیوں اور عباسیوں کا بادشاہ ہونا مارحجاز کا ظاہر ہونا۔ ترکوں کے ہاتھ سے اہل اسلام پر صدمات کا نازل ہونا جیسا جنگیز خاں کے زمانہ میں ظاہر ہوا۔ اور سوا ان کے بہت سی باتیں ظہور میں آچکی ہیں۔ ادھر دقایق ماضیہ کا یہ حال کہ باوجود اُمّی ہونے اور کسی عالم نصرانی یا عالم یہودی کی صحبت کے نہ ہونے کے دقایق انبیاء سابقہ کے احوال کا بیان فرمانا ایسا روشن ہے کہ بجز متعصب ناانصاف اور کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ (حجۃ الاسلام ص ۳۲)

۱۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: اب اخلاق کو دیکھتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں کے بادشاہ یا امیر نہ تھے آپ کا افلاس ایسا نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو اس پر اپنے لشکر کی فراہمی جس نے اول تو تمام ملک عرب کو زیر و زبر کر دیا اور پھر فارس اور روم اور عراق کو چند عرصہ میں تسخیر کر لیا۔ اور اس پر معاملات میں وہ شائستگی رہی کسی لشکر نے سوائے مقابلہ جہاد کسی کی ایذا رسانی کسی طرح گوارا نہ کی۔ بجز تسخیر اخلاق اور کسی وجہ پر منطبق نہیں آسکتی۔ القصہ آپ کے علم و اخلاق کے دلائل قطعیہ کے آثار تو اب تک موجود ہیں اس پر بھی کوئی نہ مانے تو وہ جانے۔ (حجۃ الاسلام ص ۳۳)

(۱۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات علی کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ۔

الغرض معجزات علی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب سے زیادہ ہیں..... اسلئے کہ وہ نبی جس کے پاس معجزہ علی ہو تمام ان نبیوں سے اعلیٰ درجہ میں ہو گا جو معجزہ علی رکھتے ہوں گے۔ کیونکہ جس درجہ کا معجزہ ہو گا وہ معجزہ اس بات پر دلالت کرے گا کہ صاحب معجزہ اس درجہ بیکار روزگار ہے اور اس فن میں بڑا

بڑا سردار ہے۔ اس لئے ہمارے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کا اقرار بشرط فہم و انصاف ضرور ہے۔ (حجۃ الاسلام ص ۳۰)

اس عبارت کو پڑھتے حضرت نانوتوی کے نزدیک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام سے اعلیٰ اور سردار ہیں مگر افسوس کہ کچھ نا بھجوں یا کہنے نادانوں نے خدا معلوم کن مصالح کے پیش نظر حضرت نانوتویؒ پر تیغ تکفیر بے نیام کی تھی؟

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:-

- ۱۶۔ باعتبار معجزات علمیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور انبیاء سے بڑھا رہنا۔  
تو بحکم انصاف ظاہر و باہر ہو گیا بلکہ اس ضمن میں بعض معجزات عملی کی رو سے بھی آپ کی فوقیت اور انبیاء پر واضح و آشکار ہو گئی اس لئے کہ درختوں کا چلنا اور ستون کا رونا من جملہ اعمال ہے منجملہ علوم نہیں گویا میں اعتبار کہ اعمال اختیار اور درد و زاری کیلئے اول ادراک و شعور اور حیات کی ضرورت ہے۔ ان اعمال سے اول انہیں وقائع میں ظہور معجزہ علمیہ بھی ہو گیا۔ (حجۃ الاسلام ص ۳۹)
- پھر معجزات عملی کا بیان شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-
- ۱۷۔ اہل انصاف کی خدمت میں یہ گزارش ہے کہ کسی قدر اور گزارش بھی سن لیں تاکہ فوقیت محمدی باعتبار معجزات عملی بھی ظاہر ہو جائے (ص ۳۹)
- ۱۸۔ اس کی تفصیل کے بعد فرماتے ہیں:-
- ۱۹۔ حضرت نانوتویؒ کے نزدیک رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک منبع فیوض لا انتہا تھا۔ تحریر فرماتے ہیں:-

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے اگر پتھر میں سے پانی نکلتا تھا تو یہاں دست مبارک میں سے نکلتا تھا اور ظاہر ہے کہ پتھروں سے پانی کا نکلنا اتنا عجیب نہیں جتنا گوشت پوست میں سے نکلنا عجیب ہے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے

عجزہ میں پتھر کے پانی کے نکلنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جسم مبارک موسوی کا یہ کہاں تھا اور یہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ دست مبارک محمدی منبع فیوض لا انتہا ہے لہذا  
(حجۃ الاسلام ص ۳۹)

۲۰۔ حضرت نانوتویؒ کے نزدیک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک منبع البرکات ہے۔  
آپ فرماتے ہیں کہ:-

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ لگانے سے ٹوٹی ہوئی ٹانگ کافی اٹھو۔  
صحیح و سالم ہو جانا اور بگڑی ہوئی آنکھ کا آپ کے ہاتھ لگاتے ہی اچھا ہو جانا۔  
فقط یوں ہی بیماروں کے اچھے ہو جانے سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ وہاں تو اس سے زیادہ کیا ہے کہ خداوند عالم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہتے ہی بیماروں کو اچھا کر دیا۔ کچھ برکت جسمانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں پائی جاتی اور یہاں دونوں موجود ہیں کیونکہ اصل فاعل تو پھر بھی خداوند عالم ہی رہا پر بواسطہ جسم محمدی اس انجوبہ کا ظاہر ہونا بے شک اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کا جسم مقدس منبع البرکات کا ہے۔ (حجۃ الاسلام ص ۳۹)

۲۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکات بیان کرتے ہیں کہ  
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ید بیضا کی خوبی میں کچھ کلام نہیں۔ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب کی چھڑی کے سر پر بطیفیل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندھیری رات میں جب وہ آپ کی خدمت سے رخصت ہونے لگے روشنی ہو گئی وہ جانے والے دو شخص تھے جہاں سے راہ جدا ہوئی وہاں سے وہ روشنی دونوں کی ساتھ ہوئی۔ اب خیال فرمائیے دست مبارک موسیٰ علیہ السلام اگر جیب میں ڈالنے کے بعد بوجہ قرب قلب منور روشن ہوا تھا تو اول..... تو وہ بنی دوسرے نور قلب کا قرب وجوار جیسے بوجہ قرب ارواح اجسام میں ان کے



مناسب حیات آجاتی ہے۔ ایسے ہی اگر وجہ قرب نور قلب دست موسوی میں اس کے مناسب نور آجائے تو کیا دور ہے۔ یہاں تو وہ دونوں صاحب نہ بنی تھے نہ ان کی لکڑی کو قلب سے قرب و جوار نہ اخذ فیض میں وہ قابلیت جو بدن میں بہ نسبت روح ہوتی ہے۔ فقط برکت صحبت صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔  
(حجۃ الاسلام مسک)

۲۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس جگہ بیٹھ جاتیں جس پر نظر کرم فرماویں۔ جس دسترخوان پر بیٹھ کر طعام تناول فرمائیں۔ اس کی شان ہی نرالی ہو جاتی ہے۔ حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ:-

آتش نرود نے اگر جسم مبارک حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ جلایا تو اتنا تعجب انگیز نہیں جتنا اس دسترخوان کا آگ میں نہ جلنا جو حضرت انسؓ کے پاس بطور تبرک نبوی تھا وہ بھی ایک بار نہیں بارہا اس قسم کا اتفاق ہوا کہ جہاں میل چکنا ہٹ زیادہ ہو گیا۔ جہی آگ میں ڈال اور جب میل چکنا ہٹ جل گیا جہی نکال لیا۔ خیال فرمائیے کہ ایک تو آدمی کا نہ جلنا اتنا موجب تعجب نہیں جتنا کھجور کے پھٹوں کے دسترخوان کا اور وہ بھی ایسا جس پر تعجب نہیں چکنا ہٹ بھی ہوتا ہو۔ دوسرے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دسترخوان میں زمین و آسمان کا فرق وہ خود بھی بنی اور بنی بھی کیسے خلیل اللہ اور وہاں دسترخوان میں فقط اتنی بات کہ گے دہ گاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا گیا اور آپ نے اس پر کھانا کھایا ہو (حجۃ الاسلام مسک)

حضرت نانوتویؒ ان تمام مثالوں اور تفصیلات کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ:-

الحاصل معجزات عملی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سب میں فائق ہیں (مسک)

۲۳۔ حضرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

- ۱۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکلم کی جانب مانا تو وہی افضل ہوں گے (مش ۱)
- ۲۔ (یہ واقعہ) اور بھی افضلیت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر دلالت کرتا ہے۔ (مش ۲)
- ۳۔ تاثیرات صفت کلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ سے بڑھے ہوئے ہیں۔ (مش ۳)

۴۔ پنڈت دیانند سرسوتی کے ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں تک کہ ہمارے نزدیک بعد خدا سب میں افضل و برتر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ کوئی آدمی ان کے برابر نہ کوئی فرشتہ، نہ عرش، نہ کرسی، ان کے ہمسرہ نہ کعبہ ان کا ہم پلہ۔ (قبلہ نمائش)

۲۳۔ حضرات انبیاء کرام (حضرت آدم صغی اللہ سے لیکر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک) کی عصمت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

انبیاء کرام علیہم السلام سے قبل نبوت یا بعد نبوت نہ کوئی گناہ کبیرہ ہوتا ہے نہ صغیرہ (بجائیں حکیم الامت ص ۱۱۱) ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:-

(خدا تعالیٰ) اپنے مقربوں سے اور اپنے خواصوں سے فرماتے اور وہ اوروں کو پہنچائیں ایسے لوگوں کو اہل اسلام انبیاء اور پیغمبر اور رسول کہتے ہیں لیکن دنیا کے تقرب اور خواصی کے لئے سراپا اطاعت ہونا ضرور ہے۔ اپنے مخالفوں کو اپنی بارگاہ میں کون گھسنے دیتا ہے۔ اور مسند قرب پر کون قدم رکھنے دیتا ہے اسلئے یہ ضرور ہے کہ وہ مقرب جن پر اسرار اور مافی الضمیر آشکار کئے جائیں یعنی اہل احکام سے اطلاع دیجاتے۔ ظاہر و باطن میں مطیع ہوں مگر جس کو خداوند علیم و خیر باعتبار ظاہر و باطن مطیع و فرمانبردار سمجھے اس میں غلطی ممکن نہیں۔ آگے چل کر فرماتے ہیں:-

یہ لازم ہے کہ انبیاء معصوم بھی ہوں اور مرتبہ تقرب نبوت سے برطرف نہ کئے جائیں پھر فرماتے ہیں:-

انبیاء کی معصومیت اور ان کی سفارش تو قرین عقل ہے۔ (حجۃ الاسلام ص ۲۷) آگے چل کر اس کی تفصیل کرتے ہیں کہ:-

بالضرورت نبی میں تین باتیں ضرور ہوں گی۔ اول تو یہ کہ اخلاص و محبت خداوندی اس قدر ہو کہ ارادہ معصیت کی گنجائش ہی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اخلاق حمیدہ و پسندیدہ ہوں۔ تیسری بات جواز قسم و دم ہے وہ خوبی عقل و فہم ہے کیونکہ اول تو بد فہمی خود ایک ایسا عیب ہے کہ کیا کہئے دوسرے تقرب مقربین خود اسی غرض سے ہوتا ہے کہ بات کہئے تو سمجھ جائیں اور سمجھ کر خود بھی تعمیل کریں اور اوروں سے بھی کرائیں (حجۃ الاسلام ص ۲۹)

امت کو جس قدر علم و فہم نصیب ہوتا ہے۔ وہ انبیاء کرام کا صدقہ اور انھیں کے علوم سے ماخوذ ہوتا ہے۔ انبیاء کرام خدا سے لیتے ہیں اور امت کو دیتے ہیں۔ حضرت نانو تو ی فرماتے ہیں کہ:-

انبیاء علیہم السلام خدا اور امت کے بیچ میں ایسے ہوں گے جیسے آفتاب کے اور زمین کے بیچ میں قمر یعنی جیسے نور قمر آفتاب سے ماخوذ ہوتا ہے اور زمین تک پہنچتا ہے۔ اور درحقیقت مادہ نورانی زمین وہ نور نور قمری ہوتا ہے۔ ایسے ہی مادہ علم و فہم امت انبیاء ہی سے ماخوذ ہوتا ہے مگر مادہ علم فہم وہی عقل ہے اس صورت عقل و فہم امت بالضرورت مثل چاندنی جو پر تو نور قمر ہوتی ہے پر تو عقل و فہم انبیاء علیہم السلام ہوگا اور اس وجہ سے یہ لازم ہے کہ مادہ حیات امت بھی انبیاء کی حیات سے ماخوذ ہو کیونکہ عقل حیات سے جدا نہیں ہو سکتی یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ حیات نہ ہو اور عقل ہو اور جب حیات امت حیات انبیاء سے



ماخوذ ہوئی تو بالضرورت تمام اخلاق امت، اخلاق انبیاء سے ماخوذ ہوں گے۔ بشرطیکہ امت گمراہ نہ ہو۔ الخ۔ (حجۃ الاسلام ص ۱۷۷)  
دور جاہلیت کا نقشہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

ملک عرب کی جہالت اور درشت مزاجی اور گردن کشی کون نہیں جانتا۔ جس قوم میں ایسی جہالت ہو کہ کوئی آسمانی کتاب ہو نہ غیر آسمانی اور اخلاق کا یہ حال کہ قتل کر دینا ایک بات ہو۔ فہم کی یہ کیفیت کہ پتھروں کو اٹھالائے اور پوجنے لگے۔ گردن کشی کی یہ صورت کہ کسی بادشاہ کے مطیع نہ ہوئے۔ جفاکشی کی یہ نوبت کہ ایسے خشک ملک میں شاد و خرم عمر گزاریں۔ ایسے جاہلوں گردن کشوں کو راہ پر لانا دشوار ہی تھا۔

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں کیا انقلاب پیدا فرمایا۔ ان کو کیسا کیا بنادیا۔ یہ آپ کا ہی فیض ہے کہ انھیں فرش سے اٹھا کر..... عرش تک پہنچادیا۔ انھیں قابل رشک بنادیا۔ حضرت نافو تو مئی کی زبان سے سنئے۔

علوم الہیات و اخلاق و سیاست مدن میں۔ اور علم معاملات و عبادات میں رشک افلاطون و ارسطو اور دیگر حکمائے نامدار بنادیا۔ اعتبار نہ ہو تو اہل اسلام کے کتب اور ان کے کتب کا موازنہ کر کے دیکھیں مطالعہ کنان کتب فریقین کو معلوم ہوگا کہ ان علوم میں اہل اسلام تمام عالم کے علماء پر سبقت لے گئے۔ نہ یہ تحقیقات کہیں ہیں نہ یہ تحقیقات کہیں ہیں۔

جب اس امت کے علماء و فقہاء کا یہ حال ہے تو خود سر در عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم مبارکہ کا کیا مقام اور کیا شان ہوگی۔ خود حضرت نافو تو مئی بھی فرماتے ہیں کہ: جن کے شاگردوں کے علوم کا یہ حال ہے تو خود مجدد علوم کا کیا حال ہوگا اگر یہ بھی مجوزہ نہیں تو اور کیا ہے۔ صاحبو! انصاف کرو۔ (حجۃ الاسلام ص ۱۷۷)

جو لوگ علمائے دیوبند پر بلا سوچے سمجھے یہ اعتراض کر دیتے ہیں کہ علمائے دیوبند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے قائل نہیں۔ انھیں اس الزام سے توبہ کرنی چاہئے۔ حضرت نانوتویؒ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم مبارکہ کے سلسلہ میں جو بیان دیا ہے۔ اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ علمائے دیوبند کا اس بارے میں کیا عقیدہ ہے۔ حضرت نانوتویؒ کے دیگر رسائل میں بھی اس امر کی وضاحت بصرحت موجود ہے۔ یہاں بغرض اختصار حضرت کی صرف ایک تقریر کے چند اقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔

(جاری)

## حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من أحب أن يبسط له رزقه وينسأله في أثره فليصل رحمه (متفق علیہ)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی پسند کرے کہ اس کے رزق میں فراخی اور وسعت ہو جائے، اور دنیا میں اس کے آثار قدم تا دیر باقی رہیں (یعنی اس کی عمر دراز کر دی جائے) تو وہ (اپنی قرابت کے ساتھ) صلہ رحمی کرے۔ اسلام نے رشتہ داروں کے ساتھ اور حسن سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی پر بہت زور دیا ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جا بجا اس کی تاکید آئی ہے۔ صلہ رحمی کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ آدمی اپنی کمائی سے اہل قرابت کی مالی خدمت کرے۔ دوسرا اپنے وقت اور زندگی کا کچھ حصہ ان کے کالہ میں صرف کرے۔ اس کے عوض مال میں وسعت اور زندگی کی مدت میں اضافہ و برکت بالکل قرین قیاس اور اللہ تعالیٰ کی حکمت و رحمت کے عین مطابق ہے۔ صلہ رحمی اور اہل حقوق کے حقوق کی ادائیگی ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ خاندانی جھگڑے اور خانگی الجھنیں اس کی وجہ سے رونما نہیں ہوتے۔ اور زندگی نہایت اطمینان سے بسر ہوتی ہے۔ (ایک صاحبِ خیر)

## قسط ۲

# مولانا مودودی کی تحقیق حدیث و جلال پر ایک نظر

مولانا عبد الدیان ارحی

مترشح عقیدہ کی تردید

(۱) خیالات کی پیروی مولانا نے اپنی تحقیق میں جس بات کا تاثر دینے کے لئے اپنی ساری کوشش صرف کی ہے وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحی الہی کے ساتھ ساتھ اپنے قیاس و خیال کے زیر اثر بھی کلام فرماتے تھے۔ چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ جلال کے زمان و مکان وغیرہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی علم نہیں دیا گیا تھا آپ نے ان کے متعلق بغیر علم ہی کے اپنے قیاس و خیال سے خبریں دیں۔ اسی لئے مولانا اپنے بیان میں جا بجا قیاس و گمان اور خیال و اندیشے وغیرہ کے الفاظ لارہے ہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں۔ (الف) ان امور کے متعلق جو مختلف باتیں حضور سے احادیث میں منقول ہیں وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں جن کے بارے میں آپ خود شک میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ باتیں) بر بنائے وحی نہیں بلکہ بر برائے ظن و قیاس ارشاد فرمائیں۔ (ب) کبھی آپ نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ دجال خراسان سے اٹھے گا۔ کبھی یہ کہ اصفہان سے کبھی یہ کہ شام و عراق کے درمیان ہلاتے سے۔



(ج) پھر کبھی آپ نے ابن صیاد پر (جو مدینہ ہی میں تھا) یہ شبہ کیا کہ شاید یہی دجال ہو۔

(د) (پھر قصہ تمیم سن کر آپ نے) اپنے شک کا اظہار فرمایا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ وہ مشرق سے ظاہر ہوگا۔

(لا) آپ کا گمان وہ چیز نہیں جس کے صحیح نہ ثابت ہونے سے.....

(و) کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضور کا اندیشہ صحیح نہیں تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ بار بار قیاس و گمان اور خیال و اندیشے کے الفاظ دیکھ کر طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ ”کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو کسی بات کی خبر دینے میں۔ اپنے خیال و قیاس کی پیروی کے لئے آزاد تھے؟“ اور کیا یہ صحیح ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماسوا اس وحی کے جو ان کے پاس خدا کی طرف سے آئی تھی خود اپنے بھی کچھ خیالات رکھتے تھے اور ان خیالات کے زیر اثر کام کرتے تھے؟“

ہم تو جواب یہی دیں گے کہ یہ صحیح نہیں اور ہمارے جواب کی دلیل مندرجہ ذیل آیتیں ہوں گی۔

(۱) وَلَا تَقِفْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ

(۲) وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بَغْيُرْهُدًى مِنَ اللَّهِ (القصاص ۵)

(۳) وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ - إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم)

(۴) قُلْ إِنَّمَا اتَّبَعْتُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي (الاعراف ۲۰۳)

مگر یہ تو ہم کہہ رہے ہیں اور ہماری سنتا ہی کون ہے

کون سنتا ہے کہانی مسیریؑ اور پھر وہ بھی زبانی مسیری

ہذا بہتر ہوتا کہ خود مولانا ہی کا کوئی بیان اس سلسلے میں مل جاتا تاکہ بحث ختم

ہو جاتی۔ اچھا لیجئے مولانا کی مایہ ناز کتاب ”ترجمان القرآن منصب رسالت نمبر“ کا صفحہ ۲۶۲، ۲۶۳ اور صفحہ ۳۱۰، ۳۱۱ دیکھئے مسئلہ ۲۶۲، ۲۶۳ پر فاضل حج محمد شفیع صاحب مغربی پاکستان کا یہ قول نقل ہے کہ۔

”..... محمد رسول اللہ..... (صلعم) انسان ہونے کی حیثیت سے ماسوا  
اس وحی کے جو ان کے پاس خدا کی طرف سے آئی تھی وہ خود اپنے بھی کچھ خیالات  
رکھتے تھے اور اپنے ان خیالات کے زیر اثر وہ کام کرتے تھے یہ صحیح ہے کہ محمد  
رسول اللہ نے کوئی گناہ نہیں کیا مگر وہ غلطیاں تو کر سکتے تھے اور یہ حقیقت خود  
قرآن میں تسلیم کی گئی ہے۔“

فاضل حج کے اس قول کا جواب مولانا ص ۳۱۰، ۳۱۱ پر اس عنوان کے ساتھ دے  
رہے ہیں کہ ”کیا حضورؐ اپنے خیالات کی پیروی کے لئے آزاد تھے؟“ اور اس عنوان کے  
تحت اپنے بیان میں ثابت کر رہے ہیں کہ فاضل حج کا یہ قول نہ قرآن کے مطابق ہے  
اور نہ عقل اس کو بادر کرتی ہے۔ مولانا کا پورا بیان مع عنوان آگے ملاحظہ ہو۔

## (مولانا کا بیان مآخوذ از منصب رسالت نمبر ۳۱۰، ۳۱۱)

کیا حضورؐ اپنے خیالات کی  
پیروی کیلئے آزاد تھے؟

پھر فاضل موصوف کا یہ ارشاد شدت کے  
ساتھ نظر ثانی کا محتاج ہے کہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم ”ماسوا اس وحی کے جو

ان کے پاس خدا کی طرف سے آئی تھی خود اپنے بھی کچھ خیالات رکھتے تھے اور ان  
خیالات کے زیر اثر کام کرتے تھے“ یہ بات نہ قرآن سے مطابقت رکھتی ہے اور  
نہ عقل اس کو بادر کر سکتی ہے۔ قرآن مجید بار بار اس امر کی صراحت کرتا ہے کہ  
رسول ہونے کی حیثیت سے جو فرائض حضور پر عائد کئے گئے تھے اور جو خدمات

آپ کے سپرد کی گئی تھیں ان کی انجام دہی میں آپ اپنے ذاتی خیالات و خواہشات کے مطابق کام کرنے کیلئے آزاد نہیں چھوڑ دئے گئے تھے بلکہ آپ وحی کی رہنمائی کے پابند تھے۔ **إِنِ اتَّبِعْ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ (الانعام ۵۰) قُلِ إِنَّمَا اتَّبِعُ مَا يُوْحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي (الاعراف ۲۰۳) مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم ۲-۳-۴)** یہ عقل، تو وہ کسی طرح یہ نہیں مان سکتی کہ ایک شخص کو خدا کی طرف سے رسول بھی مقرر کیا جائے اور پھر اُسے رسالت کا کام اپنی خواہشات و رجحانات اور ذاتی آراء کے مطابق انجام دینے کے لئے آزاد بھی چھوڑ دیا جائے ایک معمولی حکومت بھی اگر کسی شخص کو کسی علاقے میں دائرہ سرائے یا گورنر یا کسی ملک میں اپنا سفیر مقرر کرتی ہے تو وہ اُسے اپنی سرکاری ڈیوٹی انجام دینے میں خود اپنی مرضی سے کوئی پالیسی بنالیتے اور اپنے ذاتی خیالات کی بنیاد پر بولنے اور کام کرنے کے لئے آزاد نہیں چھوڑ دیتی اتنی بڑی ذمہ داری کا منصب دینے کے بعد اس کو سختی کے ساتھ حکومت بالادست کی پالیسی اور اس کی ہدایات کا پابند کیا جاتا ہے۔ اس کی سخت نگرانی رکھی جاتی ہے کہ وہ کوئی کام سرکاری پالیسی اور ہدایات کے خلاف نہ کرنے پائے جو معاملات اس کی صوابدید پر چھوڑے جاتے ہیں۔ ان میں بھی گہری نگاہ سے یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنی صوابدید کو ٹھیک استعمال کر رہا ہے یا غلط اس کو صرف وہی ہدایات نہیں دی جاتیں جو پبلک میں پیش کرنے کے لئے یا جس قوم کی طرف وہ سفیر بنایا گیا ہے اُسے سنانے کیلئے ہوں بلکہ اُسے خفیہ ہدایات بھی دی جاتی ہیں جو اس کی اپنی رہنمائی کے لئے ہوں۔ اگر وہ کوئی بات حکومت بالادست کے منشاء کے خلاف کر دے تو اس کی فوراً اصلاح کی جاتی ہے یا اُسے واپس بلا لیا جاتا ہے۔ دنیا اس کے اقوال و افعال کے لئے اس



حکومت کو ذمہ دار ٹھہراتی ہے۔ جس کی وہ نمائندگی کر رہا ہے۔ اور اس کے قول و فعل کے متعلق لازماً یہ سمجھا جاتا ہے۔ اسے اس کی مقرر کرنے والی حکومت کی منظوری حاصل ہے یا کم از کم یہ کہ حکومت اس کو ناپسند نہیں کرتی۔ حد یہ کہ اس کی پرائیوٹ زندگی تک کی برائی اور بھلائی اس حکومت کی نام درمی پراثر انداز ہوتی ہے جس کا وہ نمائندہ ہے اب کیا خدا ہی سے اس بے احتیاطی کی امید کی جائے۔ وہ ایک شخص کو اپنا رسول مقرر کرتا ہے۔ دنیا بھر کو اس پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔ اُسے اپنی طرف سے نمونے کا آدمی ٹھہراتا ہے۔ اس کی بے چون و چرا اطاعت اور اس کے اتباع کا بار بار تاکید حکم دیتا ہے۔ اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد اُسے چھوڑ دیتا ہے کہ اپنے ذاتی خیالات کے مطابق جس طرح چاہے رسالت کی خدمات انجام دے۔

(ترجمان القرآن جلد ۵۶ عدد ۶ منصب رسالت نمبر ۱۳۱)

مولانا کے اس جواب کے بعد کیا اب خود مولانا سے یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ۔

۱۔ حضرت محترم! تحقیق میں جو آپ نے بار بار ارشادات رسول کے متعلق قیاس و خیال وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قیاس و خیال کی پیروی کے لئے آزاد تھے جو بغیر علم کے اپنے خیال سے کبھی یہ فرمایا کبھی وہ۔

۲۔ اور کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ سب فرمانے پر اللہ تعالیٰ نے نگرانی بھی نہیں فرمائی۔ اور ایسی ایسی باتیں فرمانے کیلئے آزاد چھوڑ دیا۔ جو ساٹھ تیرہ سو برس بعد چل کر غلط نکل گئیں۔

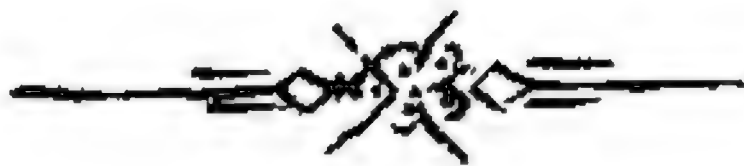
۳۔ کیا اب خدا ہی سے اس بے احتیاطی کی امید کی جائے کہ وہ ایک شخص کو اپنا

رسول بھی مقرر کرے۔ دنیا بھر کو اس پر ایمان لانے کی دعوت بھی دے۔ اُسے اپنی طرف سے نمونے کا آدمی اور امت کے لئے معیار حق بھی ٹھہرائے۔ اور اس کی بے چون و چیرا اطاعت اور اس کے اتباع کا بار بار حکم بھی دے۔ اور عام فرمان نازل کرے کہ

وَمَا أَسْأَلُكُمْ الرَّسُولُ فَاخْذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا رَجُوعٌ مَّوْلٍ تَمَّ كَوْنُ  
دیں۔ اس کو لے لو اور جس چیز سے تم کو منع کریں۔ اُس سے رُک جاؤ۔ اور یہ سب کرنے کے  
بعد اُسے اپنے خیالات کی پیروی کے لئے آزاد چھوڑ دے کہ جا اور اپنے ذاتی خیالات  
و خواہشات کے مطابق جس طرح چاہے رسالت کی خدمات انجام دے اور جو  
باتیں جی میں آئیں کہہ۔ ایسی ایسی باتیں جن کے صحیح ہونے کی کوئی گارنٹی نہ ہو اور نہ جن کے  
اسلام کی صحیح نمائندگی ہو رہی ہو۔ بلکہ جو ساڑھے تیرہ سو برس بعد غلط اور بے بنیاد  
ثابت ہو جائیں۔ جب کہ ایک معمولی حکومت بھی اپنے دائرے اور گورنر وغیرہ کے  
ساتھ ایسا نہیں کرتی۔

۴۔ جب خدا نے بروقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی اصلاح نہیں  
فرمائی۔ تو کیا ہم اس سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ یہ ارشادات خدا کے منشاء کے خلاف  
نہیں بلکہ ان کو خدا کی منظوری حاصل ہے؟ - فَتَدَبَّرُوا - (جاری)

(بقیہ ص ۴۱) خوب واقف تھے۔ خصوصاً عربی اور ترکی زبانوں میں مہارت کا درجہ  
رکھتے تھے۔ اٹھارویں صدی میں اسلام قرآن۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
پر روس میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں، روسیوں میں یہ کتابیں خوب رائج ہوئیں جس  
کا اثر یہ ہوا کہ ردسی روزناموں، ہفت روزے اور ماہانہ جسراند میں عرب کی تاریخ  
پر مضامین شائع ہونے لگے۔ نیز عربی نظم و نثر اور کتابوں کا ترجمہ بھی وقتاً فوقتاً  
چھپتا رہا۔



# روس میں ترجمہ قرآن کریم

ڈاکٹر جابر الجابر، ترجمہ — مولانا ابوالکلام قاری سیلم۔  
 شروع اسلام میں قرآن شریف کو نئے مسلمانوں کو سیکھانے کی کوشش کی جاتی۔ لیکن عجم کے باشندوں کو قرآن سمجھنے اور غور و فکر کرنے سے زبان حائل ہو جاتی تو بعض ماہرین فن نے قرآن شریف کی آیتوں کا ترجمہ کیا تاکہ یہ عجمی مسلمان اور غیر مسلم قرآن سمجھ سکے۔

آج ہم اپنی اسی بحث تحقیق میں مرحلہ واردوس میں ترجمہ قرآن کی ترتیب کا جائزہ لیں گے۔ تاریخی دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف اور اسلام گیارہویں صدی عیسوی میں روس پہنچ گیا تھا۔

ترکی کی تاریخی کتابیں اور اس وقت کی تالیفات اولاً روس پہنچی جو اسلام کو اور اس کی تعلیمات اور اس کی اصلی صورت کو بگاڑ کر پیش کرتی تھیں۔ اسی باپروسی تاریخی کتابوں اور ان لٹریچروں نے ایک لمبی مدت تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی تعلیمات کو فرضی انسانوں سے لب ریز رکھا۔ لیکن شرق الاوسط (اسلامی) کے ساتھ روس کے تجارتی اور سفارتی تعلقات جوں جوں بڑھتے گئے۔ تو روسیوں کے ذہن مسلمانوں کے متعلق آہستہ آہستہ بدلنے لگے۔

تاجر، سیاح، حجاج، روسی سفارتی کارندے۔ جب اپنے ملک لوٹے تو مسلمانوں کی زندگی اور ان کے دین اور تاریخ کی جدید و قدیم معلومات لیکر لوٹے۔



ان آنے والوں کے چشم دیدہ واقعات اور ان کی باتیں اور اسلام اور مسلمانوں کی مسجدوں اور عیدوں اور طرز معیشت پر مفصل بیان ہوتا۔ جس میں اسلامی احکام اور اس کے بنیادی عقائد و نظریات کے سلسلے میں بھی معلومات ہوتیں۔

**پندرہویں صدی کا آخر** | پندرہویں صدی کے آخر میں ایک ایسی کتاب کا

شہروں مکہ، مدینہ کی طویل منظر کشی کی گئی تھی۔ پندرہویں اور سترہویں صدی میں ایسی کتابوں کی مقدار اور زیادہ ہو گئی جو دین اسلام کے بارے میں لکھی گئیں تھیں۔ اور اسلامی قوانین اور اس کی حقیقی صورت سے زیادہ قریب تھیں۔ نیز ان کتابوں میں ان اسلامی ممالک کی تاریخ بھی شامل تھی جو روس کے مشرق اور مغرب میں واقع ہیں۔ زیادہ تر اہتمام قرآن شریف پر تحقیق اور اس کے ترجمہ کی جانب تھا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کی مقدس کتاب ہے۔ اسلام اور عقیدہ توحید کا سرچشمہ ہے علاوہ ازیں وہ ایک تاریخی اہم دستاویز بھی ہے۔

مسلم ممالک سے بڑھتے ہوئے تعلقات کی بنا پر روسی شہنشاہی کی ایک بڑی رعیت یہ چاہتی تھی کہ قرآن شریف کو اپنی مادری زبان میں دیکھے۔ تاہم ان کے حلقے جو ”بلٹا نیا“ زبان بولتے تھے۔ جو رفتہ رفتہ اپنی مادری زبان بھول گئے۔ اور اپنی مادری جدید ”بیلاروسی“ زبان بولنے لگے انھوں نے بھی پندرہویں اور سترہویں صدی عیسوی میں بڑی کوششیں کیں کہ قرآن شریف کا ترجمہ ان کی اسی نئی زبان میں ہو جائے۔

لیٹوان سے قرآن شریف کے جو مخطوطات دستیاب ہوئے ہیں۔ جو آج کل ”لیننگراڈ“ یونیورسٹی کے کلتیہ الاشراق کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ عربی کے ساتھ ساتھ اس کے بین السطور میں ”بیلوروسی“ زبان میں ترجمہ بھی ہے۔ سترہویں صدی کے

اماخر میں پہلا معلوماتی مجموعہ جس میں صرف قرآن شریف سے بحث کی گئی تھی۔ رونما ہوا جسے امیر، بطرس الاکبر (جو آگے چل کر روس کا بادشاہ بن گیا تھا) اور اس کے چھوٹے بھائی ایفان کیلئے قلم بند کیا گیا تھا۔ اس موقع پر مناسب ہے کہ میں بتلا دوں کہ اسی کتاب نے بطرس الاکبر کو پورے قرآن شریف کو روسی زبان میں ترجمہ پر ابھارا۔

مذکورہ بالا اسباب کے ساتھ ساتھ تجارتی اور سفارتی تعلقات جو بطرس الاکبر کے زمانہ میں مشرقی

## بطرس الاکبر کی کوششیں

ممالک سے روبہ ترقی تھے۔

نیز شہنشاہ ایران اور حکومت ترکی کے ساتھ بطرس الاکبر کی طویل جنگ نے اسے اسلام کا باقاعدگی سے مطالعہ کرنے پر متوجہ کیا۔ بطرس الاکبر نے بذات خود اس بحث و تحقیق کا خاکہ تیار کیا۔ پھر اس کے اشارے سے علمی کمیٹیاں بنیں جس نے عربی میں ڈھلے ہوئے سکے نقشے اور مخطوطات کو جمع کیا۔ بطرس الاکبر کے زمانہ میں ہی ایک مدرسہ کی بنیاد بھی پڑی۔ جس میں صرف شرق الادسط کی زبانوں کی تعلیم دی جاتی۔ جس میں عربی زبان بھی شامل تھی۔

بطرس الاکبر نے ایک محکمہ بنایا۔ جو مشرقی تہذیب و تمدن اور ان کے مادی اور روحانی (آثار)۔۔۔۔۔ کو جمع کرے۔ جس کی بنیاد کا علم سو سال بعد، ایشیا میوزیم کے نام سے ظاہر ہوا۔ جو مشرقی علوم کا پہلا مرکز بن گیا ہے۔ اس کے علاوہ اسی بادشاہ کے حکم سے پورے قرآن شریف کا ترجمہ روسی زبان میں ہوا، جو "سینکراو" سے ۱۸۶۷ء میں طبع ہوا۔ اسکا نام "محمد کا قرآن یا قانون ترکی" رکھا گیا۔

سترہویں و اٹھارہویں صدی کے مشہور روسی عالم بوٹریوسنیکوف نے یہ ترجمہ کیا تھا۔ بوسنیکوف نے فرانس کے پہلے ترجمہ قرآن کریم سے روسی زبان کا یہ

پہلا ترجمہ کیا۔ فرانس کا یہ پہلا ترجمہ مشرق فرانسی سفارت کار "اندریہ دی ریبر" نے یہ جو پیرس سے۔ ۱۶۷۴ء میں طبع ہوا۔ اس زمانہ میں "دی ریبر" کا یہ ترجمہ بہت مقبول ہوا۔ اور کئی مرتبہ اس کی طباعت ہوئی۔ دی ریبر کے ترجمے کی اہمیت میں اضافہ اس وجہ سے بھی ہوا کہ روسی زبان کے اُن دو ترجموں کی بنیاد اسی پر تھی۔ جو اٹھارہویں صدی میں منصفہ شہور میں آئے۔ یورپی زبانوں میں بھی اس کی مدد سے کئی ترجمے کئے گئے۔ اس کا یہ مقام اور درجہ باقی رہا۔ تا آنکہ اس سے زیادہ لطیف اور کامل ترجمہ مشرق، "ونیکولا دی ساخاری" نے کیا جو ۱۷۸۳ء میں پیرس سے طبع ہوا۔

بوسنیوف کے ترجمہ کی اس اہمیت کے باوجود وہ اسلامی نقطہ نظر سے بہت دور تھا۔ مزید برآں اس میں بعض ان بیجا غلط باتوں کا جو فرانسی ترجمہ میں تھیں۔ بار بار... اعادہ کیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں اپنی طرف سے بھی بہت سی غلطیاں جمع کر دی گئی تھیں۔ کیونکہ مترجم فرانسی زبان پر پورے طور سے قادر نہ تھا۔ اور نہ اسلامی تعلیمات سے اس کی واقفیت تھی۔

ترجمہ کے کچھ ہی دنوں بعد روسی زبان میں ایک دوسرا ترجمہ بھی ہوا۔ یہ بھی فرانسیسی سے نقل کیا گیا تھا۔ سو قسمت سے یہ ترجمہ شائع نہیں ہوا۔ اور نہ اس کے مترجم کے بارے میں تفصیلات دستیاب ہیں کہ وہ... کون تھا۔ خود اس مخطوطہ اطلاع بھی بیسویں صدی کے آغاز میں ہوئی اور یہ ترجمہ روس کے شمال میں پایا گیا۔ بوسنیوف کے ترجمہ نے روسی علماء کو قرآن میں غور و فکر کرنے کی طرف متوجہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ بطرس اعظم نے ڈمٹری کانیشیمہ کو (جو ایک لمبی مدت تک ترکی میں رہ چکے تھے) لکھا کہ قرآن شریف اور سرکارِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیاتِ طیبہ کے متعلق ان کے پاس کچھ لکھیں۔ ڈمٹری کانیشیمہ مشرقی زبانوں کے (باقی صفحہ پر)



# جدید طبوعا

تعارف و تبصرہ کیلئے کتاب کے دو نسخے ضرور ہیں

دفاع امام ابو حنیفہؒ :- تالیف مولانا عبدالقیوم حقانی، تقطیع متوسط، کاغذ عمدہ کتابت و طباعت قابل تعریف، ٹائٹل - خوش رنگ دیدہ زیب، ضخامت ۳۵۲، ناشر مؤتمر المصنفین اکوڑہ ٹھک، پاکستان، قیمت ۳۵ روپے۔

مولانا عبدالقیوم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ ٹھک کے ممتاز فاضل اور کامیاب استاذ ہونے کے علاوہ مؤتمر المصنفین اکوڑہ ٹھک کے رفیق بھی ہیں۔ موصوف درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف اور بحث و تحقیق کا بھی سحر اذوق رکھتے ہیں۔ ان کے مقالات پاکستان کے علمی دینی

جسراں میں چھپتے رہتے ہیں۔ ماہنامہ دارالعلوم میں بھی کئی ایک مقالات شائع ہو چکے ہیں زیر نظر کتاب موصوف کی سات سالہ محنتوں اور کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ یہ کتاب تیرہ ابواب پر مشتمل ہے باب اول میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے وطن "کونہ"، کی علمی مرکزیت، حضرات صحابہ کا اس سے تعلق،

امام صاحب کی تعلیم و تحصیل کی سرگزشت بعض حضرات صحابہ سے ان کی ملاقات اور ان سے اخذ حدیث و شرف تلمذ کو بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں امام ابو حنیفہؒ کے متعلق بشارت نبوی

علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام پر بحث کی گئی ہے۔ نیز فقہ حنفی کو موافق یا حدیث ہونے کو ثابت کیا گیا ہے۔ تیسرا باب امام صاحب کے درس و افادہ، تلامذہ و مستفیدین اور آپ کے درس کی شہرت

و مقبولیت کے تذکرہ کے لئے مخصوص ہے۔ چوتھے باب میں امام صاحب کی محدثانہ جلال و شان، اخذ روایت میں ان کے حزم و احتیاط اور قبول حدیث میں ان کی مقرر کردہ شرائط پر روشنی

ڈالی گئی ہے۔ اسی باب میں امام صاحب کے بارے میں ائمہ حدیث کے آراء و اقوال بھی نقل کئے

گئے ہیں۔ جن سے علم حدیث میں امام صاحب کی عبقریت کا پتہ لگتا ہے۔ پانچویں باب میں امام صاحب کے اوپر سے قلت حدیث کے اعتراض کو قوی دلائل سے دفع کیا گیا ہے۔ چھٹے اور ساتویں باب میں امام صاحب کی تصانیف ان کی انادیت و اہمیت بالخصوص "کتاب الآثار" پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ علاوہ ازیں امام صاحب کے اہم ترین اور محیر العقول کارنامہ "تدوین فقہ اسلامی" پر بھی شرح و بسط سے بحث کی گئی ہے۔ یہ دونوں ابواب بطور خاص قابل مطالعہ ہیں۔ آٹھویں باب میں امام صاحب کے تجر علمی، ان کی ذہانت و فطانت، کمند رسی، دقیقہ سنجی، حسن اخلاق اور کریم النفسی کو واقعات کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ نوویں باب میں امام صاحب کے مجاہدہ و ریاضت، ورع و تقویٰ، توکل و استغفار، تواضع و انکساری، شفقت علی الخلق اور انسانی مروت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسی ذیل میں دیگر فقہائے احناف کے سیرت و کردار کے نمونے بھی پیش کئے گئے ہیں۔ دسواں باب امام صاحب کی وصایا اور نصائح پر مشتمل ہے جو انھوں نے اپنے بعض تلامذہ مثلاً امام ابو یوسف اور یوسف بن خالد سمعی وغیرہ کو زبانی یا تحریری کی تھیں جن میں سربراہ مملکت کے ساتھ اہل علم کا رویہ، شہری آداب، ازدواجی آداب، معاشرتی آداب، مجلسی آداب، زندگی گزارنے کے طریقے، تزکیہ نفس اور نیک و بد کی پہچان، فرق مراتب اداۓ حقوق وغیرہ کے سلسلے میں گرانقدر ارشادات و نصائح ہیں۔

گیارہواں باب ۱۵ صفحات پر پھیلا ہوا ہے جس میں امام صاحب کے نظریہ انقلاب اور سیاسی مسلک کو بڑی تحقیق و تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ جس میں امام صاحب کے تیار کردہ سیاسی لائحہ عمل، قانون کی بالادستی، احترام امت اور جبر و ظلم کے مقابلے میں ان کی استقامت و پامردی اور حق کی حمایت و نصرت وغیرہ امور پر سیر حاصل بحث ہے۔ درحقیقت یہ باب کتاب کی جان ہے۔ اور بجائے خود ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔

بارتھویں باب میں قیاس و اجتہاد کی شرعی و آئینی حیثیت، حدیث و قیاس کا ملازم، قیاس و رائے کے رہنما اصول وغیرہ پر تفصیلی اور مدلل بحث کی گئی ہے۔ اسی ضمن میں امام صاحب کو

اہل رائے کہہ کر ان پر طعن و تشنیع کرنے والوں کے جوابات بھی دئے گئے ہیں۔ اور ان بیجا اعتراض کرنے والوں کی علم و عقل سے تہی دستی دے بے مانگی کو ظاہر کیا ہے۔ یہ بات بھی دیگر ابواب کے مقابلے میں مفصل ہے۔

تیسرے اور آخری باب میں تقلید کی ضرورت و اہمیت، اجتہاد مطلق کی شرعی حیثیت، تقلید شخصی کے وجوب، عدم تقلید کی مفرت اور بیجا توسع کی مذمت پر بحث کی گئی ہے۔ اسی ضمن میں پاکستان کے مشہور صاحب قلم و صحافی ڈاکٹر اسرار احمد کے نظریہ نیم تقلید کی بحث بھی آگئی ہے۔ اور ڈاکٹر صاحب کے اس جدید فلسفہ کو تعلیمات اسلامی کی روح و مزاج کے خلاف بنایا گیا ہے۔ آخر میں کتابیات کے عنوان سے ماحذ و مصادر کی طویل فہرست دی گئی ہے جن میں ۷۰ کتابیں اور ۵ رسالے ہیں۔ اس فہرست سے مؤلف کی تلاش و جستجو اور محنت و کاوش کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

بلاشبہ کتاب اپنے موضوع پر جامع مستند اور کتابیات کی دنیا میں ایک قابل ذکر اضافہ ہے۔ البتہ چونکہ مؤلف خطہ پنجاب سے تعلق رکھتے ہیں اور اردو ان کی زبان نہیں ہے۔ اس لئے کہیں کہیں لسانی و ادبی خامیاں رہ گئی ہیں۔ بعض جگہ نقل میں بھی غلطی ہو گئی ہے مثلاً ص ۳۲ پر علامہ اقبال مرحوم کے مشہور شعر کا پہلا مصرعہ یوں نقل کیا گیا ہے، "ستیزہ کار رہی ہے ازل سے تا بہ منور"، جبکہ صحیح "ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز" ہے۔ بعض جگہ کتابت کی غلطیاں بھی ہیں۔ ان معمولی (اور قابل نظر انداز خامیوں) کے باوجود کتاب اپنے مستند مواد اور صحیح نقول کی جامعیت کے لحاظ سے قابل قدر ہے اور یقین ہے کہ اہل علم کے حلقہ میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔



# غزل

ستید محمود رمر ایڈوکیٹ

حیات و موت کا عنوان ترے طرزِ سخن میں ہے  
مزاجِ باغباں کے ساتھ نظمِ گلستاں بدلا،  
عروسِ فتنہ کا جلوہ فروغِ بانکپن میں ہے  
شرافت، خلق، ہمدردی، اخوت، جذبہٴ اہل  
گلوں کی آبرو باقی کہاں صحنِ چمن میں ہے  
جنوں نے روند ڈالا رفعتِ ادراکِ انساں کو  
یہ سب موجود ہے لیکن کتبِ ہاکہن میں ہے  
خرد کی چیر دستی کیوں حجابِ فکر و فن میں ہے  
فرزِ دار پر چڑھ کر ہوا منصور وارفشہ  
زبانِ عشق گو یا حلقہٴ دار و رسن میں ہے  
لکھے تھے کچھ ورق میں نثری غفلتِ شعائر  
حکایت اس کی کچھ نہاں گلوں کے پیرہن میں ہے  
قرینہ آگیا خاروں کو پا بوسی کا اے ہمد  
مزا چلنے کا اب صحرا میں اور شہتِ دمن میں ہے  
پگھلنے کا سلیقہ دیکھئے چشمِ تحیر سے،  
کہ سب سوز و گداز دلِ چراغِ انجمن میں ہے

یہی سیمائی رمزِ محبتِ رومے شیریں ہے۔

مزاجِ ناشکیبائی خمیر کو بہن میں ہے،

# کلام اللہ علیہ السلام

سرپرست

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحبہم کلام اللہ علیہ السلام

مدین

حبیب الرحمن قاسمی

جگمگانی شاہی اسلام آباد قریب ۱۹۹۰ء





# دارالعلوم

ماہنامہ

98

شمارہ نمبر ۵ | بابہ ماہ فروری ۱۹۸۶ء مطابق جمادی الثانی ۱۴۰۷ھ | جلد نمبر ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَضْرَتُ مَوْلَانَا مَعْنُو رَبِّ الْعَمَلِ حَبِيبُ الدَّارِ الْعُلُوْیَّةِ

فی پکیہ 3/-  
مدینہ  
سالا نہ 30/-  
مکمل نا حبیب الرحمن لقاوی

سالا نہ بدل اشتراک { سعودی عرب، کویت، ابوظہبی، جنوبی و مشرقی افریقہ۔ برطانیہ / 160  
بیرون ممالک سے { امریکہ، کناڈا وغیرہ بذریعہ ایرمیل — 160/-  
پاکستان — 50/- ہندوستانی۔ بنگلہ دیش — 50/- ہندوستانی  
سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر تعاون ختم ہو گیا۔

# فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	مضامین نگار	صفحہ
۱	حرف آغاز	مولانا حبیب الرحمن قاسمی	۳
۲	عقائد اہل سنت والجماعہ عقائد اثنا عشریہ	"	۷
۳	حضرت نانوتوی اور عشق رسول صلعم	مولانا حافظ محمد اقبال ماچسٹر	۲۲
۴	تحقیق حدیث دجال پر ایک نظر	مولانا عبدالدیان اعظمی	۳۱
۵	روس میں ترجمہ قرآن مجید	مولانا ابوالکلام قاسمی	۳۷
۶	ایک عظیم مہنت اور اچاریہ کا قبول اسلام	ادارہ	۴۶
۷	نعت شریف	صاحبزادہ سید محمود مرزا ایڈوکیٹ ادارہ آباد	۴۸

## ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گزارش

(۱) ہندوستانی خریداروں کی ضروری گزارش یہ ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اول فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ کریں۔

(۲) پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ -/۱۰ روپے ہندوستانی مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد ملتان پاکستان کو بھیج دیں اور انھیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کر لیں۔

(۳) خسریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمائیں خط کتابت کے وقت خریداری نمبر مفرد لکھیں۔

والسلام  
مینجر رسالہ

# حرفِ آغاز

## حبیب الرحمن القاسمی

دارالعلوم دینیوں اور اس کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ ہمارے دیوبند کا مزاج مسلمانوں کی تعمیر کا ہے۔ تخریب کا نہیں، وہ وحدتِ ملی کے داعی ہیں تفریق و تکریب کے نہیں۔ ان کا نصب العین دائرۂ اسلام میں وسعت دینا ہے، تکفیرِ مسلم کا نہیں۔ ان کی جدوجہد کا موضوع دھورِ علوم کتاب و سنت کی ترویج و اشاعت ہے مناقشہ و مکارہ نہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اثباتِ حق و تردیدِ باطل کا حق دیوبند کو کوئی سرکار نہیں اور وہ اس اہم ترین فریضہ کی ادائیگی سے گریزاں ہیں۔

تاریخ شاید در زمانہ گواہ ہے کہ طاقت و کثرت، علم و فکر، دجل و تبلیس، جہل و افترا جس راہ سے بھی حوزہ اسلام میں در اندازی کی کوشش کی گئی۔ اسلام کے دفاع میں ہر ادل و ستے کی خدمت اسی طائفہ منصورہ نے انجام دی ہے۔ اسلامی شعائر و مآثر کو سبک و محو کرنے کے لئے جب بھی کسی طوفان نے سراٹھایا ہے۔ علمائے دیوبند نے اپنے علمی رسوم و روحانی نفوذ کے ذریعہ اس کا سرکھل دیا ہے۔ آریائی پنڈتوں اور عیسائی پادروں کیسے نازک اور ہمت شکن وقت میں اسلام پر حملہ آور ہوتے تھے تاریخ ہند کا علم اس سے ناواقف نہیں ہے۔ لیکن اکابر دیوبند نے حالات کی انتہائی یسٹگینی کے باوجود جان و مال اور عزت و آبرو کے زیاں سے بے پرواہ ہو کر ان کا تعاقب کیا اور انہیں



شکست پر شکست دیکر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ یہ سیدھی دستکھن کا نقشہ کس قوت و شدت کے ساتھ برپا کیا گیا تھا؟ اس کی تباہ کاریوں کو دیکھنے والے آج بھی موجود ہیں مگر اسلام کے یہ فداکار سپاہی کوہِ استقامت بن کر اس کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ اور بالآخر ہمیشہ کے لئے اسے گمناہی کے گورستان میں دفن کر دیا۔

جب جماعتِ مسلمین میں سے ”سرسید احمد خاں نے“ مستشرقین کے بیجا اعتراضات سے مرعوب ہو کر معجزات و غیرہ اسلام کے منصوص و متواتر مسلمات میں دو راز کار تاویلات کا باب کھول دیا۔ تو اس وقت کے اکابر دیوبند نے ان کی غلط اور بے بنیاد تاویلوں پر کھل کر علمی انداز سے تنقیدیں کیں۔ حضرت نانوتوی قدس سرہ کی مشہور تصنیف ”تصفیۃ العقائد“ اسی سلسلہ کی ادین کرطی ہے۔ اس اہم ترین علمی اختلاف کے باوجود تو اسی بالحق کارِ شستہ ان سے قائم رکھا اور ان کے ساتھ تعاون علی البر میں ادنیٰ کوتاہی نہیں کی۔ چنانچہ جب انھوں نے اپنے کالج میں دینیات کا شعبہ قائم کیا تو حضرت نانوتوی کے داماد اور دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل مولانا عبداللہ انصاری اور پھر ان کے صاحبزادے مولانا احمد میاں انصاری نے اس شعبہ کی نظامت کے فرائض انجام دیکر یہ ثابت کر دیا کہ علمائے دیوبند کا سرسید احمد خاں سے علمی و دینی اختلاف امور خیر میں ان کے ساتھ تعاون میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔

اسی طرح جب مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنی نفسانی اغراض کی تکمیل کے لئے اسلام کے دلکش و عطر بیز لباس میں بدعات و خرافات کا بدنما و متعفن پیوند لگانا چاہا تو علمائے دیوبند نے ان کی اس ناروا جسارت پر برملا نیکیر کی۔ لیکن اس علمی و فقہی اختلاف کو کفر و اسلام کا مسئلہ نہیں بنایا۔ اگرچہ مولانا احمد رضا خاں صاحب اور ان کے فرقہ کی طرف سے علمائے دیوبند کے خلاف کیا کچھ نہیں کیا گیا حتیٰ کہ انھیں کافر تک کہا اور کہلایا گیا لیکن علمائے دیوبند اپنی اعتدال پسندی پر قائم رہے اور علمی اسلوب میں ان کے ہر اعتراض اور الزام کا جواب دے کر احقاقِ حق و ابطالِ باطل بلکل فریضہ کی انجام دہی کرتے رہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے جس دقت اپنے آقائے فرنگ کی ہدایات پر مسلمانوں کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے اور ان کی جماعت میں انتشار و افتراق کرنے کی غرض سے قرآن و حدیث اور اجماع امت سے ثابت شدہ قطعی و لازمی عقیدہ ”ختم نبوت“ کو پس پشت ڈال دیا اور اپنی جعلی نبوت کا اعلان کر کے خود اپنے ہاتھوں اپنے کفر پر مہر ثبت کر لی تو علمائے دیوبند کیلئے علمی و شرعی اعتبار سے یہ ضروری ہو گیا کہ وہ اس مسئلہ ہند کے خارج از اسلام ہونے کی وضاحت کر دیں تاکہ امت اس کے دجل و تبلیس کے دام میں گرفتار ہونے سے محفوظ رہے۔

فرقہ اشاعہ شریعہ بھی اپنے ائمہ کے بارے میں جس طرح کا عقیدہ رکھتا ہے اس سے حسب تصریح حضرت شاہ ولی اللہ عقیدہ ختم نبوت کا انکار لازم آتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ گروہ تحریف قرآن اور باستثناء پانچ صحابیوں کے جملہ حضرات صحابہ کے (نعوذ باللہ) فسق و کفر کا قائل ہے جو کھلا ہوا کفر ہے۔ اس لئے ان کے خارج از اسلام قرار دئے جانے پر جو لوگ منہ بگاڑتے ہیں۔ وہ یا تو اسلام کی حقیقت کو سمجھتے ہی نہیں یا جانتے ہوئے اپنی خود ساختہ وسعت ظنی اور رواداری کا عوام پر سک جمانے کے لئے علمائے دیوبند پر کفر سازی کی بھتی کتے ہیں۔ لیکن انھیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ رواداری نہیں بلکہ مدافعت فی الدین ہے جس کی آخرت میں جواب دی کرنی ہوگی۔

اللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَاَرِزْنَا اتِّبَاعَهُ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَاَرِزْنَا اجْتِنَابَهُ

## ایک شعر

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم  
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے تو من

## حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
اذا فعلت اثمی خمس عشر خصلۃ حلت بہا البلاء وفیہ واتخذ القیان و  
المعازف (رواہ الترمذی)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میری  
امت پندرہ چیزوں کی عادی ہو جائے گی اُسے مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ آپ  
نے ان پندرہ چیزوں میں سے دس چیزیں وہ بیان فرمائیں جب گانے والیوں اور باجے  
کا رواج ہو جائے۔

تشریح مذکورہ حدیث پاک سے پتہ چلتا ہے کہ نزول مصائب کے اسباب میں سے  
مغنیہ عورتوں اور موسیقی کی کثرت اور رواج بھی ہے۔ آج امت مسلمہ جس طرح ہر چار  
طرف سے آلام و مصائب میں گھری ہوئی ہے۔ جس کی نظیر گزشتہ زمانے میں کمتر نظر  
آتی ہے۔ اس کی ایک بہت بڑی وجہ ہماری ناپاج باجوں سے غیر معمولی دلچسپی بھی ہے۔  
اس لئے کم از کم ہمیں اپنی دنیا کی عافیت و راحت کے لئے ہی ان محرمات سے الگ ہونا  
چاہئے جو آخرت کو توتاہ کرتی ہیں۔ ہماری دنیا بھی برباد کر رہی ہیں۔

( ایک صاحب خیر )



حَبِيبُ الْجَلِيلِ تَاسَمَى

# عقائد اہل سنت والجماعت و عقائد شیعہ ایک تقابلی مطالعہ

## عقائد اہل سنت والجماعت در باب

**الہیات :-** اس باب میں اہل سنت والجماعت سے ۲۲ عقائد میں شیعہ

مختلف ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں۔ (عقائد اہل سنت والجماعت)

(۱) اللہ تعالیٰ کی معرفت میں غور و فکر کرنا شرعاً واجب ہے، نہ کہ عقلاً یعنی قطع نظر حکم خداوندی کے از روئے عقل معرفت خداوندی میں غور و فکر واجب نہیں ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ حیات کے ساتھ زندہ ہے، علم کے ساتھ عالم ہے، قدرت کے ساتھ قدیر ہے یعنی جس طرح ان اسماء کے مشتقات کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر درست ہے اس طرح خود ان اسماء کا بھی اطلاق صحیح ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اس کے وجوب سے پہلے جانتا ہے یہی تقدیر کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر شے کا اندازہ ہے کہ یہ ایسی اور ایسی ہوگی اور اس کے مطابق وہ چیز اپنے وقت میں پیدا ہو رہی ہے۔

(۴) قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس میں تعریف یا کئی زیادتی نہ اشک ہوئی ہے اور نہ اس میں کوئی کمی ہے۔

(۵) حق تعالیٰ کس لئے بد اجازت نہیں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایک چیز کا ارادہ فرمائے پھر اس کو اس کے خلاف مصلحت نظر آئے جو پہلے معلوم نہ تھی لہذا پہلے ارادہ کو ترک کر کے دوسرے ارادہ کو اختیار کرے۔ کیونکہ اگر اسے اللہ تعالیٰ کے لئے جائز قرار دیا جائے تو لازم آئے گا کہ امور کے نتائج سے واقف نہیں ہے اور غور و تأمل سے عاقبت اندیش ہے۔

رسالہ اعلام الہدیٰ فی تحقیق البدر میں "بدا" کی تحقیق یوں کی گئی ہے۔

يقال بداله اذا ظهر له دأى مخالف للرأى الاول وهو الذى حققه الشيخ فى العمدۃ والوافى الكراچى فى كنز الفوائد والذى حققه المرتضى فى الذريعة ويشعر به كلام الطبرسى وهوان معنى قولنا بداله تعالى انه ظهر له من الامر ما لم تكن ظاهرا الى اخره.

ان تحقیقات کے نقل کرنے کے بعد صاحب اعلام الہدیٰ نظام الدین جیلانی یکے از محققین شیعہ ان ..... کا خلاصہ یوں نقل کرتے ہیں۔ الحاصل ان علمہ سبھا نہ بالحوادث حادث علی ما دلّ علیہ الاحادیث والآیۃ المذکورۃ ونظائرہا وصرح بہ المرتضیٰ والطبرسی والمقداد قدس اللہ ارواحہم یعنی حوادث کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم نہیں ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کے کفر و کراہی پر راضی نہیں ہوتا جیسا کہ ارشاد ہے  
لا یرضی لعبادۃ الکفر،

(۷) اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

(۸) آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رویت ہوگی۔

## عقائد اثنا عشریہ

(۱) اللہ تعالیٰ کی معرفت میں غور و فکر کرنا عقلاً واجب ہے، یعنی قطع نظر شرع کے اندرون عقل ہر مکلف پر واجب ہے کہ خدا کو پہچانے۔ یہ عقیدہ الالہ الحکم، لامعقب لہ حکمہ

وَمَا كُنْتَ مَعَذِبِينَ حَتَّىٰ تَبْعَثَ رَسُولًا ۚ عَلَافَ ۚ كَيْفَ يُؤْتَىٰ عَقْلَ كَوْنٍ حَيْزٍ  
واجب ہوتی تو رسول کی بعثت سے پہلے عذاب دیا جاسکتا تھا۔

(۲) امامیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ صفات سے عاری ہے۔ البتہ ان صفات کے مشتقات اس کی ذات پر بولے جاسکتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کو حی۔ سمیع۔ بصیر، علیم وغیرہ کہنا جائز ہے لیکن اس کے لئے علم، قدرت۔ سمیع اور بصیر کا اطلاق درست نہیں۔ ان کا یہ عقیدہ عقل کے خلاف ہونے کے ساتھ قرآن کے بھی مخالف ہے۔ کیونکہ بہت سی آیات سے باری تعالیٰ کے لئے ان صفات کا ثبوت ہوتا ہے مثلاً وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ، أَنْزَلَهُ بِعِلْمٍ وَغَيْرِهِ۔

(۳) اثنا عشریہ کے مقدّمین و متاخرین کی ایک جماعت دجن میں مقدار کثر العرفان کا مصنف بھی شامل ہے، کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جزئیات کو ان کے وجود سے پہلے نہیں جانتا یہ عقیدہ قرآن کے سراسر خلاف ہے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے۔ إِنْ أَلَّهِ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا، مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَبْرَأَهَا۔ اَنَا كُلِّ شَيْءٍ خَلْقْنَاهُ بِقَدَرٍ، وَلَا يُطِبُّ وَلَا يَأْسُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مَّبِينٍ۔ الْمَرْغَبَاتِ الرُّومِ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ۔ اور یہ آیت نارس پر روم کے غلبہ سے پہلے کی ہے۔

(۴) اثنا عشریہ کلام مجید میں تحریف اور کمی و زیادتی کے قائل ہیں۔ یہ عقیدہ انما انزلناہ الذکر وانا لہ لحافظون ۝ اور آیت شریفہ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٍ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ کے بالکل خلاف ہے۔

(۵) فرقہ امامیہ جو اثنا عشریہ کی ایک شاخ ہے اور خود اثنا عشریہ بھی بد کے قائل ہیں چنانچہ کلینی میں زراہ بن امین سے مروی ہے کہ اللہ کے پاس یہاں سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں مَا عَظَّمَ اللَّهُ بِمِثْلِ الْبِدَاءِ۔ اور ابن صلیت رحمہ اللہ



سے ناقل ہے کہ ما بعث اللہ نبیاً قط الا یحرم الخمر وان یقرئ المبدأ  
شیعوں کے نزدیک بدایہ ہر سہ اقسام بدایہ الاخبار، بدایہ التکوین، بدایہ التکلیف  
اللہ تعالیٰ کیلئے جائز بالفاظ دیگر بدایہ العلم، بدایہ الارادہ، بدایہ الحکم اللہ کیلئے ثابت ہے  
(۶) اثنا عشریہ کہتے ہیں کہ وہ شیعہ کے علاوہ دوسروں کے کفر پر راضی ہے چنانچہ صابر  
محسن نے امام موسیٰ کاظم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ لا تعلموا هذا الخلق اهل  
دینہم وارضوا لهم بما رضى الله لهم من الضلال۔

(۷) شیعہ سب کے سب متفق ہیں کہ تقاضائے عقل بہت سی چیزیں اللہ تعالیٰ پر واجب  
ہیں۔ گویا عقل کا خانہ قدرت میں شریک ٹھہری، اور خدا عقل کا محکوم یہ خیال مرتبہ الوہیت  
درجہ بہت کے سراسر منافی ہے۔

(۸) شیعہ میں مجسمہ فرقہ کے علاوہ سب متفق خیال ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں جاسکتا ہے  
ان کا یہ عقیدہ آیت پاک وجہ يومئذ ناضرة الى ربها ناطقة وغيره آیات کے بالکل  
خلاف ہے۔ شیعہ کے پاس اس مسئلہ میں عقل کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے وہ غائب کو  
ظاہر پر قیاس کرتے ہیں جو انتہائی گستاخی اور بے ادبی کی بات ہے کہ اپنی ناقص عقل کو انھوں  
نے آیت قرآنیہ کے مقابلہ میں ترجیح دی۔

## عقائد اہل سنت والجماعت درباب

**رسالت** پندرہ عقیدوں میں اختلاف ہے۔

(۱) صرف اہل سنت والجماعت ہی نہیں بلکہ تمام اسلامی فرقوں کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ  
جملہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مخلوقات میں سب سے افضل اور بزرگ ہیں ثواب  
اور قرب رتبہ میں ان کی ہمسری کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ ان سے افضل ہو۔

## عقائد شیعہ

جب کہ امامیہ کے نزدیک حضرت علیؑ اولوا العزم انبیاء کے علاوہ تمام نبیوں سے افضل ہیں

اس عقیدہ کا کتاب و سنت کے خلاف ہونا بالکل ظاہر ہے۔ جس پر دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں چنانچہ شیعوں کا فرقہ زید یہ خود اس مسئلہ میں امامیہ اثنا عشریہ کا مخالف ہے انکی پرزور تردید کی ہے۔ امامیہ کا اپنے ائمہ کے بارے میں غلو کی چند مثالیں۔

(۱) یہ کہتے ہیں کہ انبیاء کی پیدائش ائمہ کے ضمن میں ہے اور عارضی ہے اصل مقصد ائمہ کو پیدا کرنا ہے۔

(۲) حق تعالیٰ نے ائمہ کی اطاعت پر فرشتوں اور نبیوں سے عہد لیا ہے اور اس سلسلے میں وہ متعدد روایتیں بیان کرتے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے۔ جسے شیخ ابن بابویہ نے ذکر کیا ہے۔ **انہ لما اسری بہ وکلمہ ربہ قال بعد کلام انہ رسولی الی خلقی وان علیا ولی امیر المؤمنین اخذت میثاق النبیین وملائکتی وجميع خلقی بولایتہ۔** ابن صفار نے بھی اس بات میں ایک روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے۔ **ان الله اخذ میثاق النبیین بولایتہ علی بن ابی طالب۔** ان روایتوں کی تضعیف و تکذیب کی ہمیں ضرورت نہیں۔ کیونکہ خود ان کے ایک مشہور عالم شریف مرتضیٰ نے جو علم الہدیٰ کے نقیب سے یاد کئے جاتے ہیں اپنی کتاب الدرر والغریب میں ان میثاق کی روایتوں کی بڑی شد و مد سے تکذیب کی ہے۔ **وکفی الله المؤمنین القتال**

(۳) کہتے ہیں کہ انبیاء نے ائمہ کے انوار سے اقتباس نور کیا ہے۔ حالانکہ یہ بات عقل کے قطعاً خلاف ہے کہ اگلا پچھلے کی اقتدا کرے اور ان سے فیض حاصل کرے۔ اور اس باب میں بھی انھوں نے ابن بابویہ کی زنجیل سے ایک روایت ابو محمد حسن عسکری کی جانب منسوب کر کے نکال لی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ **اعوذ باللہ من قوم حد فوا محکات الکتاب ونسوارب الارباب والنبی وساقی الکوثریوم حساب ونفی الطامة الکبریٰ ونحیم دار المتقین فنحن السام الاھظم وفینا النبوة والولایة والکرم فنحن منار الھدی والعمرة الوثقی والانبیاء کالوا یقتبسون من النوارنا ویقتفون آثارنا وسیظهر حجۃ اللہ**

على الخلق والسيف المسلول لا ظهار الحق۔ اس عبارت کا جعلی اور من گھڑت ہونا بالکل ظاہر ہے۔

(۳) کہتے ہیں کہ بروز قیامت حضرت امیر اور ائمہ کا درجہ بلند و بالا تر ہوگا۔ چنانچہ ابن ابیہ معانی الاخبار میں یہ روایت ذکر کرتا ہے کہ حضرت امیر نے فرمایا۔ انا يوم القيامة على الدرجة الرفيعة دون درجة النبي واما الانبياء والرسل فدوننا على المراتبي۔

عقائد اہل سنت والجماعت

رسالت (۲) حضرات انبیاء دروغ گوئی اور بہتان طرازی سے عدا، سہوا بعد از نبوت و قبل از نبوت ہر حیثیت سے پاک اور متبرا ہیں۔

(۳) حضرات انبیاء کا قبل از بعثت اور بعد از بعثت واجبات ایمان سے واقف ہونا ضروری ہے کیونکہ عقائد میں جہالت کفر و زندقیت کا سبب ہے اور یہ ممکن نہیں کہ حضرات انبیاء (نعموا بالشر) اس قسم کی جہالت میں رہیں۔ ہاں نزول وحی سے پہلے احکام شرعیہ سے انہیں لاعلمی ہوتی ہے چنانچہ اسی کی طرف اشارہ و علمک ما لم تکن تعلم، وکلا اتینہ حکماء و علما۔ و اتینہ الحكم صبیحا، و اتیناکا الحکمة و فصل الخطاب، اور بعض مقامات پر اس مضمون کے بعد بعثت، رسالت، وحی، نزول کتاب کا ذکر آیا۔ بلکہ حضرت لقمان کے حق میں حکمت کا لفظ آیا ہے۔ جن کے پاس نہ وحی آئی اور نہ انہیں نبوت ملی۔

(۴) کسی نبی نے ادائیگی فرائض رسالت سے معافی نہیں چاہی اور نہ احکام خداوندی کی بجا آوری سے معذرت چاہی۔

(۵) حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کو کسی کے پاس پیغام رساں بنا کر نہیں بھیجا۔ اور سلسلہ وحی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

(۶) کوئی امام اس بات کا مجاز نہیں ہے کہ احکام شرعیہ میں کسی حکم منسوخ یا تبدیل کر دے۔



## عقائد شیعہ (رسالت)

اما میکہتے ہیں کہ انبیاء کیلئے کذب جائز ہے اور بلحاظ تقیہ واجب ہے۔

(۳) امامیہ کا عقیدہ ہے کہ بعثت کے وقت بلکہ بوقت مناجات (جو جناب باری تعالیٰ سے بشری قرب کا اعلیٰ ترین مقام ہے) حضرات انبیاء کو اصول عقائد کی معرفت حاصل نہیں ہوتی دلیل میں محمد بن یعقوب کلینی کی کافی میں بیان کردہ روایت کو پیش کرتے ہیں جسے کلینی نے ابو جعفر کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔ ان موسیٰ ابن عمران صلوات اللہ وسلامہ علیہ سال اللہ تعالیٰ یا رب بعید، انت منی فاما دیکھ ام قریب فاما جیک، اس سے پتہ چلتا ہے کہ مناجات کے وقت باری تعالیٰ کے قریب بعد مکانی سے پاک ہونے کا انھیں علم نہیں تھا۔

(۴) امامیہ کہتے ہیں کہ بعض ادوالعزم رسولوں نے ذمہ داری رسالت سے سبکدوشی حاصل کرنی چاہی ہے اور ٹال مٹول، حیلے حوالے اور عذر کئے ہیں۔

حالانکہ رسالت سے معافی دینی کو رد کرنا ہے۔ اور حکم خداوندی کو تسلیم نہ کرنا ہے۔ اور

انبیاء اس سے معصوم ہیں۔

(۵) امامیہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت امیر کے پاس وحی آتی تھی آپ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں صرف امتنا فرق ہے کہ آنحضرتؐ کو فرشتہ دیکھائی دیتا تھا اور حضرت امیر اس کی صرف آواز سنتے تھے دیکھتے نہ تھے چنانچہ کافی میں سجاد علیہ السلام سے کلینی نے نقل کیا ہے کہ۔ ان علی بن ابی طالب کان محدثا و هو الذی یرسل اللہ الیہ الملک فیکلمہ ویسمع الصوت ولا یری الصورة۔

امنا عشریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ امام کو احکام میں تبدیلی کا حق حاصل ہے۔ یہ عقیدہ عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ کیونکہ امام تو دراصل پیغمبر کا نائب اور اس کی شریعت کی اشاعت کرنے والا ہوتا ہے۔ اگر اس کو احکام میں رد و بدل کرنے کا اختیار دید جائے تو یہ اس کا

مخالف ہو جائے گناہ کہ نائب۔

اور ظاہر ہے کہ شارع صرف اللہ تعالیٰ ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحًا، ولکل جعلنا منکم شرعہ ومنہاجا۔

**امامت** (عقائد اہل سنت والجماعت)

اہل سنت کہتے ہیں کہ مکلفین پر واجب ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی کو امیر منتخب کر لیں اور شریعت کی روشنی میں اس کی اتباع اپنے اوپر لازم جانیں اور امور شرعیہ میں اس کی معاد کریں۔ البتہ شارع نے امیر کے اوصاف، شرائط اور لوازم کو بیان کر دیے ہیں تاکہ ان کی رعایت سے ریاست بدلی اور فتنہ و فساد کا شکار نہ ہو۔ شریعت کا قانون یہی ہے کہ وہ ان عمومی شرائط اور لوازم کی وضاحت کر دیتی ہے جو صلاح و فلاح کا باعث ہیں اور تعین و تخصیص عقل کے حوالہ کر دیتی ہے۔ چنانچہ نکاح کے باب میں منکوحہ کے اوصاف اور شرائط نکاح (کفأت، شہادت، مہر و ولایت) اور اس کے لوازم نان و نفقہ اور مکان وغیرہ کی تصریح کر دی گئی۔ اور منکوحات کے تعین کے بارے میں کوئی تعرض نہیں کیا گیا کہ فلاں کا نکاح فلاں سے اور فلاں کا فلاں سے کیا جائے۔ یہی حال تمام معاملات بلکہ امور دینیہ کا ہے چنانچہ فرمایا گیا۔ فاسئلوا اهل الذکر ان ینتہلوا تعلمون ۵ اور علماء مجتہدین کی کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔

(۲) امام کی امامت کیلئے اس کا ظاہر ہونا شرط ہے۔

(۳) امام کا علم و اجتہاد میں خطا سے پاک ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ گناہ سے معصوم ہونا شرط ہے۔ البتہ بوقت تقرر اس کا گناہ کبیرہ سے پاک ہونا اور صغیرہ پر اصرار سے بری ہونا چاہئے (۴) امام کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہل زمانہ میں سب سے افضل ہو۔ چنانچہ طاہر طاہر کو حق تعالیٰ نے خورا اپنے حکم سے امام بنایا تھا حالانکہ حضرت فہمیل اور خود حضرت داؤد موجود تھے۔ اور بلاشبہ یہ دونوں حضرات طاہر و سفاہت تھے۔

(۵) جمیع اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بلا فاصلہ حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ دامت برکاتہم العالیہ ہیں۔

## عقائد شیعہ

- (۱) امامیہ کہتے ہیں کہ امیر و امام کا مقرر کرنا خدا کے ذمہ واجب ہے۔
- (۲) شیعہ امام کے ظاہر ہونے کی اس شرط کو نہیں مانتے۔
- (۳) شیعہ کے نزدیک امام کا خطا سے پاک ہونا اور معصوم ہونا شرط ہے۔ یہ عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلَكًا۔ لہذا طالوت واجب الطاعت امام ہوئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مقرر کیا حالانکہ بالاجماع یہ معصوم نہیں ہیں۔

- (۴) ان کے نزدیک امام کا اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا ضروری ہے۔
- (۵) شیعہ اس عقیدہ سے انکار کرتے ہیں۔ ان کے تمام فرقے اس انکار میں متفق ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام بلا فاصلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابوبکر غاصب تھے۔

## عقیدہ معاد (عقیدہ اہل سنت والجماعت)

- (۱) قیامت کے دن بندوں کا زندہ کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق بعث و نشر ایک وقوع میں آنے والا امر ہے تاکہ وعدہ خلائی لازم نہ آئے۔

- (۲) عذاب قبر حق ہے۔

- (۳) مردوں کی قیامت سے پہلے دنیا میں واپسی نہیں۔

- (۴) اللہ تعالیٰ اپنے گنہگار بندوں میں سے جسے چاہے گا عذاب دیگا اس کو کسی فرقہ کا پاس و لحاظ اس سے روک نہ سکے گا۔ جیسا کہ فرمایا۔ یُعَذِّبُ مَن يَّشَاءُ وَ يَرْحَمُ مَن يَّشَاءُ۔



## عَقِيدَةُ مَعَاد (عقائد شیعہ)

(۱) امامیہ کے نزدیک بعث و نشرِ اِشْرَاق واجب ہے الٰہیات کے باب میں گزر چکا کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چمیز واجب نہیں ہے۔

(۲) شیعہ کے اکثر فرقے حتیٰ کہ زیدیہ بھی عذابِ قبر کے منکر ہیں۔ حالانکہ قرآن و حدیث سے یہ ثابت ہے۔

(۳) امامیہ سب کے سب اور رافضیوں کے اکثر اس کے قائل ہیں۔ کہتے ہیں کہ پیغمبر، وہی سبطین اور ان کے دشمن یعنی ہر سہ خلفاء، معاویہ، یزید، مردان اور دوسرے ائمہ اور ان کے متبعین حضرت مہدی کے ظہور کے بعد زندہ ہوں گے اور حادثہ دجال سے پہلے ان سب تصور داروں کو عذاب دیا جائے گا۔ اور ان سے قصاص لیا جائے گا۔ پھر وہ مر جائیں گے اور قیامت میں پھر زندہ کئے جائیں گے۔ یہ عقیدہ بھی باطل ہے۔ خود فرقہ زیدیہ نے اس عقیدہ کی پرزور تردید کی ہے۔

(۴) امامیہ کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے کہ کسی امامیہ کو گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ کسی پر بھی عذاب نہ دیا جائے گا۔ اسی لئے وہ ترکِ واجبات اور ارتکابِ معاصی پر جبری ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نجات اور خلاصی کے لئے حضرت علی کی محبت کافی ہے۔ دراصل یہ عقیدہ یہود سے لیا گیا ہے۔

اثنا عشریہ کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ الٰہ کے علاوہ تمام فرقے شیعہ و غیر شیعہ کے دوزخ میں رہیں گے۔ ابی صرف اثنا عشریہ ہیں۔ ان کا مشہور مذہب یہی ہے۔ ابنِ مطہر علی شریعہ میں لکھتا ہے کہ ان فرقوں کے بارے میں ہمارے علماء میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انھیں دوزخ سے نکال کر بہشت میں لایا جائیگا۔

# مسلم پرسنل لا کی حیثیت و اہمیت

مولانا عبدالحق نعمانی — شعبہ تالیف جمعیت علماء ہند

**مسلم پرسنل لا کی ملکی اہمیت** | مسلم پرسنل لا کے جتنے بھی سائل ہیں یا تو وہ کتاب سنت میں صراحت کے ساتھ موجود ہیں۔ یا کتاب سنت سے ثابت ہیں۔ بقول حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب ”کتاب تشریح اصل ہے جس سے شریعت بنتی ہے۔ حدیث تشریح اصل ہے جس سے شریعت کھلتی ہے اور فقہ تفریح اصل ہے جس سے شریعت پھیلتی ہے۔ اور منضبط ہو کر قانون کی صورت اختیار کرتی ہے۔“ اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ مسلم پرسنل لا کی بنیاد ان ہی تینوں پر ہے۔ یا یہ کہئے کہ مسلم پرسنل لا کا مأخذ کتاب و سنت، اجماع، اور قیاس شرعی ہیں۔ اسی بناء پر اسے دینی و ملکی حیثیت سے ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اس پر مسلمان کے مسلمان رہنے کا مدار ہے۔ اسلام کے عائلی اور شخصی قانون کی بقا کے بغیر ملت اسلامیہ کا وجود باقی نہیں رہ سکتا۔ وہ روح ملت کا محافظ ہے۔ ملت کے عائلی قانون کی بقا سے ہی عقائد و افکار کی زندگی وابستہ ہوتی ہے۔ وہ شجرۂ اسلام کی شاخوں اور ٹہنیوں کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح جڑ کاٹ دینے سے شاخ اور پتے ختم ہو جاتے ہیں اسی طرح بارہا دیکھا گیا ہے کہ شاخ اور پتے کاٹ دینے سے آہستہ آہستہ ختم

بھی سٹرنگل کر ختم ہو جاتا جس طرح درخت کی زندگی کا اندازہ پتوں اور ساخوں کی ہر ہالی سے لگایا جاتا ہے اسی طرح افکار و تصورات کی زندگی کا اندازہ شخصی مظاہرے سے ہوتا ہے۔ ان عملی مظاہر کے میدان حیات سے ختم ہو جانے سے عقائد و افکار کی نبض بھی کمزور ہو جاتی ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو مسلم پرسنل لاوی اسلامی اقدار کا منظر ہونے کے ساتھ مسلمانوں کے اندر ایمانی تقاضوں کے سمونے رکھنے کا ناگزیر وسیلہ اور خدا پرستی کا ناگزیر لازم ہے۔ اس کو ختم کر دینا یا اس میں تبدیلی کر دینا مسلمانوں کی انفرادیت کو ختم کرنے کے ہم معنی ہے۔

**مسلم پرسنل لاوی کتاب سنت کا اہم باب** | کتاب سنت کا سرسری مطالعہ بھی یہ جاننے کیلئے کافی ہے کہ

مسلمانوں کے معاشرتی زندگی سے اکثر متعلق مسائل کتاب سنت میں صراحت کیساتھ مذکور ہیں۔ اور کسی حکم کا کتاب و سنت میں مذکور ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس کی پابندی لازم ہے۔ اور خلاف ورزی کی صورت میں سخت وعید سنائی گئی ہے۔ مثلاً نکاح کے کچھ احکام بیان کرنے کے بعد قرآن حکیم کہتا ہے: **اَللّٰهُ عَلَیْکُمْ طَلٰقٌ وَ خَلْعٌ** کے سلسلے میں یہ تنبیہ کی ہے۔ **تَلٰفَ حُدُوْدِ اللّٰهِ**۔ مستحقین کے حصے کو نصیباً مقرر کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اسی سے مسلم پرسنل لاوی کی شرعی و ملی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

**مسلم پرسنل لاوی کی تہذیبی اہمیت** | مسلمانوں کے پرسنل لاوی کی دینی و شرعی اہمیت کو جان لینے کے بعد اب ذرا پرسنل لاوی

کی تہذیبی اہمیت پر ایک نظر ڈال لیں۔ اس بات سے ہر باشعور انسان واقف ہے کہ شخصی قوانین کی پابندی و عدم پابندی پر قوموں کی بقا و فنا کا مدار ہوتا ہے۔ اور ان کو



تہذیبی حیثیت سے ایک اہم ترین مقام حاصل ہے۔ کوئی قوم اپنے شخصی امتیازات کو کھو کر زندہ نہیں رہ سکتی ہے۔ پرسنل لار قوموں کے نظریہ زندگی کی پیداوار ہے۔ اس کے قومی فکر کو عمل رنگ ملتا ہے۔ اسی کے اندر مذہب و تہذیب کی روح جذب ہوتی ہے۔ اور اس سے قوم کا شبہ روز سابقہ پڑتا ہے۔ عائلی قوانین ایسے ضوابط ہیں جو ان کے بنیادی عقائد و تصورات کی سر زمین سے جنم لیتے ہیں۔ اور جن کے مطابق اس کی زندگی کا پورا نظام چلتا ہے۔ ان کے بغیر قوموں کا تشخص باقی نہیں رہ سکتا ہے۔ جب عام قوموں کے پرسنل لار کی اہمیت کا یہ حال ہے تو پھر مسلمانوں کے اس پرسنل لار کو کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ جس کا سرچشمہ خالق کائنات کا کلام جاوید اور رسول پاک کا خالق کے سرچشمے سے مقبس اسوہ ہے۔ جو مسلم تہذیب و تمدن کا واحد منظر اور تنہا نشان ہے۔ جس کی فنا و بقا سے مسلمانوں کے مذہبی و ملی اقدار کی موت و حیات وابستہ ہے۔ جو ان کے فکر و عقیدہ کے لئے جسم کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس پر ان کے عقیدہ و ایمان کا مدار ہونے کے ساتھ اس کے وجود کا انحصار ہے۔ جس کو اپنائے بغیر مسلمانوں کی دینی زندگی کا رشتہ برقرار نہیں رہ سکتا۔

مسلم پرسنل لار سے سماجی ارتقار کا گہرا تعلق ہے۔ اگر مسلمانوں کے فطری عائلی قانون کا رشتہ ان کی زندگی سے کاٹ دیا جائے تو فطرت کی فلک بوس ملامت چشم زدن میں زمین پر آ رہے گی۔ عائلی قانون وہ پٹری ہے جس پر مسلمانوں کی زندگی کی گاڑی چل رہی ہے۔ اگر مسلمان اپنے آپ کو مسلم پرسنل لار کے تابع کرنے کے بجائے اس کو اپنے تابع کریں گے تو پٹری گاڑی اور گاڑی پٹری بن جائے گی۔ اور ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہو گیا تو انجام معلوم۔۔۔۔۔

ہمیں دوسری قوموں کے بارے میں فی الوقت کچھ نہیں کہنا ہے۔ ابھی تو صرف مسلم قوم کے بارے میں کہنا ہے اور پورے یقین و اعتماد سے کہنا ہے کہ اس کو ہمیشہ

اپنے پرسنل سے گہرا تعلق رہا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اس کے دل میں اپنے پرسنل لار سے دست برداری کا خیال پیدا ہوا ہو۔ اس نے

## مسلم پرسنل لار اور حکومت

گزارنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ سے حکومت وقت نے اس کے پرسنل لار کی حفاظت کی۔ حتیٰ کہ برٹش حکومت نے بھی جو اپنی استبدادی اور ظالمانہ زیادتیوں کے لئے بدنام ہے۔ مسلم پرسنل لار کی حفاظت کی ضمانت دی۔ مگر صد افسوس کہ آزاد ہندوستان کے ”کرتا دھرتا“

ع ”فلک پہ اڑ کے بھی شاہیں امیر دام رہے“

کے مقام پر کھڑے ہو کر مسلم پرسنل لار میں تبدیلی لانے کی گندی سازش اور سی ہاشکور برابر کر رہے ہیں۔

## آئین بھارت میں پرسنل لار کے تحفظ کی ضمانت

حالانکہ آئین بھارت کی دفعہ ۲۵، ۲۶، ۲۹ میں

ہندوستان کے تمام شہریوں کو اظہار رائے و مذہب کی آزادی دینے کے ساتھ، اسکول مدرسے، اور اپنی تہذیب و تمدن، زبان اور رسم الخط باقی رکھنے کا حق دیا گیا ہے۔ اور اسے اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ اس حق سے ٹکرانے والی تمام دفعات کو مسترد کیا جاسکتا ہے۔

## ایک لنگری دلیل

اس دستور آزادی کے بعد بھی بہت سے بے شرم لوگ بڑی دھڑائی سے اس سے انحراف کرتے ہوئے مسلم پرسنل لار میں

تبدیلی کا جواز پیدا کرنے کے لئے چند مسلم ممالک کا بار بار حوالہ دیتے رہتے ہیں۔ جو نہ اس نادانیت پر مبنی ہے۔ آخر ہندوستان کو دوسرے ممالک کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جب ہندوستان کے پاس اپنا آئین و دستور موجود ہے۔ کسی نام و نہاد سحر افرنک سے مسلمان ملک کے غلط اقدام اسلامی قانون میں تبدیلی کا جواز فراہم نہیں

لے دیکھئے جمہوریہ ہند کا دستور ۱۹۵۰ء بنیادی حقوق و عبادت کا آئین، دفعہ ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵



کیا جاسکتا کچھ مسلم ممالک کے بوقت شدید ضرورت ایک مکتب فکر کی فقہ کو چھوڑ کر دوسرے مکتب فکر کی فقہ کو اپنانے کو "تبدیلی" کا نام نہیں دیا جاسکتا ہے۔ جس ملک میں جہاں بھی شریعت کے خلاف قدم اٹھایا گیا وہاں کے زندہ دل علماء اور مسلم عوام نے اس کی پُر زور مخالفت کی۔

یہاں پر یہ بھی قابلِ لحاظ نکتہ سامنے رہنا چاہئے کہ اسلامی حکومت اور مسلم حکومت ایک نہیں ہیں۔ کسی مسلم حکومت کا اسلامی قانون میں تبدیلی کا شیطانی اقدام مسلمانوں کیلئے حجت نہیں بن سکتا۔ اسلامی شریعت میں ترمیم کا حق کسی کو نہیں پہنچتا ہے۔ چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بات سراسر لائسنس اور لغو ہے کہ مسلمانوں کے پرنسپل لاء میں تبدیلی ان کے کہنے پر ہوگی۔ ان کی مرضی کے خلاف تبدیلی نہیں ہوگی۔ مسلمان شرعی احکام پر عمل کرنے کا پابند ہے نہ کہ ان میں تبدیلی و ترمیم کا حقدار۔

مذکورہ تفصیل سے یہ حقیقت رزروکشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ مسلم پرنسپل لاء اسلامی شریعت و قانون کا اٹوٹ حصہ دین کا لاینفک جزو ہے، جو جامع، مکمل اور ناقابلِ تبدیل ہونے کے ساتھ وقت کے تمام پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

لیکن اسی سے صرف ہمارا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا | **مسلمانوں کے کرنے کا کام** | بلاشبہ ہمارا پرنسپل لاء، جامع مکمل اور ناقابلِ

تبدیل ہے۔ تاہم مسلمانوں کو بھی اس سلسلے میں کچھ کرنا ہوگا۔ مثلاً (۱) مسلم معاشرے سے ان نا انصافیوں اور مشکلات کو دور کرنا جن سے اس وقت معاشرہ دوچار ہے (۲) مسلم پرنسپل لاء کو استعمال کرنا اس پر عمل کرنا (۳) علم کو فروغ دیکر جہالت کو دور کرنا (۴) معاشرے کو صحیح اسلامی معاشرہ بنانے کی جدوجہد کرنا (۵) اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی۔ اگر مسلمان ان باتوں پر عمل پیرا ہو جائیں تو بہت سے وہ مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے جو بہت سے لوگوں کے دل و دماغ کو پریشان کئے ہوئے ہیں۔



## قسط ۷

## حضرت نانوتویؒ اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

از مولانا حافظ محمد اقبال مانچسٹر

حضرت نانوتویؒ اور عقیدہ ختم نبوتؑ | عقیدہ ختم نبوت اسلام کا ایک اہم اور بنیادی رکن ہے اسے تسلیم کئے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری پیغمبر رسول نہیں مانتا یا آیت ختم نبوت میں تاویل و تحریف کرتا ہے۔ اس کا اسلام سے قطعاً تعلق نہیں وہ بے ایمان اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ یہی عقیدہ تمام اہل اسلام علمائے دیوبند اور حضرت نانوتویؒ کا بھی ہے۔

حضرت نانوتویؒ نے اسی عقیدے کی تائید کے لئے ایک مختصر مگر بھرپور علمی رسالہ ”تذیر الناس“ تحریر فرمایا جس میں اس عقیدہ کو ثابت کرنے کیلئے مختلف علمی دلائل دیئے اور اعتراضات و اشکالات کا جواب دیکر ہر تاویلات فاسدہ کی ناکہ بندی کی۔ حق تو یہ تھا کہ ہم حضرت نانوتویؒ کے احسان مند ہوتے کہ آپ نے اتنی بڑی علمی خدمت سر انجام دی مگر حیف در حیف کہ کچھ لوگوں نے الٹا انھیں ہی طنز و تشنیع کا نشانہ بنا دیا۔ اور انھیں ہی اس عقیدہ کا منکر بتلا کر تیغ تکفیر بے نیام کی۔

حضرت نانوتویؒ نے جس دور میں یہ رسالہ تصنیف فرمایا۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں اور بھی مدارس اور خانقاہیں تھیں۔ ان تک بھی یہ کتاب پہنچی تھیں۔ مگر کسی نے اس رسالہ

میں کوئی قابل اعتراض مسئلہ نہیں دیکھا۔ نہ صراحت نہ کنایہ۔ البتہ بریلی کے ایک اعلیٰ حضرت جو مولانا احمد رضا خاں کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں نے یونہی ایک الزام سرخوپ دیا کہ اس کتاب میں انکار ختم نبوت کا عقیدہ موجود ہے۔

سننے والے حیران تھے کہ ہم نے پوری کتاب مطالعہ کی مگر کہیں نام و نشان نہیں۔ مگر اعلیٰ حضرت مہر رہے کہ اس میں موجود ہے۔ اس وقت سے لیکر آج تک بریلوی عجائبات کے اکابر ہوں یا اصاغرا سی لکیر کے نقیر بنے رہے اور یہی الزام عائد کرتے رہے۔ میں حیران ہوں کہ یہ الزام آج تک الزام ہی رہا کبھی حقیقت کا روپ نہ دھار سکا۔ اگر واقعہ وہ بات ہوتی جو اعلیٰ حضرت کے علم مبارک سے بیان ہوئی تھی تو ضرور ثابت ہوتی مگر انیسویں کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ نہ تو ان کے کسی اکابر نے نہ کسی اصاغرا نے اعلیٰ حضرت کی کتاب "حسام الحرمین" کی وہ عبارت جو مولانا نانوتویؒ کے سرخوپ دی گئی تھی تھخیر لکھا، سے دکھائی ہے۔ اور قیامت تک نہیں دکھا سکیں گے اس لئے کہ ایسی کوئی عبارت جو حسام الحرمین میں ہے۔ تھخیر الناس میں نہیں پائی جاتی ہے۔

حضرت نانوتویؒ کی کتاب میں یہ عقیدہ موجود نہیں۔ پھر یہ الزام کیسے اور کیوں لگایا گیا؟ اس کے جواب کیلئے ہمیں تاریخ کے اوراق اٹھنے پڑیں گے۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف جہاد میں علار دیوبند کے یہ اکابر پیش پیش تھے۔ انگریز چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے درمیان ہی افتراق انتشار پھیل جائے اور لڑاؤ اور حکومت کرو۔ کی پالیسی پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ مجاہدین اسلام کے اس منصوبہ کو ختم کرنے کے لئے انگریزوں نے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت یہ مسئلہ پیدا کر دیا۔ چنانچہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت نانوتویؒ کے رسالہ میں سے تین مختلف صفحات کی تین مختلف سطریں سیاق و سباق سے الگ کر کے ایک مروط عبارت ترتیب دی گئی؟ آخر کیوں؟ آخر تین مختلف صفحات کی تین مختلف سطریں کن کن مصلحتوں کے پیش نظر ملائیں گئیں؟

اور اعلیٰ حضرت کا یہ فتویٰ کہ "بفضلہ تعالیٰ ہندوستان دارالاسلام ہے" (احکام شریعت) کیوں چلتا رہا۔ اور آخر کیوں اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام رسالہ شائع ہوتا رہا۔

میرا خیال ہے کہ تاریخ عالم میں کسی نے اپنے مخالفین کے رسائل میں اس طرح کی خیانت کا ارتکاب نہ کیا ہوگا جیسا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے کیا تھا۔

پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی جب اس عبارت کو ترتیب دے رہے تھے اور اس کو لیکر جا رہے تھے تو جانے سے پہلے اکابر دارالعلوم سے کیوں رجوع نہ کیا گیا؟ ان سے براہ راست مسئلہ اور عقیدہ کیوں نہ پوچھا گیا؟ دارالعلوم دیوبند نہ سہی۔ ہندوستان میں اور بھی مدارس اور دارالافتاء موجود تھے ان سے کیوں رجوع نہ کیا گیا؟ کیا مفتیانِ کرام کا وجود نہ تھا؟ کیا علمی مدارس اور خانقاہیں ختم ہو چکیں تھیں؟ کیا حضرت نانوتویؒ کے تلامذہ اور متوسلین موجود نہ تھے؟ چلئے کچھ نہ سہی۔ حضرت حاجی امداد شاہ صاحب مہاجر مکیؒ سے ہی رجوع فرمالتے جن کے حضرت نانوتویؒ مرید بھی تھے اور مجاز بھی۔ اور یہی وہ حضرات حاجی صاحبؒ ہیں جن کے بارے میں بریلوی مکتب فکر مولانا سعید احمد کاظمی (پاکستان) نے لکھا ہے کہ آپ علمائے حق اور علمائے اہلسنت میں سے ہیں۔

(الحق المبین ص ۱۲) بات صحیح تھی یا غلط فوراً فیصلہ ہو جاتا اور اتحاد امت پارہ پارہ نہ ہوتا۔ مگر افسوس کہ ان تمام باتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے سب کچھ کر لیا گیا اور پھر بھی اعلیٰ حضرت ہی رہے۔ پھر یہ مسئلہ بھی قابل توجہ ہے کہ علمائے دیوبندؒ کی ان عبارات کا خود ہی عربی میں ترجمہ کیوں کیا؟ خود ہی سائل کیوں بنے؟ خود ہی مجیب کیوں ہوئے؟ خود ہی فتویٰ کیوں دیا؟ ان کے ناموں کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی علیہ ما علیہ کا نام کیوں جوڑا؟ پھر جو عربی ترجمہ کیا تھا اس میں اضافہ و ترمیم کیوں کی؟ کسی غیر جانبدار عربی داں سے ان تراجم کی تصدیق کیوں نہ کرائی؟ اور پھر یہ کہ ان کے پاس کیوں گئے جو اردو زبان، بلد و



ان سوالات کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ مخالفین کی عبارات میں قطع و برید کرنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی عادت شریفہ تھی اور اپنے مخالفوں کے ساتھ یہ سلوک کہ ان کی عبارات کچھ کی کچھ بنادیں ان کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ جمعیت انوار خواجہ شریف کے ناظم اور خواجہ قمر الدین سیالوی کے استاذ مولانا معین الدین صاحب مرحوم جو ایک فیر جانبدار بزرگ ہیں (جو نہ علمائے دیوبند کے استاذ ہیں نہ شاگرد نہ ہی ارادت و عقیدت کا تعلق بلکہ بعض فردی مسائل میں اختلاف بھی رکھتے تھے) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ان عبارات سے سخت پریشان تھے ان کی کسی کتاب کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے رسالہ تجلیات انوار المعین میں اعلیٰ حضرت کے اس فعل کا رد کیا ہے۔ موصوٰف اعلیٰ حضرت کی خصوصیت ۷ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:-

الزام بمالایلتزم یعنی جس امر کا مخالف کو التزام نہ ہو نہ شرفاً نہ عرفاً اس کا لزوم ہو اس کو اپنے مخالف کے سر تھوپ دینا اعلیٰ حضرت کی صفت خاصہ ہے جس کا اکثر مواقع میں ظہور ہوتا رہتا ہے۔ نمونہ کے طور پر مثالیں پیش کی جاتی ہیں کہ:-

(تجلیات انوار المعین ص ۸)

خصوصیت ۷ بیان کرتے ہیں کہ

مخالطہ دہا یہ خاصیت اعلیٰ حضرت کی تمام تالیفات کی بانی اور روح رفاں ہے اس کی مثالیں آپ کی تالیفات میں بکثرت ہیں جس کے احاطہ کے لئے ایک دفتر بھی کفایت کی ضمانت نہیں دے سکتا۔ مجبوراً دو مثال پراقتصار مناسب سمجھا گیا۔۔۔ (ص ۹)

خصوصیت ۸ بیان طرازی اور اس کی مثالیں بیان کرتے ہوئے آخر میں خصوصیت ۱۱ بیان کرتے ہیں کہ:- خلاف بیان ص ۱۱

اس کے ضمن میں اپنے رسالہ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے جو باتھ کی صفائی دکھا کر

ان کی عبارات کا جو مطلب بیان کیا تھا اس کی شکایت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:-  
پھر آپ کو کیا حق ہے کہ غلط نسبت کر کے یہ الزام قائم کریں (ص ۱۷)  
اور اعلیٰ حضرت سے گزارش کرتے ہیں کہ:-

آپ کو اگر اس کے اجماعی ہونے میں کلام ہے تو شوق سے اس کا اجماعی ہونا باطل  
کیجئے گو بے سرو پا بیانات سے سہی لیکن خدا را یہ ستم ظریفی تو نہ کیجئے کہ جوابات آپ کا  
مخالف نہ کیے اس کو بھی اس کے سر تھوپیں (ص ۱۷)

غور کیجئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کہاں کہاں ہاتھ کی صفائی دکھایا کرتے تھے۔ اور کس  
طرح علماء حقانی کو بدنام کیا کرتے تھے۔ پیش نظر رہے کہ ”تجلیات انوار المبین“ اعلیٰ حضرت  
فاضل بریلوی کی زندگی میں طبع ہو چکی تھی مگر اس کے جواب کے لاچار تھے؛ علاوہ ازیں بریلوی مکتبہ  
فکر ہی کے ایک اور عالم مفتی خلیل احمد خاں قادری برکاتی بخوری ثم البدایونی جو پہلے اعلیٰ حضرت  
فاضل بریلوی ہی کے ہمنوا دم مشرب دہم مسلک تھے۔ مگر انکشاف حق کے بعد اپنے اس  
سابقہ عقائد سے توبہ کرتے ہوئے اسی نام ”انکشاف حق“ سے ایک کتاب تحریر فرمائی ہے  
جو مسئلہ کو بدایوں ہی سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں بھی اسی بات کا رد نامزد کیا گیا ہے۔  
مفتی صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ:-

سمجھیجئے کتاب موجود ہے اس میں ملا کر دیکھ لیجئے اول فقرہ مسئلہ کا ہے  
اور دوسرا ص ۲۸ کا ہے اور تیسرا مسئلہ کا یہ تین جگہ کے ٹکڑے ملا کر ایک  
عبارت بنائی گئی جس میں کفری مضمون پیدا کیا گیا ہے ان فقرات کو بھی اس طرح  
نقل کیا گیا ہے کہ کوئی علامت ایسی نہ قائم کی گئی جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ عبارت  
ایک جگہ کی نہیں ہے۔ بلکہ چند مقامات سے مختلف فقروں کو ایک جگہ کیا گیا ہے  
پھر ان فقرات کا سیاق و سباق غائب۔ مسلمانوں! بڑی حیرت کا مقام ہے کہ  
کجا فاضل بریلوی کی شان اور کجا یہ صنعت کہ آگے کا فقرہ پیچھے اور پیچھے کا فقرہ آگے۔

اس صودت میں تو کفری مضمون آپ ہی ہو جائے گا۔ اگر قرآن کریم کی آیت شریفہ میں بھی کوئی بد نیت ایسا تصرف کرے تو کیا کفری مضمون نہ ہو جائے گا۔ مثلاً  
 اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَاِنَّ الْفَجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ میں صرف اس قدر تحریف کر دو گے  
 نعیم کی جگہ جحیم اور جحیم کی جگہ نعیم پڑھے تو بالکل مطلب الٹا ہو جائے گا اور کلام مترک  
 کفر ہو جائے گا حالانکہ اس میں سب لفظ قرآن پاک کے ہیں صرف دو لفظوں کی  
 جگہ بدل گئی ہے الخ (انکشاف حق ص ۱۴۵)

منفی صاحب موصوف نے ایک جگہ یہ بھی چیلنج دیا ہے کہ :-

حسام الحرمین میں جو عبارت تحذیر الناس کی تبدیل و تحریف لفظی و معنوی کے ساتھ  
 نقل کی گئی ہے وہ بہت ہی افسوسناک ہے۔ نفیر سچائی کے ساتھ عرض کرتا ہے  
 کہ اگر تحذیر الناس کی عبارت جس طور و ترتیب سے حسام الحرمین میں نقل  
 کی گئی ہے۔ تحذیر الناس کے کسی درق میں دکھا دیں تو نفیر کے اختلاف کا  
 اسی وقت فیصلہ ہو جائے گا۔ (انکشاف حق ص ۱۴۶)

آپ نے غیر جانبدار علماء کی شہادت سن لیں۔ جو کسی تبصرے کی محتاج نہیں۔ ہم  
 عرض یہ کر رہے تھے کہ حضرت نانوتویؒ تو عقیدہ ختم نبوت کے قائل بلکہ اس پر ہونے والے  
 اشکالات و اعتراضات کا مدلل جواب دے رہے تھے۔ مگر انہی کو مورد الزام اور قابل گردن  
 زدنی قرار دیا گیا۔ نہ صرف یہ بلکہ جو بھی ان سے عقیدت کا اظہار کرے بلکہ انہیں صرف مسلمان  
 ہی سمجھے انہیں بھی تکفیر کی تلوار سے گھائل کر دیا گیا۔ اِنَّا نَشْرُدُ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت نانوتویؒ کا ختم نبوت کے باب میں کیا عقیدہ تھا اسے ملاحظہ فرمائیے!  
 ۱۔ اپنا دین و ایمان ہے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال  
 نہیں جو اس میں تاویل کرے۔ اسے کافر سمجھتا ہوں۔ (اجوابات مفردات ص ۱۴۵)  
 ۲۔ خاتمیت زمانی اپنا دین و ایمان ہے ناحق چہمت کا اہتہ کچھ علاج نہیں (ص ۱۴۶)



۳۔ جیسے آفتاب پر سلسلہ فیض نور ختم ہو جاتا ہے ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پر فیض نبوت ختم ہو جاتا ہے۔ (مکتوبات ص ۹۵)

۴۔ خاتمیت زمانی سے مجھ کو انکار نہیں بلکہ یوں کہئے کہ منکروں کیلئے گنجائش

انکار نہ چھوڑی انصافیت کا اقرار ہے بلکہ اقرار کرنے والوں کے پاؤں بھادینے

اور نبیوں پر ایمان ہے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کسی کو نہیں

سمجھتا۔ (مناظرۃ عجیبہ ص ۵)

(۵) جب حضرت خاتم النبیین خاتم مراتب علیہ د خاتم مراتب نبوت حکومت ہوئے

تو نہ ان کی تعلیم کے بعد کوئی معلم تعلیم آسمانی لیکر آئے اور نہ ان کے بعد اور

کوئی حاکم خدا کی طرف سے حکم نامہ لائے۔ (آریہ سماج کو جواب ترکی بہ ترکی ص ۵)

۶۔ اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام مراتب

کمال اسی طرح ختم ہو گئے۔ جیسے بادشاہ پر مراتب حکومت ختم ہو جاتے ہیں۔ اس

لئے جیسے بادشاہ کو خاتم الحکام کہہ سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

خاتم الکاملین اور خاتم النبیین کہتے ہیں۔۔۔۔۔ اس لئے آپ کے دین کے

ظہور کے بعد سب اہل کتاب کو بھی ان کا اتباع ضرور ہوگا کیونکہ حاکم اعلیٰ کا

اتباع تو حکام ماتحت کے ذمہ بھی ہوتا ہے رعایا تو کس شمار میں ہیں علاوہ

بریں جیسے لارڈ لٹن کے زمانہ میں لارڈ لٹن کا اتباع ضروری ہے۔ اس

وقت احکام لارڈ ناتھ بروک کا اتباع کافی نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا

اتباع باعث نجات سمجھا جاتا ہے۔ ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ

بابرکات میں اور ان کے بعد انبیاء سابق کا اتباع کافی اور موجب نجات نہیں

ہو سکتا۔ یہی وجہ ہوئی کہ سوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی نبی نے دعوے

خاتمیت نہ کیا بلکہ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ جہاں کا سر دار

آتا ہے خود اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم نہیں کیونکہ حسب اشارہ مثال بادشاہ خاتم وہی ہو گا جو سارے جہاں کا سردار ہو۔ اس وجہ سے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب میں افضل سمجھتے ہیں پھر یہ آپ کا خاتم ہونا آپ کے سردار ہونے پر دلالت کرتا ہے اور بقرینہ دعویٰ خاتمیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے یہ بات یقینی سمجھتے ہیں کہ وہ جہاں کے سردار جن کی خبر حضرت عیسیٰ دیتے ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں (حجۃ الاسلام ص ۳۱)

ایک مقام پر فرماتے ہیں۔  
حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تو اور نبیوں کی نبوت سے بالاتر ہے۔  
(ہدیۃ الشیعہ ص ۵)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ :-  
یہ بات واجب التسلیم ہے کہ آپ (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تمام انبیاء کے قافلہ کے سالار اور سب رسولوں کے سردار اور سب افضل اور سب کے خاتم ہیں  
(میلہ خدا شناسی ص ۲۱ سوانح قاسمی ص ۳۷)

آپ کا یہ ارشاد بھی پڑھئے۔  
آج کل نجات کا سامان بجز اتباع نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ نہیں۔ (مباحثہ شاہجہاں پور ص ۷۷)  
پھر یہ دھڑوک بات بھی ملاحظہ کیجئے!  
کوئی شخص اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر اور دوسرے کی اتباع کرے تو بے شک اس کا یہ اصرار اور یہ انکار از قسم بغاوت خداوندی ہو گا جس کا حاصل کفر الٰہی ہے۔ (حوالہ بالا ص ۷۷)

پھر یہ بھی منادی کر دی گئی کہ :-

عذابِ آخرت اور غضبِ خداوندی سے نجات اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں منحصر ہے۔ (سوانح قاسمی جلد ۲ ص ۳۸)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں !

لفظ خاتم الصفات میں بھی اس طرف اشارہ ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین اس لئے بھی فرمایا گیا ہے کہ آپ خاتم الصفات ہیں یعنی اس صفتِ خاص کے مظہرِ کامل ہیں جس سے اوپر اور کوئی صفت نہیں جو مخلوقات میں سے کسی کو عطا کئے جانے کے قابل ہو۔ (انتصار الاسلام ص ۱۲)

ایک جگہ فرماتے ہیں !

ہم اسی کو عبدِ کامل اور سید الکونین اور خاتم النبیین کہتے ہیں اور وجہ اس کہنے کی خود اسی تقریر سے ظاہر ہے اب کلام اس میں رہا کہ وہ کون ہے ؟ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ وہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (ایضاً ص ۱۲)

ایک جگہ فرماتے ہیں !

آپ کا دین سب دینوں میں آخر ہے چونکہ دینِ حکم نامہ خداوندی کا نام ہے تو جس کا دین آخر ہو گا۔ وہی شخص سردار ہو گا کیونکہ اس کا دین آخر ہوتا ہے جو سب کا سردار ہوتا ہے۔ (قبلہ نما ص ۱)

ایک جگہ فرماتے ہیں !

ایک بار وہ دین تمام عالم میں پھیل جائے اور کوئی فرد بشر بظاہر ایسا نہ بچے کہ وہ دین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند نہ ہو۔ (انتصار الاسلام ص ۱۲)

حضرت مولانا نانوتویؒ کی ان عبارات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ آنحضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری پیغمبر سمجھتے تھے آپ کے ان عقائد کے خلاف جو بھی آپ پر الزام لگاتا ہے درحقیقت وہ اپنا خبیث باطن ظاہر کرتا ہے اور امت میں افتراق و انتشار پیدا کرتا ہے۔

جاری



قسط ۷۷

مولانا عبد الدیان اعظمی

# تحقیق حدیث دجال پر ایک نظر

مولانا کی تحقیق!

آیت ”وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ“ کے خلاف

تحقیق میں مولانا کا یہ فرمانا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہیں بتایا گیا کہ دجال کب ظاہر ہوگا اور کہاں ظاہر ہوگا۔۔۔ وغیرہ، ان امور کے متعلق جو مختلف باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث میں منقول ہیں وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں۔ میرے نزدیک آیت ”وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ“ ان ”هُوَ إِلَّا دُخَىٰ“ کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہاں مولانا اس بات کا دعویٰ کر رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے زمانہ خروج و مقام خروج وغیرہ کی خبریں جو امور دین و علم غیب سے متعلق ہیں بغیر علم وحی کے اپنی طبیعت سے اور اپنے خیالات کے زیر اثر دیں جب کہ آیت میں صراحت بغیر رضی الہی اپنی طبیعت اور اپنے قیاس و خیال کے زیر اثر کوئی بات کہنے کی نفی آتی ہے۔

مولانا محمد بدر عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ترجمان السنۃ حصہ اول ص ۱۸۱ کے حاشیہ میں آیت مذکورہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ:-

مولوی اسلم صاحب اس آیت (وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ) ان ”هُوَ إِلَّا دُخَىٰ“ کو صرف قرآن کے ساتھ تفصیل کرتے ہیں، حالانکہ یہاں رسول کی صفت نطق کی مطلقاً مدح مقصود ہے۔ قرآن کریم پڑھنے کیلئے تمام جگہ تلاوت یا قرات کا

لفظ مستعمل ہوا ہے۔ اگر یہاں قرآن مراد ہوتا تو دَمَا یَنْطِقُ کی بجائے  
وَمَا یَنْتَلُوْا یا وَمَا یَقْرَءُ کا لفظ ہونا چاہئے تھا۔ منکرین حدیث چونکہ حدیث  
کے سرے سے مخالف ہیں اس لئے وہ رسول کو کسی ایسی صفت کے ساتھ  
موصوف دیکھنا نہیں چاہتے جس کے بعد اس کو عام امر اور حکام سے کوئی  
خصوصی امتیاز حاصل ہو جائے۔ اصل یہ ہے کہ رسول اپنی ذات اور تمام صفات  
میں عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے کان وہ سنتے ہیں جو  
عام مخلوق کے کان نہیں سنتے، ان کی آنکھیں وہ دیکھتی ہیں جو عام آنکھیں  
نہیں دیکھتیں۔ اسی لئے فرمایا "إِنِّیْ أَدْرِیْ مَا لَا تَرَوْنَ" یہی حال اُن کے  
نطق کا ہے۔ اسی لئے آپ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس منہ  
سے حق بات کے سوا کبھی کچھ نہیں نکلتا۔ حتیٰ کہ اپنی خوش طبعی کے متعلق بھی  
فرمایا "إِنِّیْ لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا" (میں خوش طبعی میں بھی سچی بات کہتا ہوں)  
اسی لئے فرمایا کہ غصہ اور رضا مندی کے ہر حال میں جو میرے منہ سے نکلے سب  
لکھ لو وہ حق ہی حق ہوگا۔ جب اس کے عام نطق کا حال یہ ہے تو جو قرآن اس  
کی زبان سے نکلتا ہے۔ وہ صدق و صفا کی کس منزل پر ہوگا۔ یہ بات یاد رکھنا  
چاہئے کہ یہاں قرآن نے آپ کے کسی خاص بات کہنے کے متعلق صفائی پیش  
نہیں کی یعنی دَمَا یَنْطِقُ بِالْقُرْآنِ وغیرہ نہیں فرمایا بلکہ معقول کو حذف کیا ہے  
لہذا بلاغت کے قاعدہ کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں مفعول مقصود  
ہی نہیں بلکہ صرف آپ کی صفت نطق کی پاکیزگی بتلانا منظور ہے۔

(ترجمان السنۃ حصہ اول مسئلہ حاشیہ میں)

اس تفسیر کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے تمام  
کلام مبنی بروحی ہیں چہ جائے کہ دجال کے متعلق خبریں جو امور دین اور غیب کی پیشین گوئی پر

مشتل ہیں ان کو علم وحی سے خارج اور مبنی بر قیاس اور خیالات کے زیر اثر قرار دیا جائے۔

یہ تفسیر ہم نے ترجمان السنہ سے لکھی ہے۔ مگر ہمیں تو خود مولانا ہی کی دوسری تحریر کی تلاش ہے۔ اور انھیں کی تحریر سے ثابت کرنا ہے کہ ان کی تحقیق کا دعویٰ باطل ہے تاکہ یُؤخذ المرءُ باقرارہ کے تحت خود ان کی اپنی ہی تحریر ان پر محبت ہو۔ لہذا دو تحریریں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ مولانا نے اپنے بیان ”کیا حضورؐ اپنے خیالات کی پیروی کے لئے آزاد تھے؟“ میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ فاضل حج کا یہ عقیدہ کہ ”حضورؐ اپنے خیالات کے زیر اثر کام کرتے تھے“ قرآن کی آیت وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ کے خلاف ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

”..... یہ بات نہ قرآن سے مطابقت رکھتی ہے۔ اور نہ عقل اس کو باور کر سکتی ہے۔ قرآن مجید بار بار اس امر کی صراحت کرتا ہے کہ رسول ہونے کی حیثیت سے جو فرائض حضورؐ پر عائد کئے گئے تھے۔۔۔۔۔ ان کی انجام دہی میں آپ اپنے ذاتی خیالات و خواہشات کے مطابق کام کرنے کیلئے آزاد نہیں چھوڑ دئے گئے تھے بلکہ آپ وحی کی رہنمائی کے پابند تھے۔ اِنْ أَتَّبَعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ اِلَیَّ (الانعام) قُلْ اَتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ اِلَیَّ مِنْ رَبِّیَّ (الاعراف ۲۰۳) مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحَىٰ (النجم ۲-۳-۴) یہی عقل تو..... (ترجمان القرآن منصب رسالت نمبر ۱۱۱)

اس تقریر سے حفاف طور سے معلوم ہوا کہ اپنے قیاس و خیال کے زیر اثر کلام کرنا، قرآن کے خلاف اور نطق عن الہوی کے مراد ہے جس کی گنجائش فرائض و خدمات کی



انجام دی میں بالکل نہیں ہے۔ پھر کیسے تسلیم کیا جائے کہ دجال کے باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کے خلاف اپنے قیاس و خیال کے تحت خبریں دیں جب کہ دجال کی خبر اخبار غیب سے متعلق ہے جس کے فتنہ سے امت کو ڈرانا فرائض نبوت میں سے تھا۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد کے تمام نبیوں نے اس فریضہ کے تحت اپنی اپنی امتوں کو اس کے فتنہ سے ڈرایا۔ کیا یہاں موجب تحقیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ذاتی خیالات و خواہشات سے خبریں دینے کے لئے آزاد چھوڑ دئے گئے تھے کہ جو خیال میں آتا گیا کہتے گئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس باب میں وحی کی رہنمائی کے پابند نہیں تھے؟ اور کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ نبوت میں وحی الہی کے ساتھ اپنے قیاس سے باتیں کر کے وحی الہی کو بھی مشکوک کر رہے تھے؟

۲۔ مولانا نے تفہیم القرآن میں اس آیت کی جو تفسیر کی ہے اس سے بھی دجال کے متعلق دی گئی خبروں کے قیاسی کہنے کی گنجائش نہیں ہے۔ مولانا کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے علاوہ جو کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے وہ تین ہی قسموں پر ہو سکتے ہیں۔ اول وہ جو تبلیغ دین و دعوت الی اللہ سے یا احکام قرآن وغیرہ کی تشریحات

لے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہ لم یکن نبی بعد نوح الا قد انذر اللہ حال قومہ ذاتی انذرکم وہ (مشکوٰۃ) یعنی فرمایا کہ نوح علیہ السلام کے بعد کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس نے اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا نہ ہو۔ اور میں بھی تم لوگوں کو اس سے ڈراتا ہوں۔ دوسری حدیث میں فرمایا "انی انذرکم کما انذر بہ نوح قومہ (مشکوٰۃ) یعنی فرمایا کہ بیشک میں تم لوگوں کو ڈراتا ہوں۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا۔ تیسری حدیث میں فرمایا۔ "ما من نبی الا قد انذر امتہ الا عور الکذاب الا انہ اعور وان ربکم لیس باعور۔۔۔ (مشکوٰۃ) یعنی فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے اپنی امت کو کاذب (دجال) سے نہ ڈرایا ہو۔ (لہذا) آگاہ ہو جاؤ بیشک وہ دجال کاذب ہو گا اور تمہارا رب کاذب نہیں

سے متعلق ہیں۔ دوم وہ جو آپ اعلیٰ کلمۃ اللہ کی جدوجہد اور اقامت دین کی خدمات کے سلسلے میں کرتے۔ اپنے اصحاب سے مشورہ فرماتے اور اپنی رائے چھوڑ کر ان کی رائے قبول کر لیتے۔ اُن کے دریافت کرنے پر کبھی کبھی یہ صراحت بھی فرما دیتے کہ یہ بات میں خدا کے حکم سے نہیں اپنی رائے سے کہہ رہا ہوں۔ یا آپ نے اپنے اجتہاد سے کوئی بات کہی اور بعد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے خلاف ہدایت اور تنبیہ آگئی۔ سوم وہ انسانی ہونے کی حیثیت سے نبوت کے پہلے بھی فرمائے اور نبوت کے بعد بھی۔ ان تینوں قسموں میں سے اول کی بابت مولانا فرماتے ہیں کہ یہ بالکل معنی بروہی ہیں اور سوم کی بابت فرماتے ہیں کہ اس نجی پہلو میں بھی کبھی کوئی بات خلاف حق نہیں نکلی۔ اس میں بھی درحقیقت وحی کا نور کار فرما تھا۔ رہے قسم دوم کے کلمات تو ان کی بابت مولانا فرماتے ہیں کہ۔

”بجز ان باتوں کے جن میں آپ نے خود تصریح فرمائی ہے کہ یہ اللہ کے حکم سے نہیں ہیں یا جن میں آپ نے صحابہ سے مشورہ طلب فرمایا ہے اور ان کی رائے قبول فرمائی ہے۔ یا جن میں آپ سے کوئی قول و فعل صادر ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف ہدایت نازل فرمادی ہے۔ باقی تمام باتیں اسی طرح وحی خفی پر مبنی تھیں جس طرح پہلی نوعیت کی باتیں۔۔۔۔۔۔“

پھر آگے فرماتے ہیں کہ:-

”..... اس معاملے میں آپ نے جو باتیں اپنے اجتہاد سے کی ہیں ان میں بھی آپ کا اجتہاد اللہ کو پسند تھا۔ اور علم کی اس روشنی سے ماخوذ تھا جو اللہ نے آپ کو دی تھی۔ اس لئے جہاں آپ کا اجتہاد ذرا بھی اللہ کی پسند سے ہٹا ہے وہاں فوراً وحی جلی سے اس کی اصلاح کر دی گئی ہے آپ کے بعض اجتہادات کی یہ اصلاح بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے باقی اجتہادات عین مرضی الہی کے مطابق تھے۔“

۵ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجئے



کوئی صاحب تفہیم القرآن سے آیت کی پوری تفسیر پڑھ کر بھی بتلائیں کہ دجال سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ان مذکورہ تینوں قسموں میں سے کسی قسم میں سے داخل کئے جاسکتے ہیں۔ اگر پہلی یا دوسری قسم میں داخل کیجئے تو وہ ارشادات لائق طور پر وحی خفی پر مبنی ہوں گے یا وحی کا نور ان میں کار فرما ہوگا جیسا کہ مولانا نے فرمایا ہے اور اگر دوسری قسم میں داخل کیجئے تو سوال ہے کہ کیا دجال کا معاملہ بھی کوئی مشورہ کی چیز ہے۔ یا اس سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہدایت اور تنبیہ آئی ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی فرمایا ہے کہ میں یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نہیں اپنی طرف سے کہہ رہا ہوں جب کوئی بات نہیں ہے تو پھر یہ برہانے وحی کیوں نہیں ہیں؟ اور مولانا اپنی اس تفسیر کے بعد کس رو سے انھیں قیاسی ٹھہراتے ہیں۔ هَا تُؤَابِرْ هَا نَكُمُ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ۝

لے حاشیہ ۳۵ کا) مولانا مودودی صاحب کے بیان سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی اجتہاد جو اللہ تعالیٰ کی پسند سے ذرا بھی ہٹا بغیر اصلاح کے نہ رہا۔ اور اصلاح بھی کی گئی تو وحی جل سے یعنی قرآن میں کی گئی۔ لہذا اگر کسی اجتہاد کی اصلاح کا ذکر قرآن میں نہ ہو تو ذکر کا نہ ہونا خود دلیل ہے اس کے صحیح اور عین مرضی الہی کے مطابق ہونے کی۔ مولانا جو اپنی تحقیق میں دجال کے زمانہ خروج وغیرہ کی حدیثوں کو قیاسی اور غلط ٹھہرا رہے ہیں تو کاش وہ اپنی ہی تفہیم القرآن میں ان کی اصلاح کا ذکر بھی دکھا دیتے ورنہ یہی کہا جائے گا کہ جب ان کی اصلاح کا ذکر نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات عین مرضی الہی کے مطابق صحیح ہیں اور مولانا کی تحقیق باطل۔



قسط دوم

# روس میں ترجمہ قرآن مجید

مولانا ابوالکلام قاسمی سیلم

پہلی مرتبہ -

شاہ کارٹرین ثانی نے جب جزیرۃ القمر دجوروس میں شامل کر لیا گیا تھا۔ اکا دورہ کیا تو ان تاتاری مسلمانوں کی توجہ کیلئے ۱۷۸۶ء میں پہلی مرتبہ بطر سبورغ کی اکسپڈیسیے پورا قرآن شریف عربی میں چھپوایا

مولانا عثمان ابراہیم تاتاری نے قرآن شریف کو جمع کیا اور اس پر حاشیہ اور شرح بھی لکھی۔ صرف اس کی خاطر عربی الفاظ ڈھلے گئے۔ اور اس کی طباعت ہوئی۔ ان ڈھلے ہوئے الفاظ اور محظوظ کے درمیان ذرہ برابر فرق نہ تھا۔ اس زمانہ کے مشہور دو مسلمان کاتبوں میں سے ایک کاتب کا خط تھا۔ اور یورپ میں عربی رسم الخط کی سب سے خوبصورت شکل تھی۔ اور دنیا میں قرآن شریف کی یہ تیسری طباعت تھی اس سے قبل صرف دو مرتبہ قرآن چھپا تھا۔ یہ طباعت اپنی عمدگی میں یورپ کے سابقہ دونوں طباعتوں پر فوقیت لے گئی۔ جس کی وجہ سے مزید شہرت ہو گئی۔ ۱۷۸۹ء اور ۱۷۹۰ء اور ۱۷۹۱ء اور ۱۷۹۲ء میں یہ قرآن شریف بار بار طبع ہوتا رہا۔ اور جب یورپ پہنچا تو یورپ میں رائج ہیرانی مارشی اور منکلاما کی طباعت والے قرآنوں کی مانگ کم ہو گئی۔ اور مغربی مستشرقین نے سیلفرڈی ساسی اور کریستون نے آگے

بڑھکر اس قرآن کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور بہت تعریف کی۔ روس میں تو انیسویں صدی کی تمام طباعت اسی قرآن کی تھی۔ سنہ ۱۸۷۰ء میں دینی اور مذہبی کتابوں کی نشر و اشاعت جو قیدیں تھیں وہ تمام ختم کر دی گئیں اس قانون کے آتے ہی، "فازان" نامی شہر میں صرف اسلامی کتابوں کی طباعت کیلئے ایک مطبع شروع کیا گیا۔

بطر سبورغ اکیڈمی کے ڈھلے ہوئے حروف ہی اس پریس میں استعمال ہوتے "فازان" کے پریس نے اپنے ابتدائی سال میں "۴۱۲۰۰" قرآن شریف طبع کئے سنہ ۱۸۴۳ء اور سنہ ۱۸۵۲ء کی قلیل مدت کے مابین اس کی تعداد "۶۰۰، ۲۳۶" ہو گئی۔ اور سنہ ۱۸۵۳ء اور سنہ ۱۸۵۹ء کی مدت میں "فازان"، اور بعض خاص پریسوں میں قرآن چھپنے کی تعداد "۸۲۳۰۰" نسخہ تک ہو گئی۔

قابل ذکر امر یہ ہے کہ یہ تمام کے تمام نسخے بطر سبورغ کے پہلے ڈھلے ہوئے حروف پر مبنی تھے جو سنہ ۱۸۷۰ء میں ڈھلے گئے تھے۔

مزید برآں یہ قرآن صرف روسی مسلمانوں کے ہاں نہیں بلکہ روس سے باہر بھی مقبول ہوئے۔ اور اس کی مانگ بہت بڑھ گئی۔

انیسویں صدی کے اواخر میں پورے عالم اسلامی، ترکی، مصر، ہندوستان اور "جزیرۃ القمر" بقیہ صرامی میں اور خود روس میں یہ مطبوعہ قرآن بہت زیادہ پھیل گیا۔ قرآن شریف کی اس پہلی کامل طباعت کے بعد تیسرا روسی قرآن کا ترجمہ شائع ہو گیا۔ جو سنہ ۱۸۹۹ء ڈی ریڈ فرانس کے پُرانے ترجمہ سے کیا گیا تھا۔ اور یہ ترجمہ روس کے مشہور انشاء پرداز منیائیل فیروفیکین سنہ ۱۸۳۲ء تا سنہ ۱۸۹۵ء نے کیا تھا۔ اور یہ اس وقت فازان کے اسکولوں کے ڈائریکٹر تھے۔ اور انہی کی معمولی کوششوں سے ان مدرسوں میں شرقی زبانوں کی تعلیم ہونے لگی۔ دو سال بعد بطر سبورغ سے چھوٹا ترجمہ قرآن کریم شائع ہوا۔ (تیسرا مطبوعہ چونکہ دوسرا ترجمہ طبع نہیں ہوا تھا، جس کو لماکوف متوفی سنہ ۱۸۷۰ء

نے انگریزی سے روسی زبان میں نقل کیا تھا۔ اور یہ انگریزی ترجمہ پادری جورج سٹال نے کیا تھا۔ جو فرانسیسی ترجمہ کے مقابلہ میں اچھا اور کامل تھا۔

مینخائیل فیرومنسکیں کے ترجمہ نے روسی ادب میں ایک اہم رول ادا کیا کیونکہ مترجم جو ایک بڑے انشاء پرداز اور مصنف اور ڈرامہ نگار تھے۔ انھوں نے اپنے ترجمہ میں بلند پایہ ادب کو سمودیا۔ جس کی وجہ سے بہت سے روسی انشاء پرداز قرآن شریف کی طرف متوجہ ہوئے۔

بڑے بڑے ادیب جو اس ترجمہ سے متاثر ہوئے ان میں سے روس کے مشہور شاعر بوشکین بھی ہیں۔ جن کو قرآن کے بلیغ اور فصیح اسلوب اور طرز نگارش نے متاثر کیا۔ اور انھوں نے اقرار کیا کہ قرآن شریف پہلی دینی کتاب ہے۔ جس نے ان کے خیالات میں جلا بخشی۔ اور ان کے جذبات کو ابھارا ہے۔ اس زمانہ میں بوشکین جنوبی روس میں جلا وطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ بوشکین روسی نظریہ سے کافی متاثر تھے لیکن جب ان کو قریب دیکھا کہ وہ ظلم و زیادتی سے دوچار ہیں۔ تو اس روسی بھران سے نکلنے اور صحیح راستہ کو اختیار کرنے کیلئے بچپن ہو گئے۔ اور انسانی تہذیبی لٹریچر کی طرف ان کی توجہ مبذول ہو گئی۔

ابن بھرائی زندگی میں قرآن شریف بھی ایک وہ کتاب تھی جو اس ادیب کے مطالعہ میں تھی۔ جس نے حقیقی صورت حال ان پر منکشف کر دی۔

نیز مینخائیل کے روسی ترجمہ کو پڑھنے کے بعد بوشکین کے جذبات ابھر جاتے ہیں اور ”قرآن کی وحی“ والی اپنی مشہور نظم قلم بند کئے دیتے ہیں۔ ۱۲۳ آیاتوں کو اپنے شعروں میں انھوں نے نظم کیا۔ ان کی اس نظم میں سورہ نجم اور دوسری وہ آیتیں جس میں قسم کھائی گئی ہے۔ اس کا ذکر ہمیں ملتا ہے۔ روس کے اس بڑے



شاعر نے اپنے بلیغ شعروں میں دین اور تشرآن شریف کے فلسفہ کو بیان کیا ان کے اس قصیدہ نے قرآن کو صحیح طور پر سمجھنے کی ایک بنیاد ڈالی اور اس کی راہ ہموار کی اور بڑی حد تک روسی زبان دانوں کی توجہ تشرآن کی طرف ہو گئی۔

لیکن یہ تراجم ان روسیوں کے بڑھتے ہوئے شوق کو پورا نہ کر سکے۔ باوجودیکہ وہ اس وقت میں ایک نادری مجموعہ شمار کئے جاتے تھے۔

اس کے پیش نظر ۱۸۶۲ء میں ماسکو میں ایک نیا ترجمہ قرآن شریف کا شائع ہوا جس کو ایقان نیکو لائیف نے کیا اور یہ ترجمہ بھی اس زمانہ کے مشہور فرانسیسی ترجمہ سے کیا گیا۔ جس کو مستشرق اور مشہور سفارت کار کاراز لمیکر سکی نے کیا تھا۔

جو بولان کے اصل باشندے تھے۔ اور یہ ترجمہ ۱۸۶۲ء میں ہوا پوری انیسویں صدی میں یہ ہی ترجمہ چلتا رہا۔ اور نصف صدی سے کم میں تقریباً پانچ مرتبہ اس ترجمہ کی طباعت ہوئی (۱۸۶۲ء - ۱۸۷۶ء، ۱۸۸۰ء - ۱۸۹۰ء) اور یہ ترجمہ وہ آخری ترجمہ ہے جس کو کسی غیر عربی داں نے کیا ہو۔

مذکورہ بالا ترجموں میں بہت سے عیوب اور کمیاں تھیں باوجود اس کے ان تراجم نے ایک اہم رول ادا کیا۔ اسلام اور قرآن کے بارے میں جو غلط خیالات اور تصورات تھے۔ اس کے ازالہ میں بڑا رول ادا کیا اسلام اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ طیبہ کے بارے میں جو غلط تصورات اور صورتِ روسیوں میں آئی اس کا اصلی سبب یونانی تاریخی کتابیں اور سچی تالیفات ہیں۔

## یوغلٹا فسکی کی کوششیں

انیسویں صدی کے ساتویں دہائی میں بیک وقت براہِ راست دو ترجمہ قرآن کریم کے ہوئے اور ایک دوسرے سے بالکل الگ چنانچہ ۱۸۷۱ء جنرل دمتری یوغلٹا فسکی

(۱۸۴۶ء - ۱۸۹۳ء) نے روسی زبان میں براہ راست عربی زبان سے نیا قرآن کریم کا ترجمہ تیار کیا۔ لیکن یہ ترجمہ شائع نہیں ہوا۔ بطر سیورٹا یونیورسٹی میں ریسرچ کے دوران یوغلانسکی نے بڑی معلومات عربی لٹریچر کے بارے میں حاصل کر لیں تھیں۔

استانہ میں کئی سال فوجی معاون کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ تو ان کی توجہ مشرقی علوم کی طرف اور زیادہ بڑھ گئی۔ جیسا کہ ان کے تعلقات شام کے مختلف مسلم انشاپرواز اور بڑی بڑی شخصیتوں کے ساتھ تھے۔ مثلاً شام کے مشہور ادیب رزق الشرحون جنہوں نے روس کے مشہور شاعر ایفان کریوف کے قصوں کا عربی مطبوعہ ترجمہ اور اس کے علاوہ اپنا کلام پیش کیا۔ یوغلانسکی ترکی میں قیام کے دوران قرآن کریم کے ترجمہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کا یہ ترجمہ ادبی اور باریک بینی کے لحاظ سے بہت فائق اور بلند تھا۔ بڑے بڑے نقادوں نے اس کو بہت سراہا اور تعریف کی۔ مثلاً نکلور رومین، اگنائوس، کرانسکوفسکی وغیرہ کے نزدیک۔ لیکن۔ یوغلانسکی جب روس لوٹے تو معلوم ہوا کہ اسی سال (۱۸۷۸ء) میں فاران سے قرآن شریف کا ایک نیا ترجمہ کیا گیا، اس ترجمہ کا نام گولوزی سابلوکوف ۱۸۷۲ء - ۱۸۸۸ء تھا۔ تو یوغلانسکی اپنے ترجمہ کی اشاعت کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں پس پیش میں پڑ گئے۔ جس کی تیاری میں انہوں نے کئی سال لگائے تھے۔

قصہ مختصر عربی زبان سے براہ راست روسی زبان میں ترجمہ کرنے کا سہرا گوردی سابلوکوف کے سر باندھا جاتا ہے جنہوں نے ذاتی شوق اور شرقی ممالک کے علوم سے دلچسپی کی بنا پر بہت سی زبانیں بغیر کسی استاد کے سیکھ لیں تھیں۔ چنانچہ انہوں نے روس کو مشرقی علوم سے مالا مال کرنے میں ایک زبردست پوزیشن حاصل کر لی تھی مان کی تالیفات اور تاریخی بحثیں اور آثار قدیمہ وغیرہ کے مقالے قرآن شریف کے معانی و مفہوم سے بہت زیادہ وابستہ ہوئے۔ کیونکہ سابلوکوف نے اپنی پوری زندگی قرآن شریف



کے ترجمہ کیلئے وقف کر دی تھی۔ چنانچہ جب وہ بہتر سال کے تھے اس وقت ان کا ترجمہ سترآن کریم اتمام کو پہنچا۔ اس عربی دانوں کے حلقہ میں اس ترجمہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ نیز ان کی وفات کے بعد دوبارہ ۱۸۹۴ء اور ۱۹۰۲ء میں اس کی طباعت ہوئی۔ اخیر کی اشاعت میں سترآن کریم کے الفاظ بھی موجود تھے۔ اس وقت کے روسی معاشرہ کی ضروریات اور سائنسی معلومات کے بارے میں بھی اس ترجمہ کے اندر روشنی ڈالی گئی تھی۔

### حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) کا قرآن

۱۹۰۵ء بظہر سبورغ سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قرآن کی فوٹو آفسیٹ لے کر طبع کیا گیا تھا۔ جس کو آٹھویں صدی عیسوی میں نقل کیا گیا تھا۔ اس نسخہ کی تاریخی اہمیت کی وجہ سے بہت سے لوگوں کی توجہ اس طرف ہو گئی۔ انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں سترآن کریم اور اسلام کے بارے میں ریسرچ کی مزید زیادتی ہو گئی۔

اسلام اور قرآن کے متعلق بڑے بڑے روسی عربی دانوں نے علمی محنتیں اور علمی مکالمے کئے۔ مثلاً وکٹور روزین (۱۸۴۹ء - ۱۹۰۸ء) نیشاں نرغاس (۱۸۳۵ء - ۱۸۸۴ء) اور فاسیلی بارٹولڈ (۱۸۶۹ء - ۱۹۳۰ء) کنسٹرکٹ (۱۸۶۱ء - ۱۹۳۹ء) آغا فائزل کریمسکی (۱۸۷۱ء - ۱۹۴۱ء) اور مغربی مستشرقین نے بھی روسی زبان کو بہت کچھ دیا۔ اس زمانہ میں بھی اسلام اور قرآن اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مفصل جائزہ لیا گیا۔ نیز طباعت و اشاعت کا دائرہ بھی وسیع تر ہو گیا۔ عربی پریس روسی سہنشاہیت کے بڑے بڑے شہروں میں پھیل گئیں تھیں۔ خاصکر، بظہر سبورغ، اور فاران، ایریلورغ، اور باکو، قلیس، اور تمپیر خاں ٹور اور، طاقتشند جیسے بڑے بڑے شہروں میں۔ اسی دوران، آذربائیجان، اور تاتاری زبانوں میں قرآن شریف کے ترجمہ کی۔



کوشش کی گئی تھی۔ روسی تاتاری مسلمانوں کی رضا اور خوشنودی کیلئے جو عربی زبان سے پوری طرح واقف نہ تھے۔ چنانچہ ۱۹۱۱ء میں ادیب موسیٰ بیغیف نے پہلا تاتاری زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ لیکن یہ ترجمہ نشر میں نہیں کیا گیا۔ کیونکہ مسلمانوں نے صرف قرآن کے ترجمہ کے پڑھنے کو حرام قرار دیا تھا۔ لیکن محمد کابل تحفۃ الدین نے ۱۹۱۴ء میں قرآن شریف کے عربی الفاظ کے ساتھ تاتاری ترجمہ نشر کیا یہ تو ترجموں کی نسبت سے ہم نے کچھ لکھا۔ لیکن بغیر ترجمہ کے کتنے قرآن چھپے اس کی کوئی عدد اور گنتی نہیں ہے۔ اور یہ تمام تراشائیں انھی پرانے، "قازان" کی پریس کے طباعت کے مطابق ہوتی رہیں۔

روس میں جو کتابیں تالیف ہوئیں ان میں قابل ذکر کتابیں "بارتولد" کی ہیں "الاسلام" "سیرۃ" "قرآن و سمندر"، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق، "حضرت محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی طرح روسی عربی داں کسینا کا اشتالیف ۱۸۹۷ء ۱۹۳۹ء کی اہم بحثیں جو قرآن اور اس کے طرز نگارش کے متعلق تھیں۔ نیز پرویز اسحق فینکوف، بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکالمے اور بعض آیتوں کی تفسیریں

## کراتشکوفسکی کا کردار

۱۹۶۳ء میں ماسکو کی غیر ملکی زبانوں کی نشر و اشاعت کے شعبہ سے ایک ترجمہ شائع ہوا جس کو عربی سے روسی زبان میں مستشرق اغناطیوس کراتشکوفسکی نے انجام دیا تھا۔ اور ان کا یہ ترجمہ سا بلوکون کے ترجمہ کو نئے ڈھنگ میں پیش کرنا تھا جو موجودہ سائنسی ضروریات کا حامل تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز سے ہی کراتشکوفسکی اس کی طرف توجہ کرنے لگے۔ چنانچہ ۱۹۱۱ء میں ایک مقالہ شائع کیا جس میں جرمن کے مستشرق غوستاف فلوغیل کی پریسی اور خود ترجمہ کی

غلطیوں کی طرف نشان دہی کی گئی تھی۔ جیسا کہ کراتشکوفسکی نے پہلا لکچر بطر سبورغ کی یونیورسٹی میں شرقی زبانوں پر دیتے ہوئے بتایا۔ یہ قرآن شریف کے متعلق لکچر دیتے رہتے تھے۔

کراتشکوفسکی نے ۱۹۱۶ء میں لینن گراڈ یونیورسٹی کے امیشیار موزیم میں قرآن کے محفوظ مخطوطات کا ایک جائزہ لیا۔ اور ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۵ء میں کئی مقالے اور بحثیں لکھیں جو پندرہویں صدی اور سترہویں صدی میں بیلوروسی زبان میں ترجمہ قرآن کے متعلق تھیں۔ جو تاریخی بلتوانیاں کے باشندے تھے۔

اور ۱۹۳۱ء میں ان کا ایک مقالہ لفظ،، بنجم، کے بارے میں شائع ہوا ۱۹۳۲ء ۱۹۳۴ء میں کراتشکوفسکی اور یوغلانسکی کے ترجموں کے بارے میں مقالے لکھے۔

۱۹۱۹ء میں کراتشکوفسکی نے انکشاف کیا کہ ان کا پختہ ارادہ ہے کہ وہ قرآن کریم کا ایک نیا ترجمہ کریں۔ اور اس کو عالمی لٹریچر کے کتب خانہ سے نشر کریں۔ جس کے نگراں اعلیٰ اس وقت مشہور دانش پر داز سکسیم غوری تھے۔ چنانچہ ۱۹۳۱ء میں ترجمہ کا آغاز کیا۔ جس کا سلسلہ ان کی زندگی کے آخری لمحات تک رہا۔

کراتشکوفسکی نے نو سال روسی زبان میں ترجمہ قرآن کرنے پر گزارے ۱۹۳۱ء میں اپنے مسودہ سے فارغ ہوئے۔ لیکن جس بڑے کام کا انھوں نے آغاز کیا تھا اس کا یہ ابتدائی مرحلہ تھا۔ ۱۹۳۱ء کے بعد وہ ان کتابوں میں غور و خوض کرنے لگے۔ جو یورپی اور عربی زبانوں میں قرآن شریف کے متعلق لکھی گئی تھیں۔

اپنے ترجمہ میں شرح اور وضاحت اور حاشیہ کے لئے جن کتابوں کو انتخاب کیا اس کی تعداد چار سو تک پہنچتی ہے۔

عصر حاضر کی کتب لغات کو کراتشکوفسکی نے ترجمہ قرآن کیلئے پیش نظر رکھا نیز قرآن کے ریسرچ اور مطالعہ کے لئے قرن اول کے مفسرین اور بڑے بڑے

فقہاء کی روش اختیار کی۔ شرآئی ترکیبات، اور مفردات، اور تعبیرات کو، بخوبی سمجھنے لگے۔ جاہلی شعراء کے اشعار، اور حبزیرۃ العرب کے ان شاعروں کے دیوانوں کا بھی مطالعہ کیا، جو سرکارِ دد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں رہے۔ اسی طرح سے حدیث کا پہلا مجموعہ بھی۔ لیکن ان کے اس عظیم کارنامہ کے پورا ہونے سے قبل موت نے اُن کو آگھیرا،

(بقیمت کا) - اسی طرح کا خواب اسی رات کو میری اہلیہ نے بھی دیکھا۔ اسی دن سے ہم اس کوشش میں لگ گئے کہ کسی طرح باقاعدہ کلمہ پڑھا جائے۔ آخر کار قسمت نے علماء کے شہر بھوپال میں پہنچا دیا اور ۱۹۸۶ء کو رمضان المبارک کی چاند رات میں۔ میں میری اہلیہ اور میری جوان سالی بیٹی اس مبارک مذہب اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب تبلیغ دین کی کوشش میں مصروف ہیں اور عملی طور پر مندرجہ ذیل امور کو اپنی زندگی کا مقصد بنا رکھا ہے۔

(۱) دفاع و تحفظ اسلام، (۲) مسلمانوں کو دنیوی و دینی قدروں کے دائرہ میں سنبھالے رکھنا، (۳) پورے عالم کو ان کی ہی زبانون میں دعوت دین پہنچانا۔ ڈاکٹر صاحب کا رہائشی محل خط و کتابت کا پتہ درج ذیل ہے۔ لہذا جو حضرات ان سے مراسلت کرنا چاہیں اس پتہ پر انھیں خطوط بھیجیں۔

روحانی کلینک ۱۵ انیلیم کالونی نزد مسجد ضوابط لائن للی ٹاکنز  
بھوپال (ایم، پی)



## ادارہ

## ایک عظیم مہنت اور اچار یہ کا قبول اسلام

۱۰ مئی ۱۹۸۶ء کو ہندو دھرم کی ایک اہم ترین شخصیت ڈاکٹر سوامی شو شکتی سروپ مہاراج اداسین، اپنی بیوی، اور بیٹی کے ساتھ بھوپال میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، اب ان کا اسلامی نام ڈاکٹر اسلام الحق، بیوی کا نام خدیجہ اور صاحبزادی کا نام عائشہ حق رکھا گیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی ابتدائی تعلیم آشرم میں ہوئی، پھر الہ آباد یونیورسٹی سے اورینٹلزم میں ایم، اے کیا، گروکل کانگری سے اچاریہ کی ڈگری حاصل کی اور آکسفورڈ یونیورسٹی انگلینڈ سے ڈی، ڈی، یعنی (Doctor of Divinity) دنیا کے دس بڑے مذاہب میں اور پی، ایچ۔ ڈی۔ اس طرح ڈبل پی۔ ایچ، ڈی کے بعد پوپ پال ششم کی دعوت پر اٹلی گئے۔ جہاں پر انھوں نے سات مختلف موضوعات پر کامیاب تقریریں کیں۔ جن سے متاثر ہو کر پوپ پال نے انھیں (O.F.M.C.A.P) کے اعزاز سے نوازا۔

ڈاکٹر صاحب بارہ زبانوں سے واقفیت رکھتے ہیں۔ جن میں۔ انگریزی۔ سنسکرت، گریک، ڈبرو، ہندی، پراکرتک، پالی، گورمکھی، مراٹھی۔ گجراتی، اردو اور عربی شامل ہیں ان بارہ زبانوں میں سے انگریزی، سنسکرت، ہندی، اردو، گورمکھی اور عربی سے انھیں زیادہ دلچسپی ہے۔

چونکہ ڈاکٹر صاحب نے دنیا کے دس بڑے مذاہب کا براہ راست مطالعہ کر رکھا ہے اور ان میں ڈگری یافتہ ہیں۔ اس لئے اسلام کی حقانیت و صداقت کے وہ پہلے ہی سے معترف تھے۔ ان کے ہم عصروں میں ہندو دنیا کے بڑے بڑے جگت گرو، شنکر اچاریہ، مثلاً رام گوبال شال والے، پوری کے شنکر اچاریہ، اکھنڈ انند جی، گرو گوالکر بابا صاحب، دیشمکھ، بال ہاکر، نانا صاحب دیشمکھ، ونوبا بھاوے وغیرہ ہیں۔ اور یہ سب ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ اچاریہ ونوبا بھاوے نے ۱۹۸۱ء میں انھیں اپنے آشرم پر دم دھام میں تقریر کے لئے مدعو کیا تھا۔ اس وقت وہاں ہندو دھرم کے بڑے بڑے مہنت موجود تھے جن میں ایک دادا دھرم ادھیکاری بھی ہیں۔ دادا دھرم ادھیکاری نے اس موقع پر ڈاکٹر صاحب سے ایک دن یہ غیر معمولی سوال کر لیا کہ سوامی جی آپ نے دنیا کے تمام دھرموں کا مطالعہ کیا ہے آپ کو ان ان کئیے سب سے بہتر دھرم کون سا لگا۔ ڈاکٹر صاحب نے بغیر کسی جھجک کے جواب دیا کہ ”اسلام“ اس پر وہ بولے کہ اسلام تو بہت بندھا ہوا دھرم ہے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ جو بندھا ہے وہی آزاد کرتا ہے۔ اور جو پہلے سے ہی آزاد ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باندھ دیتا ہے اس لئے دھرتی پر آدمی کو ایک عرصے سے بندھے ہوئے دھرم کی ضرورت ہے۔ جو اسے دنیا میں اچھی طرح باندھ کر پریوک میں کھولے اور ایسا دھرم میری نظر میں صرف اسلام ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے قبول اسلام کا واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ جنوری ۱۹۸۶ء میں ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ ایک بڑی جماعت میرا پیچھا کر رہی ہے۔ اور میں اس کے خوف سے بھاگ رہا ہوں۔ اچانک مجھے ٹھوکر لگی اور میں گر پڑا۔ ایک لمحہ کے بعد اُنجانے ہاتھوں نے مجھے سہارا دیکر اٹھایا۔ اٹھ کر میں اس روشن اور تابناک چہرے کو ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگا لیکن پہچان نہیں پارہا تھا کہ یہ کون ہے جس نے مجھے سہارا دیکر کھڑا کیا پاس ہی کھڑے ایک صاحب نے کہا کہ یہ محمد رسول اللہ ہیں مجھ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی آپ نے فرمایا کلمہ پڑھو اور میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیکر جیسے جیسے وہ پڑھتے گئے میں بھی بڑھتا گیا اور پھر آپ نے مجھے سینہ سے لگایا ۲۲ بقیہ صفحہ ۴۸ پر

## محتوی

بعضو سرور کائنات، مطلع دیوان نبوت، مقطع قصیدہ رسالت  
امام الانبیاء، سید البشر جناب سیدنا و مولانا، شفیعنا، احمد مجتبیٰ امیر المصطفیٰ  
صلی اللہ علیہ وسلم

صاحبزادہ سید محمود رمزاید و کیٹ الہ آبادی

لہجہ ہی اُن کا دیکھتے رحمت شعار ہے : ان کا خیرام ناز ہی پیہم بہار ہے  
اے مصطفیٰ تو آیت پروردگار ہے، : منشاے کبریا کا تو ہا شاہکار ہے  
تلوؤں کی چھوٹ ہی سے بنی کہکشان شب : نقش قدم بھی تیرا عجب نور بار ہے  
کل تک جو سرزمین تھی صحرائے بے گیاہ : تیرے کرم سے آج وہی لالہ زار ہے  
قرآن میں ہے سورہ محمد کے نام کا : ذکر جمیل ان کا بہت خوشگوار ہے  
پیتا ہے جو شراب دلائے رسول پاک : سچ پوچھتے تو دہریس وہ بادہ خوار ہے  
گیتی پہ جو ہے خواجہ بدر دین و عشق : وہ حشر میں بھی نازش صد نوہار ہے  
چھینٹیں پڑی ہیں جس سے شفاعت کی چار سو : ختم رسل ہی حشر میں وہ آبشار ہے  
ملت کی سمت دیکھ لے آقلے کائنات : اس کو کرم کا تیرے بہت انتظار ہے  
نعتِ نبیؐ کے پڑھنے سے عزت ملی تجھے۔  
اے رمز تیرے واسطے یہ الفتیٰ ہے،



بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين





دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

# کلام الصلوات

شمارہ نمبر ۶ بابہ ماہ مارچ ۱۹۸۶ء مطابق ربیع الثانی ۱۴۰۷ء جلد نمبر ۱

تت مولانا غوث الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

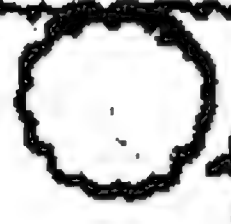
مدیر مولانا حبیب الرحمن قاسمی

فی پریچہ 3/-

سالانہ 30/-

سالانہ بدل اشتراک بیرون مالک

سعودی عرب، کویت، ابوظہبی، جنوبی و مشرقی افریقہ۔ برطانیہ =/160 Ru امریکہ۔ کینڈا وغیرہ  
بذریعہ ایرمیل =/160 Ru پاکستان =/70 ہندوستانی۔ بنگلہ دیش =/50 ہندوستانی



سرخ نشانہ اسم بات کم علامتہ کہ آپ کا ریت عاوض ختم ہو گیا  
(مطبوعہ موجودہ پریس دیوبند)



## فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	مضامین نگار	صفحہ
۱	حرف آغاز	حبیب الرحمن قاسمی	۲
۲	کفایت کی رعایت کہاں تک ؟	مولانا عزیز ایشہ قاسمی	۷
۳	پیغمبرِ عظیمؐ اور ان کے اصحابؓ	مولانا امام علی دانش رادارہ محمودیہ لکھیم پور	۲۲
۴	حضرت نانوتویؒ اور عشقِ رسولؐ	مولانا حافظ محمد اقبال مانچسٹر	۳۳
۵	مولانا مودودی کی تحقیقِ حدیثِ حلال پر ایک نظر	مولانا عبدالدیان اعظمی	۴۲
۶	اگر آپ چاہتے ہیں ؟	ادارہ	۴۸

## ہندوستانی اور پاکستانی خریداروں کی ضروری گزارش

(۱) ہندوستانی خریداروں کی ضروری گزارش یہ ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکراڈل فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ کریں۔

(۲) پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ - ۷ روپے ہندوستانی مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد ملتان پاکستان کو بھیج دیں اور انہیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالمعلوم کے حساب میں جمع کر لیں۔

(۳) خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمائیں، خطا و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ والسلام منبر رسالہ

# حرف آغاز

حَبِيبُ التَّحْمِيضِ قَارِئُ

۱۸۵۷ء ہندوستان کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ مغلیہ سلطنت جو اپنے تمام ترامیازات و تشفیات کے باوجود ہندوستان کی سیاسی وحدت کی ضامن تھی یہاں پہنچ کر دم توڑ دیتی ہے۔ اور اس کے ملبہ پر ایک جدید حکومت کا قہر اقتدار تعمیر ہوتا ہے اس انقلاب کو چشم ظاہر میں نے اگرچہ ایک سیاسی کھیل سمجھا جسے سیاست دان کے بازیگر زندگی کی فیلاڈلمیں کھیلتے رہتے ہیں۔

بازیچہ اطفال ہے دنیا میرے آگے ہوتا ہے نیا روز تماشایرے آگے  
لیکن ارباب بصیرت اور سیاسی عروج و زوال کے عوامل و محرکات پر نظر رکھنے والے واضح طور پر سمجھ رہے تھے اور کھلی آنکھوں دیکھ رہے تھے کہ یہ محض سیاسی بازیگری اور اقتدار کا تبادلہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کے عوامل نہایت دور رس اور عمیق گیر ہیں۔ یہ انقلاب زندگی کے پورے محور کو بدل کر رکھ دے گا۔ اس کی طوفانی موجیں معیشت و معاشرت، تہذیب و تمدن، افکار و نظریات اور اعمال و اخلاق کی پُرانی قدروں کو ملیا میٹ کر دیں گی سیاسی انقلاب کی اس ہمہ جہت شکست و ریخت کو قرآن حکیم نے اپنے بلیغ اور سحرانہ اسلوب میں حکمت سبباً بقیس کی زبانی یوں واضح کیا ہے۔ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً فَفَسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا اَهْلَهَا اَهْلًا اِذْ لَآءُ ، (ترجمہ) وہ بولی بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے خراب کر دیتے ہیں اور بنادیتے ہیں اس کے سرداروں کو ذلیل ، اب سلطان ارباب فکر و علم کے سامنے دورا سستے تھے یا تو وہ حالاً کے سامنے سرنگوں ہو کر اس

مجھوتہ کر لیتے اور اطمینان و سکون سے اسی ڈگر پر چل پڑتے جس پر اس وقت کے حالات انہیں لے جا رہے تھے۔ چنانچہ ایک مصلحت پسند مفکر قوم کو اسی بات کی تلقین کرتا ہے۔  
سدا ایک ہی رخ نہیں ناؤ چسکتی، پھوتم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی  
اور یا تو زمانہ یا تو نسازد تو بازمانہ ستیز، کے جرات مندانہ فلسفہ پر عمل کرتے ہوئے حالات  
کو بدلنے کیلئے اس سے برسرِ پیکار ہو جاتے۔

تاریخ شاید ہے کہ ہمارے اسلاف نے اسی دوسرے راستے کا انتخاب کیا۔ حضرت شاہ  
عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ کا فتویٰ دار الحرب حال سے برد آزما کا کھلا ہوا ایک اعلان تھا۔ دار الحرب  
تو دیکھنے میں ایک چھوٹا سا فقرہ ہے لیکن جو لوگ اس کی اصطلاحی حقیقت اور ہندوستان کی دینی و  
علمی اور سیاسی بساط پر خاندان ولی اللہی کے اثرات سے واقفیت رکھتے ہیں وہ اس کی اہمیت  
اور وسعت کو خوب جانتے ہیں۔ حضرت سید احمد شہید بریلوی قدس سرہ کی تحریک کی بنیاد  
دو حقیقت حضرت عبدالعزیز کا یہی فتویٰ تھا۔ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور  
ان کے دونوں اصحاب حجت الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور قطب شاہ حضرت مولانا  
رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کو اسی فتویٰ مجبور کیا تھا کہ وہ ملواری لیکر شامی کے میدان میں نکل  
پڑیں۔ یہی وہ فتویٰ ہے جس کے مقتضیات کو بروئے کار لانے کے لئے دیوبند میں ایک مرکز قائم  
کیا گیا۔ آج دنیا دارالعلوم دیوبند کے نام جانتی پہچانتی ہے۔ یہی فتویٰ ہے جو حضرت شیخ الہند  
مولانا محمود حسن قدس سرہ کو آمادہ کرتا ہے کہ رشی رومال کی تحریک مرتب فرمائیں اور اُسے موثر بنانے  
کیلئے ضلع پیری اور کثرتِ امراض کے باوجود طولِ طویل اسفار کریں۔ اور بالٹائیں اسی کی  
زندگی گزاریں۔ یہی وہ فتویٰ ہے جو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کو بھیج  
کرتا ہے کہ وہ مکہ و خالقاہ کے گوشہ عافیت سے نکل کر خازن سیاست کی بادیہ پیمائی کریں  
اور قید و بند کی بے پایاں صعوبتیں برداشت کریں۔



مقام فیض کوئی راہ میں چننا ہی نہیں جو کوئے یار سے نکلے تو سوتے دار چلے  
 برٹس حکومت جو ملک عزیز پر تسلط قائم کر لینے کے بعد یہ خواب دیکھنے لگی تھی کہ یہاں کے  
 باشندوں کے مذہب و مسلک کو تبدیل کر کے سب کو اپنے مزاج و مذاق کے مطابق بنالے چنانچہ  
 لارڈ میکالے نے ۱۸۳۹ء مازح ۱۸۳۹ء کو تعلیمی کمیٹی کی صدارت کرتے ہوئے جو رپورٹ پیش کی تھی اس میں  
 وہ صاف طور پر لکھتا ہے۔

ہمیں ایک جماعت چاہئے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور  
 اسی جماعت ہونی چاہئے جو خون و رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق احمدی

الفاظ اور سمجھ (فکر) کے اعتبار سے انگریز ہو۔ (علامہ حق ج ۱ ص ۳۹)

زمانہ گواہ ہے کہ حضرات اکابر رحمہ اللہ نے اپنی پامردی، استقامت، جوش و میل اور جہد مسلسل سے  
 نہ صرف یہ کہ اس ظالم حکومت کے خواب کو شرمندہ تعبیر نہیں ہونے دیا بلکہ ایک دن وہ بھی آیا کہ اپنی  
 تمام تر قوت و شوکت کے باوجود اس جاہل متکبر قوم کو بے نیل و مرام یہاں سے جانا پڑ گیا۔ اور اس  
 طرح سے ایسے عظیم فتنہ سے جس میں ملت اسلامیہ گھر گئی تھی اور قوی خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اس سیلاب  
 بلاخیز میں وہ اپنے امتیازات و شخصیات کو محفوظ نہ رکھ سکے گی نجات ملی۔ (شکراً للہ صیہم  
 و جزاھم عنی وعن سائر المسلمین جزاء حسناً)

آج کل کے حالات بتا رہے ہیں کہ اسلام مخالف طاقتیں ایک بار پھر اسلام اور مسلمانوں کے  
 خلاف محاذ آرائی کے درپے ہیں۔

آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے ۛ کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے ۛ  
 اسلام دشمن طاقتوں کو ملک عزیز میں مسلمانوں کا وجود کاٹنے کی طرح کھٹک رہا ہے اور اس  
 کاٹنے کو لگانے کیلئے وہ پوری قوت سے میدان میں آگئی ہیں مسلمانوں کو اقتصادی، سیاسی  
 علمی اور دینی اعتبار سے بے جان کر کے انھیں ختم کرنے کی فکر میں ہیں اسی لئے مسلمانوں کے

اقتصادی مرکز کو تاک تاک کر نشانہ بنایا جا رہا ہے اور دیکھتے دیکھتے لاکھوں اور کروڑوں کی ملک کو خاکستر کے ڈھیر میں بدل دیا جاتا ہے۔ اور یہ عمل ایسے مرتب اور منظم طریقے پر انجام دیا جاتا ہے کہ ایک جگہ کے مسلمان ابھی سنبھلنے نہیں پاتے کہ دوسری جگہ خاک و خون کا کھیل شروع ہو جاتا ہے۔ بھونڈی، ممبئی، حیدرآباد، موناٹھ بھجن، احمدآباد اور گجرات کے شہروں میں جس طرح ایک طرف قتل و غارتگری ہوئی ہے وہ ہماری بات کا کھلا ثبوت ہے۔ اسی کے ساتھ اب توشاٹوں کی مشہور اور قدیم مساجد پر بھی نگاہیں اٹھنے لگی ہیں اور باقاعدہ تنظیم کے تحت یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ ان مسجدوں کی قدیم اور تاریخی دینی و مذہبی حیثیت کو ختم کر کے انھیں اپنے قبضہ میں لے لیا جائے۔ بابری مسجد اچودھیا جس کا زندہ ثبوت ہے کہ تقریباً پونے پانچ سو سال کی قدیم مسجد کو کس ڈرامائی انداز میں مندر میں تبدیل کر دیا گیا اور سیکولر و جمہوریت کی بالادستی کا گلا بھاڑ بھاڑ کر نعرہ لگانے والے ہندو فرقہ پرستی کے اس ننگے ناج کو دیکھ رہے ہیں اور خاموش ہیں۔ مسلم اوقاف کا جو حشر ہو رہا ہے وہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ مسلم پرسنل لاؤ خطرے کی زد سے محفوظ نہیں ہے۔ اور یکساں سول کوڈ کے سہارے سرکاری سطح پر کوشش ہو رہی ہے کہ مسلمانوں کے ملکی تشخص کو مٹا دیا جائے تاکہ زندہ اور متحرک قوم بیجان ہو کر رہ جائے تعلیمی اور سیاسی اداروں سے مسلمانوں کو جس طرح بے دخل رکھا جا رہا ہے وہ سب پریاں ہے یہ تمام کارروائیاں ایک عظیم طوفان کا پتہ دے رہی ہیں۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو! تمہارا تذکرہ تک بھی نہ ہو گا داستانوں میں۔ ان حالات میں ہمارے سامنے بھی وہی دورا سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم حالات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور ہوائے زمانہ جس سمت لے جانا چاہتی ہے۔ بغیر کسی مزاحمت کے ہم اس رخ پر چل پڑیں۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ اپنے دین اپنے تہذیب و تمدن اور اپنی جان مال کی حفاظت اور بقا کے لئے اپنے اکابر و اسلاف کے اسوہ کے مطابق استقامت و پامردی اور ہمت، جرأت کے ساتھ ہر مخالف قوت کا مقابلہ کریں۔

(دقیقہ ص ۲۶ پر)

# کفارت کی رعایت کہاں تک؟

مولانا عزیز اللہ صاحب ممداد العلوم کو یا گنجہ اعظم گڈھ

- ۱۔ شرعی نقطہ نظر سے کفارت کی حیثیت کیا ہے؟
  - ۲۔ کیا ہر دور میں اس کی پابندی ضروری ہے؟
  - ۳۔ اور کفارت میں حسب و نسب، دیانت و دولت اور حرمت جملہ پہلو کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ یا کسی پہلو سے صرف نظر بھی ممکن ہے۔؟
  - ۴۔ موجودہ دور میں غیر کفو میں شادی ہونے پر اولیاء کو حق فسخ حاصل ہوگا یا نہیں؟
  - ۵۔ موجودہ وقت میں کفارت کی پابندی کہاں تک ہونی چاہئے اور کن امور میں؟
- یہ چند سوالات ہیں جو مسلم معاشرہ میں حسب و نسب اور مال و دولت جیسی فانی چیزوں پر مبنی اونچ نیچ اور تفریق سے قوم و ملت کے ایک درد مند اور غیر تمند کے دل میں پیدا ہوتے ہیں
- شرعی نقطہ نظر سے کفارت کی حیثیت کیا ہے؟ | اس سلسلہ میں بنیادی بات یہ سمجھنی چاہئے کہ

خبردار عورتوں کا نکاح ان کے اولیاء ہی کریں۔ اور صرف کفو میں کریں۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔  
أَلَا لَا يَزُوجُ النِّسَاءَ إِلَّا الْأَوْلِيَاءُ  
وَلَا يَزُوجُهُنَّ إِلَّا مِنَ الْأَكْفَاءِ

لے فتح القدیر ج ۳۔ ص ۱۸۵۔



جس سے فقہار کرام زیر بحث مسئلہ میں استدلال کرتے ہیں، ضعیف ہے۔ محدثین نے اس کے رواد پر کلام کیا ہے۔ اس لئے اس سے استدلال کرنا محل نظر ہے۔ اگر شواہد و نظائر کی بنیاد پر قابل حجت مان لی جائے تب بھی زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حکم خانگی امور اور اس سے متعلق دیگر مصلحتوں کے پیش نظر ہے۔ چنانچہ علامہ ابن ہمام نے حدیث بالا کی روشنی میں کفارت کے تشریحی پہلو پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے۔

قلنا مقتضى الأدلة التي ذكرناها  
الوجوب اعني وجوب نكاح الأكفاء و  
تعليلها بانتظام المصالح  
مذكوره دلائل کا مقتضی کفر میں نکاح  
کا واجب ہوتا ہے اور اس کی علت  
خانگی مصالح ہیں۔

در حقیقت نکاح میں کفارت کا منشاء اور حسب و نسب اور حرمت و دیانت کی رعایت کا بنیادی مقصد خانگی امور کو برقرار رکھنے اور میاں بیوی کے تعلقات کو صحیح ڈھنگ سے قائم رکھنے کے سوا اور کچھ نہیں سمجھ میں آتا۔ اگر کفارت کی زحمت کوئی لازمی شے ہوتی تو اس میں اختلاف کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ مگر اختلاف ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ ”امر“ خانگی مصلحت کے مد نظر ہے۔

اس سلسلہ میں ائمہ کی کیا رائیں ہیں اسے بھی ملاحظہ فرماتے چلیں۔  
یہ امام مالکؒ ہیں آپ کی رائے یہ ہے کہ کفارت کا اعتبار صرف ”دین“ میں ہونا چاہئے۔ باقی دوسری چیزوں میں نہیں۔

وقد جزم بان اعتبار الكفاءة مختص  
بالدين ماله  
امام مالکؒ نے پورے یقین کے ساتھ فرمایا  
ہے کہ کفارت کا اعتبار دین کے ساتھ خاص ہے  
سفیان ثوریؒ کا خیال یہ ہے کہ کفارت کا اعتبار ہی نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

الناس سوا سبۃ کا سنان المشط

لا فضل لعربی علی عجمی انما

الفضل بالتقویٰ ۱۷

تمام انسان کنگھی کے دندانے کی طرح برابر  
ہیں۔ عربی کو کسی غمی پر فضیلت نہیں۔ اگر  
ہے تو صرف تقویٰ سے۔

امام کرخیؒ کی بھی ..... یہی رائے ہے کہ نکاح میں کفارت کی بالکل رعایت  
نہیں ہونی چاہئے۔

عن الکرخی انہ کان یقول الاصح  
عندی انہ لا تعتبر الکفاءة اصلاً ۱۸  
امام کرخیؒ سے منقول ہے۔ میرے نزدیک  
صحیح بات یہ ہے کہ نکاح میں کفارت کا بالکل  
اعتبار نہیں

امام شافعیؒ نے بعض چیزوں میں کفارت کا اعتبار کیا ہے۔

ونقل ابن المنذر عن البویطی ان  
الشافعی قال الکفاءة فی الدین ۱۹  
ابن منذرنے بواسطہ البویطی امام شافعیؒ  
کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نکاح میں دینداری  
کے لحاظ سے برابری ہوگی۔

البتہ فقہ حنفی میں کچھ تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اور کفارت میں حسب نسب  
اور حرمت و دیانت کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کا خیال کیا گیا ہے  
تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) ثم الکفاءة تعتبر فی النسب لانه  
یقع به التفاخر فقریش بعضهم  
الکفاء لبعض ۲۰  
نسب میں کفارت کا اعتبار ہوگا کیونکہ یہ  
بھی باہمی تفاخر کا سبب ہے سو قریش  
آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہوں گے

۱۷ فتح القدیر ج ۳ - ص ۱۸۶ - ۱۸۷ - ۱۸۸ - ۱۸۹ - ۱۹۰ - ۱۹۱ - ۱۹۲ - ۱۹۳ - ۱۹۴ - ۱۹۵ - ۱۹۶ - ۱۹۷ - ۱۹۸ - ۱۹۹ - ۲۰۰ - ۲۰۱ - ۲۰۲ - ۲۰۳ - ۲۰۴ - ۲۰۵ - ۲۰۶ - ۲۰۷ - ۲۰۸ - ۲۰۹ - ۲۱۰ - ۲۱۱ - ۲۱۲ - ۲۱۳ - ۲۱۴ - ۲۱۵ - ۲۱۶ - ۲۱۷ - ۲۱۸ - ۲۱۹ - ۲۲۰ - ۲۲۱ - ۲۲۲ - ۲۲۳ - ۲۲۴ - ۲۲۵ - ۲۲۶ - ۲۲۷ - ۲۲۸ - ۲۲۹ - ۲۳۰ - ۲۳۱ - ۲۳۲ - ۲۳۳ - ۲۳۴ - ۲۳۵ - ۲۳۶ - ۲۳۷ - ۲۳۸ - ۲۳۹ - ۲۴۰ - ۲۴۱ - ۲۴۲ - ۲۴۳ - ۲۴۴ - ۲۴۵ - ۲۴۶ - ۲۴۷ - ۲۴۸ - ۲۴۹ - ۲۵۰ - ۲۵۱ - ۲۵۲ - ۲۵۳ - ۲۵۴ - ۲۵۵ - ۲۵۶ - ۲۵۷ - ۲۵۸ - ۲۵۹ - ۲۶۰ - ۲۶۱ - ۲۶۲ - ۲۶۳ - ۲۶۴ - ۲۶۵ - ۲۶۶ - ۲۶۷ - ۲۶۸ - ۲۶۹ - ۲۷۰ - ۲۷۱ - ۲۷۲ - ۲۷۳ - ۲۷۴ - ۲۷۵ - ۲۷۶ - ۲۷۷ - ۲۷۸ - ۲۷۹ - ۲۸۰ - ۲۸۱ - ۲۸۲ - ۲۸۳ - ۲۸۴ - ۲۸۵ - ۲۸۶ - ۲۸۷ - ۲۸۸ - ۲۸۹ - ۲۹۰ - ۲۹۱ - ۲۹۲ - ۲۹۳ - ۲۹۴ - ۲۹۵ - ۲۹۶ - ۲۹۷ - ۲۹۸ - ۲۹۹ - ۳۰۰ - ۳۰۱ - ۳۰۲ - ۳۰۳ - ۳۰۴ - ۳۰۵ - ۳۰۶ - ۳۰۷ - ۳۰۸ - ۳۰۹ - ۳۱۰ - ۳۱۱ - ۳۱۲ - ۳۱۳ - ۳۱۴ - ۳۱۵ - ۳۱۶ - ۳۱۷ - ۳۱۸ - ۳۱۹ - ۳۲۰ - ۳۲۱ - ۳۲۲ - ۳۲۳ - ۳۲۴ - ۳۲۵ - ۳۲۶ - ۳۲۷ - ۳۲۸ - ۳۲۹ - ۳۳۰ - ۳۳۱ - ۳۳۲ - ۳۳۳ - ۳۳۴ - ۳۳۵ - ۳۳۶ - ۳۳۷ - ۳۳۸ - ۳۳۹ - ۳۴۰ - ۳۴۱ - ۳۴۲ - ۳۴۳ - ۳۴۴ - ۳۴۵ - ۳۴۶ - ۳۴۷ - ۳۴۸ - ۳۴۹ - ۳۵۰ - ۳۵۱ - ۳۵۲ - ۳۵۳ - ۳۵۴ - ۳۵۵ - ۳۵۶ - ۳۵۷ - ۳۵۸ - ۳۵۹ - ۳۶۰ - ۳۶۱ - ۳۶۲ - ۳۶۳ - ۳۶۴ - ۳۶۵ - ۳۶۶ - ۳۶۷ - ۳۶۸ - ۳۶۹ - ۳۷۰ - ۳۷۱ - ۳۷۲ - ۳۷۳ - ۳۷۴ - ۳۷۵ - ۳۷۶ - ۳۷۷ - ۳۷۸ - ۳۷۹ - ۳۸۰ - ۳۸۱ - ۳۸۲ - ۳۸۳ - ۳۸۴ - ۳۸۵ - ۳۸۶ - ۳۸۷ - ۳۸۸ - ۳۸۹ - ۳۹۰ - ۳۹۱ - ۳۹۲ - ۳۹۳ - ۳۹۴ - ۳۹۵ - ۳۹۶ - ۳۹۷ - ۳۹۸ - ۳۹۹ - ۴۰۰ - ۴۰۱ - ۴۰۲ - ۴۰۳ - ۴۰۴ - ۴۰۵ - ۴۰۶ - ۴۰۷ - ۴۰۸ - ۴۰۹ - ۴۱۰ - ۴۱۱ - ۴۱۲ - ۴۱۳ - ۴۱۴ - ۴۱۵ - ۴۱۶ - ۴۱۷ - ۴۱۸ - ۴۱۹ - ۴۲۰ - ۴۲۱ - ۴۲۲ - ۴۲۳ - ۴۲۴ - ۴۲۵ - ۴۲۶ - ۴۲۷ - ۴۲۸ - ۴۲۹ - ۴۳۰ - ۴۳۱ - ۴۳۲ - ۴۳۳ - ۴۳۴ - ۴۳۵ - ۴۳۶ - ۴۳۷ - ۴۳۸ - ۴۳۹ - ۴۴۰ - ۴۴۱ - ۴۴۲ - ۴۴۳ - ۴۴۴ - ۴۴۵ - ۴۴۶ - ۴۴۷ - ۴۴۸ - ۴۴۹ - ۴۵۰ - ۴۵۱ - ۴۵۲ - ۴۵۳ - ۴۵۴ - ۴۵۵ - ۴۵۶ - ۴۵۷ - ۴۵۸ - ۴۵۹ - ۴۶۰ - ۴۶۱ - ۴۶۲ - ۴۶۳ - ۴۶۴ - ۴۶۵ - ۴۶۶ - ۴۶۷ - ۴۶۸ - ۴۶۹ - ۴۷۰ - ۴۷۱ - ۴۷۲ - ۴۷۳ - ۴۷۴ - ۴۷۵ - ۴۷۶ - ۴۷۷ - ۴۷۸ - ۴۷۹ - ۴۸۰ - ۴۸۱ - ۴۸۲ - ۴۸۳ - ۴۸۴ - ۴۸۵ - ۴۸۶ - ۴۸۷ - ۴۸۸ - ۴۸۹ - ۴۹۰ - ۴۹۱ - ۴۹۲ - ۴۹۳ - ۴۹۴ - ۴۹۵ - ۴۹۶ - ۴۹۷ - ۴۹۸ - ۴۹۹ - ۵۰۰ - ۵۰۱ - ۵۰۲ - ۵۰۳ - ۵۰۴ - ۵۰۵ - ۵۰۶ - ۵۰۷ - ۵۰۸ - ۵۰۹ - ۵۱۰ - ۵۱۱ - ۵۱۲ - ۵۱۳ - ۵۱۴ - ۵۱۵ - ۵۱۶ - ۵۱۷ - ۵۱۸ - ۵۱۹ - ۵۲۰ - ۵۲۱ - ۵۲۲ - ۵۲۳ - ۵۲۴ - ۵۲۵ - ۵۲۶ - ۵۲۷ - ۵۲۸ - ۵۲۹ - ۵۳۰ - ۵۳۱ - ۵۳۲ - ۵۳۳ - ۵۳۴ - ۵۳۵ - ۵۳۶ - ۵۳۷ - ۵۳۸ - ۵۳۹ - ۵۴۰ - ۵۴۱ - ۵۴۲ - ۵۴۳ - ۵۴۴ - ۵۴۵ - ۵۴۶ - ۵۴۷ - ۵۴۸ - ۵۴۹ - ۵۵۰ - ۵۵۱ - ۵۵۲ - ۵۵۳ - ۵۵۴ - ۵۵۵ - ۵۵۶ - ۵۵۷ - ۵۵۸ - ۵۵۹ - ۵۶۰ - ۵۶۱ - ۵۶۲ - ۵۶۳ - ۵۶۴ - ۵۶۵ - ۵۶۶ - ۵۶۷ - ۵۶۸ - ۵۶۹ - ۵۷۰ - ۵۷۱ - ۵۷۲ - ۵۷۳ - ۵۷۴ - ۵۷۵ - ۵۷۶ - ۵۷۷ - ۵۷۸ - ۵۷۹ - ۵۸۰ - ۵۸۱ - ۵۸۲ - ۵۸۳ - ۵۸۴ - ۵۸۵ - ۵۸۶ - ۵۸۷ - ۵۸۸ - ۵۸۹ - ۵۹۰ - ۵۹۱ - ۵۹۲ - ۵۹۳ - ۵۹۴ - ۵۹۵ - ۵۹۶ - ۵۹۷ - ۵۹۸ - ۵۹۹ - ۶۰۰ - ۶۰۱ - ۶۰۲ - ۶۰۳ - ۶۰۴ - ۶۰۵ - ۶۰۶ - ۶۰۷ - ۶۰۸ - ۶۰۹ - ۶۱۰ - ۶۱۱ - ۶۱۲ - ۶۱۳ - ۶۱۴ - ۶۱۵ - ۶۱۶ - ۶۱۷ - ۶۱۸ - ۶۱۹ - ۶۲۰ - ۶۲۱ - ۶۲۲ - ۶۲۳ - ۶۲۴ - ۶۲۵ - ۶۲۶ - ۶۲۷ - ۶۲۸ - ۶۲۹ - ۶۳۰ - ۶۳۱ - ۶۳۲ - ۶۳۳ - ۶۳۴ - ۶۳۵ - ۶۳۶ - ۶۳۷ - ۶۳۸ - ۶۳۹ - ۶۴۰ - ۶۴۱ - ۶۴۲ - ۶۴۳ - ۶۴۴ - ۶۴۵ - ۶۴۶ - ۶۴۷ - ۶۴۸ - ۶۴۹ - ۶۵۰ - ۶۵۱ - ۶۵۲ - ۶۵۳ - ۶۵۴ - ۶۵۵ - ۶۵۶ - ۶۵۷ - ۶۵۸ - ۶۵۹ - ۶۶۰ - ۶۶۱ - ۶۶۲ - ۶۶۳ - ۶۶۴ - ۶۶۵ - ۶۶۶ - ۶۶۷ - ۶۶۸ - ۶۶۹ - ۶۷۰ - ۶۷۱ - ۶۷۲ - ۶۷۳ - ۶۷۴ - ۶۷۵ - ۶۷۶ - ۶۷۷ - ۶۷۸ - ۶۷۹ - ۶۸۰ - ۶۸۱ - ۶۸۲ - ۶۸۳ - ۶۸۴ - ۶۸۵ - ۶۸۶ - ۶۸۷ - ۶۸۸ - ۶۸۹ - ۶۹۰ - ۶۹۱ - ۶۹۲ - ۶۹۳ - ۶۹۴ - ۶۹۵ - ۶۹۶ - ۶۹۷ - ۶۹۸ - ۶۹۹ - ۷۰۰ - ۷۰۱ - ۷۰۲ - ۷۰۳ - ۷۰۴ - ۷۰۵ - ۷۰۶ - ۷۰۷ - ۷۰۸ - ۷۰۹ - ۷۱۰ - ۷۱۱ - ۷۱۲ - ۷۱۳ - ۷۱۴ - ۷۱۵ - ۷۱۶ - ۷۱۷ - ۷۱۸ - ۷۱۹ - ۷۲۰ - ۷۲۱ - ۷۲۲ - ۷۲۳ - ۷۲۴ - ۷۲۵ - ۷۲۶ - ۷۲۷ - ۷۲۸ - ۷۲۹ - ۷۳۰ - ۷۳۱ - ۷۳۲ - ۷۳۳ - ۷۳۴ - ۷۳۵ - ۷۳۶ - ۷۳۷ - ۷۳۸ - ۷۳۹ - ۷۴۰ - ۷۴۱ - ۷۴۲ - ۷۴۳ - ۷۴۴ - ۷۴۵ - ۷۴۶ - ۷۴۷ - ۷۴۸ - ۷۴۹ - ۷۵۰ - ۷۵۱ - ۷۵۲ - ۷۵۳ - ۷۵۴ - ۷۵۵ - ۷۵۶ - ۷۵۷ - ۷۵۸ - ۷۵۹ - ۷۶۰ - ۷۶۱ - ۷۶۲ - ۷۶۳ - ۷۶۴ - ۷۶۵ - ۷۶۶ - ۷۶۷ - ۷۶۸ - ۷۶۹ - ۷۷۰ - ۷۷۱ - ۷۷۲ - ۷۷۳ - ۷۷۴ - ۷۷۵ - ۷۷۶ - ۷۷۷ - ۷۷۸ - ۷۷۹ - ۷۸۰ - ۷۸۱ - ۷۸۲ - ۷۸۳ - ۷۸۴ - ۷۸۵ - ۷۸۶ - ۷۸۷ - ۷۸۸ - ۷۸۹ - ۷۹۰ - ۷۹۱ - ۷۹۲ - ۷۹۳ - ۷۹۴ - ۷۹۵ - ۷۹۶ - ۷۹۷ - ۷۹۸ - ۷۹۹ - ۸۰۰ - ۸۰۱ - ۸۰۲ - ۸۰۳ - ۸۰۴ - ۸۰۵ - ۸۰۶ - ۸۰۷ - ۸۰۸ - ۸۰۹ - ۸۱۰ - ۸۱۱ - ۸۱۲ - ۸۱۳ - ۸۱۴ - ۸۱۵ - ۸۱۶ - ۸۱۷ - ۸۱۸ - ۸۱۹ - ۸۲۰ - ۸۲۱ - ۸۲۲ - ۸۲۳ - ۸۲۴ - ۸۲۵ - ۸۲۶ - ۸۲۷ - ۸۲۸ - ۸۲۹ - ۸۳۰ - ۸۳۱ - ۸۳۲ - ۸۳۳ - ۸۳۴ - ۸۳۵ - ۸۳۶ - ۸۳۷ - ۸۳۸ - ۸۳۹ - ۸۴۰ - ۸۴۱ - ۸۴۲ - ۸۴۳ - ۸۴۴ - ۸۴۵ - ۸۴۶ - ۸۴۷ - ۸۴۸ - ۸۴۹ - ۸۵۰ - ۸۵۱ - ۸۵۲ - ۸۵۳ - ۸۵۴ - ۸۵۵ - ۸۵۶ - ۸۵۷ - ۸۵۸ - ۸۵۹ - ۸۶۰ - ۸۶۱ - ۸۶۲ - ۸۶۳ - ۸۶۴ - ۸۶۵ - ۸۶۶ - ۸۶۷ - ۸۶۸ - ۸۶۹ - ۸۷۰ - ۸۷۱ - ۸۷۲ - ۸۷۳ - ۸۷۴ - ۸۷۵ - ۸۷۶ - ۸۷۷ - ۸۷۸ - ۸۷۹ - ۸۸۰ - ۸۸۱ - ۸۸۲ - ۸۸۳ - ۸۸۴ - ۸۸۵ - ۸۸۶ - ۸۸۷ - ۸۸۸ - ۸۸۹ - ۸۹۰ - ۸۹۱ - ۸۹۲ - ۸۹۳ - ۸۹۴ - ۸۹۵ - ۸۹۶ - ۸۹۷ - ۸۹۸ - ۸۹۹ - ۹۰۰ - ۹۰۱ - ۹۰۲ - ۹۰۳ - ۹۰۴ - ۹۰۵ - ۹۰۶ - ۹۰۷ - ۹۰۸ - ۹۰۹ - ۹۱۰ - ۹۱۱ - ۹۱۲ - ۹۱۳ - ۹۱۴ - ۹۱۵ - ۹۱۶ - ۹۱۷ - ۹۱۸ - ۹۱۹ - ۹۲۰ - ۹۲۱ - ۹۲۲ - ۹۲۳ - ۹۲۴ - ۹۲۵ - ۹۲۶ - ۹۲۷ - ۹۲۸ - ۹۲۹ - ۹۳۰ - ۹۳۱ - ۹۳۲ - ۹۳۳ - ۹۳۴ - ۹۳۵ - ۹۳۶ - ۹۳۷ - ۹۳۸ - ۹۳۹ - ۹۴۰ - ۹۴۱ - ۹۴۲ - ۹۴۳ - ۹۴۴ - ۹۴۵ - ۹۴۶ - ۹۴۷ - ۹۴۸ - ۹۴۹ - ۹۵۰ - ۹۵۱ - ۹۵۲ - ۹۵۳ - ۹۵۴ - ۹۵۵ - ۹۵۶ - ۹۵۷ - ۹۵۸ - ۹۵۹ - ۹۶۰ - ۹۶۱ - ۹۶۲ - ۹۶۳ - ۹۶۴ - ۹۶۵ - ۹۶۶ - ۹۶۷ - ۹۶۸ - ۹۶۹ - ۹۷۰ - ۹۷۱ - ۹۷۲ - ۹۷۳ - ۹۷۴ - ۹۷۵ - ۹۷۶ - ۹۷۷ - ۹۷۸ - ۹۷۹ - ۹۸۰ - ۹۸۱ - ۹۸۲ - ۹۸۳ - ۹۸۴ - ۹۸۵ - ۹۸۶ - ۹۸۷ - ۹۸۸ - ۹۸۹ - ۹۹۰ - ۹۹۱ - ۹۹۲ - ۹۹۳ - ۹۹۴ - ۹۹۵ - ۹۹۶ - ۹۹۷ - ۹۹۸ - ۹۹۹ - ۱۰۰۰ - ۱۰۰۱ - ۱۰۰۲ - ۱۰۰۳ - ۱۰۰۴ - ۱۰۰۵ - ۱۰۰۶ - ۱۰۰۷ - ۱۰۰۸ - ۱۰۰۹ - ۱۰۱۰ - ۱۰۱۱ - ۱۰۱۲ - ۱۰۱۳ - ۱۰۱۴ - ۱۰۱۵ - ۱۰۱۶ - ۱۰۱۷ - ۱۰۱۸ - ۱۰۱۹ - ۱۰۲۰ - ۱۰۲۱ - ۱۰۲۲ - ۱۰۲۳ - ۱۰۲۴ - ۱۰۲۵ - ۱۰۲۶ - ۱۰۲۷ - ۱۰۲۸ - ۱۰۲۹ - ۱۰۳۰ - ۱۰۳۱ - ۱۰۳۲ - ۱۰۳۳ - ۱۰۳۴ - ۱۰۳۵ - ۱۰۳۶ - ۱۰۳۷ - ۱۰۳۸ - ۱۰۳۹ - ۱۰۴۰ - ۱۰۴۱ - ۱۰۴۲ - ۱۰۴۳ - ۱۰۴۴ - ۱۰۴۵ - ۱۰۴۶ - ۱۰۴۷ - ۱۰۴۸ - ۱۰۴۹ - ۱۰۵۰ - ۱۰۵۱ - ۱۰۵۲ - ۱۰۵۳ - ۱۰۵۴ - ۱۰۵۵ - ۱۰۵۶ - ۱۰۵۷ - ۱۰۵۸ - ۱۰۵۹ - ۱۰۶۰ - ۱۰۶۱ - ۱۰۶۲ - ۱۰۶۳ - ۱۰۶۴ - ۱۰۶۵ - ۱۰۶۶ - ۱۰۶۷ - ۱۰۶۸ - ۱۰۶۹ - ۱۰۷۰ - ۱۰۷۱ - ۱۰۷۲ - ۱۰۷۳ - ۱۰۷۴ - ۱۰۷۵ - ۱۰۷۶ - ۱۰۷۷ - ۱۰۷۸ - ۱۰۷۹ - ۱۰۸۰ - ۱۰۸۱ - ۱۰۸۲ - ۱۰۸۳ - ۱۰۸۴ - ۱۰۸۵ - ۱۰۸۶ - ۱۰۸۷ - ۱۰۸۸ - ۱۰۸۹ - ۱۰۹۰ - ۱۰۹۱ - ۱۰۹۲ - ۱۰۹۳ - ۱۰۹۴ - ۱۰۹۵ - ۱۰۹۶ - ۱۰۹۷ - ۱۰۹۸ - ۱۰۹۹ - ۱۱۰۰ - ۱۱۰۱ - ۱۱۰۲ - ۱۱۰۳ - ۱۱۰۴ - ۱۱۰۵ - ۱۱۰۶ - ۱۱۰۷ - ۱۱۰۸ - ۱۱۰۹ - ۱۱۱۰ - ۱۱۱۱ - ۱۱۱۲ - ۱۱۱۳ - ۱۱۱۴ - ۱۱۱۵ - ۱۱۱۶ - ۱۱۱۷ - ۱۱۱۸ - ۱۱۱۹ - ۱۱۲۰ - ۱۱۲۱ - ۱۱۲۲ - ۱۱۲۳ - ۱۱۲۴ - ۱۱۲۵ - ۱۱۲۶ - ۱۱۲۷ - ۱۱۲۸ - ۱۱۲۹ - ۱۱۳۰ - ۱۱۳۱ - ۱۱۳۲ - ۱۱۳۳ - ۱۱۳۴ - ۱۱۳۵ - ۱۱۳۶ - ۱۱۳۷ - ۱۱۳۸ - ۱۱۳۹ - ۱۱۴۰ - ۱۱۴۱ - ۱۱۴۲ - ۱۱۴۳ - ۱۱۴۴ - ۱۱۴۵ - ۱۱۴۶ - ۱۱۴۷ - ۱۱۴۸ - ۱۱۴۹ - ۱۱۵۰ - ۱۱۵۱ - ۱۱۵۲ - ۱۱۵۳ - ۱۱۵۴ - ۱۱۵۵ - ۱۱۵۶ - ۱۱۵۷ - ۱۱۵۸ - ۱۱۵۹ - ۱۱۶۰ - ۱۱۶۱ - ۱۱۶۲ - ۱۱۶۳ - ۱۱۶۴ - ۱۱۶۵ - ۱۱۶۶ - ۱۱۶۷ - ۱۱۶۸ - ۱۱۶۹ - ۱۱۷۰ - ۱۱۷۱ - ۱۱۷۲ - ۱۱۷۳ - ۱۱۷۴ - ۱۱۷۵ - ۱۱۷۶ - ۱۱۷۷ - ۱۱۷۸ - ۱۱۷۹ - ۱۱۸۰ - ۱۱۸۱ - ۱۱۸۲ - ۱۱۸۳ - ۱۱۸۴ - ۱۱۸۵ - ۱۱۸۶ - ۱۱۸۷ - ۱۱۸۸ - ۱۱۸۹ - ۱۱۹۰ - ۱۱۹۱ - ۱۱۹۲ - ۱۱۹۳ - ۱۱۹۴ - ۱۱۹۵ - ۱۱۹۶ - ۱۱۹۷ - ۱۱۹۸ - ۱۱۹۹ - ۱۲۰۰ - ۱۲۰۱ - ۱۲۰۲ - ۱۲۰۳ - ۱۲۰۴ - ۱۲۰۵ - ۱۲۰۶ - ۱۲۰۷ - ۱۲۰۸ - ۱۲۰۹ - ۱۲۱۰ - ۱۲۱۱ - ۱۲۱۲ - ۱۲۱۳ - ۱۲۱۴ - ۱۲۱۵ - ۱۲۱۶ - ۱۲۱۷ - ۱۲۱۸ - ۱۲۱۹ - ۱۲۲۰ - ۱۲۲۱ - ۱۲۲۲ - ۱۲۲۳ - ۱۲۲۴ - ۱۲۲۵ - ۱۲۲۶ - ۱۲۲۷ - ۱۲۲۸ - ۱۲۲۹ - ۱۲۳۰ - ۱۲۳۱ - ۱۲۳۲ - ۱۲۳۳ - ۱۲۳۴ - ۱۲۳۵ - ۱۲۳۶ - ۱۲۳۷ - ۱۲۳۸ - ۱۲۳۹ - ۱۲۴۰ - ۱۲۴۱ - ۱۲۴۲ - ۱۲۴۳ - ۱۲۴۴ - ۱۲۴۵ - ۱۲۴۶ - ۱۲۴۷ - ۱۲۴۸ - ۱۲۴۹ - ۱۲۵۰ - ۱۲۵۱ - ۱۲۵۲ - ۱۲۵۳ - ۱۲۵۴ - ۱۲۵۵ - ۱۲۵۶ - ۱۲۵۷ - ۱۲۵۸ - ۱۲۵۹ - ۱۲۶۰ - ۱۲۶۱ - ۱۲۶۲ - ۱۲۶۳ - ۱۲۶۴ - ۱۲۶۵ - ۱۲۶۶ - ۱۲۶۷ - ۱۲۶۸ - ۱۲۶۹ - ۱۲۷۰ - ۱۲۷۱ - ۱۲۷۲ - ۱۲۷۳ - ۱۲۷۴ - ۱۲۷۵ - ۱۲۷۶ - ۱۲۷۷ - ۱۲۷۸ - ۱۲۷۹ - ۱۲۸۰ - ۱۲۸۱ - ۱۲۸۲ - ۱۲۸۳ - ۱۲۸۴ - ۱۲۸۵ - ۱۲۸۶ - ۱۲۸۷ - ۱۲۸۸ - ۱۲۸۹ - ۱۲۹۰ - ۱۲۹۱ - ۱۲۹۲ - ۱۲۹۳ - ۱۲۹۴ - ۱۲۹۵ - ۱۲۹۶ - ۱۲۹۷ - ۱۲۹۸ - ۱۲۹۹ - ۱۳۰۰ - ۱۳۰۱ - ۱۳۰۲ - ۱۳۰۳ - ۱۳۰۴ - ۱۳۰۵ - ۱۳۰۶ - ۱۳۰۷ - ۱۳۰۸ - ۱۳۰۹ - ۱۳۱۰ - ۱۳۱۱ - ۱۳۱۲ - ۱۳۱۳ - ۱۳۱۴ - ۱۳۱۵ - ۱۳۱۶ - ۱۳۱۷ - ۱۳۱۸ - ۱۳۱۹ - ۱۳۲۰ - ۱۳۲۱ - ۱۳۲۲ - ۱۳۲۳ - ۱۳۲۴ - ۱۳۲۵ - ۱۳۲۶ - ۱۳۲۷ - ۱۳۲۸ - ۱۳۲۹ - ۱۳۳۰ - ۱۳۳۱ - ۱۳۳۲ - ۱۳۳۳ - ۱۳۳۴ - ۱۳۳۵ - ۱۳۳۶ - ۱۳۳۷ - ۱۳۳۸ - ۱۳۳۹ - ۱۳۴۰ - ۱۳۴۱ - ۱۳۴۲ - ۱۳۴۳ - ۱۳۴۴ - ۱۳۴۵ - ۱۳۴۶ - ۱۳۴۷ - ۱۳۴۸ - ۱۳۴۹ - ۱۳۵۰ - ۱۳۵۱ - ۱۳۵۲ - ۱۳۵۳ - ۱۳۵۴ - ۱۳۵۵ - ۱۳۵۶ - ۱۳۵۷ - ۱۳۵۸ - ۱۳۵۹ - ۱۳۶۰ - ۱۳۶۱ - ۱۳۶۲ - ۱۳۶۳ - ۱۳۶۴ - ۱۳۶۵ - ۱۳۶۶ - ۱۳۶۷ - ۱۳۶۸ - ۱۳۶۹ - ۱۳۷۰ - ۱۳۷۱ - ۱۳۷۲ - ۱۳۷۳ - ۱۳۷۴ - ۱۳۷۵ - ۱۳۷۶ - ۱۳۷۷ - ۱۳۷۸ - ۱۳۷۹ - ۱۳۸۰ - ۱۳۸۱ - ۱۳۸۲ - ۱۳۸۳ - ۱۳۸۴ - ۱۳۸۵ - ۱۳۸۶ - ۱۳۸۷ - ۱۳۸۸ - ۱۳۸۹ - ۱۳۹۰ - ۱۳۹۱ - ۱۳۹۲ - ۱۳۹۳ - ۱۳۹۴ - ۱۳۹۵ - ۱۳۹۶ - ۱۳۹۷ - ۱۳۹۸ - ۱۳۹۹ - ۱۴۰۰ - ۱۴۰۱ - ۱۴۰۲ - ۱۴۰۳ - ۱۴۰۴ - ۱۴۰۵ - ۱۴۰۶ - ۱۴۰۷ - ۱۴۰۸ - ۱۴۰۹ - ۱۴۱۰ - ۱۴۱۱ - ۱۴۱۲ - ۱۴۱۳ - ۱۴۱۴ - ۱۴۱۵ - ۱۴۱۶ - ۱۴۱۷ - ۱۴۱۸ - ۱۴۱۹ - ۱۴۲۰ - ۱۴۲۱ - ۱۴۲۲ - ۱۴۲۳ - ۱۴۲۴ - ۱۴۲۵ - ۱۴۲۶ - ۱۴۲۷ - ۱۴۲۸ - ۱۴۲۹ - ۱۴۳۰ - ۱۴۳۱ - ۱۴۳۲ - ۱۴۳۳ - ۱۴۳۴ - ۱۴۳۵ - ۱۴۳۶ - ۱۴۳۷ - ۱۴۳۸ - ۱۴۳۹ - ۱۴۴۰ - ۱۴۴۱ - ۱۴۴۲ - ۱۴۴۳ - ۱۴۴۴ - ۱۴۴۵ - ۱۴۴۶ - ۱۴۴۷ - ۱۴۴۸ - ۱۴۴۹ - ۱۴۵۰ - ۱۴۵۱ - ۱۴۵۲ - ۱۴۵۳ - ۱۴۵۴ - ۱۴۵۵ - ۱۴۵۶ - ۱۴۵۷ - ۱۴۵۸ - ۱۴۵۹ - ۱۴۶۰ - ۱۴۶۱ - ۱۴۶۲ - ۱۴۶۳ - ۱۴۶۴ - ۱۴۶۵ - ۱۴۶۶ - ۱۴۶۷ - ۱۴۶۸ - ۱۴۶۹ - ۱۴۷۰ - ۱۴۷۱ - ۱۴۷۲ - ۱۴۷۳ - ۱۴۷۴ - ۱۴۷۵ - ۱۴۷۶ - ۱۴۷۷ - ۱۴۷۸ - ۱۴۷۹ - ۱۴۸۰ - ۱۴۸۱ - ۱۴۸۲ - ۱۴۸۳ - ۱۴۸۴ - ۱۴۸۵ - ۱۴۸

(۲) انما الموالی فمن كان له ابوان  
فی الاسلام فصاعدا فهو من  
الاکفاء یعنی من له ابوان فی  
الاسلام لان تمام النسب بالاب  
والجد ومن اسلم بنفسه لایكون  
کفو لمن له اب واحد فی الاسلام  
• • • • •

(۳) وتعتبر ايضا فی الدین ای الدیانة  
وهذا قول ابی حنیفة ر و  
ابی یوسف وهو الصحیح لانه من اعلی  
المفاخر والمروة تعیر بفسق الزوج  
فوق ما تعیر بضعفة نسبه ۛ

(۴) وتعتبر فی الحال وهو ان یكون  
مائگا للمهر والنفقة وهذا هو  
المعتبر فی ظاهر الروایة حتی ان  
من لا یملکها اولا یملک احد هما  
لا یكون کفو لان المهر بدل البضع  
فلا بد من ایفاء ۛ

(۵) وتعتبر فی الصنائع وهذا عند  
ابی یوسف ومحمد وعن ابی حنیفة

جس کے باپ دادا اور تک مسلمان ہیں وہ  
برابر ہے جس کے صرف باپ دادا مسلمان  
ہیں یعنی آپس میں نکاح کر سکتے ہیں۔ اور  
اسکی وجہ یہ ہے کہ نسب باپ دادا سے مکمل  
ہوتا ہے۔ اور جو تنہا مسلمان ہے وہ کفو نہیں ہے  
جس کا باپ مسلمان ہے (یعنی نو مسلم اس کی  
بیٹی سے نکاح نہیں کر سکتا ہے)

امام ابو حنیفہؒ اور یوسفؒ کے نزدیک دینداری  
میں بھی برابری کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ  
یہ سب سے بڑی فخر کی چیز ہے  
عورت ضعف نسب سے اتنا عار نہیں کرتی جتنا  
شوہر کی بد دینی سے کرتی ہے۔

مال میں برابری کا لحاظ ہو گا اس کا مطلب  
یہ ہے کہ شوہر میں مہر اور نان و نفقہ کے  
دینے کی استطاعت ہو۔ اگر کسی میں دونوں کی  
یا ایک کی بھی استطاعت نہیں ہے تو وہ کفو  
نہیں ہو گا۔ اس لئے کہ مہر بدل ہے اور  
اس کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔

صاحبین کے نزدیک پیشہ کے لحاظ سے بھی  
برابری دیکھی جائے گی۔ امام ابو حنیفہؒ سے



فی ذلک روایتان وعن ابی یوسف  
انه لا تعتبر الا ان تفحش كالجأ  
والعائک والدباغ وجه الاعتبار  
ان الناس يتفاخرون لشرف الحرف  
ويتعبدون بدنائتها وجه القول  
الآخر ان الحرفة ليست بلازمة  
يمكن التحول عن الخسيسة الى  
النفيسة منها له

اس بارے میں دو روایت ہے۔ امام  
یوسف سے منقول ہے۔ جب پیشہ میں  
زیادہ تفاوت ہو جیسے حجام۔ زرباف،  
رنگریز۔ تب اعتبار ہو گا ورنہ نہیں۔ کیونکہ  
لوگ پیشہ کی شرافت اور عدم شرافت سے  
فخر و عار کرتے ہیں۔ دوسرے قول کی وجہ یہ  
ہے کہ پیشہ کوئی دائمی چیز نہیں ہے۔ آج  
معمولی پیشہ کل اچھا بن سکتا ہے۔

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ کفارت کے جو یہ پانچ شعبے بیان کئے گئے ہیں ان کی  
احادیث میں کہاں تک صراحت موجود ہے۔ اور نیز ان پانچوں شعبوں کا موجودہ وقت میں  
حفاظ کرنا کس حد تک ضروری ہے۔

نسب کے بارے میں حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ

لم يثبت في اعتبار الكفاءة بالنسب  
حديثاً وما اخرج البزار من  
حديث معاذ رفعه "العرب بعضهم  
أكفاء بعض والموالي بعضهم أكفاء  
بعض"، فأسناداً ضعيفاً ---  
واحتم البیهقي من حديث واثله  
مرفوعاً ان الله اصطفى ابني كنانة  
من بني اسماعيل - الحديث، و

کفارت بالنسب میں کوئی حدیث صحیحہ  
ثابت نہیں اور حضرت معاذ رضی کی حدیث  
مرفوعہ "العرب بعضهم أكفاء بعض الخ"  
جس کی بزار نے تخریج کی ہے۔ اس کی اسناد  
ضعیف ہے۔

اور بیہقی نے حضرت واثلہ کی حدیث مرفوعہ  
ان اصطفى الخ سے استدلال کیا ہے  
یہ حدیث تو اپنی جگہ صحیح ہے اور سلم نے

هو صحيحه اخرجہ مسلم . لكن في الاحتجاج به لذلک نظرہ  
بھی اس کی تخریج کی ہے لیکن زیر بحث مسئلہ میں اس سے استدلال کرنا محل نظر ہے

دیکھا آپ نے یہ علامہ ابن حجر ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ نسب کے سلسلہ میں کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں ہے۔ ایک دو حدیث ایسی ہیں جن سے استدلال کر سکتے ہیں لیکن ان سے بھی استدلال محل نظر ہے۔ نیز صحابہ کرام کی مبارک زندگی سے اور ان کے طرز عمل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نسب میں برابری کوئی لازمی نہیں ہے حضرت مقداد ابن اسود کندی ہیں اور ضباعہ بنت زبیر کے شوہر ہیں اور ضباعہ ہاشمیہ ہیں اور نسباً مقداد ابن اسود سے اعلیٰ ہیں۔ سوچنے کی بات ہے اگر کفارت ضروری ہوتی تو ان کیلئے یہ نکاح جائز نہ ہوتا۔

فلولا الکفاءة لا تعتبر بالنسب  
لما جاز له ان يتزوجها لانها فوقه في النسب  
اگر نسب میں کفارت کی پابندی ضروری ہوتی تو ان سے نکاح کرنا جائز نہ ہوتا۔  
اس لئے کہ ضباعہ ان سے نسب میں اعلیٰ تھیں

ایک دوسری مثال ملاحظہ ہو۔ مولانا تقی امینی نے اپنی کتاب میں "ازالة الخفاء" حصہ دوم کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

حضرت عمرؓ نے دلی کی مرضی کے خلاف غیر کفور میں نکاح کا حکم دیا۔ جس کی ہوت یہ ہوئی کہ موالی (آزاد شدہ غلاموں) میں سے ایک مالدار شخص نے قریشی کی بہن کو پیغام بھیجا۔ قریشی نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ۔

ان لنا حسباً دانه ليس بها  
بکفور۔ ہم حسب نسب واکہیں اور وہ طرکی کا کفور نہیں۔

جب اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو پہونچی تو اپنے قریشی کو بلا کر کہا وہ مالدار بھی ہے اور پرہیزگار بھی۔ اگر بہن راضی ہے تو نکاح کر دو۔

زَوْجِ الرَّجُلِ اِنْ كَانَتْ رَاضِيَةً      اگر لڑکی راضی ہے تو اس سے نکاح کر دو۔  
چنانچہ بھائی نے جا کر پوچھا تو لڑکی راضی ہو گئی۔ اور نکاح کر دیا گیا۔

فَرَّاجُهَا اخُوَهَا فَرَضِيَّت      بھائی نے جب اس سے مراجعت کی تو وہ  
راضی ہو گئی اور اس سے نکاح کر دیا۔

یہ کوئی معاشقہ کا معاملہ نہیں تھا کہ حضرت عمرؓ نے مجبور ہو کر فیصلہ کیا ہو بلکہ  
حسب و نسب کے "بٹ" کو توڑنا، مقصود تھا جس کے آہنی پنجہ میں اب مسلم  
معاشرہ گرفتار ہو گیا ہے۔

اس طرح کی بہت سی مثالیں اور واقعات ہیں کوئی استقصاء مقصود نہیں بطور نمونہ  
دو مثالیں پیش کر دی گئیں۔

نکاح میں اسلام کے لحاظ سے بھی کفارت (برابری) کا اعتبار کیا گیا ہے۔ یعنی  
لڑکی کے باپ مسلمان ہوں تو لڑکے باپ بھی مسلمان ہوں۔ لڑکی کے باپ دادا دونوں  
مسلمان ہیں تو لڑکے کے باپ دادا بھی مسلمان ہونا ضروری ہے۔ لڑکا تو مسلم ہے اور  
لڑکی مسلمان ہے اور اس کے باپ بھی مسلمان ہیں تو ان دونوں میں نکاح نہیں  
ہو سکتا۔

لیکن اس سے متعلق ناچیز کی نظر سے کوئی ایسی حدیث نہیں گذری جس میں اسکی  
صراحت موجود ہو۔ اگر نکاح میں اس کا خیال کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تو مسلم  
بے چارہ موروثی مسلمان کا کفو ہو ہی نہیں سکتا اور اس کی لڑکی سے رشتہ مناکحت  
بھی نہیں کر سکتا۔

سوچنے کی بات ہے اگر اسلام میں اس کا خیال کیا جاتا تو قرن اول میں جو بہت  
سے صحابہ اسلام میں داخل ہوئے اور وہ کسی کے غلام یا آزاد شدہ غلام تھے۔ وہ  
دوسرے صحابہ کے کفو نہیں ہو سکتے اور ان کی لڑکیوں سے شادی نہیں کر سکتے تھے مگر



ایسا بالکل نہیں تھا۔ اور اس کے ملحوظ نہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم خاص حضرت زید بن حارثہ کا نکاح ایک ہاشمی خاتون زینب بنت جحش سے کر دیا۔ پھر اس نیک بی بی کی قسمت دیکھئے کہ آگے چل کر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آجاتی ہیں اور دنیا کے مسلمانوں کی ماں بن جاتی ہیں سچ پوچھئے تو نفقہ کے اس باب سے غیروں کو اسلام پر اعتراض کرنے کا موقع فراہم ہوتا ہے۔ اسلام کی تعلیم اخوت و مساوات پر کاری ضرب لگتی ہے۔ اور العیاذ باللہ اسلام کا دامن وسعت کا وجود تنگ نظر آتا ہے۔ چنانچہ ایک دو نہیں بہت سے ایسے واقعات پیش آتے۔ ہمارے مسلم معاشرہ میں اس تنگی کو دیکھ کر کئی ایک خاندان اسلام قبول کرتے کرتے رک گئے کہ ہماری بچیوں کا کیا ہو گا۔

نہایت انسوس کی بات ہے۔ آج بھی یہ نظریہ مسلم معاشرہ میں موجود ہے اور نو مسلم کو اپنی بیٹی دینے اور لینے میں عار اور ذلت محسوس کرتے ہیں۔ جب کہ انصار نے اس کو فخر سمجھا اور مہاجرین کی جہاں مال و دولت گھر بار سے مدد کی وہیں اپنی زائد بیویوں کو طلاق دے کر اور نیز اپنی لڑکیوں سے شادی کر کے تعاون باہمی کی اعلیٰ مثال قائم کر رکھا

فجزاهم اللہ جزاء ادا ثمًا قائمًا الی یوم القیامۃ

اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو یقیناً جہنم ان کے لئے عرصہ حیات تنگ کر رہے ہیں۔ اور اسلام کے دامن کو باوجود وسعت کے محدود کر رہے ہیں۔ اور ان کے اسلام کے لئے روک بن رہے ہیں۔ جب کہ اسلام سب کے لئے رحمت بن کر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فعل کو معاف نہیں کر سکتا ہے۔ ہم کو اس قید و بند سے اپنے معاشرہ کو پاک کرنا چاہئے۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرًا

کتب نفقہ میں کفارت کا ایک شعبہ صنعت و حرفت (دستکاری اور پیشہ) میں کیا گیا ہے۔ یعنی نکاح میں اس لحاظ سے بھی برابری کا خیال رکھا گیا ہے۔ لیکن اس کا

بھی دار و مدار دیگر شعبوں کی طرح باہمی تفاخر کے سوا اور کچھ نہیں۔ حدیث میں کہیں وضاحت نہیں کہ لڑکے اور لڑکی پیشہ کے لحاظ سے برابر ہوں اگر پیشہ میں مختلف ہوں گے تو ان میں شادی درست نہیں ہوگی۔

درحقیقت نکاح میں حسب نسب، مال و دولت اور صنعت و حرفت کا خیال باہمی تفاخر پر مبنی ہے جن کی ہمارے ناقص خیال میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔ وہاں تو صرف اور صرف تقویٰ و طہارت کی قدر و قیمت ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اقْتَرَاكُمْ  
 ۞ (آیت) ۞  
 اللہ کے نزدیک وہ بندہ مکرم ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے

اس لئے کہ حسب و نسب، مال و دولت اور صنعت و حرفت کوئی مستقل چیز نہیں ہیں۔ آج جاہ و جلال ہے کل اس سے محرومی ہے۔ آج ایک آدمی مالدار اور صاحب ثروت ہے کل وہی کاسہ گدائی لئے دربدر پھرتا نظر آتا ہے۔ آج ایک شخص فقیر ہے کل مالدار ہے۔ غرض مال و دولت آنے جانے والی چیز ہے۔

الماں عاید و راج - مال صبح آیا شام کو چلا گیا۔ شام کو آیا صبح چلا گیا

جس چیز کی یہ پوزیشن ہو اس پر فخر کرنا اور اس میں برابری کا خیال کرنا بے کار سی بات ہے۔ حرفت (پیشہ) کی صورت حال بھی کچھ ایسی ہے۔ آج ایک پیشہ باعزت سمجھا جاتا ہے۔ لیکن وہی پیشہ بعد میں کسی وجہ سے حقیر سمجھا جانے لگتا ہے۔ آج ایک پیشہ حقیر ہے کل وہی باعزت ہے۔ پیشہ کی حقارت و عزت کوئی مستقل نہیں ہے۔ حالات کے ساتھ تبدیلی آتی رہتی ہے۔

إِنَّ الْحَرْفَةَ لَيْسَتْ بِلَازِمَةٍ وَمِمَّنْ  
 التحول عن الخبيسة إلى النفيسة  
 پیشہ کوئی لازمی شے نہیں ہے۔ معمولی پیشہ  
 کل اچھا بن سکتا ہے۔

اور بات دراصل یہ ہے کہ پیشہ جائز ہے تو اس کے اپنانے اور اختیار کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔ کسب حلال کی بنا پر اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک محبوب ہے۔ برعکس اس کے ایک پیشہ لوگوں میں باعزت ہے لیکن اس کے ذرائع آمدنی خلاف شرع ہیں تو باوجود باعزت و شرافت کے وہ پیشہ عذر اللہ مبغوض ہے۔

حاصل یہ کہ پیشہ کی شرافت و حقارت کوئی قابل اعتبار چیز نہیں ہے۔ اور نہ اس کی وجہ سے آدمی شریف و حقیر بنتا ہے۔ اس لئے نکاح میں اس پہلو سے برابری ہمارے خیال میں مناسب نہیں۔ مختلف پیشے کے لوگ آپس میں رشتہ مناکحت قائم کر سکتے ہیں۔

محدث کبیر اور محقق شہیر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عظمیٰ جن کی بات بہت تحقیقی ہوتی ہے اور دلیل میں پیش کی جاتی ہے۔ اپنی تازہ تصنیف "تذکرۃ الساجین" میں ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جو پڑھنے کے ساتھ سبق لینے کے قابل ہے۔ لکھتے ہیں۔

قَتْلُ بنت قیس۔ یہ باعزت خاتون اشعث بن قیس صحابی کی بہن تھیں۔ ان کا ذکر بھی صحابہ کے ذیل میں ہونا چاہئے تھا۔ مگر بھول سے وہاں ان کا ذکر نہیں ہو سکا۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اشعث کے والد کپڑا بننے میں بڑے ماہر اور ان کو بڑی دھپسی تھی اس کی شہادت حضرت علیؓ نے دی ہے۔ وہ اشعث کو حائک بن حاک کہا کرتے تھے۔ قَتْلُ انھیں قیس کی بیٹی اور اشعث کی بہن تھیں۔ اللہ نے اس کپڑا بننے والے کو وہ عزت بخشی جس سے بڑی کوئی عزت نہیں ہو سکتی۔ یہ کپڑا بننے والا اس بات پر جتنا فخر کرے کم ہے کہ سرکارِ دو جہاں اشرف انبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی لڑکی قتیلہ کو قبول فرمایا تھا قتیلہ مین میں تھیں۔ اور ان کے بھائی اشعث نے دلی بن کر ان کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ میں کر دیا تھا یہ نکاح سنہ ۱۰ کے آخر میں ہوا تھا قتیلہ مین سے ابھی رحمت ہو کر نہیں آئی تھیں کہ نصف صفر ۱۱



میں حضورؐ کی بیماری شروع ہوئی۔ اور ابن عبدالبر کے بیان کے مطابق ۲ ربیع الاول ۳۸۷ھ کو آپؐ کی وفات سے دنیا میں اندھیرا چھا گیا۔

دوسرا بیان یہ ہے کہ وفات سے دو ماہ پیشتر نکاح ہوا۔ تیسرا بیان یہ ہے کہ آپؐ کی آخری بیماری میں نکاح ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں وصیت کی تھی کہ ان کو اختیار ہے کہ دوسری ازواج مطہرات کی طرح ان پر بھی قانون حجاب نافذ اور حجاب قائم ہو ایسی صورت میں میرے بعد کسی سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا، دوسری صورت یہ ہے کہ وہ طلاق قبول کر لیں اور جس سے چاہیں نکاح کر لیں۔ انھوں نے دوسری صورت اختیار کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عکرمہ (صحابی) سے نکاح کر لیا۔

بُنکر گھرانے میں سب سے اعلیٰ اور نبی کا یہ رشتہ ان دستکاروں کیلئے سب سے بڑا مایہ افتخار ہے اور یہی اس بات کی مستحکم دلیل ہے کہ بننے والے کی بی بی ایک عربی بلکہ قریشی و ہاشمی بلکہ سب سے اشرف و اکرم ہاشمی کی کھور ہو سکتی ہے۔ اسی طرح وہ اس کی بھی کھور ہو سکتی ہے جو یہ پیشہ نہیں کرتا ہے۔

اس واقعہ کے نقل کرنے کے بعد حضرت والا نے لکھا۔ بات لکھی ہے جو سب کے لئے قابل لحاظ ہے۔ لکھتے ہیں۔

اس بحث میں فقہی کتابوں سے جو نقل کیا جاتا ہے۔ وہ سب غلط فہمی پر مبنی ہے۔

اس بحث میں اصل چیز دینداری ہے نکاح میں کوئی چیز ہمیشہ نظر رکھنے کے قابل ہے تو وہ دینداری ہے۔ «دینداری» زندگی کا اصل معیار اور انسان کا اصل سرمایہ ہے۔ اسلئے اگر مہیاں بیوی دونوں دیندار ہیں تو ہم سمجھتے ہیں ان سے بہتر کوئی ہمسفر اور زندگی کا ساتھی نہیں۔ ہمیشہ مختلف ہو۔ حسب و نسب میں فرق ہو۔ لیکن تقویٰ و طہارت کی دولت نصیب ہو تو یہ ساری چیزیں ایک طرف اور دینداری ایک طرف۔ یقین جانتے

ان میں کبھی پیشہ اور نسب کے اختلاف اور ذاتی امتیاز کا تصور پیدا نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب بھی ہوگا دینداری اور خوفِ الہی مانع ہوگا۔ اسی وجہ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت تاکید کے ساتھ فرمایا۔

تنكح المرأة لأربع لمالها ولحسبها  
ولجمالها ولدینہا۔ فاظفر بذات  
الدین۔ قربت یذاک (الحديث)  
عورت سے چار چیزوں کی بناء پر شادی کی جاتی  
ہے۔ وہ یہ ہیں۔ مال۔ حسب۔ خوبصورتی اور  
دینداری۔ سود میزار والی سے شادی کر کے  
کامیابی حاصل کرو۔ تمہارے ہاتھ خاک آلود  
ہوں (ایسا نہ کرو تو)

اس لئے اگر ہم پورے جزم کے ساتھ کہیں تو غلط نہ ہوگا کہ نکاح میں صرف دینداری کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ حسبِ نسب اور دوسری چیزوں کو پیش نظر رکھنا بے سود ہے۔  
”امداد الفتاویٰ“ کتاب النکاح جلد دوم میں کفارت سے متعلق ایک سوال و جواب ہے  
مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جواب میں تحریر فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حسبِ نسب  
اور دوسری چیزوں میں کفارت کا دار و مدار عرف پر ہے۔ اور عرفی مسائل میں ہوتا یہ ہے  
کہ عرف بدل جانے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ سو کسی زمانہ میں حالات ایسے رہے ہوں گے  
جس کے مد نظر نکاح میں ان امور کا خیال کیا گیا۔ اب چونکہ مسلم معاشرہ میں خانہ زاد رسم و  
رواج اور مال و دولت اور نسب و پیشہ کی قید و بند کی وجہ سے بڑی پریشان کن  
صورت پیدا ہو گئی ہے۔ بہت سی مسلم بچیاں ان قید و بند سے بھور ہو کر یونہی زندگی گزارنے  
پر مجبور ہیں۔ ایسی صورت میں کفارت کی پابندی ہمارے خیال میں مزید الجھن کا باعث  
بنے گی۔ اس لئے موجودہ وقت میں اس کی رعایت ضروری نہیں ہونی چاہئے۔

لڑکی غیر کفور میں شادی کر لے تو اس کا نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔ لیکن فقہی کتابوں  
میں لکھا ہے کہ ولی کو حق نسخ حاصل ہوگا۔ قاضی کی عدالت میں نکاح ختم کر سکتا ہے۔

لیکن اگر کسی طبقہ کے افراد اس بات پر مصر ہوں کہ نہیں اسوقت بھی کفایت کی پابندی ضروری ہے تو ہم بعد ادب ان سے پوچھیں گے کہ نو مسلم کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ موروثی مسلمان کا کفر ہے یا نہیں۔ اس کی لڑکی سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ فقہی کتابوں سے سہارا لیں گے تو جواب نفی میں ملے گا اسوقت وہ نو مسلم کیا سوچے گا، اسلام کے بارے میں کیا خیال کرے گا۔ اسلام کی جانب سے اس کا دل متردد نہیں ہو گا، یقیناً ہو گا۔ اور خطرہ ہے کہ اسلام سے پھر جائے العیاذ باللہ۔

چنانچہ اس مجبوری کی وجہ سے مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے

نو مسلم کی اولاد کی شادی ہر مسلمان کی اولاد سے ہو سکتی ہے یہ بات نہیں کیے گئے نو مسلم اولاد کی شادی نو مسلم کے ساتھ ہو جو مسلمان یہ کہتا ہے کہ نو مسلم کی اولاد کی شادی نو مسلم سے ہونا چاہئے وہ جاہل اور اسلامی احکام سے نادانف ہے شریعت مقدسہ اسلامیہ نے ہر مسلمان کو موروثی مسلمان ہو یا نو مسلم ہو بھائی بھائی قرار دیا ہے اور ہر مسلم و نو مسلم ایک دوسرے سے مناکحت کا رشتہ کر سکتے ہیں کوئی ممانعت نہیں ہے جو مسلمان اپنے نو مسلم بھائی کو رشتہ دے گا وہ دوسرے ثواب کا مستحق ہو گا۔

اشرف الانبیاء سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے کے کام کرنے والے تیس کی لڑکی قتیلہ سے عقد فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ انھیں قتیلہ کے بھائی اشعث سے اپنی بہن ام فردہ کی شادی کر دی۔ حضرت عمر بن خطاب نے ایک قرشی لڑکی کو ایک آزاد شدہ مسلمان غلام کے عقد میں دینے کا حکم دیا۔



اسی طرح حضرت مقاداد بن اسود کی شادی ضباۃ بنت زبیر سے ہوئی۔ یہ اور ان جیسے صحابہ کرام کے دوسرے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ کفارت کی پابندی لازمی نہیں تھی۔ اگر بالفرض ہوتی تو یہ مبارک ہستیاں کبھی اس کے خلاف نہیں کرتیں۔

باقی یہ کہنا کہ یہ عقد نکاح ان کے اولیاء کی رضامندی سے ہوا اس وجہ سے درست ہے۔ اگر اُسے تسلیم بھی کریں تو ہم پوچھیں گے غیر کفو میں اولیاء کی رضامندی کے بغیر نکاح ہو تو اولیاء کو حق فسخ کہاں سے ثابت ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کسی روایت میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ لڑکی غیر کفو میں شادی کرے تو ولی کو نکاح فسخ کرنیکا حق ہوگا۔ جو لوگ حدیث پاک

أَلَا، لَا يَزُوجُ النِّسَاءَ إِلَّا الْأَوْلِيَاءُ عورتوں کا نکاح صرف ان کے اولیاء کریں  
وَلَا يَزُوجُنَّ إِلَّا مِنَ الْكَفَاءِ لہ اور کفو ہی میں ان کا عقد کریں

اور اس جیسی دوسری حدیث سے حق فسخ ثابت کرتے ہیں۔ درست نہیں ہے علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں حدیث مذکور کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

وَلَا دَلَالَةَ فِيهِ عَلَى أَنَّهَا اس حدیث میں اس بات پر دلالت نہیں  
إِذَا زُوجَتْ نَفْسَهَا مِنْ غَيْرِ ہے کہ جب عورت اپنا نکاح غیر کفو میں  
الْكَفْوُ ثَبَتَ لَهُمْ حَقُّ الْفُسْخِ لہ کرے تو اس کے اولیاء کو حق فسخ حاصل ہوگا  
آگے لکھتے ہیں۔

فَالْجَوَابُ أَنَّ حَاصِلَهُ أَنَّهَا اس کا حاصل یہ ہے کہ عورت کو منع کیا گیا  
مَنْهِيَّةٌ عَلَى تَزْوِيجِهَا نَفْسَهَا ہے کہ وہ غیر کفو میں نکاح کرے اور جب  
بغَيْرِ الْكَفْوِ فَإِذَا بَاشَرَتْ لَزِمَتْهَا ایسا کرے گی تو معصیت کی مرتکب ہوگی  
الْمَعْصِيَةُ وَلَا يَسْتَلْزِمُ أَنَّ لِلْوَلِيِّ (اس سے یہ) لازم نہیں ہوتا کہ ولی کو اس کے

فسخ کا حق ہو گا۔ ہاں اگر اس نکاح سے  
 دلی کو کوئی ضرر پہنچ رہا ہو تو اسے اس کے  
 دفع کرنے کا اختیار ہو گا۔ لیکن یہ نص کا  
 مدلول نہیں ہے۔

مذکورہ دونوں عبارتوں سے ظاہر ہے محبت غیر کفور میں نکاح کر لے تو دلی کے  
 لئے نص (حدیث مذکور) سے توحق فسخ ثابت نہیں ہوتا ہے۔ تاہم فقہاء نے  
 تصریح کی ہے کہ غیر کفور میں شادی سے اگر اولیاء کو کوئی خاص ضرر پہنچ رہا ہو  
 تو نکاح فسخ کرانے کا حق ہو گا۔ مثلاً عورت نے کسی غیر دیندار، شرابی اور کبابی  
 سے شادی کر لی تو ایسی صورت میں اولیاء کو یقیناً حق حاصل ہو گا تاہم نص کی علت  
 میں نکاح ختم کرا سکتے ہیں۔

دوسری عبارت کے پہلے جزو سے کسی کو اعتراض ہو سکتا ہے کہ جب غیر  
 کفور میں نکاح سے ممانعت ہے اور ایسا کرنے سے عورت گنہگار ہوتی ہے۔ تو  
 اس کا یہی مطلب ہے کہ کفارت کا اعتبار ہے ورنہ محصیت کا کوئی سوال نہیں۔  
 اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے۔ وہ یہ کہ حدیث مذکور کے رواد پر مقلدین نے  
 کلام کیا ہے اور اس سے کفارت پر استدلال کرنا محل نظر ہے۔ پھر تعلیہا  
 بانتظام المصالح سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی علت خانگی مصالح ہیں اور  
 بس۔ سو اگر یہ مصالح کفارت کی پابندی کے بغیر حاصل ہو جائیں تو اس کی ضرورت  
 نہیں ہے۔

سب تو سب نبی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور صحابہ کرام کے طرز عمل  
 اور ائمہ مجتہدین کے اختلاف اقوال سے بھی یہی آشکارا ہوتا ہے کہ کفارت کی پابندی  
 کوئی ضروری نہیں ہے۔

# پیغمبرِ اعظم اور ان کے اصحاب

از مولانا امام علی دہلوی - اذکارِ محمودیہ محمدی لکھنؤ

جس کے پاس کسی معیاری طبیہ کالج کی سند ہو۔ جس کے اخلاق و کردار سے مریض مطمئن ہو۔ جو نرم گفتار اور خوش اطوار ہو۔ جس کے طریق علاج میں سہولت ہو جو کم خرچ، صحت بخش دوائیں تجویز کرتا ہو اور جسے قدرت نے ایسا دستِ شفا عنایت فرمایا ہو کہ مایوس و نامراد بیمار بھی اس کے مطب سے صحت یاب ہو رہے ہوں ایسی خصوصیات رکھنے والا معالج صلاحیت و افادیت میں ممتاز اور ماہر فن قرار دیا جاتا ہے۔ عوام و خواص میں اس کی قابلیت کی دھوم مچ جاتی ہے۔

بلاشبہ اس مثال سے انبیاء کرام علیہم السلام کے بلند مقام کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روحانی معالج بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔ وہ اعتقادی و عملی فساد دور کرنے والے ربانی مصلح ہوتے ہیں رسالت و نبوت کے منصب پر فائز ہونے میں کسب و ارادہ کا قطعی دخل نہیں ہے۔ نبی و رسول ہونا اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے وہ جسے مناسب سمجھتا ہے اس کے پاس وحی



بیہوتا ہے حضرات انبیاء کی تعلیمات ان کا طریق اصلاح اور انداز تربیت پروردگار عالم کا تجویز کردہ ہوتا ہے۔ وہ اخلاق و عادات میں تمام دیگر مخلوق سے برتر ہوتے ہیں۔ اور ہر پیغمبر اپنے اپنے دور میں ہادی کامل کی حیثیت رکھتا ہے۔

**خاتم النبیین کی شان** | سب سے آخری دور میں سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا۔ جن کو نبی در رسول بنانے کے ساتھ ہی خاتم النبیین کا تمغہ عنایت ہوا۔ جن کو سید الاولین و آخرین اور امام الانبیاء بنایا گیا۔ جو لوہا الرحیم کے حامل اور صاحب مقام محمود ہوں گے۔ میدان حشر میں شفاعت کبریٰ کا تاج جن کے سر پر ہوگا۔ جن کی شریعت دائمی اور آفاقی ہے۔ جن پر نازل کی جانے والی کتاب محفوظ ہے اور تمام سابقہ کتب و صحائف کے لئے ناسخ ہے۔ جن کا پیش کردہ دستور تمام قوموں، ملکوں اور زمانوں کے لئے کافی ہے۔ جن کا اسوہ حسنہ ہمیشہ کے لئے مشعل ہدایت اور منارہ نور ہے۔ جن کی آمد کا مژدہ حضرت عیسیٰ بن مریم اور ان سے قبل کے تمام پیغمبروں نے سنایا جن کی بعثت کے لئے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے دعائیں مانگیں جن کی ذات ستودہ صفات کی مدح سرائی اور جن کے اصحاب کی توصیف توریت و انجیل میں بیان ہوئی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و صحبہ و بارکات و سلم۔

**اخلاق و کروار** | نبی اکرم ص کو خلق عظیم کا حامل بنایا گیا۔ ان کی صداقت و دیانت مسکین نوازی یتیم پروری کا اعتراف دشمنوں نے بھی کیا۔ اخلاق و عادات کی پاکیزگی و بلند ی کا یہ عالم تھا کہ جو مخالفین دعوت الی اللہ کی ذمہ داری ادا کرنے کو جرم سمجھتے تھے اور ہر طرح مزاحمت کرتے تھے راستہ میں کانٹے بچھانا پتھر برسانا۔ اہل ایمان کو پریشان کرنا، استانا جن کا مشغلہ تھا جنہوں نے وطن سے نکالا۔ جائیدادوں کو غصب کیا۔ قتل کرنے کی سازشیں کیں۔

میدان جنگ میں مقابلہ پر نکلنے کے لئے مجبور کیا ان مخالفین اور اعدائے دین کی ہدایت کے لئے پیکر احسان و کرم رحمۃ اللعین دعائیں کرتے رہے۔ اور جب خدائے پاک نے غلبہ تسلط دیا اور مکہ فتح ہو گیا۔ کتنا روح پرور رہے وہ اعلان جو زبان رسالت مآب سے ادا ہوا کہ

”آج تم پر کوئی گرفت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔“

کوئی انتقام نہیں لیا سب کو معاف فرما دیا بلکہ مزید احسانات سے نوازا۔ ابن ابی منافقوں کا سردار تھا۔ ہمیشہ مارا ستین بن کر نقصان پہنچانے کی سازشیں کرتا رہا جب وہ فوت ہوا اس کے صاحبزادے جو مومن مخلص تھے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ ان کی درخواست پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کرتا عنایت کیا کہ اس میں اپنے منافق باپ کو کفنا دو پھر اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اپنا پاک لعاب دہن اس منافق کے منہ میں ڈالا۔ اس طور سے اپنے مخلص و وفادار شخص (یعنی ابن ابی کے فرزند) کی غم خواری و دجلوئی فرما کر اس غم کو ہلکا کر دیا۔ جو ایک لڑکے کو باپ کی جدائی پر فطری طور سے ہوتا ہے۔ اور منافق کے احسان کا بدلہ بھی اسی دنیا میں چکا دیا۔ جو اس نے اپنا کرتا ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو دیکر کیا تھا۔

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں کھا کر دعائیں دیں

سلام اس پر کہ جس نے دشمنوں کو بھی قبا میں دیں،

اسوۂ نبوی رحمت و شفقت، مودت و الفت، احسان و کرم کے پھولوں سے

آراستہ ہے جس کی تفصیل کے لئے دفتر چاہئے۔

ان کی پیش کردہ تعلیمات انتہائی جامع و مکمل  
اور سادہ و آسان ہیں اور ہمیشہ کے لئے

**تعلیمات نبوی کی خصوصیت**

محفوظ ہیں کلام اللہ اس کی شہادت دے رہا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر یہ خوش



سنایا گیا۔

”آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ (سُورَٰنِ حٰکِم)

یہ خوشخبری سن کر ایک یہودی کہنے لگا ہمارے یہاں اگر اس قسم کی آیت کسی دن نازل ہوتی تو ہم اسے یوم عید بنا لیتے۔ محترم صحابی نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ انعام ایسے دن فرمایا جو پہلے ہی سے روزِ عید ہے۔ دینِ محمدی کے بارے میں یہ ناطق فیصلہ کر دیا گیا۔

”بلاشک دینِ اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔ اور جو شخص بھی اسلام کے علاوہ کسی دین کو اختیار کرے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہ ہو گا۔“ (سُورَٰنِ حٰکِم)

دائمی حفاظت کا وعدہ اس طرح کیا گیا۔

”بلاشک ہم نے ہمارے ذکر یعنی قرآن مجید کو نازل کیا اور ہم ہی ضرور اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (سُورَٰنِ حٰکِم)

”اسی اللہ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دیکر بھیجا تاکہ تمام دینوں پر غلبہ دلا دے۔ اگرچہ شرک کرنے والوں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔“ (قرآنِ حکیم)

دین کی اتباع اور قبولیت خداوندی کو پیغمبر کی پیروی میں منحصر کر دیا گیا۔

”آپ کہتے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ (قرآنِ حکیم)

شریعتِ اسلامیہ کے محفوظ و مکمل ہونے کی تائید عقلی و تاریخی شہادتوں سے بھی ہوتی ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں شریعت رہنمائی نہ کرتی ہو۔ انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، مقامی معاملہ ہو یا بین الاقوامی، ظاہری آراستگی ہو یا باطنی اصلاح، اقتصادی، سیاسی، تمدنی، معاشی وغیرہ ہر سطح پر ہر قدم پر شریعت



کی روشنی رہبری کرتی ہے۔ شریعت کا بنیادی مأخذ کتاب اللہ ہے۔ جس کی عملی تفسیر سنت مصطفیٰ ہے۔ کتاب اللہ کی طرح سنت مصطفیٰ بھی محفوظ ہے۔ ایک عیسائی مورخ اسوہ نبویؐ کے زندہ جادواں ہونے کی تاریخی شہادت دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ "یہ امر بالکل یقینی ہے کہ دنیا کی تمام مشہور شخصیتوں میں سے کسی کا نام بھی پیش نہیں کیا جاسکتا جس کی زندگی کے حالات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات زندگی کی طرح پوری دیانت و صحت اور تفصیل کے ساتھ مل سکتے ہوں" (بحوالہ مکتوبات نبوی ص ۳۸)

شریعت کا تیسرا اور چوتھا مأخذ اجماع امت اور اجتہاد فقہاء ہے یہ دونوں مأخذ علی الترتیب قیامت تک پیش آنے والے مسائل و حوادث میں عقل و فکر اور علم و تقویٰ کی روشنی میں ایسا حل پیش کرنے کی دعوت دیتے ہیں کہ جس سے ہر قسم کی وقتی ضرورت اور رہنمائی کی طلب پوری ہو سکتی ہے۔ اور محمد اللہ فقہا امت نے اجماع و اجتہاد کے مأخذوں سے کام لیکر شاندار خدمت انجام دی ہے تاریخ ملت جس کی شاہد ہے۔ یہ صرف امت مسلمہ کی خصوصیت ہے کہ ان کو پانی سے پاکی حاصل کرنے میں دشواری ہو تو مٹی سے پاک ہونے کی اجازت دی گئی پہلا کی ادائیگی میں قدرت و استطاعت کی قید لگائی گئی۔ معاملات میں تنگی و پریشانی دور کرنے کی گنجائش نکالنے کا علماء کو حکم دیا گیا۔ دفع حرج کو فقہ میں اصول مسلمہ کے طور پر استعمال کیا۔ خالق و مخلوق کے حقوق کی ادائیگی میں توازن و اعتدال برقرار رکھنے کا حکم دیا گیا۔ سہولت و تسہیل اور کمال و جامعیت اسلامی شریعت کے علاوہ کسی بھی نظام حیات اور مذہب میں موجود نہیں ہے۔ دین اسلام خدائی دستور ہے وہ فطرت انسانی کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جب کبھی کسی فرد یا جماعت نے اسلام کی اتباع کو اپنی جدوجہد کا محور و مرکز بنایا اس کا مستقبل

ہر قدم پر دونوں جہاں کی کامرانیوں نے کیا۔

اس سلسلہ میں سب نمایاں جماعت صحابہ کی  
**نبوی تعلیم و تربیت کی اثر انگیزی** ہے جو براہ راست بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی تعلیم و تربیت سے شرفیاب ہوئے جو ماہتاب نبوت سے اقتباس نور کر کے نجوم  
 ہدایت بنے۔ جو دنیا میں سب سے زیادہ پس ماندہ تھے وہ سب سے زیادہ ترقی یافتہ بن گئے  
 شرک و کفر اور معصیت و طغیان کی موجوں میں ڈوبے ہوئے رشد و ہدایت، توحید  
 حق پرستی اور علم و عمل کے پیکر بن کر کشتی انسانیت کے ناخدا بن گئے، اختلاف و  
 انتشار نفرت و تعصب کی تاریکیوں میں بھٹکنے والے اتحاد اتفاق اور محبت و ایثار کی  
 روشنی کا منارہ انوار ہو گئے۔

درفشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا : دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا  
 خونہ تھے جو راہ پر ادروں کے ہادی بن گئے : کیا نظر تھی جس نے مردوں کو سجا کر دیا  
 تیس سال کی مختصر ترین مدت میں خاتم النبیین کی تعلیم و تربیت سے جو انقلاب عظیم  
 رونما ہوا اس کی مثال کسی مذہبی، تاریخی اور اصلاحی انقلاب میں نہیں پیش کی  
 جاسکتی۔ جس سے تعلیمات نبوی کی اثر انگیزی اور انداز تربیت کی دلنشین کا اندازہ بخوبی  
 لگایا جاسکتا ہے۔

بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض محبت اور تعلیم و  
**صحابہ کرام کی عظمت** تربیت کے نتیجے میں صحابہ کرام کی وہ مقدس و پاکیزہ

جماعت تیار ہوئی جس کے فضائل و کمالات کا بیان کلام ربانی میں موجود ہے۔ سورۃ  
 الفتح میں آنحضرت کے رسول ہونے کا دعویٰ کر کے صحابہ کرام کے اسوۃ کردار کو  
 بطور دلیل پیش کر کے محبت تمام کی گئی ہے فرمایا گیا۔

”محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر زور آور ہیں“

اور آپس میں نرم دل ہیں آپ دیکھتے ہیں ان کو رکوع میں اور سجودے میں ڈھونڈتے ہیں۔ اللہ کا فضل اور اس کی خوشی ان کی نشانی ان کے چہروں میں ہے سجدہ کے اثر سے۔ یہ ان کی مثال توریت میں ہے۔ اور ان کی مثال انجیل میں یہ ہے جیسے کھیتی نے نکالا اپنا اکھوا پھر اس کا تنا مضبوط ہوا پھر موٹا ہوا پھر کھڑا ہو گیا اپنی شاخ پر کھیتی والوں کو پسند آتا ہے تاکہ ان سے کافروں کا دل جلے۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام دین کی ایسی کھیتی ہیں کہ جس کی سرسبزی و شادابی دیکھ کر ایمان والے خوش ہوتے ہیں اور کافر جلتے ہیں۔ سورۃ آل عمران میں صحابہ کرام کی باہمی محبت و مودت کو بطور احسان ذکر فرمایا ہے کہ:-

اور اللہ کا احسان یاد کرو اپنے اوپر جب کہ تھے تم آپس میں دشمن پھر الفت ڈال دی تمہارے دلوں میں اب ہو گئے اس کے فضل سے بھائی بھائی اور تم تھے نار دوزخ کے گڈھے کے کنارے پھر تم کو اس سے نجات دے گی سورۃ حجرات میں ان کے مومن کامل ہونے کی بشارت کتنے بلیغ انداز میں دی گئی ہے ارشاد ہے:-

”اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دل میں ایمان کی اور تمہارے دلوں میں اس کی رونق پیدا کر دی اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر و گناہ اور نافرمانی کی۔ یہی لوگ نیک راہ پر ہیں اللہ کے فضل اور احسان سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے۔“

سورۃ انفال میں ان کے لئے مغفرت و اجر عظیم ملنے کا وعدہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:-

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا



اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ سب بچے ایمان والے ہیں ان کے لئے مغفرت اور عزت والی رخصتی ہے۔

سورہ توبہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عقیدت رکھنے اور ان کے لئے دعائے خیر کرنے کو بعد والوں کے ایمان و قبولیت کا قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔

» اور ایمان و عمل میں آگے بڑھ جانے والے مہاجرین و انصار اور جنہوں نے ان کی پیروی کی نیکی میں ان شران سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ ان کے لئے جنتیں ہیں۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ہمیشہ ہمیشہ وہ ان میں رہیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خلافت و حکومت اور امن و استحکام دینے کا اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ قرآن پاک میں کیا تھا اُسے پورا فرمایا جو ان کی مقبولیت اور ایمان و عمل میں کاملیت کی روشن دلیل ہے۔

قرآن مجید کے مضامین کی تائید و تشریح احادیث طیبہ معیار حق و صداقت میں شرح و بسط کے ساتھ کی گئی ہے۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی درس گاہ کے ابتدائی شاگردوں کو امتیاز و فضیلت کی اہلی سند عنایت فرمائی ہے۔ جہاں ایک طرف آپ نے یہ فرمایا:-

» میں نے تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک ان کو مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت (موطا امام مالک)

وہاں دوسری جانب یہ بھی فرمادیا۔

» بنی اسرائیل بہتر فرقہ ہو گئے تھے اور میری امت میں بہتر فرقہ ہوں گے سوائے ایک فرقہ کے سب جہنمی ہیں۔ حاضرین نے پوچھا وہ کون فرقہ ہے آپ نے فرمایا صاف علیہ و اصحابی۔ جس طریقہ پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ (ترمذی)

کتاب و سنت کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے دعویدار بہت سے افراد اور فرقے ہو سکتے ہیں۔ ان تمام میں حق پرست اور صداقت شعار وہی قرار پائیں گے جو کتاب و سنت کے فہم اور اس کی تشریح و تعمیل میں اصحاب نبوی کے نشانات قدم پر گامزن ہوں گے۔ فرقہ بندی و نفیس پرستی کے دور میں حق و صداقت کا معیار صحابہ کرامؓ کے اس مضمون کی توثیق کے لئے درج ذیل ارشادِ انبویؐ و آثار کو بھی ملاحظہ کیجئے۔

۱۱، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک اللہ عز و جل نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کے بعد بندوں کے قلوب کو دیکھا تو ان کے اصحاب کے دلوں کو تمام بندوں کے دلوں سے اچھا پایا اسی بنا پر ان کو اپنے نبیؐ کا وزیر بنایا۔ سو جس کو مسلمان (صحابہ کرامؓ) اچھا سمجھیں وہی اللہ کے نزدیک اچھا ہے۔ (مسند احمد)

۱۲، جو میرے بعد زندہ رہے گا بہت اختلاف دیکھے گا۔ سو تم لازم کرو میرے طریقہ کو اور میرے خلفاء راشدینؓ پیکرِ ہدایت کے طریقہ کو اسی پر اعتماد کرو۔ اسی کو دانتوں سے پکڑو اور خبردار دین میں نئی باتوں سے بچنا دین میں ہر نئی بات بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱۳، میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے جس کی پیروی کرو گے نجات پا جاؤ گے۔ (مشکوٰۃ)

۱۴، میرے اصحابؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو میرے بعد ان کو اعتراض و تنقید کا نشانہ مت بنالینا جو ان سے محبت کرتا ہے۔ درحقیقت اس کو مجھ سے محبت ہے جس کے باعث ان سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض و نفرت رکھتا ہے۔ درحقیقت اس کو مجھ سے بغض و نفرت ہے جس کے

سبب ان سے بغض رکھتا ہے جو ان کو تکلیف دیتا ہے۔ وہ مجھے تکلیف دیتا ہے اور جو مجھے تکلیف دیتا ہے خدا کو تکلیف دیتا ہے اور جو خدا کو تکلیف دیتا ہے اُسے خدا تعالیٰ ضرور سزا دے گا۔ (ترمذی)

(۵) جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برائی سے یاد کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو تمہاری برائی پر اللہ کی لعنت ہو (ترمذی)

صحابہ بدر، اصحاب بیعت رضوان اور عشرہ مبشرہ و ازواج مطہرات اور بناتِ مطہرہ کے فضائل الگ سے بھی روایتوں میں آئے ہیں۔ جن سے صاف طور پر متعین ہوتا ہے کہ ایمان و اسلام اسی کا معتبر و مستند ہے جو اصحاب نبویؐ سے عقیدت و محبت رکھتا ہے اور حق و صداقت کا حامل دہی سمجھا جائے گا۔ جو طریق صحابہؓ کو راہِ عمل بنائے رہیگا۔ یہ وہ پاکباز، وفا شعار، حق پرست، صداقت نواز جماعت ہے۔ جس کی صلاحیت و راستبازی کا یقین و اعتراف کرنے پر ہر انصاف پسند مجبور ہے۔

غیر مسلم عیسائی کا اعترافِ حق | ایک عیسائی مؤرخ لکھتا ہے۔  
"عیسائی اس بات کو یاد رکھیں تو اچھا

ہے کہ محمدؐ کی تعلیم نے اس درجہ دینی نشہ ان کی پیروی کرنے والوں میں پیدا کر دیا تھا کہ جس کی مثال عیسیٰؑ کے ابتدائی پیروں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے اور ان کا مذہب اس تیزی سے پھیلا کہ جس کی مثال دین عیسویؑ میں نہیں ہے۔ چنانچہ پچاس سال سے کم مدت میں اسلام بہت سی عالیشان سرسبز سلطنتوں پر غالب آگیا۔"

دشمنانِ اسلام کی خفیہ سازش اور اس کا مقابلہ | اسلام کے دشمنوں نے میدانِ مقابلہ میں حجت و

برہانِ عیسیٰ و سناں و دونوں طرح شکست کھا جانے کے بعد مسلمانوں کو اسلام



کے خلاف ایسی خوفناک سازش کی جس سے ملت اسلامیہ کلرشتہ اسلام سے  
 منقطع ہو جاتا۔ اگر دین کی حفاظت کا خدائی وعدہ ظہور پذیر نہ ہوتا۔ سب سے پہلے  
 ابن سبا یہودیوں نے منافقانہ طور پر اسلام کا لبادہ پہن کر درگاہ نبوی کے  
 ابتدائی متعلمین و مسترشدین صحابہ کرام کے خلاف نفرت و عداوت کی مہم چلائی اور  
 جھوٹی محبت اہل بیت کا نعرہ بلند کیا جس کے پس پردہ اسلام کے حاطین اولین  
 سے مسلمانوں کو بدظن کرنا مقصود تھا اس فتنہ کی انتہا یہ ہوئی کہ اسلام کے نام پر  
 اسلام کے مقابل ایک متوازی مذہب تیار ہو گیا جس کا بنیادی عقیدہ یہ ہے۔  
 کہ دھالی نبوی کے بعد سوائے تین چار حضرات کے سب صحابہ مرتد ہو گئے تھے۔  
 (معاذ اللہ) یہ فتنہ آج بھی زندہ ہے اسی کی ایک شاخ خوارج تھے جو حضرت علی رضی  
 و امیر معاویہ دونوں حضرات اور ان کے ماننے والوں کو کافر کہتے تھے۔ اس کے بعد عقل  
 و استدلال کے نام پر اعتراض کا فتنہ رونما ہوا جس میں صحابہ کرام کے فہم پر اعتماد  
 کرنے کے بجائے کتاب و سنت کی من مانی تشریح پر زور دیا گیا۔ اس فتنہ کی  
 مثال موجودہ نیچری اور سائنسی نظریات سے مرعوب لوگ ہیں جو اسلامی عقائد و  
 احکام کی تشریح و توضیح میں صحابہ کرام اور اسلاف کو بنیادی اہمیت دینے سے  
 گریز کرتے ہیں اور کچھ لوگ خاندانی و ملکی رواجوں اور خیر القرون کے بعد کی رسموں کو دین  
 میں شامل رکھنے پر مہر ہیں۔ اسی طرح اسلام کے احیاء کا خوشنام عنوان اختیار کر کے  
 کچھ حضرات نئے نئے سیاسی نظریات جیسی تعبیر و تشریح کے سانچے میں اسلام کو  
 ڈھالنا چاہتے ہیں۔ اور صحابہ کرام و اسلاف امت کی فہم و بصیرت اور اسوۂ و نمونہ  
 عمل میں نقص تلاش کرنے کو حق پرستی سمجھتے ہیں۔ اس قسم کے تمام گروہوں کی  
 بنیادی غلطی یہی ہے کہ وہ دین کے ابتدائی حاطین و شارحین کو نظر انداز کر دیتے ہیں  
 ہیں ایسے دور پُر فتن میں شدید ضرورت ہے کہ اسلام کی سچی تعلیمات کی حفاظت

## قسط ۳

## حضرت نانوتوی اور عشق رسول

از حافظ مولانا محمد اقبال صاحب مانچسٹر

حضرت نانوتوی کے خلاف فاضل بریلوی نے جس عبارت کے ذریعہ کفر کا فتویٰ دیا تھا وہ آپ کی عبارت ہرگز نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے حضرت نانوتوی پر جو الزام منسوب کیا ہے پہلے اس عبارت کو پڑھئے !

اور قاسمیہ قاسم نانوتوی کی طرف منسوب جس کی تحذیر الناس ہے اور اس نے اپنے رسالہ میں کہا ہے کہ بلکہ بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔

(حسام الحرمین)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی نقل کردہ یہ عبارت "تحذیر الناس" میں اس طرح کسی مقام پر بھی نہیں ملتی۔ البتہ تحذیر الناس میں تین مختلف صفحات کی یہ تین مختلف سطر ہیں۔

مثلاً اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی نقل کردہ عبارت میں  
(۱) بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور  
باقی رہتا ہے۔ (تخذیر الناس کے ص ۱۷ پر ہے۔)

۲۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہوا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق  
نہ آئے گا۔ (تخذیر الناس ص ۱۸ پر ہے۔)

(۳) عوام کے خیال میں..... فضیلت نہیں۔ (تخذیر الناس ص ۱۷ پر ہے)  
اس کے علاوہ عربی ترجمہ میں ایک نہایت ہی افسوسناک خیانت اور تحریف کا ارتکاب  
کیا ہے۔ تخذیر الناس ص ۱۷ کی عبارت اس طرح تھی۔

مگر اہل فہم پر روشن ہو گا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ مگر  
اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اس کا عربی ترجمہ اس طرح کر کے پیش کیا!

مع انه لا فضل فيه اصلاً عند اهل الفهم

جس کا معنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے میں اہل فہم کے نزدیک  
بالکل فضیلت نہیں۔ فاضل بریلوی اس کا یہ ترجمہ کرتے ہوئے شاید خوف آخرت سے  
بالکل بے فکر ہو گئے ہوں گے۔

۴۔ حضرت مولانا نانوتویؒ کی عبارت میں بات بطور شرط، اگر بالفرض کے ساتھ  
بیان کی جا رہی تھی۔ اُسے خواہ مخواہ حضرت نانوتویؒ کا عقیدہ قرار دینا سراسر ناانصافی اور  
زیادتی ہے۔ کسی نہ ہونے والی بات کو بطور فرض کے بیان کرنا کبھی اہل علم کے یہاں قابل  
اعتراض نہیں سمجھا گیا ہے۔ خود قرآن کریم میں ہے۔

لو كان فيهما الهة الا الله لفسدتا

اگر ہوتے دونوں (زمین و آسمان) میں اور معبود سوائے اللہ کے تو دونوں خراب ہو جاتے  
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک زبان زد عوام و خواص ہے کہ!



لوکان بعدی بنی لکان عمر (جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۹۱) اگر میرے بعد کوئی بنی ہوتا تو عسمرؓ ہوتے۔

غور فرمائیے! اس سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ معاذ اللہ آپ کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بطور قضیہ فرضیہ کے بیان فرما رہے ہیں۔ نہ کہ اسکا اثبات فرما رہے ہیں۔ سیدنا مجدد الف ثانی شیخ احمد السمرہندیؒ نے بھی فرمایا کہ:

اگر فرضاً دریں امت پیغمبر مبعوث می شد موافق فقہ حنفی عمل میکرد (مکتوبات و فتاویٰ) ۲۸۲

اگر حضرت نانوتویؒ "اگر بالفرض" کہہ کر دائرہ ایمان سے خارج ہو گئے تو پھر ان کے نزدیک سیدنا مجدد الف ثانیؒ سے بھی یہی تصور سرزد ہوا ہے۔ اور وہ بھی ان کے فتوے کے زوہیں آگئے۔ خدا جانے اب کیا فتویٰ ہو گا؟۔ اگر سیدنا مجدد الف ثانیؒ اس عبارت کے باوجود مجدد الف ثانیؒ ہی ہیں اور یقیناً ہیں تو پھر حضرت نانوتویؒ پر انکار ختم نبوت کی تہمت آخر کن سیاسی مفاد کیلئے تھی؟

۳۔ حضرت مولانا نانوتویؒ نے تحذیر الناس میں جگہ جگہ ختم نبوت زبانی کاثبات فرمایا ہے مگر افسوس کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ان تمام عبارات کو یکسر انداز کر دیا۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

بمجلہ حرکات سلسلہ نبوت بھی تھی سو بوجہ حصول مقصود اعظم ذات محمدی صلی اللہ

علیہ وسلم وہ حرکت مبدل بہ سکون ہوئی البتہ اور حرکتیں ابھی باقی ہیں اور

زمانہ آخر میں آپ کے ظہور کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ (تحذیر الناس صفحہ ۶۱)

مطلب یہ ہے کہ کائنات کا مقصود اعظم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور قانون یہ ہے کہ کسی چیز کی حرکت اپنے مقصود پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے۔ لہذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے مبعوث ہونے پر زمانہ کی حرکت ختم ہو جانی چاہیے۔ حالانکہ یہ حرکت جاری ہے تو اسکا حضرت نانوتویؒ جواب دیتے ہیں کہ حرکات مختلف ہیں۔ ان میں سے ایک حرکت ہے

رسالت و نبوت کی۔ یہ حرکت حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی اور اپنے مقصود عظیم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچ کر ختم ہو گئی۔ اب یہ حرکت ختم ہو چکی ہے۔ اس حرکت کے اجراء کا قائل صریح اور قطعی کافر ہے۔ البتہ زمانہ کی باقی حرکات باقی ہیں۔ مثلاً انسانوں کی پیدائش، جمادات و نباتات کی تخلیق وغیرہ۔ (حاشیہ تھذیر الناس) حضرت نانوتویؒ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا عقیدہ اتنا اہم اور بنیادی ہے کہ جو شخص بھی اس کا انکار کرے آپ کے نزدیک وہ کافر ہے فرماتے ہیں۔

سو اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالۃ الترامی ضرور ثابت ہے۔ ادھر تصریحات نبویہ مثل انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ الا انتہ لابی بعدی او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے۔ اس باب میں کافی ہے کیونکہ یہ مضمون درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا ہے۔ گو الفاظ مذکور بسند متواتر منقول نہ ہو سکیں مگر تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی ہو گا جیسا تواتر اعداد رکعات فرائض و وتر وغیرہ باوجودیکہ الفاظ حدیث مشعر تعداد رکعات متواتر نہیں جیسا کہ ان کا منکر کافر ہو گا۔ ایسا ہی ان کا منکر بھی کافر ہو گا۔ (تھذیر الناس ص ۷۷)

حضرت نانوتویؒ کی اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا قرآن کریم کی آیت "ما کان محمد الا نبی" سے بطور دلالت مطابقی یا الترامی کے ثابت ہے۔

(۲-۳) احادیث متواترہ اور اجماع امت بھی ثابت ہے۔

اور اس کا منکر ایسا ہی کافر ہے جیسا کہ تعداد رکعات کا منکر کافر ہے۔  
غور کیجئے۔ حضرت نانوتویؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کو دلائل  
علیہ سے ثابت فرما رہے ہیں اور اس کے منکر کو دائرہ ایمان سے خارج قرار دیتے  
ہیں۔ مگر اعلیٰ حضرت بریلوی یہ شور مچاتے ہیں کہ محمد قاسم نانوتوی کا عقیدہ ہے کہ حضور  
آخری نبی نہیں..... (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

وہ بات سارے فسانے میں حسکا کر نہیں پڑے وہ بات ان کو بہت ناگوار گذری ہے۔  
شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ نے حضرت نانوتویؒ کی مندرجہ بالا  
عبارت کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ

دیکھئے اس عبارت میں کس طرح تصریح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی آخر الزماں ہونے  
کی فرما رہے ہیں۔ اور آپ کے خاتم زمانی ہونے کے منکر کو خود کافر کہہ رہے ہیں۔ پس  
اس شخص گمراہ کسندۂ عالم، مجدد الدجالین کی جرأت و دروغ گوئی کو دیکھئے کہ کس طرح  
ان کی نسبت لکھتا اور تشہیر کرتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی آخر الزماں  
ہونے کے منکر ہیں۔ اور آپ کے بعد دوسرے نبی کے آنے کو جائز فرما رہے ہیں۔ بھلا اس  
خباثت اور نجاست کا کیا ٹھکانہ ہے۔ (الشہاب الثاقب ص ۷۷)

الغرض اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی خیانت۔ فریب کاری اور قطع و برید کے بعد  
ضرورت نہ تھی کہ اس مسئلے پر کچھ لکھا جائے اس لئے کہ عبارات کی قطع و برید اور  
مختلف صفحات کی مختلف سطروں کو ملانا ہی اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ اصل عبارت  
میں کوئی شک اور قابل اعتراض بات نہ تھی۔ بلکہ اعلیٰ حضرت نے قابل اعتراض اور تکفیری  
عبارت بنانے ہی کے لئے یہ مذموم حرکت کی تھی۔ جس کی جواب دہی کے لئے وہ وہاں  
جلاچکے ہیں جہاں سب کو جانا ہے۔

تاہم کتاب تحذیر الناس چونکہ بہت علی کتاب ہے مگر اپنے موضوع پر نہایت



صاف اور واضح ہے، اس لئے اکابر دیوبند نے اس کی تشریح بھی فرمائی ہے۔  
 چنانچہ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب کی کتاب "سراج منیر" شیخ الاسلام  
 حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی "الشہاب الثاقب"، شیخ الحدیث حضرت مولانا  
 محمد ادریس صاحب کاندھلوی کی "تکلمہ تمذیر الناس"، مناظر اسلام حضرت مولانا  
 محمد منظور احمد صاحب نعمانی مدظلہ کی سیف یمانی "فیصلہ کن مناظرہ"، شیخ الحدیث حضرت  
 مولانا سرفراز خاں صاحب صدر مدظلہ کی "عبارات اکابر" اور محقق العصر حضرت علامہ ڈاکٹر  
 خالد محمود صاحب مدظلہ کی "عقیدۃ الامت فی معنی ختم النبوة" اس موضوع پر نہایت بہترین اور  
 مفصل اور مدلل کتابیں ہیں۔

اب اس کے باوجود کوئی شخص ضد کی لکیر پیٹتا رہے اور حضرت نانوتویؒ پر کفر کے الزام  
 لگاتا رہے تو یہ اس کی بدقسمتی اور بدبختی ہے کہ وہ آخرت کی فکر اور جواب دہی سے بے پرواہ  
 ہے۔ حضرت نانوتویؒ نے بھی اسی کو فرمایا ہے کہ

اس پر بھی بوجہ تعصب کوئی شخص اپنی وہی مرغی کی ایک ٹانگ کچے جائے تو اس کا  
 کیا علاج منہ کے آگے آڑ نہیں پہاڑ نہیں۔ جو چاہو سو کو مگر فکر آخرت بھی ضرور  
 (حجۃ الاسلام ص ۳۹)

ہم آخر میں بریلوی مکتبہ فکر کے ممتاز عالم جناب پیر کرم شاہ صاحب اور خواجہ قمر الدین  
 سیالوی کی دو تحریریں پیش کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ حضرت نانوتویؒ کی کتاب "تذیر الناس"  
 بالکل برحق اور اعلیٰ حضرت بریلوی اپنے موقف میں بالکل غلط اور کاذب ہیں۔

جناب خواجہ قمر الدین سیالوی فرماتے ہیں:-

میں نے "تذیر الناس" کو دیکھا میں مولانا محمد قاسم صاحب کو اعلیٰ درجہ کا مسلمان  
 سمجھتا ہوں مجھے فخر ہے کہ میری حدیث کی سند میں ان کا نام موجود ہے خاتم النبیین  
 کے معنی بیان کرتے ہوئے جہاں مولانا کا دماغ پہنچا ہے وہاں تک معترضین

کی سمجھ نہیں گئی۔ قضیہ فرضیہ کو قضیہ حقیقیہ سمجھ لیا گیا ہے۔ (فقیر الدین سیال شریف)  
 (ڈھول کی آواز مؤلفہ مولانا کامل الدین رتو کالوی ص ۱۱۶ مطبوعہ ثنائی پریس سرگودھا)  
 جناب پیر کرم شاہ صاحب بھیرہ شریف والے ابھی ماشاء اللہ حیات میں اور پاکستان  
 میں جسٹس کے عہدے پر بھی فائز ہیں۔ ان کی اپنے ہاتھ سے لکھی تحریر ہمارے پاس  
 دستخط شدہ موجود ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

حضرت قاسم العلوم کی تصنیف لطیف مسی بہ تحذیر الناس کو متعدد بار غورو  
 تأمل سے پڑھا اور ہر بار نیا لطف و سرور حاصل ہوا۔۔۔۔۔ جہاں تک فکر  
 انسانی کا تعلق ہے حضرت مولانا قدس سرہ کی یہ مادر تحقیق کئی شہرہ چشموں  
 کے لئے سرمۂ بصیرت کا کام دے سکتی ہے۔ رہے فریفتگانِ سامان مہطوں  
 تو ان کے لئے بے قرار دلوں اور بے تاب نگاہوں کی دار فتگیوں میں اضافہ کا  
 ہزار سامان اس (تحذیر الناس) میں موجود ہے۔۔۔۔۔ ختم نبوت کا یہ ہمہ گیر مفہوم  
 جو مبدأ و آل اور ابتداء و انتہاء کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے، اگر امت  
 مرزائیہ وغیرہ کی علمی سطح سے بلند تر ہو تو اس میں کسی کا کیا قصور ہے۔  
 (محمد کرم شاہ من عمار الازہر الشریف مجاہد نشین بھیرہ ضلع سرگودھا ۲۲ جون ۱۹۶۵ء)  
 پیر کرم شاہ صاحب کے اس فتویٰ پر مولانا ابوسعید مدرس مدظلہ رضویہ مسجد کھجورالی طیبانی  
 ضلع سرگودھا کی تصدیق بھی ان الفاظ میں موجود ہے۔

هَذَا كَلِمَةٌ صَحِيحَةٌ هندی۔ اس سے ختم نبوت ثابت ہے نہ کہ اجرائے نبوت  
 (۸ اگست ۱۹۶۷ء)

مگر افسوس کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کہتے ہیں کہ وہ کافر تھا اور جو اس کے کفر میں  
 شک کرے وہ بھی کافر و مرتد (العیاذ باللہ) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے اس فتویٰ مبارک سے  
 مندرجہ بالا ہستیاں بھی اسلام سے گئیں اور علاوہ ازیں ان سے پہلے کے دو اور بزرگوں کا

دین و ایمان کا بھی جنازہ نکل گیا۔ ایک ان میں مولانا دیدار علی شاہ الوری جو مولانا ابوالحسنات اور مولانا ابوالبرکات سید احمد کے والد محترم تھے۔ انھوں نے حضرت نانوتویؒ کو مرحوم و مغفور لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے !

مولانا استاذنا رئیس المحدثین استاذ مولانا محمد قاسم صاحب مغفور حضرت مولانا احمد علی صاحب مرحوم، مغفور محدث سہارنپوری کے فتویٰ اجوبہ سوالات خمسہ کی نقل زمانہ طالب علمی میں کی ہوئی احقر کے پاس موجود ہے۔  
در سالہ تحقیق المسائل ص ۳۲ مطبوعہ لاہور پرنٹنگ پریس لاہور طبع ثانی ۱۳۹۱ھ  
اور دوسری شخصیت جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی مرحوم کی ہے۔ انھوں نے حضرت نانوتویؒ کے بارے میں جس قسم کا اظہار عقیدت کیا ہے انھیں ملاحظہ کیجئے۔  
پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی مرحوم کی خدمت میں ایک شخص آیا اس نے دریافت کیا کہ :-

آپ مولوی قاسم صاحب کے متعلق کیا خیال رکھتے ہیں ؟  
آپ نے جواباً فرمایا۔

تم مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق پوچھتے ہو۔  
سائل نے عرض کیا۔ جی ہاں، انھی کے متعلق۔ آپ نے فرمایا :-  
وہ حضرت حق کی صفتِ علم کے مظہر اتم تھے۔ (جوابہ اسوۃ اکابر ص ۱۷۷ مولانا محمد بہار الحق قاسمی)

پیر صاحب مرحوم کے اس ارشاد کے بعد وہ بھی اعظمیہ کے نزدیک دین اسلام  
فدغ ہو گئے تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

الحاصل حضرت اقدس نانوتویؒ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق۔  
اور فدائی تھے۔ آپ کی کتاب زندگی اس امر کی شاہدِ عدل ہے کہ آپ کے قلب میں



سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت - عقیدت - عزت و عظمت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اسی کی خاطر اعدائے اسلام سے مناظرے و مباحثے کئے۔ اسلام کے فضائل بیان کئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو مدلل بیان فرمائے۔ اعدائے اسلام کی جانب سے اسلام پر کئے جانے والے اعتراضات کا مسکت جواب دیا۔ اسلام اور مسلمانوں کی ہر موڑ پر حفاظت کی سربلندی اسلام کی خاطر علم جہاد بلند کیا۔ علوم اسلامیہ کی اشاعت کی غرض سے دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی فرمائی۔ سیکڑوں ایسے تلامذہ تیار کئے جنہوں نے اسلام کے نام کو روشن کیا۔ مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت کی؛ اور فسق باطلہ اور اعدائے اسلام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کی۔ اور کرتے رہے اور انشا اللہ کرتے رہیں گے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ - آمین یا رب العالمین

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ -

(بقیہ ص ۳۲ کا) واشاعت پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں کی جائے جو خوش نصیب اس خدمت میں مشغول ہونگے وہی تجدید و احیائے دین کرنے والے اسلاف و اکابر کے پتے متبع ہوں گے اور فلاحِ دارین سے بہرہ ور ہوں گے۔

اللّٰهُمَّ وَتَقْنَا

# قِسْطُکَ مولانا مودودی کی تحقیق حدیثِ دجال پر ایک نظر مولانا عبد الدیان اعظمی

مولانا کی تحقیق - "اَیْتٌ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہِ عِلْمٌ" کے خلاف مولانا اپنی تحقیق میں جو یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ دجال کب ظاہر ہوگا۔ اور کہاں ظاہر ہوگا وغیرہ۔ ان امور کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ حدیثوں میں فرمایا ہے۔ وہ بغیر علم کے محض اپنے قیاس و خیال اور تخمین و ظن سے فرمایا ہے۔ تو عرض ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت بڑی جسارت ہے۔ کیونکہ بغیر علم کے کوئی بات کہنا ایک عامی شخص کیلئے بھی عیب کی بات ہے۔ چہ جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایسی بات کہی جائے جب کہ بطور خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حکم الہی ہے۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہِ عِلْمٌ۔ (پارہ ۱۵ رکوع ۴) یعنی آپ اس بات کے پیچھے مت پڑیے۔ جس کا آپ کو علم نہیں ہے اس آیت میں ظن کی پیروی کرنے سے ممانعت کی گئی ہے۔ مولانا کی تحقیق پڑھنے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس آیت پر تھا یا نہیں۔ تو مولانا

کی تحقیق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل (نہوذا بالشر) اس آیت پر نہیں تھا۔ کیونکہ وہ سال کے زمانہ و مقام وغیرہ کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبریں دی ہیں۔ وہ بغیر علم کے دی تھیں جیسا کہ مولانا لکھتے ہیں کہ "آپ کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ وہ کب ظاہر ہوگا۔ اور کہاں ظاہر ہوگا۔۔۔۔۔ ان امور کے متعلق۔۔۔۔۔ دراصل آپ کے قیاسیات ہیں" مگر قرآن و حدیث دونوں شاید ہیں کہ مولانا کا یہ جواب غلط اور بے بنیاد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی عمل قرآن کے منشاء کے خلاف نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو قرآن کی عملی تفسیر تھے۔ آپ کا ہر قول اور ہر فعل قرآن کے عین مطابق تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بیان فرمائیے تو فرماتی ہیں کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ یہ قرآن ہی آپ کا خلق تھا۔ کان خلقہ القرآن (ماخوذ از ترجمان السنہ اول مکمل)

ایک طرف آیت وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ کے منشاء کو دیکھئے دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کَانَ خُلِقَ الْقُرْآنُ مَلَاخُطً فَرُطِيًّ پھر آپ کے اقوال و اعمال کا عین مقتضائے الہی کے مطابق ہونے کی شہادت خود قرآن ہی کے الفاظ میں سنئے۔ ارشاد ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر علم وحی کے اپنی خواہشات نفس سے نہیں بولتے۔ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے۔ جو آپ پر نازل کی جاتی ہے اور ارشاد ہے إِنْ أَتَبَعَ إِلَّا مَا يُوْحَىٰ (انعام ۵۰) یعنی (فرما دیجئے کہ) میں تو صرف اس کا اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس وحی آتی ہے۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی جامع صحیح میں ایک باب بایں الفاظ قائم کرتے ہیں "باب مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُشَلَّ مَعَالِمَ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ"



فیقول لا ادری اولم یجب حتی ینزل علیہ الوحی ولم یقل

برای ولا بقیاس۔۔۔۔۔ الخ (صحیح بخاری پ ۲۹)

یعنی باب اس کا کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا جاتا تھا۔ اسی چیز کے متعلق جس کے بارے میں وحی آپ پر نازل نہیں کی گئی۔ تو آپ یہ فرماتے کہ میں نہیں جانتا یا آپ کچھ جواب نہ دیتے۔ یہاں تک کہ آپ پر وحی نازل ہو جاتی۔ اور آپ رائے اور قیاس سے کچھ نہیں فرماتے تھے۔

آیت مذکورہ کے امثال پر قرآن و حدیث کی اس شہادت کے بعد یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر علم اور بغیر وحی الہی کے آیت و لا تقف ما لیس لك به علم کے خلاف قیاس و ظن کی پیروی کرتے ہوئے دجال کے زمانہ و مقام وغیرہ کے بارے میں اپنی جانب سے خبر دی۔ جبکہ بغیر علم کے کوئی بات کہنا ایک عامی شخص کے لئے بھی عیب کی بات ہے۔

کیا میں مولانا سے پوچھ سکتا ہوں کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیالات کی پیروی کے لئے آزاد تھے؟

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو تعلیم دے رہے ہیں کہ جس کا تم کو علم ہو بیان کرو۔ جس کا تم کو علم نہ ہو اس کو عالم کتاب کی جانب سپرد کر دو۔

(مشکوٰۃ ۲۱۹/۲۴۸)

تو کیا اس تعلیم کے باوجود وہ خود بغیر علم کے اُنکل بچھو بات کر رہے تھے۔ (نعوذ باللہ من ذلک) اور وہ بھی جب کہ دجال کا معاملہ غیب سے متعلق ہے۔ اور غیب کی خبر انبیاء علیہم السلام اُنکل اور قیاس سے نہیں دیتے۔ غیب کی خبر اُنکل اور قیاس سے دنیا کا ہنوں کا کام ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کا ہن نہیں ہوتے۔ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ : وَمَا هُوَ بِقَوْلِ كَاهِنٍ

قليلًا ما تذكرون ۛ

**ایک اشکال اور اس کا جواب** | یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ بخاری کے باب میں تو یہ کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رائے سے کچھ نہیں فرماتے تھے مگر مسلم میں جو باب باندھا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رائے سے فرماتے تھے۔ باب یہ کہ باب وجوب امتثال ما قالہ شرعاً دون ما ذکرہ صلی اللہ علیہ وسلم من معالیش الدنیا علی سبیل الراۃ

(یعنی باب اس بیان میں کہ واجب صرف ان ارشادات کی پیروی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شرعی حیثیت سے فرماتے ہیں۔ نہ کہ ان باتوں کی جو دنیا کے معاملات میں آنحضورؐ نے اپنی رائے کے طور پر بیان فرمائی ہیں) اس کا جواب یہ ہے کہ مسلم کے باب میں دنیاوی امور کی قید لگی ہوئی ہے نہ کہ دینی امور تو اس کے متعلق خود اسی مسلم کے باب کے ذیل میں آنے والی حدیث تاہیر نخل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جب میں تمہیں تمہارے دین کے بارے میں کسی بات کا حکم دوں تو اسے فوراً بلا پس و پیش اختیار کر لو۔۔۔۔۔“ اس سے بات صاف ہو گئی کہ بخاری میں جو باب باندھا گیا ہے۔ وہ دینی امور سے متعلق ہے۔ اور مسلم کا باب دنیاوی امور کے بارے میں ہے۔ (فالفرق واضح)

دینی امور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رائے سے کچھ نہیں فرماتے تھے۔ اور یہاں بحث دینی امور سے ہی متعلق ہے۔ کیونکہ دجال کے متعلق دی گئی خبریں دینی اور غیبی امور سے تعلق رکھتی ہیں۔ نہ کہ دنیاوی امور سے۔

**وجوب امتثال ارشادات رسول** | مسلم کے باب پر غور کرتے ہوئے ایک بات یہ بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ

کسی امر کے امتثال کا واجب نہ ہونا غلطی کو مستلزم نہیں۔ بہت سی سنن و مستحبات کا امتثال واجب نہیں ہے۔ کسی امر کا واجب ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جزا فہانے پر منحصر ہے۔ خواہ دینی امور ہو یا دنیاوی، سورۃ احزاب کی آیت نمبر ۳۶ میں امر انکرہ ہے۔ جو عموم چاہتا ہے۔ پس اس میں امور دینی و دنیاوی بھی آگئے جن کے کرنے کا جزا حکم دینے کے بعد نہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ (باقی آئندہ)

(بقیہ حرف آغاز ص ۶ کا)

بطور خاص حضرات علمائے کرام کو فیصلہ کرنا ہے کہ وہ ملت کی کشتی کو کس سمت لے جائیں گے۔ کیونکہ خود رائی و خود پسندی کی غوی فضا کے باوجود آج بھی بڑی حد تک ملت کی زمام قیادت علماء ہی کے ہاتھ میں ہے اور انھیں کے سامنے اپنے اکابر کے جہد و عمل کی مکمل تاریخ بھی ہے۔ اس لئے شدید ضرورت ہے کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور وقت کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے ایشار و قربانی اور استقامت و پامردی کی تاریخ کو پھر سے زندہ کریں یہی اسلاف کا اسوہ ہے، یہی اور صرف یہی حیات و نجات کا راستہ ہے

یہ مصرع کاشش نقش ہر در و دیوار ہو جائے !  
جسے جینا ہو مرنے کیلئے تیار ہو جائے !



# بیانِ ملکیت متعلقہ ماہنامہ دارالعلوم بابتہ حبش

## ایکٹ فارم ۱۷۷

رسالہ دارالعلوم	نام
ماہانہ	وقف اشاعت
مولانا مرغوب الرحمن صاحب	پرنٹر و پبلشر
ہندوستانی	قومیت
دارالعلوم دیوبند	پتہ
مولانا حبیب الرحمن صاحب تاسی	ایڈیٹر
ہندوستانی	قومیت
دارالعلوم دیوبند	پتہ
دارالعلوم دیوبند	مالک

میں تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا تفصیلات میرے علم و اطلاع کے مطابق درست ہیں۔

مولانا مرغوب الرحمن صاحب  
«ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ»

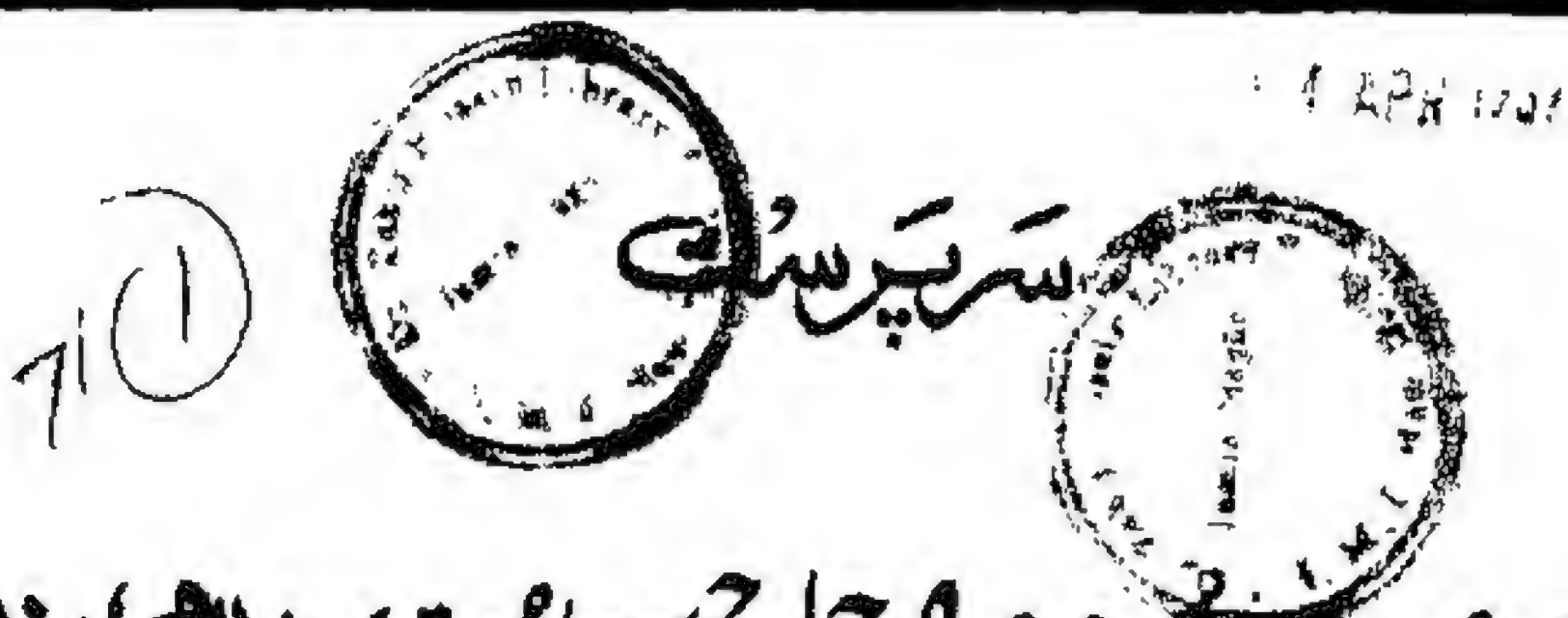
## اگر آپ چاہتے ہیں کہ

● عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت کو سمجھیں ● خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ سے واقف ہوں ● اسلام کی ہمہ گیری کے راز سے آشنا ہوں ● مسیّد پنجاب غلام احمد قادیانی کے باطل عقائد اور اسلام دشمن نظریات سے باخبر ہوں ۔  
 اس متنبی کا ذب پر آسمان فرنگ سے اترنے والی دھول سے مطلع ہوں ● اسلام کے متوازی مذہب قادیانیت کے باطل مزعومات سے عقل و نقل کی روشنی پوری طرح آگاہ ہو جائیں تو دارالعلوم دیوبند کے ترجمان ماہنامہ دارالعلوم کی خصوصی اشاعت ”تحفظ ختم نبوت“ کا ضرور مطالعہ کریں ۔ جو عنقریب منظر عام پر آ رہا ہے ۔ اور اپنے احباب اور قرب و جوار کے اداروں کو بھی ترغیب دیں کہ ابطال قادیانیت کے سلسلہ میں اس اہم ترین علمی و تحقیقی دستاویز سے ضرور استفادہ کریں ۔  
 صفحات ۲۰ قیمت ۲۰ تاریخ اشاعت اور دیگر ضروری امور کا جلد اعلان کیا جائے گا

(منیجر رسالہ)

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

# کلام اللہ جامع



حضرت مولانا مرغوب الرحمن ضامیہ قلم کلاں علیہ السلام

مدین

حبيب الرحمن قاسمی

شعبان المعظم ۱۴۱۰ مطابق اپریل ۱۹۸۹ء





دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

# دارالعلوم

شمارہ ۱۱۱۱ بابہ ماہ اپریل ۱۹۸۶ء کے المعظم ۱۴۰۷ھ جلد نمبر ۱

نگران

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر فی پیرچہ ۳/- مولانا حبیب الرحمن قاسمی ۳۰/- سالانہ

سالانہ بدل اشتراک (سعودی عرب، کویت، ابو ظہبی، جنوبی و مشرقی افریقہ، برطانیہ) 160/-  
بیرون ممالک سے امریکہ، کناڈا وغیرہ وغیرہ بذریعہ ایریل 160/-  
پاکستان 60/- ہندوستانی، بنگلہ دیش 50/- ہندوستانی  
سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا رتبہ سادہ ختم ہو گیا

## فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	مضامین نگار	صفحہ
۱	حرف آغاز	حبیب الرحمن قاسمی	۳
۲	حضرت گنگوہی و عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم	مولانا حافظ محمد اقبال صاحب ماہنامہ	۷
۳	ایں چہ بولہبی است	مولانا محمد یوسف لدھیانوی	۱۷
۴	یکساں سولی کوڑ کے مہر اثرات	ڈاکٹر رشید الوحیدی جامعہ ملیہ دہلی	۳۲
۵	مولانا مودودی کی تحقیق حدیث و مجال پر ایک نظر	مولانا عبدالدیان صاحب اعظمی	۳۷
۶	کوائف دارالعلوم	ادارہ	۴۵
۷	یاد رفتگان	ادارہ	۴۶

## ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گزارش

۱۔ ہندوستانی خریداروں سے ضروری گزارش یہ ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پا کر اولیٰ فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ کریں۔

۲۔ پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ ۷۰ روپے ہندوستانی مولانا عبد الستار صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد ملتان پاکستان کو بھیجیں اور انھیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کر لیں۔

۳۔ خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمائیں، خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

والسلام

منہج رسالہ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

## حرفِ آغاز

حَبِيبُ الرَّحْمٰنِ قَاسِمِیؒ

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ اسلام کے نام لیوا اور اس کے شیدائیوں کے مقابلہ میں اسلام کے مخالفین و معاندین کی تعداد ہر دور اور ہر زمانہ میں زیادہ رہی ہے اور اسلام کو اپنے ابتدائے قیام سے آج تک نہ بھانے کتنے فتنوں سے دوچار ہونا پڑا ہے لیکن اس تاریخی شہادت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ علماء اسلام اور صلح امت نے ان تمام فتنوں کا نہایت پامردی سے مقابلہ کیا ہے اور اسلام کے حریفوں کو ہر محاذ پر شکست دیکر اسلام کے کارواں کو آگے بڑھایا ہے۔

چنانچہ اسلام پر اوّل ترین حملہ بادیت کی راہ سے ہوا اور وثنی حکومت کے تسلسل اور دولت و ثروت کی فراوانی سے اسلامی معاشرہ میں تعیش اور راحت پسندی کا عمومی رجحان پیدا ہو گیا تھا جس سے یہ خطرہ ہو چلا تھا کہ خدا نخواستہ ملتِ اسلامیہ بھی اگلی امتوں کی طرح تعیش کی تدرنہ ہو جائے اس فتنہ کے مقابلہ کیلئے حضراتِ تابعین کی جماعت میدان میں نکل پڑی اور اپنے وعظ و نصیحت دعوت و تبلیغ اور حرارت ایمانی کے ذریعہ ادیت کے اس سیلابِ بلاخیز کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور امت کو اس طوفان سے بچالیا۔

اس کے بعد اسلام پر دوسرا حملہ عقلیت کی راہ سے ہوا، یونانی فلسفہ نے سطحی ذہنوں کو اپنی گرفت میں لے کر اسلامی عقائد و اعمال کے خلاف ایک طوفان کھڑا

کر دیا جس سے متاثر ہو کر امت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی، ایک کی قیادت فقہاء اور محدثین کر رہے تھے اور دوسرے کی عقلیت زدہ معتزلہ، یہ فتنہ چونکہ علمی انداز میں ابھرا تھا اور بہد قسمتی سے حکومت وقت کی اسے سرپرستی بھی حاصل ہو گئی تھی اسلئے ایسا معلوم ہونے لگا تھا کہ اسلامی علوم و عقائد یونانی افکار و نظریات کے مقابلہ میں اپنی توانائی اور سر بلندی قائم نہ رکھ سکیں گے ان سنگین حالات میں علماء ہی کی صف سے ایک بزرگ سر سے کفن باندھ کر میدان میں کود پڑے اور اس جرات و استقامت کے ساتھ خلیفہ وقت مامون الرشید کے تہدید پر فرامین اور معصوم باللہ کے طوق و سلاسل اور تازیانے ان کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ کر سکے بالآخر مرد جلیل کی ثابت قدمی کی برکت سے یہ فتنہ سرد پڑ گیا اور امت ایک عظیم خطرہ سے مامون و محفوظ ہو گئی۔

تیسری صدی میں معتزلہ نے اپنی عقلیت پسندی اور اپنی بعض نمایاں شخصیتوں کے سہارے اس سوائے ہوئے فتنہ کو پھر سے جگانا چاہا، لیکن امام ابو الحسن اشعری پہلے کیمپ کے ایک فرد تھے اور ان کے تمام ہتھکنڈوں سے اچھی طرح واقف تھے، ان کے مقابلہ میں آگئے اور بحث و مناظرہ اور زبانی تفہیم و تقریر کے ذریعہ ان کے حوصلوں کو پست کر دیا اور آئندہ ان کے مقابلے کے لئے ایک سو سے زائد نہایت اہم اور دقیق کتابیں بھی تصنیف کر دیں اور ساتھ ہی اپنے تلامذہ کی ایک اچھی خاصی جماعت بھی تیار کر دی جس نے ہر عالمی محاذ پر معتزلہ کا تعاقب کیا اور انھیں میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

معتزلہ کی اس شکست کے بعد اسی فلسفہ یونان کی کوکھ سے ایک نئے فتنہ نے جنم لیا جو اسلام کے حق میں اعتزال سے بھی زیادہ خطرناک تھا، یہ تھا باطنیت کا فتنہ! اس فتنہ کے بانیوں نے اپنی ذہانت اور یونانی فلسفے

کی مدد سے دین اسلام کے اصول و نصوص اور قطعیات میں تحریف و تنسیخ کا دروازہ کھولنے کے ساتھ اسلام و اہل اسلام کے خلاف قوت و طاقت کا بھی مظاہرہ کیا جس کی بناء پر اسلامی حکومتیں عرصہ تک پریشان رہیں۔

اس عظیم فتنہ کی سرکوبی کیلئے بھی صفِ علماء ہی سے ایک مردِ کامل آگئے جنہیں ہم امام غزالی کے نام سے جانتے پہچانتے ہیں، انھوں نے براہِ راست باطنیوں سے مقابلہ آرائی کے لئے فلسفہٴ یونان کو نشانہ بنایا جو اکثر فرقہ باطلہ کا ماخذ و مصدر تھا اور اپنے علمی تجربہ، قوت استدلال سے اسکی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں اور ان فتنوں کے چشمے کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیا، امام غزالی کے ساتھ اس اہم خدمت میں امام رازی اور ابن رشد کے کارنامے بھی بھلائے نہیں جاسکتے۔

خیر یہ سارے واقعات تو زمان و مکان کے اعتبار سے آپ سے دور ہیں خود اپنے ملک ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈالئے، عہدِ اکبری میں ”دین الہی“ کے عنوان سے اسلام کے خلاف جو عظیم فتنہ رونما ہوا تھا جس کی پشت پر اکبر جیسے مطلق العنان فرماں روا کی جبروتی طاقت بھی تھی، لیکن حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کے ہم نوا علماء نے اپنے پایۂ استقامت سے اس فتنہ کے سر کو ہمیشہ کے لئے کچل دیا۔

اور اس آخری دور میں سلطنتِ برطانیہ کے جلو میں اکاد و زندقہ کا فتنہ نمودار ہوا اس کے مقابلہ میں بھی اگر کوئی جماعت نہ ہو آزمانہ نظر آتی ہے تو وہ علماء ہی کی جماعت ہے جنھوں نے سفید فام انسان نما وحشی دزدوں کے ہرجور و ستم کو برداشت کر کے اسلام اور آئین اسلام کی حفاظت کی اور شہر شہر، قصبہ قصبہ اور قریہ قریہ مار س کی شکل



میں اسلام کی چھاؤنیاں قائم کر کے پورے ملک میں اسلام کے سپاہیوں کا ایک بحال بچھا دیا۔

چنانچہ ان مدارس کے ذریعہ اس طوفان کے رُخ کو نہ صرف موڑ دیا گیا بلکہ اسلام کی جڑیں ملک ہندوستان میں اس درجہ مضبوط و مستحکم کر دی گئیں کہ دیگر بلاد اسلامیہ میں یہ استحکام تلاش کرنے کے باوجود بھی نہیں ملے گا۔

آج ہندو احیاء پرستی نے ایک بار پھر ہمارے جذبہ ایمانی کا امتحان لینے کے لئے اسلامی افکار و نظریات پر حملہ کرنے کے ساتھ مسلمانوں کے شعائر و آثار پر حملہ شروع کر دیا ہے وہ ہماری مقدس کتاب ہمارے عائلی و معاشرتی قوانین اور ہماری عبادت گاہوں کو ہم سے چھیننے کے درپے ہے، اپنے اکابر و اسلاف کی طرح ہمیں اس چیلنج کو قبول کرنا ہے اور ماضی کے فتنوں کی طرح اپنے جہد و عمل اخلاص و للہیت اور علمی و روحانی رسوخ کے ذریعہ اس فتنہ کا مقابلہ کرنا ہے، اگر خدا نخواستہ ہم نے اس چیلنج کے قبول کرنے سے پہلو تہی کی تو مستقبل کا مورخ ہماری اس بزدلی کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔

# حضرت گنگوہیؒ و عشق رسول ﷺ

از مولانا حافظ محمد اقبال رنگوہی مانچسٹر

بسم اللہ الرحمن الرحیم !

امام ربانی قطب زمانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ صحابی رسول حضرت ابوالیوب انصاریؒ کی اولاد میں سے ہیں، علم و تفقہ و تدین و تقویٰ کی حیثیت سے نہ صرف برصغیر بلکہ عالم اسلام کی ممتاز و منفرد شخصیتوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے، آپ شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ بھارمکی کے مرید اور خلیفہ خاص تھے، آپ نے قرآن و حدیث اور علوم اسلامیہ کی نشر و اشاعت اور علم دین کے تمام شعبوں (شریعت و طریقت دونوں) میں بے پایاں خدمات انجام دیکر امت مسلمہ کے کئی مشکل مسائل کا حل فرمایا، آپؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ سے تھانہ بھون میں بیعت فرمائی اور چالیس دن میں خلعت خلافت سے سرفراز ہوئے، حضرت حاجی صاحبؒ نے تحریر فرمایا کہ !

میاں مولوی رشید احمد، جو نعمت حق تعالیٰ نے مجھے دی تھی وہ آپ کو دے دی آئندہ اس کو بڑھانا آپ کا کام ہے۔

پھر ایک خط میں تحریر فرمایا کہ !

از فقیر امداد اللہ مہفی عنہ ! بخد مت فیض درجت منبع علوم شریعت و طریقت عزیزم مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی سلمۃ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اللہ تعالیٰ آپ کو مکروہات داریں  
سے محفوظ رکھ کر قرب مراتب و درجات عالیہ عطا فرماوے اور آپ  
ذات بركات کو ذریعہ ہدایت خلق فرماوے، آمین۔

ایک خط میں تحریر فرمایا کہ

ایک ضروری اطلاع یہ ہے کہ فقیر آپ کی محبت کو اپنی نجات کا ذریعہ  
سمجھتا ہے اور الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی محبت کو میرے دل میں ایسا  
مستحکم کر دیا ہے کہ کوئی شئی اس کو ہلا نہیں سکتی اور جو کوئی فقیر کو دوست

رکھتا ہے وہ ضرور آپ سے محبت رکھتا ہے

چند فتنہ پرداز لوگوں نے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں خطوط لکھے کہ  
حضرت گنگوہیؒ ایسے ہیں ویسے ہیں گستاخ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان  
اقدس میں یوں کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ تو حضرت حاجی صاحبؒ نے ان تمام خطوط کے جوابات  
ایک اشتہار کی شکل میں طبع کرا کر تقسیم فرمانے کا حکم فرمایا۔

فقیر کی طرف سے مشتہر کرا دو کہ مولوی رشید احمد صاحب عالم ربانی فاضل  
حقانی ہیں، سلف صالحین کا نمونہ ہیں جامع بین الشریعت والطریقۃ ہیں،  
شب و روز خدا اور اس کے رسول کی رضامندی میں مشغول رہتے ہیں،  
حدیث شریف پڑھانے کا شغل رکھتے ہیں، مولانا مولوی محمد اسحق صاحب  
دمدھڑ دہلویؒ کے بعد اس قسم کا فیض علم دین کا مولوی صاحب سے  
جاری ہوا، ہندوستان میں مولوی صاحب ایک فرد واحد ہیں، مسائل مشکوٰۃ  
کی عقدہ کشائی مولوی صاحب سے ہوتی ہے ہر سال پچاس آدمی کے  
قریب علم حدیث پڑھ کر مولوی صاحب سے سند لیتے ہیں اتباع سنت  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں محو ہیں محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم



اور عشق خداوندی میں مستغرق ہیں، حق گو ہیں لایخافون لومۃ لائم کے مصداق ہیں خدا کے اوپر پورے طور سے توکل رکھتے ہیں بدعات سے پورے طور پر مجتنب ہیں اشاعتِ سنت ان کا پیشہ ہے، بد عقیدوں کو خوش عقیدہ بنانا ان کا حرف ہے، ان کی صحبت اہل اسلام کے واسطے کیمیا اور اکسیر اعظم ہے، ان کے پاس بیٹھنے سے اللہ یاد آتا ہے، یہی اللہ والوں کی علامت ہے۔ ان کی صحبت کو غنیمت سمجھئے، فقیران کو اپنے واسطے ذریعہ نجات کا سمجھتا ہے اور میں صاف کہتا ہوں کہ جو شخص مولوی صاحب کو برا کہتا ہے وہ میرا دل دکھاتا ہے میرے دو بازو ہیں ایک مولوی محمد قاسم مرحوم اور دوسرا مولوی رشید احمد صاحب، ایک جو باقی ہے اس کو بھی نظر لگاتے ہیں، میرا اور مولوی صاحب کا ایک عقیدہ ہے میں چاہتا ہوں کہ مولوی صاحب کی نسبت مجھے کوئی کلمہ بے ادبی کا نہ سناوے اور نہ تحریر کسے، مجھ کو ان امور سے سخت ایذا ہوتی ہے، عجیب بات ہے کہ میرے لخت جگر کو ایذا پہنچائیں اور اپنے آپ کو میرا دوست سمجھیں، ہرگز نہیں۔ مولوی صاحب کے حنفی المذہب، صوفی المشرّب با خدا ولی کامل ہیں، ان کی زیارت کو غنیمت سمجھیں (دستخط امداد اللہ از مکہ معظمہ)

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا! ضیاء القلوب میں جو کچھ آپ کی نسبت تحریر ہے (اور وہ) یہ ہے، ہر کس کہ ازیں فقیر محبت و عقیدت دار مولوی رشید احمد صاحب سلمہ و مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ را کہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری و باطنی اند و صحبت اوشان را غنیمت دانند کہ ایں چنان کسان دریں زماں نایاب اند (مخلصاً از ضیاء القلوب) وہ آپ سے نہیں لکھا گیا جیسا القاء ہوا ہے دیا ہی ظاہر کر دیا گیا ہے....

اللہ تعالیٰ سے بھی یہی دعا ہے کہ تم صالحین کی محبت میں جلا دے یا مار  
وہ شخص مذہب ہے جو تم مقدس و مقدسائے زمان سے کچھ دل میں کینہ  
یا سو رخن یا بد عقیدگی یا عداوت و رنج رکھے فقیر تو آپ سب کی حرکات  
وسکنت و اقوال و افعال کو منتج حسنات و برکات و موافق شریعت و  
طریقت سمجھتا ہے اور کل امور میں مخلص و صادق یقین کرتا ہے ۔  
(بیس بڑے مسلمان ص ۲۱۶)

حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت گنگوہیؒ کی بابت جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ آپ  
کے علم و عمل متبع سنت و عاشق رسول جامع بین الشریعہ و الطریقہ اور ولی کامل  
ہونے کی کھلی شہادت ہے، اگر آپ کے دیگر حالات و واقعات منہ شہود پر نہ  
بھی آتے تو صرف یہی تحریرات حضرت گنگوہیؒ کے فضل و کمال کی شاہد تھی ۔  
اب بھی اگر کوئی زمانے تو یہی کہا جائے گا کہ لے

گر نہ بیند بروز شپہ چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ  
اور بقول شیخ سعدی علیہ الرحمۃ

نور گیتی فسر و ز چشمہ ہور زشت باشد چشم موشک کور  
اب آپ چند واقعات کی روشنی میں حضرت گنگوہیؒ کے عشق رسولؐ کے درجہ کو  
ملاحظہ فرمائیے !

حجرہ شریفہ کے خلاف سے محبت | قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ کے یہاں  
تبرکات میں حجرہ شریفہ کے خلاف کا ایک  
بسن ٹکڑا بھی تھا بروز جمعہ حاضرین و خدام کو ان تبرکات کی زیارت خود کرایا کرتے

لے یاد رہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کو بریلوی علماء بھی علماء حق اور علماء اہل سنت  
میں سے مانتے ہیں (دیکھئے الحق المبین ص ۱۷۷ مولوی احمد سعید کاظمی)

تو صندوق خود اپنے دست سے کھولتے اور غلاف کو نکال کر اڈل اپنی آنکھوں پر لگاتے اور منہ سے چومتے تھے پھر اوروں کی آنکھوں سے لگاتے اور ان کے سروں پر رکھتے۔

**مدینہ منورہ کے کھجوروں سے عقیدت** | حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں جب

تو نہایت عظمت و حفاظت سے رکھی جاتیں اور اوقات مبارکہ متعددہ میں خود بھی استعمال فرماتے اور حضار بارگاہ مخلصین کو بھی نہایت تعظیم و ادب سے اس طرح تقسیم فرماتے کہ گویا نعمت غیر مترقبہ اور آئینہ جنت ہاتھ آگئے ہیں، حالانکہ بصرہ اور سندھ کی کھجوریں ہمیشہ آتی رہتی تھیں مگر ان کی وقعت ان سے زیادہ ہرگز نہ تھی

**مدنی کھجوروں کی گٹھلیوں کا ادب** | مدینہ منورہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

کی کھجوروں کی گٹھلیاں بھی نہایت حفاظت سے رکھتے، لوگوں کو پھینکنے نہ دیتے اور نہ خود کھینکتے تھے بلکہ ان کو کٹوا کر نوش فرماتے اور مثل چھائیوں کے کترا کر لوگوں کو استعمال کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔

تاکہ مبارک شہر سے آئی ہوئی ان گٹھلیوں سے بھی لورائیت حاصل کی جائے نہ یہ کہ باہر ان کو پھینک کر بے ادب بنا جائے اسلئے کہ ادب ہی سے انسان سب کچھ حاصل کرتا ہے۔

از خدا جو نیک توفیقِ ادب بے ادب محروم گشت از فضلِ رب  
**روضہ اطہر کی خاک کا سرمہ** | شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب  
 مدنیؒ فرماتے ہیں کہ احقر ماہ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ



میں بہرہا ہی بھائی محمد صدیق صاحب جب حاضر خدمت ہوا تھا تو بھائی صاحب سے پہلے ہی حاضری میں حضرت اقدسؒ نے دریافت فرمایا کہ حجرہ شریف علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خاک بھی لائے ہو یا نہیں؟ چونکہ وہ (خاک) احقر کے پاس موجود تھی اس لئے باادب استادہ پیش خدمت کیا تو نہایت وقعت و عظمت سے قبول فرما کر سرمرہ میں ڈلوایا اور روزانہ بعد نماز عشاء آرام فرماتے وقت اس سرمرہ کو آنکھوں میں لگاتے جس میں روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک مبارک تھی، اور آخر عمر تک استعمال فرماتے تھے (الشہاب الثاقب ص ۵۷)

**مدینہ کی ہوا تو لگی ہے** | بعض مخلصین نے کچھ کپڑے مدینہ منورہ سے خدمت اقدس میں تبرکات ارسال کئے، حضرتؒ نے

نہایت تعظیم اور وقعت کی نظر سے ان کو دیکھا اور شرف قبول سے ممتاز فرمایا، بعض طلباء حضار مجلس نے عرض بھی کیا کہ حضرت اس کپڑے میں کیا برکت حاصل ہوئی یورپ کا بنا ہوا ہے تاجر مدینہ میں لائے وہاں سے دوسرے لوگ خرید لئے اس میں کوئی وجہ تبرک ہونے کی نہیں معلوم ہوتی، حضرتؒ نے شبہ کو رد فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ مدینہ منورہ کی اس کو ہوا تو لگی ہے، اس وجہ سے اس کو یہ اعزاز اور برکت حاصل ہوئی ہے۔ (الشہاب الثاقب)

ظاہر ہے کہ انسان کو جب کسی کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے تو اس کے تمام متعلقات سے بھی الفت پیدا ہو جاتی ہے چونکہ حضرت گنگوہیؒ کے قلب میں حق تعالیٰ شانہ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت راسخ ہو گئی تھی اس لئے حرمین شریفین کے خس و خاشاک تک کو آپ محبوب سمجھتے اور خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے!

حضرت گنگوہیؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ لوگ حرمین شریفین کی چیزوں، زمزمی کے

بین اور تخم خرمائیوں ہی پھینک دیتے ہیں، یہ نہیں خیال کرتے کہ ان چیزوں کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی ہوا لگی ہے۔ (تذکرۃ الرشید جلد ۲ صفحہ ۴۸)

**حجرہ شریف کے زیتون کا جلا ہوا تیل** | مدینہ منورہ سے بعض خدام نے (حضرتؐ کے عشق رسولؐ

کے پیش نظر حجرہ شریف کے جلا ہوا زیتون کا تیل حضرتؐ کیلئے ارسال کیا، حضرت نے باوجود نزاکت طبع کے اس کو پی لیا، حالانکہ اولاً زیتون کا تیل خود بے مزہ ہوتا ہے، ثانیاً بعد جلنے کے اس میں اور بھی تغیر ہو جاتا ہے مگر وہ رے عاشق سید الرسل و شیدائے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس نزاکت طبعی کے اسے بلا تامل لذیذ چیز سمجھ کر اور اپنے محبوب کے در سے آئی ہوئی نعمت جان کر نوش فرمایا اور اسے بجائے اس کے کہ کل کر جزو بدن بنائے پی کر جزو بدن بنا لیا۔

**عربی ہینوں کے ناموں سے الفت** | حضرت گنگوہیؒ کا سنت مصطفویہ کے ساتھ عشق اس

درجہ کامل اور فائق تھا کہ آپ کو عربی ہینوں کے اسماء چھوڑ کر بلا ضرورت انگریزی ہینوں کے ناموں کا استعمال بھی گراں گذرتا تھا، مولانا محمد اسماعیل صاحب حضرتؒ کی خدمت میں ایک مرتبہ تشریف فرما تھے کہ کسی شخص نے پوچھا کہ گویا رکب جاؤ گے انھوں نے جواب دیا جولائی کی فلاں تاریخ کو حضرت گنگوہیؒ نے تأسف کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ ادراہ و تاریخ نہیں ہے جو انگریزی ہینوں کا استعمال کیا جائے۔

**ہمانان رسولؐ کا خادم ہوں** | مولانا نور محمد صاحب فرماتے ہیں کہ جس زمانے میں مجھے گنہگاہ کی حاضری



نصیب تھی اور حضرت سے حدیث شریف پڑھا کرتا تھا طالب علم ہو یا مسافر جو بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اس کو تین روز تک حضرت اپنا مہمان سمجھتے اور دسترخوان پر پاس بٹھا کر یا مکان سے کھانا منگوا کر اپنے روبرو کھلایا کرتے تھے۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۵۶)

یہ مہاں نوازی اور طلبہ کی خدمت گزاری صرف کھانے پینے تک محدود نہ تھی بلکہ آپ تو ان مہمانانِ رسول کی جوتیاں اٹھانا بھی اپنے لئے باعث برکت و سعادت سمجھتے تھے

ایک مرتبہ صحنِ مسجد میں طلباء کو درس دے رہے تھے کہ بارش ہونے لگی طلبہ کتابیں اور تپائیاں لے کر اندر بھاگے حضرت مولانا نے اپنی چادر بچھائی اور تمام طالب علموں کے جوتے اٹھا کر اس میں ڈال کر ان کے پیچھے پیچھے چل دیئے طلباء نے جب یہ صورت حال دیکھی تو پریشان ہوئے اور بعض طلباء گوروڑ کے کہ حضرت یہ کیا؟ آپ نے فرمایا کہ حدیث میں آتا ہے کہ طلبہ کے لئے چونٹیاں اپنے بلوں میں اور پھلیاں پانی میں دعا کرتی ہیں اور فرشتے ان کے پاؤں کے پیچھے پر پھلتے ہیں ایسے لوگوں کی خدمت کر کے میں نے یہ سعادت حاصل کی ہے آپ مجھے اس سعادت سے کبھی محروم کرتے ہیں رئیس بڑے مسلمان (۱۱)

**قول رسول پر پختہ یقین** | ایک مرتبہ وعظ کے دوران فرمایا۔

میں اپنے آپ کو کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے طفولیت ہی میں مجھے وہ یقین عطا فرمایا تھا کہ لڑکوں کے ساتھ کھیلا کرتا اور جمعہ کا وقت آجاتا تو کھیل چھوڑ کر چلا جاتا اور لڑکوں سے کہہ دیتا تھا کہ میں نے اپنے ماموں سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین جمعہ کا چھوٹنے والا منافق لکھا جاتا ہے، لوگوں کو کہتا ہوں کہ آخر مسلمان ہیں، خدا و رسول پر تو یقین ہوگا



ہی، پھر ایسے فافل کیوں ہیں :-

جس فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر لوگ بڑے ہو کر غفلت برتتے ہیں غور فرمائیے حضرت گنگوہیؒ اپنے بچپن میں کتنا خیال فرماتے تھے اور کیسا پختہ یقین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر رکھتے تھے یہ حقیقت ہے کہ حق تعالیٰ جسے اپنا بنانا چاہیں بچپن ہی سے اس کے آثار واضح ہونے شروع ہو جاتے ہیں، یہی حال حضرتؒ کا تھا اور اسی کا اثر تھا کہ حضرتؒ اپنے خدام و متوسلین کو اتباع سنت کی بہت زیادہ تاکید فرمایا کرتے تھے۔

**اتباع سنت کی تاکید** | مولانا عاشق الہی صاحب بیان کرتے ہیں کہ سالک کو آپ جو کچھ تعلیم ارشاد فرمایا کرتے تھے اس کا

خلاصہ صرف اس قدر تھا کہ حق تعالیٰ کی سچی محبت سودائے قلب میں راسخ ہو جائے جس کا ثمرہ ہر حال میں اتباع شرع اور قدم قدم پر محبوب رب الطین صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع و اقتدار ہے (تذکرۃ الرشید)

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ !

سب کو محض فضل حق تعالیٰ کا جاننا چاہئے اور اپنے پرشکر اور ندامت و انفعال لازم ہے اور امید و رحمت حق تعالیٰ کا رہنا چاہئے اور اتباع سنت کا بہت بہت خیال رہے (معارفات رشیدیہ ص ۱۹)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں !

اتباع سنت کا خیال ہر امر میں پیش نظر رہے کہ اس کے برابر کوئی امر دنیا میں رضائے حق تعالیٰ کے واسطے نہیں، قال اللہ تعالیٰ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی الا یہ اس سے زیادہ کیا لکھوں۔ اس دستور العمل سے زیادہ بہتر کوئی دستور العمل نہیں پایا (معارفات رشیدیہ ص ۲۵)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب جہا جرمی فرماتے ہیں کہ !  
 حضرت گنگوہیؒ کے وصیت نامہ میں بہت زور سے لکھا ہے کہ اپنی زوجہ اپنی  
 اولاد سب دوستوں کو بتا کید وصیت کرتا ہوں کہ اتباع سنت کو بہت  
 ضروری جان کر شرع کے موافق عمل کریں، تھوڑی سی مخالفت کو بھی اپنا بہت  
 سخت دشمن جانیں (اکابر علماء دیوبند ص ۲۹)

ان چند اقتباسات سے واضح ہے کہ حضرت گنگوہیؒ اتباع سنت کی بہت  
 ہی تاکید فرمایا کرتے تھے اور اس کی مخالفت کو بہت زیادہ خطرناک سمجھتے تھے،  
 کیونکہ

محال است سعدی کہ ماہ صفا تو ان رفت جز بر پئے مصطفیٰ  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت  
 خلاف شرع حرکت سے ناگواری | مطہرہ سے آپ کو حد درجہ الفت و عقیدت  
 تھی آپ کے اخلاق اس امر کے شاہد عدل ہیں، آپ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کا کوئی  
 قدم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و سیرت کے خلاف پڑے شریعت  
 مقدسہ کی تقلید پر آپ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو چکے تھے۔

ایک مرتبہ بعد نماز اشراق آپ تشریف لائے اور خلاف معمول منہ پر چادر  
 لپیٹ کر ایک جگہ لیٹ رہے، ایک دن قبل کربال سے ایک بارات گنگوہ آئی  
 ہوئی تھی جس میں ان لوگوں نے رفاصہ کو بھی ساتھ لیا تھا، اس بارات میں آنے  
 والے چند ایک حضرت کے واقف تھے جو سلام کی غرض سے حاضر ہوئے تو دیکھا  
 کہ حضرت ”منہ پر چادر ڈھانپ کر لیٹے ہیں دیر تک یہ لوگ بیٹھے رہے مگر آپؒ نے  
 چادر نہ ہٹائی آخر ش ایک صاحب نے کہا کہ ہم تو سلام و زیارت کے لئے حاضر ہوئے  
 ہیں آپ نے چادر ہی میں جواب دیا کہ میری زیارت میں کیا دھڑا ہے؟ یعنی جب تم

# اس چرچہ پر پہلی سیرت

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى  
نصف صدی پہلے کا قصہ پارینہ ہے کہ جنوری ۱۹۳۸ء میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی (قدس سرہ) نے دور جدید کے نظریہ قومیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "موجودہ زمانے میں قومیں مذہب سے نہیں بلکہ اوطان سے بنتی ہیں" ایسی اخبارات نے حضرت کے خلاف یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ وہ "ملت از وطن است" کے قائل ہیں اور مسلمانوں کو یہ تلقین کر رہے ہیں کہ وہ مذہب کے بجائے وطن کو قومیت کی بنیاد بنائیں، یہ پروپیگنڈا اتنا شدید تھا کہ پورے ملک میں حضرت کے خلاف طوفان بدتمیزی برپا کر دیا گیا، اس اخباری مشاغبت سے متاثر ہو کر علامہ سر محمد اقبال مرحوم نے بھی حضرت کے بارے میں مشہور نظم "عجم ہنور ندانند رموز دیں ورنہ" لکھ کر اخبارات میں شائع کرا دی۔

علامہ عبد الرشید نسیم (جو طاوت کے قلمی نام سے متعارف تھے) حضرت مدنی اور اقبال مرحوم دونوں کے عقیدت مند تھے انھوں نے اس قضیہ کو سلجھانے کیلئے حضرت مدنی (نور اللہ مرقدہ) کی خدمت میں اصل واقعہ کی تحقیق کے لئے ایک عریضہ لکھا حضرت نے اس کا بہت ہی طویل اور مفصل جواب تحریر فرمایا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ



”ملت از وطن است“ کا نظریہ لگی اخبارات کی تراشیدہ خالص تہمت ہے میں نے اپنی تقریر میں دور جدید کا یہ نظریہ ذکر کیا تھا کہ ”قومی مذہب سے نہیں بلکہ اوطان سے بنتی ہیں“ مولانا طالوت مرحوم نے اس مکتوب مدنی کے اقتباسات علامہ اقبال کو لکھ بھیجے، علامہ اقبال نے حضرت مدنی کی وضاحت سے مطمئن ہو کر اپنا اعتراض واپس لے لیا اور اخبار میں اس تنقیدی نظم سے رجوع کا اعلان کر دیا چنانچہ علامہ کا یہ تردیدی بیان اخبار ”احسان“ لاہور میں مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۳۵ء کو شائع ہوا جس کا پورا متن اخباری سرخی کے ساتھ حسب ذیل ہے:-

میں نے مسلمانوں کو وطنی قومیت اختیار کرنے کا مشورہ نہیں دیا

(حضرت مدنی کا بیان)

”مجھے اس اعتراف کے بعد ان پر اعتراض کرنے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا“

(علامہ اقبال کا مکتوب)

قومیت و وطنیت کے مسئلہ پر ایک علمی بحث کا خوشگوار خاتمہ

جناب ایڈیٹر صاحب ”احسان“ لاہور السلام علیکم

میں نے جو تبصرہ مولانا حسین احمد صاحب کے بیان پر شائع کیا ہے اور جو آپ کے اخبار میں شائع ہو چکا ہے اس میں میں نے اس امر کی تصریح کر دی تھی کہ اگر مولانا کا یہ ارشاد ”زادِ حال میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں“ محض بر سبیل تذکرہ ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں، اور اگر مولانا نے مسلمانان ہند کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ جدید نظریہ قومیت کو اختیار کر لیں تو دینی پہلو سے مجھے اس پر اعتراض ہے، مولوی صاحب کے اس بیان میں جو اخبار ”انصاری“ میں شائع ہوا ہے، مندرجہ ذیل الفاظ ہیں:-

لہذا ضرورت ہے کہ تمام باشندگان ملک کو منظم کیا جائے اور ان کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کر کے کامیابی کے میدان میں گامزن بنایا جائے

ہندوستان کے مختلف عناصر اور متفرق طل کیلئے کوئی رشتہ اتحاد بجز قومیت اور کوئی رشتہ نہیں جس کی اساس محض یہی ہو سکتی ہے۔  
ان الفاظ سے تو میں نے یہی سمجھا کہ مولوی صاحب نے مسلمانان ہند کو مشورہ دیا ہے اسی بنا پر میں نے وہ مضمون لکھا جو اخبار ”احسان“ میں شائع ہوا ہے لیکن بعد میں مولوی صاحب کا ایک خط طاہر صاحب کے نام آیا جس کی ایک نقل انھوں نے مجھ کو ارسال کی ہے، اس خط میں مولانا ارشاد فرماتے ہیں۔

”میرے محترم سر صاحب کا ارشاد ہے کہ اگر بیان واقعہ مقصود تھا تو اس میں کوئی کلام نہیں ہے اور اگر مشورہ مقصود ہے تو خلاف دیانت ہے اس لئے میں خیال کرتا ہوں کہ پھر الفاظ پر غور کیا جائے اور اسکے ساتھ ساتھ تقریر کے لاحق و سابق پر نظر ڈالی جائے میں یہ عرض کر رہا تھا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں، یہ اس زمانے کی جاری ہونے والی نظریات اور ذہنیت کی خبر ہے، یہاں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ ہم کو ایسا کرنا چاہیے یہ خبر ہے انشا نہیں ہے کسی ناقل نے مشورے کو ذکر بھی نہیں کیا پھر اس کو مشورہ قرار دینا کس قدر غلطی ہے

خط کے مندرجہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انھوں نے مسلمانان ہند کو جدید نظریہ قومیت اختیار کرتے کام شروع دیا لہذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق اعتراض کرنے کا نہیں رہتا، میں مولانا کے ان تہنید کے جوش عقیدت کی قدر کرتا ہوں جنھوں نے ایک دینی امر کی توضیح کے صلے میں پرائیویٹ خطوط اور پبلک تحریروں میں گالیاں دیں، خدائے تعالیٰ ان کو مولانا

کی صحبت سے زیادہ مستفید فرمائے نیز ان کو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حیثیت دینی کے احترام میں میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں

(محمد اقبال) (اقبال کے ممدوح علماء ص ۱۸۶، ۱۸۷)

اس اعلان کے ذریعہ اقبال مرحوم نے ان اشعار سے رجوع کر کے گویا انہیں اپنے کلام سے قلمزد کر دیا، اگر اپنا آخری مجموعہ کلام ”ارمغان حجاز“ وہ خود اپنی زندگی میں مرتب کرتے تو یہ منسوخ شدہ تین شعر اس میں راہ نہ پاتے، لیکن اس اعلان کے تین ہفتہ بعد ۲۲ اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال مرحوم دارفانی سے رحلت فرما گئے ان کی وفات کے بعد اکتوبر ۱۹۳۸ء میں ان کا آخری مجموعہ ”ارمغان حجاز“ کے نام سے شائع ہوا اس کے آخر میں یہ شعر بھی ”حسین احمد“ کے عنوان سے شامل کر دیئے گئے۔

حالانکہ دیانت و امانت کا تقاضا تھا کہ یہ قلمزدہ اشعار اس میں شامل نہ کئے جاتے، اور اگر مرتبین کے نزدیک یہ تین شعرو جی مقدس کا درجہ رکھتے تھے جس کی حفاظت ان پر لازم تھی تو دیانت و امانت کا کم سے کم تقاضا یہ تو تھا کہ ان پر ایک نوٹ لکھ دیا جاتا کہ مصنف نے ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو اس ”جی مقدس“ سے رجوع کا اعلان کر کے اس کو منسوخ کر دیا تھا۔ اقبال کے ممدوح علماء کے مصنف جناب قاضی افضل حق قریشی صاحب لکھتے ہیں:-

”اقبال اور مولانا مدنی“ کا قضیہ جناب طاہر کی کوششوں سے اختتام پذیر ہوا، دونوں بزرگوں نے ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھا اور بالآخر حضرت علامہ نے فرمایا! میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا سے اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق ان پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا۔ مولانا کی حیثیت دینی کے احترام میں میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں (انوار اقبال ص ۱۷۰)



لیکن نجانے ارمغانِ حجاز کے مرتبین نے پھر بھی کن مصلحتوں کے تحت وہ اشعار کتاب میں شامل کر لئے، حضرت علامہ کے بعض دوستوں اور ماہرینِ اقبالیات کی رائے ہے کہ اگر یہ مجموعہ حضرت علامہ کی زندگی میں چھپتا تو یہ اشعار اس میں شامل نہ ہوتے۔ جناب خواجہ عبدالوحید لکھتے ہیں۔

ارمغانِ حجاز اگر حضرت علامہ علیہ الرحمہ کی زندگی میں چھپتی تو یہ نظم اس میں شامل نہ ہوتی (اقبال ریویو جنوری ۱۹۶۹ء ص ۶۷)

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید "سرگزشتِ اقبال" میں تحریر فرماتے ہیں۔  
اگر وہ ارمغانِ حجاز کی ترتیب اپنی زندگی میں کرتے تو شاید وہ تین اشعار درج نہ کرتے جن میں مولانا حسین احمد مدنی پر چوٹ کی گئی تھی (سرگزشتِ اقبال ص ۴۷)  
(اقبال کے ممدوح علماء ص ۸۸-۸۹)

آج کی صحبت میں اس قصہ پارینہ کو زیر بحث لانے سے میرا مقصد نہ تو حضرت شیخ الاسلام (نور اللہ مرقدہ) کا دفاع ہے اور نہ ان غلطیوں کی نشاندہی ہے جو اقبال مرحوم سے اس تین شعری نظم میں شعری حیثیت سے سرزد ہوئیں، یہ دونوں بزرگ اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ چکے ہیں امید ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے مرتبہ و مقام سے جوا نہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں حاصل ہے آگاہ ہو چکے ہوں گے۔

حدیث میں ہے

لا تسبوا الاموات فانهم قد افضوا الى ما قدموا  
(مسلمان) مردوں کو برا بھلا نہ کہو، کیونکہ انھوں نے جو کچھ آگے بھیجا ہے وہ اس تک پہنچ چکے ہیں۔  
(صحیح بخاری ص ۱۸۷)

اس لئے آج کی گفتگو سے مقصود کسی بزرگ کی تقریظ یا تنقید نہیں، بلکہ صرف اس سوال پر غور کرنا ہے کہ ان منسوخ شدہ اشعار کو کلیاتِ اقبال سے خارج کیوں

نہیں کیا گیا، اس کے اسباب و علل کیا تھے؟ اس کے ظاہری اسباب تو ”ارمغان حجاز“ کے مرتبین کے علم میں ہوں گے یا علامہ مرحوم کے صاحبزادہ جناب حبیب الرحمن صاحبزادہ جناب صاحب ان اسباب و علل سے پردہ ہٹا سکیں گے مرتبین کے ساتھ حسن ظن سے کام لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ اقبال کے آخری شعر

مصطفیٰ برسوں خولش را کردیں ہمہ دوست

گر بہ او ز سہی ہمہ بولہی است

میں ایک حکیمانہ اور جاودانی پیغام تھا اس لئے ان کو گوارہ نہ ہوا کہ اس پیغام کو ضائع کر دیا جائے اور اسے آئندہ نسلوں تک نہ پہنچایا جائے، اس کے باوجود یہ سوال بدستور باقی رہتا ہے کہ ان اشعار کو اگر ناگزیر مصلحت کی بنا پر ”ارمغان حجاز“ میں بھرتی کرنا ہی ضروری تھا تو کم سے کم اس مضمون کا نوٹ ہی لکھ دیا جاتا کہ :

مولانا حسین احمد مدنی کی طرف ان اشعار میں جو بات منسوب کی گئی ہے کہ

وہ ”ملت از وطن است“ کے قائل ہیں، قطعاً خلاف واقعہ ہے، علامہ

اقبال کو ایک غلط اطلاع کی بنا پر غلط فہمی ہوئی تھی، اس لئے انھوں نے

حمیت اسلامی کے جذبہ سے مولانا مدنی پر شدید تنقید کی لیکن جب موصوف

کو حقیقت حال پر اطلاع ہوئی تو انھوں نے اپنی یہ تنقید واپس لے لی،

اور ۲ مارچ ۱۹۳۸ء کے اخبار ”احسان“ لاہور میں اپنا بیان شائع کر دیا

کہ اس کے بعد مجھے مولانا پر کوئی حق اعتراض کرنے کا نہیں رہتا۔

ایسا نوٹ لکھنا جس طرح ۱۹۳۸ء میں فرض تھا، آج نصف صدی بعد ۱۹۸۵ء

میں بھی فرض ہے اور ”ارمغان حجاز“ کے مرتبین اور اقبال کے وارثین کے بارے

میں خواہ کیسے ہی حسن ظن سے کام لیا جائے وہ اس خلاف دیانت کارروائی سے کبھی

عہدہ برائے نہیں ہو سکتے، ہم علامہ اقبال مرحوم کے فرزند ارجمند جناب حبیب الرحمن صاحبزادہ جناب

سے گذارش کریں گے کہ یہ خلاف دیانت کارروائی ارمغان حجاز کے لئے اس کے مرتبین کیلئے بلکہ خود ان کے والد گرامی قدر علامہ اقبال مرحوم کے لئے بھی نہایت ننگ و عار کی موجب ہے، ان کا فرض ہے کہ اس خیانت و بددیانتی اور اس ننگ و عار کے غلیظ دھبے سے کتاب کو پاک کریں اور مندرجہ بالا مضمون کا نوٹ لکھ کر اخبارات میں شائع کر دیں، جس سے نہ صرف پچاس سالہ خیانت و تہمت تراشی کے گناہ سے توبہ ہو جائے گی بلکہ وہ اپنے والد بزرگوار کی سنت ایک بار پھر تازہ کرنے والے ہوں گے۔ اور اگر انھوں نے ایسا نہ کیا تو ظاہر ہے کہ جب تک یہ کتاب دنیا میں موجود رہے گی اس تہمت تراشی کا گناہ ہمیشہ ان کے حصہ میں آتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کے کسی بندے پر کسی ناکردہ گناہ کا الزام عائد کرنا تہمت اور بہتان ہے اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی (نور اللہ مرقدہ) جیسے سرتاج اولیا پر ایسی تہمت تراشی ایک جملک زہر ہے، جناب جسٹس جاوید اقبال صاحب ان اشعار پر ایسا وٹ شائع کر کے آج بھی اس زہر کا تریاق مہیا کر سکتے ہیں، لیکن کل جب آنکھیں بند ہونگی تو اس کا کوئی تدارک وہ نہیں کر سکیں گے۔

من نمی گویم کہ در بند زیاں یا سود باش

اے ز فرصت بے خبر در ہر پہ خواہی زود باش

حق تعالیٰ شانہ کے ہر کام میں بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں، فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمة کا مقولہ زباں زد خاص و عام ہے راقم الحروف ایک دن اس پر غور کر رہا تھا کہ آخر اس میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت ہوگی کہ علامہ اقبال مرحوم نے حضرت شیخ الاسلام مدنی (نور اللہ مرقدہ) کے بارے میں کہے گئے اشعار سے رجوع کر لیا تھا مگر ان اشعار نے اقبال سے آج تک رجوع نہیں کیا، وہ نصف صدی سے کلام اقبال میں چلتے آتے ہیں، اقبال کے کسی خیر خواہ اور کسی نیاز مند کو آج تک ان پر نوٹ لکھنے کی بھی توفیق نہیں



ہوئی اور ان اشعار کی آڑ نے کرایسے لوگ بھی حضرت شیخ الاسلام مدنی (رحمۃ اللہ علیہ) کی پوسٹین درمی کرتے آرہے ہیں جن کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں، یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے، چنانچہ ابھی چند دن پہلے ایک صاحب نے روزنامہ جنگ کے کالموں میں اقبال کے انہی اشعار کے حوالے سے گل افشائیاں کی تھیں آخر ایسا کیوں ہوا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت۔ کارفرما تھی۔؟

حق تعالیٰ شانہ کے کاموں کی حکمتوں کا احاطہ کون کر سکتا ہے مگر غور و فکر کے دوران اس ناکارہ کا ذہن دو باتوں کی طرف گیا۔

ایک یہ کہ کسی مقبول بارگاہِ خداوندی کو بالفرض اگر ساری دنیا بھی برا کہتی پھرے تو اس سے اس برگزیدہ شخصیت کی مقبولیت عند اللہ بر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ جو شخص اس بارگاہِ عالی میں مقبول و محبوب ہو تو اس کے بارے میں اہل دنیا کی طعن و تشنیع، غوغائے سگاہ کی حیثیت رکھتی ہے اور پھر مخلوق کی زبان طعن سے جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بھی محفوظ نہیں، تاہم دیگر ان پر رسد دراصل سنت اللہ پر نہیں پڑتی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ بعض برگزیدہ ہستیوں کی محبت و عداوت کو اہل حق اور اہل باطل کی شناخت کا معیار بنا دیتے ہیں، مثلاً،

قافلۂ انسانیت میں سب سے مقدس ترین جماعت انبیاء کرام علیہم السلام کی ہے جن سے محبت و عداوت ایمان و کفر کا معیار ہے لیکن کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس کو سب نے مان لیا ہو بلکہ ہر نبی کے مقابلہ میں بد بختوں کا ایک ٹولہ ہمیشہ رہا جو ان مقدس ہستیوں پر زبان طعن و راز کر کے اپنے لئے جہنم کا گڑھا کھودتا رہا، قرآن کریم میں ارشاد ہے

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ  
عَدُوًّا شَيَاطِیْنَ اِلَاسِ  
وَاجْنِ یٰوْحٰی بَعْضُهُمْ اِلٰی  
بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ  
غُرُورًا. وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ  
مَا فَعَلُوْهُ فَذَرَهُمْ  
وَمَا یَفْتَرُوْنَ

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کیلئے دشمن بہت  
سے شیطان پیدا کئے تھے کچھ آدمی اور  
کچھ جن جن میں سے بعضے دوسرے  
بعضوں کو چکنی چٹری باتوں کا دوسوہ  
ڈالتے رہتے تھے تاکہ ان کو دھوکہ میں  
ڈال دیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ  
ایسے کام نہ کر سکتے، سو ان لوگوں کو اور  
جو کچھ یہ افترا پر دازی کر رہے ہیں اس  
کو آپ رہنے دیجئے (ترجمہ حضرت تھانوی)

(الانعام: ۱۱۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سب سے افضل و برگزیدہ جماعت  
حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہے اور اس جماعت کے سرکردہ اور کھل سرسبد  
حضرات خلفائے راشدین ہیں، بعد از انبیاء انہی کا مرتبہ ہے انبیاء کرام علیہم السلام  
کے بعد ان کے مرتبہ کا کوئی شخص ہونا ہوگا اور نہ ہو سکتا ہے، انبیاء کرام علیہم السلام کو  
مستثنیٰ کر دینے کے بعد پوری نوع انسانی میں سب سے افضل (علی الترتیب)  
خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ہیں، ان کی عظمت و تقدس، ان کے فضائل و کمالات  
ان کے مرتبہ بلند اور ان کی جلیل القدر خدمات تقاضا یہ تھا کہ پوری امت اسلامیہ  
ان کی احسان شناس مدح خواں ہوتی، ان کی رفعت و جلالت اور امت پر ان کے  
احسانات کے آگے پوری امت کی گردنیں جھک جائیں اور کسی کو بھی ان کی ذاتِ گرامی  
سے اختلاف نہ ہوتا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں بھی ایسا نہیں ہوا بلکہ بے دینوں  
کا ایک ٹولہ ہے جو اپنے تئیں امتِ محمدیہ (علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات) میں  
شمار کرتا ہے، حضرات خلفائے راشدینؓ سے بغض و عداوت ہی کو دین و ایمان سمجھتا

ہے اس کے نزدیک ان مقدسین پر تبرے بولنا ہی بڑی عبادت اور کارِ ثواب ہے  
اس کے خیال میں پوری نسلِ انسانی میں خلفائے راشدینؑ سے بدتر کوئی آدمی شاید  
پیدا نہیں ہوا نعوذ باللہ، استغفر اللہ، اور انھیں مار قین کا ایک گروہ خلیفہ چہارم  
امیر المومنین علیؑ کرم اللہ وجہہ کو "شرابریہ" تصور کرتا ہے

ظاہر ہے کہ ان بدباطنوں کی اس ہرزہ سرائی سے حضراتِ خلفائے راشدین  
رضی اللہ عنہم کا کیا بگڑا تلبہ ہے وہ تو آج بھی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ رحمت  
سے لپٹے ہوئے ہیں اور پس از مرگ بھی محمد رسول اللہ والذین معہ کی جیتی جاگتی  
شہادت ..... پیش کر رہے ہیں البتہ ان کا وجود گرامی اہل حق اور اہل باطل  
کی شناخت کا معیار بن گیا ہے، ان اکابر سے بغض و عداوت رکھنے والا خود اپنے  
خبطِ باطن کا اظہار کرتا ہے اور اسکی شہادت دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے درجِ ذیل  
ارشادات کا مصداق ہے۔

نولہ ما تولى ونصله جهنم	ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دینگے
(النساء: ۱۱۵)	اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔
اور لیغیظ بہم الکفار	تاکہ ان سے کافروں کو جلا دے
(الفتح: ۲۹)	

اور خلفائے راشدینؑ کے خلاف بدباطنوں کی ہرزہ سرائی ان اکابر کے رفیع درجہات  
کا ایک مستقل ذریعہ ہے۔

ائمہ مجتہدین میں حضرت الامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا جہنمقا ہے وہ کسی صاحبِ علم  
و دانش سے مخفی نہیں انھیں تابعت کا شرف حاصل ہے ان کے علم و فضل اور شرف  
و منزلت کی بنا پر اس کا براہِ امت نے انھیں نقیۃ الامت، نقیۃ الملک، امام الامم اور  
الامام الاعظم ایسے القاب سے یاد کیا لیکن حرام نصیبوں کا ایک گروہ ہمیشہ سے



چلا آیا ہے جو ان کی عیب چینی اور پوستیں درمی پر فخر کرتا ہے اور حضرت الامام سے ایسے گھناؤنے الزامات منسوب کرتا ہے جن کا کسی ادنیٰ مسلمان کے بارے میں تصور نہیں کیا جاسکتا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک طرف حضرت الامام کیلئے رفیع درجات کا سامان کر دیا اور دوسری طرف اہل حق اور اہل بطلان کی شناخت کا ان کی شخصیت کو معیار بنادیا، اپنی کتاب "اختلاف امت" اور صراط مستقیم حصہ دوم میں امام عبدالعزیز بن ابی رزاد (م ۱۵۹ھ) کا قول نقل کر چکا ہوں۔

"جو شخص امام ابوحنیفہؒ سے محبت رکھے وہ سنی ہے، اور جو ان سے بغض رکھے وہ بدعتی ہے" اور ایک روایت میں ہے "ہمارے پاس لوگوں کے جانچنے کے لئے ابوحنیفہؒ معیار ہیں جو ان سے محبت اور دوستی رکھے وہ اہل سنت میں سے ہے اور جو ان سے بغض رکھے ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بدعتی ہے۔" (الانحراف الحسان ص ۲۲)

حافظ مغرب ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی المالکی (۴۲۸ھ) حضرت الامام کی برأت ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

"داناؤں کا قول ہے کہ گزشتہ بزرگوں میں کسی شخصیت کے عقبی ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کے بارے میں دو متضاد انتہا پسندانہ رائیں ہوں جیسے حضرت علیؓ و کرم اللہ وجہہ کے بارے میں دو گروہ ہلاک ہوئے، ایک حد سے بڑھ کر دوستی کرنے والا اور دوسرا حد سے بڑھ کر دشمنی کرنے والا، اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ "تیرے بارے میں دو گروہ ہلاک ہوں گے ایک محب مفرط، دوسرا مبغض مفرط، اور وہ عقبی شخصیتیں جو دین و فضل میں آخری حد تک پہنچ گئی ہوں، ان کے بارے میں لوگوں کی آرا اسی طرح متضاد اور انتہا پسندانہ ہوا کرتی ہیں۔"

ہمارے دور میں شیخ الاسلام المجاہد فی سبیل اللہ حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب نور اللہ مرتدہ کے بارے میں بھی یہی سنت اشد و نما ہوئی، حضرت کی جامع شخصیت بھی ایسی ہی معیاری تھی جس نے متفرق کمالات میں بلندیوں کی آخری حدود کو چھو لیا تھا اور جس کے بارے میں لوگوں کی انتہا پسندانہ متضاد آرا قائم ہوئیں حضرت کی جامعیت کے سلسلہ میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے، حضرت بنوریؒ تحریر فرماتے ہیں

”قدرت نے حضرت علیہ الرحمہ میں ایسے مختلف الانواع کمالات رکھے تھے اور ایسے تضاد جمع کئے تھے کہ حقیقت انسا نہ معلوم ہوتی ہے، اس پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا اب سے ٹھیک بیس برس قبل جامعہ ازہر قاہرہ کی طرف سے علماء ازہر کا ایک وفد ہندوستان کے علمی اداروں کے معائنہ اور علمی رد و بط پیدا کرنے آیا تھا وفد کے رئیس شیخ ابراہیم الجبالی تھے جو ممتاز عالم تھے اور نہایت ذکی اور بے مثل خطیب تھے، شیخ جبالی اپنے رفقاء الاستاذ عبدالوہاب البخارا اور شیخ احمد الحدادی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند بھی پہنچے یہ وہ دور تھا کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ دارالعلوم کے صدر تھے اور حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ ایک ماہ کی رخصت پر تھے اور ہندوستان کا دورہ کر رہے تھے اس زمانہ میں سیاسی معرکہ آرائی کا بازار گرم تھا، مسلم لیگ کا عروج شروع ہو گیا تھا اور مسلم لیگ کی مخالفت یا زموافقت کفر سے کم جرم نہ تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا عثمانیؒ نے ان کا شایان شان استقبال کیا، حضرت مولانا مدنیؒ کو بھی اپنا دورہ ملوثی کرنے کے لئے تار ویدیا کر وہ تشریف لائیں لیکن حضرت نے اپنے دورہ کو جاری رکھنا ضروری سمجھا اور

حاضری کے لئے معذرت پیش کی اس وجہ سے شیخ جبالی مرحوم کی ملاقات حضرت علیہ الرحمہ سے نہ ہو سکی، میں اس زمانہ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تھا اور اسی زمانہ میں مجلس علمی ڈابھیل کی طرف سے بحیثیت مولانا سید احمد رضا صاحب بخنوری ایک علمی خدمت کے سلسلہ میں مصر کا سفر پیش آیا قاہرہ پہنچے تو شیخ جبالی سے ملاقات ہوئی، بے حد اکرام سے پیش آئے اور پر تکلف دعوتِ طعام سے تواضع کی ملاقات کے دوران میں نے چند مشاہیر کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی اور پھر حضرت مدنی کے بارے میں دریافت کیا کہ حضرت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ میری ملاقات خود براہ راست موصوف سے نہ ہو سکی تاکہ میں خود کوئی رائے قائم کرتا لیکن ان کے مخالفین اور ان کے معتقدین دونوں سے ایسے متضاد بیان سنے ہیں کہ ان بیانات کے پیش نظریہ رائے قائم کی ہے۔

”ھو اما ملک واما شیطان“ پھر فرمایا کہ تم فیصلہ کرو کہ دونوں میں کون سا فیصلہ صحیح ہے، میں نے عرض کیا نعوذ بملک حتی ہاں وہ فرشتہ تھے۔

(روزنامہ ”الجمیۃ“ دہلی شیخ الاسلام نمبر ص ۲۸)

حضرت کی سیاسی رائے سے تو دیانتداری کے ساتھ اختلاف ہو سکتا تھا، اور واقعہ یہ ہے کہ بہت سے اکابر کو ہوا بھی، اختلاف رائے ایک فطری امر ہے لیکن جو حضرت کی روحانی مرتبہ و مقام سے آشنا تھے وہ حضرت کی شان میں سوء ادب کو گناہِ عظیم سمجھتے تھے حضرت اقدس مولانا محمد ایاز دہلوی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ شورش کاشمیری مرحوم نے نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں۔

”یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب تحریک پاکستان کا آفتاب نصف النہار پر تھا، ان دنوں دہلی میں مسلم لیگ کا ایک جلسہ عام تھا، کسی نہ کسی طرح مسلم لیگ کے مقامی رہنما مولانا محمد ایاز بانی تبلیغی جماعت کو جلسہ میں لے آئے، خوب دھواں دھار تقریریں ہوئیں، تقریباً تمام گومقروں نے مولانا حسین احمد



مدنیؒ کے خلاف انتہائی گندہ زبان استعمال کی اور اس طرح اپنا نقطہ نگاہ پیش کیا یہی ان کا سراپہ تھا، اور شاید وہ اس کے سوا کچھ جانتے ہی نہ تھے ان کا خلاصہ بیان اس پر ختم ہوتا کہ شیخ الاسلام حسین احمد مدنی نہیں، مولانا محمد الیاسؒ ہیں اور ان کی تعریف میں دو چار زوردار کلمات کہہ کر اپنی تقریر ختم کر دیتے، آخر میں مولانا محمد الیاسؒ نے خطاب کیا اور صرف چند کلمات کہہ کر اپنی تقریر ختم فرمادی، مولانا نے فرمایا کہ :

مولانا کی سیاسی رائے میری سمجھ سے بالاتر ہے، اگر میں ان سے اتفاق کرتا تو ان کی کفش برداری کرتا لیکن میں ان کی ذات کے خلاف کوئی کلمہ اپنی زبان پر لا کر جہنم کی آگ خریدنا نہیں چاہتا کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے مرتبہ سے آگاہ ہوں، اس قسم کا حوصلہ وہی نوجوان کر سکتے ہیں جو حیل احمدؒ کے درجہ و مقام سے واقف نہیں ہیں اور نہ قرآنی اخلاق کی اسلامی حدود سے بہرہ ور ہیں (راہنامہ الرشید، سہ ماہیال مدنی و اقبال نمبر ص ۳۳۲)

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ جو حضرت مدنیؒ کے سب سے بڑے سیاسی حریف تھے ان کا ایک ارشاد حضرت کے بارے میں حضرت بنوریؒ نے ایک واقعہ کے ضمن میں نقل کیا ہے، حضرت بنوریؒ فرماتے ہیں۔

”دارالعلوم دیوبند میں ایک مرتبہ طلبہ اور بستی والوں میں فساد کی صورت پیدا ہو گئی طلبہ مظلوم تھے اس لئے ان کو انتقام کی فکر تھی جذبات اتنے مشتعل تھے کہ ان پر قابو پانا طاقت سے باہر تھا، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی ہدایت میں اساتذہ و طلبہ کا ایک اجتماع ہوا اس موقع پر حضرت نے ایک تقریر فرمائی، ظاہر ہے کہ حضرت صرف خطابت کی حیثیت سے ایسے ممتاز خطیب نہ تھے کہ صرف زور خطابت سے مجمع پر قابو پاتے لیکن قدرت نے جو

روحانی طاقت دی تھی ایسے موقع پر جو اس کا ظہور ہوا اور جس مؤثر انداز میں تقریر فرمائی آج پندرہ سال بعد بھی اس کی آواز میری سامعہ میں گونج رہی ہے، موضوع تقریر یہ تھا کہ مظلوم بننا کتنا مفید ہے اور اشتقا اگرچہ برحق ہو اس حق کو چھوڑنا اللہ تعالیٰ کی کن رحمتوں کا ذریعہ بنتا ہے میں نے درجنوں تقریروں حضرت کی سنی تھیں لیکن زندگی میں پہلی مرتبہ مشکل ترین وقت میں جہاں لوگوں کے حوصلے ختم ہو چکے تھے ایسی مؤثر ترین قرآنی ایسا محسوس ہوا تھا کہ آگ پر آسمان سے پانی برس رہا ہے ایک گھنٹہ کی تقریر میں سارے جذبات مشتعل ایسے سرد پڑ گئے کہ گویا ایک شیطانی طلسم تھا فرشتوں کے ظہور سے ایک آن میں ٹوٹ گیا ہر طرف سکون ہی سکون تھا، حضرت مولانا عثمانی رحمہ اللہ نے حضرت علیہ الرحمہ کی تقریر کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ بھائیو! اس سے زیادہ میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ میرے علم میں بسیط ارض پر شریعت و طریقت کا حضرت مولانا سے بڑا کوئی عالم موجود نہیں ۛ

(روزنامہ الجمعیۃ دہلی شیخ الاسلام نمبر ص ۲۸)

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا یہ فقرہ نقل کر کے حضرت بنوریؒ لکھتے ہیں ”جب وقت کے بڑے محقق و اہل کمال حضرت علیہ الرحمہ کو اپنی خصوصیات و کمالات میں آیات اللہ اور حجتہ اللہ علی الخلق سمجھتے تھے تو میری بساط ہی کیا ہے کہ کچھ کہا جاسکے ۛ (حالیہ مذکور)

اسکے برعکس حضرت روحی شان میں سوراوب اہل باطل و اہل بطالت کا شمار رہا ہے، تحریکات کے زمانہ میں جن لوگوں نے بیگیت کے جوش جنوں میں حضرت کی توہین و تذلیل کے اپنی بد نصیبی کا مظاہرہ کیا اسے تو بعض لوگ وقتی اشتعال و ہیجان کہہ کر ٹال سکتے ہیں لیکن قدرت کو منظور تھا کہ امت کی دیگر نابغہ شخصیتوں کی طرح حضرت شیخ الاسلام (باقی ملے پر)

# یکساں سول کوڈ

## کے مضر اثرات

ڈاکٹر رشید الوحیدی، جامعہ ملیہ، نئی دہلی  
یہ مسئلہ تو اپنی جگہ اہم ہے ہی کہ یکساں سول کوڈ سے مسلم پرسنل لا پر کتنی زبردست زد پڑے گی اور پھر اس زد سے مسلمانوں پر کس قدر دُور رس اثرات مرتب ہوں گے مگر یکساں سول کوڈ سے صرف یہی ایک نقصان نہیں ہے، یہ تو اس سے پیدا ہونے والے نتیجے کا صرف ایک پہلو ہے جس کا تعلق مسلمان فرقے سے ہے، ہمارا یہ اندازہ تجربات اور دلائل پر مبنی ہے کہ اس کے نقصانات سے ملک اور ملک میں بسنے والے دوسرے فرقے بھی متاثر ہوں گے،

غور فرمائیں ”یکساں سول کوڈ“ صرف مسلم پرسنل لا کے مقابلے پر آنے والا نیا قانون نہ ہوگا بلکہ یہ مطلق پرسنل لا کی نفی کرتا ہے وہ پرسنل لا ہندو، سکھ، جیسائی اور دوسرے فرقوں کا بھی ہو سکتا ہے اور تب ان تمام مذہبی اکائیوں کو سوچنا ہوگا کہ کیا وہ ”سول کوڈ“ کی قربان گاہ پر اپنی صدیوں کی مذہبی و رواجی باندیوں کو قربان کر دیں گے واقعہ یہ ہے کہ اگر انصاف اور صاف ذہن سے مذکورہ مذاہب کے نمائندے غور فرمائیں، تو اندازہ ہو جائے گا کہ یکساں سول کوڈ کے مقابلے پر قانونی جدوجہد کرنے والے نہ ہا اپنے ہی لئے نہیں بلکہ پورے ملک میں بسنے والی تمام اقلیتوں اور مذہبی فرقوں کے لئے میدان میں کھڑے ہوئے ہیں، یہ ضرور ہے کہ مسلمان اپنے اللہ اور رسول کے تسخیر و فاداری اور



جواب دہی کے تصور سے کچھ زیادہ ہی بے چین ہے مگر آخر بھگوان گرد اور ولہ گرد کے ساتھ جذباتی وابستگی اور فرمانبرداری کا معاہدہ تو مسلمانوں کے علاوہ دوسرے فرقوں کو بھی ہے تو کیا وہ دوسرے فرقے یہ سمجھتے ہیں کہ یکاں سول کوڈ کے بعد وہ معاہدہ باقی رہ سکے گا اور کیا یہ سب لوگ پارلیمنٹ کے وضعی قانون کے بعد اپنے پرسنل لاپر عمل کر سکیں گے؟ مسلمان اور دوسرے تمام فرقے اس معاہدے اور اس فرض میں لاکھ کمزور ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ عملی اعتبار سے ہم سب اپنے مذہبی احکام اور مذہبی اصولوں سے بہت ددربھاڑے ہیں اس کو ہم اپنی کوتاہی کہیں گے مگر اسکے ساتھ ہی ہم میں سے ہر ایک کو یہ اطمینان اور فخر تو ہے کہ ہمارا قانون، ہمارا مذہبی رواج، ہمارے مذہبی اصول اپنی جگہ محفوظ اور اٹل ہیں حکومت یا کوئی اور طاقت اس قانون اور اس بنیاد کو مٹا نہیں رہی ہے تو کیا یکاں سول کوڈ لاگو ہو جانے کے بعد ہمارے اطمینان اور فخر باقی رہ سکے گا، یہ یاد رہے کہ پیاری باتیں تنہا مسلمان ہی کہتے نہیں کہی جا رہی ہیں، سنجیدہ اور انصاف پسند اور مذہب سے معمولی سا بھی تعلق رکھنے والے ہر فرقے اور ہر مذہب کے افراد کے سامنے یہ سوال ہے، جب یہ بات صحیح اور یقیناً صحیح ہے تو چاہیے کہ مسلمانوں یا کسی بھی فرقے یا جماعت کی اس کوشش کو کہ "حکومت یکاں سول کوڈ کی تجویز واپس لے لے" سب مل کر سراہیں اور اس آواز میں آواز ملائیں اس سے الگ الگ قومی امتیاز بھی باقی رہے گا اور مشترکہ طور پر قومی اتحاد کو بھی طاقت ملے گی۔

اب ذرا مسئلے کو ملک کے مفاد اور نقصان کی سطح پر سوچئے، کم از کم ہمارے ملک بھارت کے لئے فائدہ مند یہ بات ہوگی کہ یہاں کا ہر شہری اور یہاں رہنے بسنے والے ہر فرقے کا ہر فرد اپنے ملک کی بھلائی اور ترقی کے لئے سوچے اور کوشش کرے اور یہ

چیز بھی ممکن ہے جب انھیں سکون و اطمینان امن و شانتی میسر ہو، بے شک سکون اطمینان امن و شانتی کا تعلق بہت سی چیزوں سے ہے مثلاً عوام کی اقتصادی حالت درست ہو ان کے ہر فرد میں تعلیم ہو تاکہ اس تعلیم کی وجہ سے وہ اچھے مہذب شہری بھی ہوں اور جمہوری اقدار کی خوبیوں کو بھی پہچان سکیں تبھی تو فرض اور حق کے اصول کو سمجھ سکیں گے اس طرح ایمانداری محنت ترقی، غرض امن و شانتی کا ان سب رشتہ ہے اور جتنا زیادہ یہ خوبیاں فرد میں ابھر کر سامنے آئیں گی زندگی پر سکون ہوگی، مگر یہ نہ بھولنا چاہیے کہ ان تمام باتوں میں جو چیز اجتماعی اور انفرادی طور پر بکھلا دینے والی اور انہوں کو بے چین کر دینے والی ہے وہ ہے کسی انسان کے عقیدے، مذہب اس کے پرسنل لا اور اس کے بنیادی اصولوں پر حملہ یا دست درازی یہ ایک ایسا حملہ ہے کہ انسان سارے آدرشوں بلند و بانگ دعوؤں سارے امن و سکون کو پس پشت ڈال کر مال و نتائج سے بے پرواہ ہو کر ان کی حفاظت میں لگ جائے گا، پھر اسے وطن، جہت و ترقی تو کجا اپنے جان و مال کی بھی فکر نہ رہے گی اور وہ اس کے لئے سب کچھ کر گذرے گا، اب تصور کیجئے اگر انتشار و ہنگامے کا یہ دور ملک میں زیادہ عرصہ نہیں تھوڑی ہی مدت کے لئے باقی رہتا ہے تو اس عرصے میں ایک چھوٹا سا فرقہ سہی آخر اس فرقے کے افراد ملک کی بھلائی، ترقی، تجارت، زراعت سب سے غافل نہ رہیں گے اور پھر نہ صرف وہی بلکہ ان کی وجہ سے ملک کی انتظامیہ حکومت اور دوسرے افراد ان کی اس حالت کو کنٹرول کرنے یا سدھارنے کے لئے مصروف ہو جائیں گے اور پھر کچھ ان کا ساتھ دیتے ہوئے کچھ ان کی مخالفت میں لگ جائیں گے، غرض کتنا بڑا طبقہ اور کتنی بڑی طاقت اپنے اصلی مقصد سے ہٹ کر ایک انتشاری کیفیت میں ضائع ہوگی، تو کیا یہ ملک کی کمزوری نہ کہلائے گی؟ کیا



اس سے ملک بجائے ترقی کرنے کے ایک نقطہ پر ٹھہر نہیں جائیگا۔ اور پھر سمجھ نہیں پڑے گا، یہ ہے نتیجہ عوام سے چھڑخانی کرنے کا۔ ” اور بھی کام ہیں دنیا میں محبت کے سوا۔“

کیا حکومت نے ملک کی ساری خرابیاں دور کر دی ہیں اور کیا ملکی ترقی و بھلائی کے سارے مقامات طے کر لئے ہیں کہ بس یکساں سول کوڈ کا مسئلہ ہی رہ گیا ہے اسے نافذ کیا اور سارے مفتخوال طے ہوئے ملک اپنی خوبی کے مزاج پر ہوگا نہیں ہرگز نہیں، بلکہ اس بھیانک زخم کو کریدنے سے جس طرح ناسور رسنے لگے گا وہ تمام جسم کے لئے فساد کا سبب بن جائے گا کچھ لوگ ایسے ہیں جو مارنا نہیں مرنا جانتے ہیں، حکومت سے نکرانا یا قانون کو ہاتھ میں لینا نہیں، ہاں قانونی جدوجہد میں مقصد حاصل کرنے کا فن انھیں آتا ہے، اگر ان کا امتحان لینا ہے تو بسم اللہ ادھر آستگر ہنر آزمائیں۔

اس گفتگو سے الگ اگر صرف مسلمان کو سامنے رکھیں تو اب ایک اور حیثیت سے غور کیجئے، یکساں سول کوڈ کا قانون پارلیمنٹ بنائے گی جس کے تحت مسلمانوں کے عائلی اور شخصی معاملات طے پایا کریں گے، اگر ایک مسلمان بحیثیت مسلمان اس بات کو تسلیم کر لیتا ہے اور اس کی تائید کرتا ہے تو اس کے اثرات معلوم ہے کہاں تک پہنچیں گے؟ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس خاص معاملے یعنی اپنے عائلی و شخصی احکامات میں وہ قرآن و حدیث کے فرمان کو چھوڑ رہا ہے اور اس کے بجائے پارلیمنٹ کے وضعی قانون کو اختیار کر رہا ہے، ظاہر ہے یہ الہی قانون کی خلاف ورزی اور انسانی قانون کی بالادستی کو تسلیم کرنا ہوا، اور یہ صریح فسق ہے، اب یہاں یہ تاویل کرنی کہ وہ بعض معاشرتی معاملات ہی میں پارلیمنٹ کے فیصلے کو تسلیم کرتا ہے جو تشریعی سے زیادہ معاشرتی اور دنیاوی



ہیں یہ براہتہ غلط ہے اسلئے کہ مسلمان کا عائلی قانون ہو یا معاشرتی سبب دین ہے اور الہی قانون ہے، ایک مسلمان خدا کے قانون کو ماننے میں اپنے نفس، اپنی خواہش یا کسی مصلحت کی پیروی ہرگز نہیں کر سکتا کیونکہ وہ الہی قانون کے اختیار کرنے میں خود مختار نہیں ہے، یہ اختیار خدا کا تفویض کردہ ہے اسلئے اس کا یہ اختیار اللہ کے حدود اور قوانین کے اندر ہی رہے گا اور اللہ نے یہ قوانین نسل انسانی کے اس کائنات پر وجود کے ساتھ ہی نازل فرمادیئے ہیں اور پھر وقتاً فوقتاً اس کی یاد دہانی کے لئے، بگڑی ہوئی انسانیت کو پھر اسی راستے پر لانے کے لئے رسول بھی بھیجتا رہا اور آخر میں نبی آخر الزماں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی آخری فیصلہ بھی فرمادیا ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک هم المفسقون، جو لوگ اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہی لوگ نافرمان ہیں۔ بتائیے کہ پارلیمنٹ کے اتارے ہوئے قانون یکساں سول کوڈ کے مطابق ہم کس طرح فیصلہ کر سکتے ہیں۔

(بقیہ ملا) حضرت گنگوہی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتِ مطہرہ کا ہی خیال نہ کیا اور خلاف شرع امور کا ارتکاب کیا اور رقص و سرور کی محفل سجائی تو مجھ سے ملاقات کرنے کا کیا فائدہ (تذکرہ جلد ۲ ص ۸) غیر تو غیر رہے جب اپنے فرزند ارجمند کی حالت بھی خلاف شرع دیکھتے تو فوراً اس پر ناراضگی کا اظہار فرماتے اور کلام و سلام بند کر دیتے تھے (بقیہ آئندہ)

(بقیہ ملا) این چہ بولہی است

مدنی رحمہ اللہ کی شخصیت کو بھی اہل بطالت کی شناخت کا معیار بنادیا جائے اور وہ ہمیشہ اپنا نامہ عمل سیاہ کر کے حضرت کی بلندی درجات کا سامان کرتے رہیں، یہ وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے خفیہ ہاتھوں نے اقبال کے رجوع کے باوجود ان اشعار کو کلام اقبال سے حلق نہیں ہونے دیا (باقی آئندہ)

جز و پنجم

## مولانا مودودی کی تحقیق

# حدیث دجال پر ایک نظر

مولانا عبدالدیان اعظمی

انکار حدیث :- مولانا کی اس تحقیق سے انکار حدیث کی بو آتی ہے کیونکہ جن حدیثوں کو انہوں نے اپنی تحقیق میں قیاسی اور جزر دوم کی حیثیت دے کر غلط اور ناقابل نقل و روایت قرار دیا ہے ان کو برحق اور سند و حجت ماننے سے انکار نہیں تو اور کیا ہے۔

حدیث کا انکار کرنے والے دو طرح سے حدیثوں کا انکار کرتے ہیں پہلی صورت یہ کہ کسی حدیث کو سرے سے حدیث رسول ہی نہیں مانتے کہتے ہیں کہ سرے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمایا ہوا قول ہے ہی نہیں جو واجب التسلیم ہو اور دوسری صورت یہ کہ حدیث کو حدیث رسول تو مانتے ہیں کہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے مگر ساتھ ہی اس میں کوئی لم لگا کر یا کوئی میخ نکال کر اسے غلط اور بے وقعت ٹھہرا دیتے ہیں کہ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا قول ہے جب بھی میسر نزدیک قابل قبول نہیں یا میسر لئے آئین و قانون نہیں، یا میں اسکی اطاعت کا پابند نہیں یا میسر لئے یہ سند و حجت نہیں وغیرہ۔ (نعوذ باللہ) — انکار حدیث کی یہ دونوں صورتیں گمراہی ہیں مگر دوسری

صورت اتنی سخت گمراہی ہے کہ کفر تک پہنچا دیتی ہے، چنانچہ خود مولانا کا اس پر فتویٰ ہے، وہ ترجمان القرآن منصب رسالت نمبر ۱۲۳ میں فرماتے ہیں کہ :-  
 "اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میری تحقیق میں فلاں سنت ثابت نہیں ہے اس لئے میں اسے قبول نہیں کرتا تو اس قول سے اس کے ایمان پر قطعاً کوئی آنخ نہ آئے گی یہ الگ بات ہے کہ ہم علمی حیثیت سے اس کی رائے کو صحیح سمجھیں یا غلط لیکن اگر وہ یہ کہے کہ یہ واقعی سنت رسول ہو بھی تو میں اس کی اطاعت کا پابند نہیں ہوں تو اس کے خارج از اسلام ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ وہ رسول کی حیثیت حکمرانی AUTHORITY کو چیلنج کرتا ہے جس کی کوئی گنجائش دائرہ اسلام میں نہیں ہے" (منصب رسالت نمبر ۱۲۳ زیر عنوان ایمان و کفر کا مدار یہی فتویٰ دوسری جگہ ان الفاظ میں ہے -

"ایک شخص اگر تحقیق کر کے ان میں سے کسی روایت کو سنت کی حیثیت سے تسلیم کرے اور دوسرا تحقیق کر کے اسے سنت نہ مانے تو دونوں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروانے جائیں گے، البتہ ان لوگوں کو حضور کا پیرو نہیں مانا جاسکتا جو کہتے ہیں کہ حضور کا قول و فعل اگر ثابت بھی ہو کہ حضور ہی کا قول و فعل ہے تب بھی وہ ہمارے لئے آئین و قانون نہیں ہے" (منصب رسالت منہاج شیعہ ۱۶)

یہی فتویٰ تیسری جگہ ان لفظوں میں ہے -

"اگر کوئی شخص کسی شہادت کو کمزور یا کر یہ کہتا ہے کہ اس حکم کا ثبوت حضور سے نہیں ملتا اس لئے میں اس کی پیروی نہیں کرتا تو اس کی یہ رائے بجائے خود غلط ہو یا صحیح بہر حال یہ موجب کفر نہیں ہے، بخلاف



اس کے اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ حکم حضور ہی کا ہو تب بھی میرے لئے  
یہ سند و حجت نہیں، اس کے کافر ہونے میں قطعاً شک نہیں کیا جاسکتا  
یہ ایک سیدھی اور سچی بات ہے جسے سمجھنے میں کسی معقول آدمی کو  
انجھن پیش نہیں آسکتی۔ (منصب رسالت نمبر ۲۳۶ حاشیہ ۱۰۴)

یہ ہے مولانا مودودی صاحب کا اپنا فتویٰ۔ جس میں کہا گیا ہے کہ کسی حدیث  
کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول مان کر اس کو اپنے لئے سند و  
حجت تسلیم نہ کرنا اور کوئی لم لگا کر ناقابل قبول ٹھہرانا کفر ہے، اب تحقیق پر  
نظر ڈالئے جس میں خروج دجال کے زمان و مکان وغیرہ سے متعلق احادیث  
رسول کو مولانا یہ تو کہہ نہیں رہے ہیں کہ میرے نزدیک ان کا احادیث رسول اور  
حضور سے منقول ہونا ثابت نہیں ہے بلکہ کہہ یہ رہے ہیں کہ "ان امور کے  
متعلق جو مختلف باتیں حضور سے احادیث میں منقول ہیں وہ دراصل آپ کے  
قیاسات ہیں۔ اور آپ کا (قیاس و) گمان وہ چیز نہیں ہے جس پر  
ایمان لانے (اور برحق تسلیم کرنے) کے لئے ہم مکلف کئے گئے ہوں، یعنی  
ان احادیث کو احادیث رسول اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول تو مانتے  
ہیں مگر منقول مان کر ان کو اپنے نزدیک برحق اور سند و حجت قرار نہیں دیتے  
اور قیاس و خیال کی لم لگا کر ان کو غلط اور ناقابل قبول و ناقابل نقل و ردایت  
ٹھہراتے ہیں، یہ انکار حدیث نہیں تو اور کیا ہے؟ اور وہ بھی انکار حدیث کی وہ  
صورت جو نہایت خطرناک ہے۔ اب مولانا خود ہی بتلائیں کہ وہ خود اپنے ہی  
فتوے کی رو سے کیا ہوتے ہیں، مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں اور یہ بھی بتلائیں  
کہ اس انکار حدیث کے بعد کیا وہ اب منکرین حدیث سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو  
حضور کی اطاعت کا مطلق حکم دیا گیا ہے اس لئے ہم بطور خودیہ فیصلہ کر لینے کے مجاز

نہیں ہیں کہ ہم حضورؐ کی فلاں بات مانیں گے، کیونکہ وہ حیثیتِ رسول آپؐ نے کی یا کبھی ہے اور فلاں بات نہ مانیں گے کیونکہ وہ (آپؐ کے قیاس اور) آپؐ کی شخصی حیثیت سے تعلق رکھتی ہے (منصب رسالت ص ۱۳۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو یہ ہے کہ ان کی آواز پر اپنی آواز بلند کرنا موجب جبط اعمال ہے (سورہ حجرات) چہ جائیکہ ان کے ارشادات کا انکار کر کے رسول کی حیثیت حکمرانی کو چیلنج کرنا۔

## رفع اصوات فوق صوت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا کی عقیدت میں ان کی تحقیق پر کوئی جیسا بھی حسن ظن رکھے مگر میرے نزدیک اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس میں رفع اصوات فوق صوت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پایا جاتا ہے، نبیؐ کے آداب میں آتا ہے کہ ان کے سامنے بلند آواز سے نہ بولا جائے چنانچہ قرآن میں ہے

یا ایہا الذین آمنوا لا ترفعوا	اے ایمان والو تم اپنی آوازیں پیغمبر
اصواتکم فوق صوت النبی	کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ
ولا تجہروا له بالقول کجہر	ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے تم
بعضکم لبعض ان تحبیط	آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر
اعمالکم وانتم لا تشعرون	بولا کرتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال
(حجرات)	برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

نبیؐ کی شان تو یہ ہے کہ ان کی آواز پر اپنی آواز کا بلند کرنا موجب جبط اعمال ہے چہ جائیکہ ان کی رائے پر اپنی رائے، ان کی بات پر اپنی بات کو بلند کرنا۔

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ رسولؐ کی آواز سے اپنی آواز اونچا کرنا جب عمل



کو اکارت کر دیتا ہے تو اس کے احکام کے سامنے اپنی رائے کو مقدم کر دینا اعمال صالحہ کے لئے کیونکر تباہ کن نہ ہوگا۔

(ترجمان السنہ حصہ اول ص ۱۴۲ بحوالہ اعلام ج ۱ ص ۴۲)

مولانا بدر عالم صاحب ترجمان السنہ میں فرماتے ہیں کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے کلام یعنی حدیث شریف کو سن کر اس کا معارفہ و مقابلہ کرنا، اس کا مذاق اڑانا، تن آسانی اور ہوا پرستی کے لئے اسکی تاویلات کرنا یہ سب آپ کی ہی گستاخی کے برابر ہے۔ (ترجمان السنہ اول ص ۱۴۳)

رسول و احادیث رسول کا یہ ادب و احترام جو اس تشریح سے معلوم ہوا اگر تسلیم ہے اور رسول کی بات کو غلط قرار دے کر اپنی بات کو برتر کرنا رفع اصوات و گستاخی رسول میں داخل ہے تو عرض ہے کہ مجھے اس تحقیق میں اسی طرح کی گستاخی محسوس ہو رہی ہے چنانچہ اس میں حدیثوں کو بزرعم خود قیاسی کہنا اور قیاسی کہہ کر ان کو برحق ماننے سے اعراض و انکار کرنا ان کو ناقابل سند و محبت ٹھہرانا، اسلامی عقائد سے خارج کرنا یہاں تک کہ نقل و روایت کے قابل بھی نہ سمجھنا یہ سب رسول و احادیث رسول کے ساتھ گستاخی اور ان سے مقابلہ و معارفہ نہیں تو اور کیا ہے۔

مخبر مودودی صاحب بھی تفہیم القرآن میں اس ادب کو تسلیم کرتے ہیں کہ جب احادیث رسول بیان کی جائیں تو یہ ادب ملحوظ رکھنا چاہئے، چنانچہ آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ”یہ ادب اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے لئے سکھایا گیا تھا اور اسکے مخاطب وہ لوگ تھے جو حضور کے زمانے میں موجود تھے مگر بعد کے لوگوں کو بھی ایسے تمام مواقع پر یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہئے جب آپ کا ذکر ہو رہا ہو یا آپ کا کوئی حکم سنایا جائے یا آپ کی احادیث بیان کی جائیں۔ (تفہیم القرآن)



احادیث رسول کے آداب و احترام کی نزاکت کا اندازہ مندرجہ ذیل۔  
واقعات سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔

شیخ بدرالدین عینی لکھتے ہیں کہ "ہمارے اصحاب نے بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند فرماتے تھے اور ان کے مقابلے میں دوسرا شخص بول اٹھے کہ مجھے تو کو پسند نہیں ہے تو اس کے محل انکار پر اس کے کفر کا اندیشہ ہے" (ترجمان السنہ اول ص ۳۱۱)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ کو طبعاً پسند نہیں ہے مگر حضور کی پسندیدگی کو سن کر معاً بعد یہ کہنا کہ مجھے تو پسند نہیں، انتہائی گستاخی اور رسول و حدیث رسول کا صورتہ مقابلہ کرنا ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کے لئے امراض میں مبتلا ہونے اور اس پر صبر کے ثواب کا ذکر فرمایا تو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ میں بیماری کا نام بھی نہیں جانتا اور نہ خدا کی قسم اب تک کبھی بیمار پڑا ہوں آپ نے فرمایا "جا ہمارے پاس سے اٹھ جا، تیرا ہم سے کوئی واسطہ نہیں" (ترجمان السنہ اول ص ۳۱۱ بحوالہ ابوداؤد)

صبح مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روکنے کی ممانعت کی ہے۔ ان کے فرزند نے کہا ہمارے زمانہ کے حالات بدل گئے ہیں، ہم تو ضرور روکیں گے اس پر ابن عمرؓ نے اتنا برا بھلا کہا کہ شاید کبھی عمر بھر کسی کو نہ کہا تھا اور مسند امام احمد میں ہے کہ پھر مرتے دم تک ان سے بات نہ کی (ترجمان السنہ اول ص ۳۱۱) یہ واقعات نقل کر کے مولانا بدر عالم صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "ان سب مقالات پر بات خواہ کتنی ہی سچی ہے مگر انداز چونکہ گستاخانہ تھا اس لئے دونوں جگہ

عتاب ہوا ایسے وقت جبکہ رسول مسلمانوں کے حق میں بیماری کے فضائل بیان کر رہا ہے، یہ کہنا کہ میں تو بیماری کو جانتا بھی نہیں کسے کہتے ہیں، یا حدیث رسول سن کر یہ کہنا کہ ہم تو بروکیں گے خود رسول اور حدیث رسول کا صورتہ مقابلہ کر رہے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ چیز کو سن کر فوراً یہ کہنا کہ مجھے تو پسند نہیں انتہائی گستاخی و بدتمیزی ہے، اسی لئے امام ابو یوسفؒ نے تو ایسے شخص کے قتل کا حکم دیدیا تھا (ترجمان السنہ اول ص ۲۶)

**تحقیق کے قبول کرنے کا لازمی نتیجہ** | احترام حدیث کے سلسلے میں ایک طرف ان متذکرہ بالا واقعات

کو پیش نظر رکھتے دوسری طرف تحقیق کو قبول کرنے کا جو لازمی نتیجہ ہے اس کو ملاحظہ فرمائیے کہ ایک صاحب جنہوں نے مولانا کے ساتھ غلو عقیدت کی بنا پر تحقیق کو برحق سمجھ رکھا ہے انہوں نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنی کہ ”آپؐ نے فرمایا دجال مشرق میں ملک خراسان سے نکلے گا“ تو سن کر فوراً بول پڑے کہ اس کے سچ ہونے کی کیا گارنٹی ہے یہ تو قیاس و خیال کی باتیں ہیں۔۔۔۔۔ اسی طرح ایک صاحب حدیث تمیم داریؒ سن کر کہنے لگے یہ کانا دجال وغیرہ تو افسانے میں کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضورؐ کا اندیشہ صحیح نہیں تھا۔

اب ناظرین کرام ہی بتلائیں کہ احادیث رسول کی شان میں یہ گستاخی کس نے سکھائی؟ یقیناً مولانا مودودی صاحب کی اسی تحقیق نے سکھائی جس کو بعض حضرات نے وحی من السماء سمجھ رکھا ہے، کاش کہ وہ لوگ ایسا سمجھنے کے بجائے سورۃ حجرات آیت مذکورہ کی تفسیر خود مولانا کی تفسیم القرآن سے ملاحظہ فرما کر کچھ نصیحت پکڑتے اور احادیث رسول کا ادب ملحوظ رکھتے

ورنہ مجھے ایک بات یاد آرہی ہے، وہ یہ کہ قرآن میں آتا ہے  
 اتخذوا احبارہم ودرہبانہم انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء اور  
 اربابا من دون اللہ (توبہ آیت ۳۴) مشائخ کو رب بنا رکھا ہے۔  
 حضرت عدی ابن حاتمؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا انہوں  
 نے اپنے عالم اور درویشوں کو نہیں پوجا۔ فرمایا، ہاں علماء اور درویشوں نے  
 حلال کو ان پر حرام اور حرام کو ان پر حلال کر دیا تھا، انہوں نے ان کی پیروی  
 کی یہی ان کی عبادت واسطے علماء اور درویشوں کے ہوئی۔ روایت کیا اس  
 کو احمد اور ترمذی اور ابن جریر نے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ کر اس کے بالمقابل علماء مشائخ  
 کی بے سند باتوں کو ماننا ہی ان کو خدا ٹھہرانا اور ان کی عبادت کرنا ہے، ہم  
 اس پر قیاس کر کے کہتے ہیں کہ رسول کے بھی ارشادات کو چھوڑ کر اس کے  
 بالمقابل غیر رسول کی باتوں کو ماننا گویا ایک درجے میں اسی غیر رسول کو رسول  
 ماننا ہے، ہمارے اس قیاس کی تائید مولانا بدر عالم صاحبؒ کے ایک جملے سے  
 ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ

”جو شخص اپنے فیصلوں کو رسول کے فیصلوں کے ہم پلہ سمجھتا  
 ہے وہ درحقیقت رسول کا منکر ہے۔“

(ترجمان السنہ اول ص ۱۶۲)



# کوائف دارالعلوم

**امتحان سالانہ کی ہماہمی** | دارالعلوم دیوبند میں آج کل سالانہ امتحان کی تیاریاں پورے شباب پر ہیں ایک طرف طلبہ رات دن ایک

کئے ہوئے ہیں دوسری طرف دفتر تعلیمات امتحان کے سلسلہ میں دفتری امور کی تکمیل میں مصروف کار ہے، ایک عجیب ہماہمی کا عالم ہے جسے دیکھتے اپنی دھن میں لگا ہوا ہے

**واردین و صادرین** | (۱) گذشتہ ماہ جماعت تبلیغی کے اہم ترین داعی حضرت مولانا محمد عمر صاحب دارالعلوم تشریف لائے ان کے

اعزاز میں حضرت مہتمم صاحب نے دفتر اہتمام میں عصرانہ دیا جس میں مہمان محرم کے ساتھ دارالعلوم کے تمام اساتذہ نے چائے نوش کی، اس موقع پر حضرت مولانا نے دعوت و

تبلیغ کے عنوان پر ایک موثر تقریر فرمائی، پھر رات کو دارالحدیث تھانی میں جلسہ عام ہوا جس میں دارالعلوم کے تمام اساتذہ و طلبہ شریک ہوئے

(۲) کل گذشتہ ہفتہ افریقہ کے مشہور و مخیر عالم و تاجر مولانا عبدالحق عمری دارالعلوم

کی سیر کو آئے حضرت مہتمم صاحب اور دیگر حضرات اساتذہ سے ملاقاتیں کیں، بعض دفاتر کو بھی دیکھا مولانا نے ایک گفتگو میں دارالعلوم کی تعلیمی و انتظامی حالت پر مسرت و اطمینان کا اظہار کیا۔

**مسجد دارالعلوم کی تعمیر** | دارالعلوم دیوبند کی مجوزہ مسجد کی تعمیر کا کام بھمداد اللہ

شروع ہو گیا، تعمیر کا ابتدائی کام گذشتہ سال ہی

شروع کر دیا گیا تھا مگر بعض ٹیکنیکل دشواریوں کی وجہ سے کام رک گیا تھا اور رک

ہی رہا اب بھمداد اللہ تمام دشواریاں دور ہو گئی ہیں اور تعمیر کا کام تیزی کیساتھ جاری ہے

۴۴ (باقی برصغیر)

# یادِ مفتکارانہ

## دارالعلوم

قاری احمد میاں صاحب | افسوس کہ ۴ فروری ۱۹۸۷ء کو دارالعلوم دیوبند  
دار آخرت کو سدھارے کے شعبہ تجوید کے قدیم استاذ جناب قاری

احمد میاں صاحب طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے، قاری صاحب مرحوم حضرت شیخ الادب  
والفقہ مولانا اعجاز علی صاحب کے صاحبزادے تھے، آپکی تلامذہ کی تعداد سیکڑوں نہیں ہزاروں  
تک پہنچتی ہے مرحوم نے فن تجوید کی درسی خدمات کے ساتھ تصنیفی خدمات بھی انجام دی ہیں  
مرحوم بڑے سادہ مزاج، متواضع اور آزاد منش تھے، کیا خوب آدمی تھے خدا مغفرت کرے۔

حضرت مولانا سلطان الحق | ۲۵ فروری ۱۹۸۷ء کو حضرت مولانا سلطان الحق  
صاحب سابق ناظم کتب خانہ دارالعلوم کا  
رحمت حق سے پیوست وصال ہو گیا مرحوم ایک عرصہ سے علیل چل رہے

تھے وفات سے ایک ہفتہ قبل سے مرض میں اضافہ ہو گیا تھا اور علاج و معالجہ کی ہر  
دستیاب تدبیر اختیار کی گئی مگر تقدیر کے آگے تمام تدبیریں ناکام ثابت ہوئیں، اور

اعظمی منزل کی تعمیر | ضلع اعظم گڑھ کے کچھ اصحاب خیر نے جو بمبئی میں اپنے  
کاروبار کے سلسلے میں مقیم ہیں گذشتہ سال یہ طے کیا تھا

کہ اعظمی منزل کے نام سے دارالعلوم دیوبند میں طلبہ کی اقامت کیلئے ۵۰ کمروں پر مشتمل  
ایک عمارت تعمیر کرائی جائے چنانچہ اس تجویز کے مطابق حضرت مہتمم صاحب و حضرت صدر المدرسین  
مولانا معراج الحق صاحب سے حاجی شمس الدین اعظمی اور ان کے رفقاء نے گفتگو کی حضرت مہتمم صاحب و حضرت  
صدر صاحب نے ان حضرات کے جذبات کی تحسین فرمائی چنانچہ المدرستہ الثانویہ کے وسیع احاطہ میں  
اعظمی منزل کی تعمیر کا کام جاری ہے سردست جوئے تکمیل کے مرحلے میں ہیں



مولانا اپنے پیچھے عقیدتمندوں کی ایک بڑی جماعت کو سوگوار چھوڑ کر راہی ملک عیم ہو گئے، مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے، جس محفل میں بھی موجود ہوتے اسے اپنی بذلہ سنجیوں سے زعفران زار بنائے رہتے تھے، حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ سے خصوصی تعلق تھا، عملیات میں مولانا کی ذات آج کل ایک مرجح کی حیثیت رکھتی تھی دارالعلوم اور اسکے اکابر کے سوانح و حالات کے سلسلے میں مولانا ایک نسا نکل پڑیا کی حیثیت رکھتے تھے، احقر اس سلسلہ میں مولانا مرحوم سے استفادہ کرتا رہتا تھا، مرحوم تقریباً نصف صدی سے زائد تک دارالعلوم سے وابستہ رہے اور مختلف شعبوں میں گرانقدر خدمات انجام دیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے اور صاحبزادگان و اہلیہ محترمہ و دیگر متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے

مفتی اعظم حضرت

**مولانا حفیظ الرحمن واصف دہلوی کی رحلت** | مولانا مفتی کفایت اللہ

دہلوی کے صاحبزادہ جناب مولانا حفیظ الرحمن واصف صاحب کا بھی اسی ماہ میں انتقال ہو گیا مولانا حفیظ الرحمن صاحب علوم دینیہ میں پوری دستگاہ رکھتے تھے، اردو ادب میں مولانا کی ذات ایک اتھارٹی کی حیثیت رکھتی تھی، حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ جو مختلف رسائل و اخبارات اور جسطروں میں منشر تھے واصف صاحب نے ان تمام فتوؤں کو نہایت سلیقہ سے مدون و مرتب فرما کر کفایت المفتی کے نام سے عرصہ ہوا شائع کر دیا تھا، مولانا مرحوم کا یہ ایک ایسا عظیم کارنامہ ہے جو علمی حلقہ میں ہمیشہ نظر استحسان دیکھا جائے گا۔





# لکڑی چاہتے ہیں کہ

● عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت کو سمجھیں ● خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ سے واقف ہوں ● اسلام کی ہمہ گیری کے راز سے آشنا ہوں ● سیلمہ پنجاب غلام احمد قادیانی کے باطل عقائد اور اسلام دشمن نظریات سے باخبر ہوں ● اس متنبی کاذب پر آسمان فرنگ سے اترنے والی دھیوں سے مطلع ہوں ● اسلام کے متوازی مذہب قادیانیت کے باطل مزعومات سے عقل و نقل کی روشنی میں پوری طرح آگاہ ہو جائیں تو دارالعلوم دیوبند کے ترجمان ماہنامہ دارالعلوم کی خصوصی اشاعت "تحفظ ختم نبوت" کا ضرور مطالعہ کریں جو عنقریب منظر عام پر آ رہا ہے اور اپنے احباب اور قرب و جوار کے اداروں کو بھی ترغیب دیں کہ ابطال قادیانیت کے سلسلہ میں سب سے اہم ترین علمی و تحقیقی دستاویز سے ضرور استفادہ کریں۔

صفحات قیمت تاریخ اشاعت اور دیگر ضروری امور کا اعلان جلد کیا جائیگا

(فیور سٹال)

دارالعلوم دیوبند کاترجمان

کتاب الفیاض





دارالعلوم دیوبند کا دیوبند  
ماہنامہ

دارالعلوم

شمارہ نمبر ۲ | بابۃ ماہ مئی ۱۹۸۶ء | مطابق رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ | جلد نمبر ۱

نگران

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

مولانا حبیب الرحمن قاسمی

سالانہ  
30/=

فی پیرچہ  
3/=

سالانہ بدل اشتراک بیرون ممالک سے

160/= سعودی عرب، کویت، ابوظہبی، جنوبی و مشرقی افریقہ - برطانیہ

160/= امریکہ، کناڈا وغیرہ بذریعہ ایمریل

پاکستان - 70/- روپے ہندوستانی - بنگلہ دیش - 50/- روپے ہندوستان

شرط نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر تعاون ختم ہو گیا ہے۔

## فہرستِ مضامین

نمبر شمار	نگارش	مضمون نگار	صفحہ
۱	حرف آغاز	ادارہ	۳
۲	نئے دین کی تعمیر	مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب خیر آبادی	۱۱
۳	اس چہ بوالعجبی است	مفتی دارالعلوم دیوبند	۱۸
۴	ہندوستان میں امامتِ شریعہ کی مختصر تاریخ	مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی	۲۹
۵	مولانا مودودی کی تحقیقِ حدیثِ نبویؐ پر ایک نظر	مولانا حبیب الرحمن قاسمی (مدیر)	۴۱

## ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گزارش

(۱) ہندوستانی خریداروں سے ضروری گزارش یہ ہے کہ ختمِ خریداری کی اطلاع پاکر اول فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ کریں۔

(۲) پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ 75/- روپے ہندوستانی مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی وال تحصیل شجاع آباد ملتان پاکستان کو بھیج دیں اور انھیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کر لیں

(۳) خسریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمائیں۔ خط و کتابت کے وقت خسریداری نمبر ضرور لکھیں

والسلام

منجبر رسالہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## حرف آغاز

از دفتر اہتمام

۱۴۰۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں جدید طلبہ کیلئے ضروری

قواعد داخلہ  
اور قدیم طلبہ کی ترقی و تہذیب اور تکمیلات و دیگر شعبوں میں  
داخلے کے ضابطے

ذمہ داران مدارس عربیہ سے درخواست

حامداً و مصلياً! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طلبہ عزیز کے ساتھ خیر خواہی کی وصیت فرمائی ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے۔

ان رجالاتنا و انکم من اقطار الارض یتفقہون فی الدین فاذا اتوکم فاستوصوا بہم خیراً  
(رواہ الترمذی)

بے شک بہت سے لوگ زمین کے گوشہ گوشہ سے علم دین میں تفقہ حاصل کرنے کیلئے تمہارے پاس آئیں گے جب وہ آئیں تو تم ان کے بارگاہ خیر خواہی کی وصیت قبول کرو۔

اس لئے طلبائے عزیز کے ساتھ خیر خواہی تمام مدارس عربیہ کے ذمہ داروں کا فرض و لین ہے طلبہ کے لئے بہتر تعلیم، عمدہ تربیت، اچھا انتظام، اور حساب استطاعت راحت رسانی، خیر خواہی کے ضمن میں آتی ہے۔ اور الحمد للہ مدارس عربیہ کے ذمہ دار اس وصیت پر عمل پیرا ہیں۔ ان مدارس میں دارالعلوم دیوبند کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، اس کی ترقی، علم و فن کی



ترقی، دین و دیانت کی ترقی اور مسلمانانِ عالم کی ترقی ہے۔ انہیں چیزوں کے پیش نظر ذمہ دارانِ مدارس کی خدمت میں یہ عرض کیا جا رہا ہے کہ ”وہ طلبہ کی استعداد سازی پر سب سے زیادہ توجہ صرف فرمائیں۔ اور دارالعلوم میں جس جماعت میں داخلہ کا ارادہ ہے وہاں تک کی قابلِ اعتماد استعداد کا پیدا ہو جانا دارالعلوم میں حاضری سے پہلے ضروری سمجھیں اور اسی لئے چند سالوں سے ماہ شعبان ہی میں ضروری اصول و ضوابط کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔“

آپ حضرات سے مخلصانہ گزارش ہے کہ ان چیزوں پر عملدرآمد کے سلسلہ میں خدام دارالعلوم کا تعاون فرمائیں۔

### عربی درجات میں جدید داخلے کے قواعد

(۱) ۱۴۰۸ھ کے تعلیمی سال میں دارالعلوم کے تمام شعبوں میں مجموعی طور پر زیادہ سے زیادہ ڈھائی ہفتہ ۲۵ روز قیوم و جدید طلبہ کو تفصیل ذیل داخلہ ملے گا۔

۱۲	دارالافتار	۶۰۰	دورہ حدیث شریف
۲۰	تکمیل العلوم	۲۲۵	سال ہفتم
۲۰	تکمیل اللہب	۳۰۰	سال ششم
۳۰	شعبہ کتابت	۲۰۰	سال پنجم
۱۲۵	شعبہ تجوید	۱۶۰	سال چہارم
۱۰	شعبہ دارالصنائع	۸۰	سال سوم
۱۷۵	شعبہ حفظ	۵۰۰	سال دوم
۱۶۵	شعبہ دینیات اردو فارسی	۲۰	سال اول

(۲) مندرجہ بالا جماعتوں میں دارالافتار تکمیلات، کتابت، دارالصنائع قیوم طلبہ

کے لئے ہیں بقیہ جماعتوں میں تدریم طلباء کے بعد جو عدد باقی بچے گا وہ جدید طلبہ سے مقابلہ کے امتحان کے ذریعہ پورا کر لیا جائے گا۔

(۳) مقررہ تعداد کے پورا ہونے تک اپنے نمبرات حاصل کرنے والے طلبہ کو داخل کیا جائے گا۔ تعداد مقررہ کے پورا ہو جانے کے بعد تحتانی نمبرات حاصل کرنے والوں کو داخل نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ ان کو نتیجہ امتحان سے مطلع کیا جائیگا۔ (۴) آنیوالے جدید طلبہ سب سے پہلے "فارم برائے شرکت امتحان داخلہ" پُر کریں گے یہ فارم انھیں دفتر تعلیمات سے ۸ رشواں کی شام تک دیا جائے گا۔

(۵) سال اول، سال دوم اور سال سوم کے لئے امتحان داخلہ تقریری ہوگا۔ (۶) سال چہارم، سال پنجم، سال ششم، سال ہفتم، اور دورہ حدیث کے امیہ واروں کا امتحان داخلہ تقریری ہوگا، تحریری امتحان ۱۱، ۱۲، ۱۳ رشواں مسئلہ مطابق ۹، ۱۰، ۱۱ جون ۱۹۸۷ء یوم منگل، بدھ، جمعرات میں لئے جائیں گے۔ (۷) ۱۶ رشواں تک نتیجہ سے مطلع کر دیا جائے گا۔

(۸) سال اول کے لئے اردو، فارسی کی استعداد، رسم الخط نیز ابتدائی حساب اور نحو، صرف کی اصطلاحات کی جانچ ہوگی، سال دوم کیلئے سال اول کی تمام کتابوں کا تقریری امتحان ہوگا۔

سال سوم کے لئے سال دوم کی تمام کتابوں کا تقریری امتحان ہوگا۔ سال چہارم کیلئے سال سوم کی کتابوں میں سے قدوری، ترجمہ القرآن، قطبی تصدیقات اور ابن عساکر یا شرح جامی کا تقریری امتحان ہوگا۔ سال پنجم کیلئے سال چہارم کی کتابوں میں کنز الدقائق، اصول الشاشی، تلخیص المفتاح اور ترجمہ القرآن کا تقریری امتحان ہوگا۔ سال ششم کیلئے سال پنجم کی کتابوں میں سے ہدایہ اولین، نور الاولیاء، مختصر جامع اور مقامات حریری کا تقریری امتحان ہوگا۔ سال ہفتم کیلئے سال ششم کی کتابوں

میں سے جلالین شریف، حسامی اور میبذی کا تحریری امتحان ہوگا۔ دورۂ حدیث کیلئے سالِ ہفتم کی تمام کتابوں یعنی ہدایہ آخرین، مشکوٰۃ شریف، بیضاوی شریف، شرح عقائد، شرح نخبۃ الفکر اور سراجی کا تحریری امتحان ہوگا۔

نوٹ ۱۔ مسئلہ ۸ میں داخلہ کے امتحان میں ہر جماعت کیلئے دارالعلوم کے نصابِ تعلیم کے مطابق پچھلی جماعت کی تمام کتابوں میں امتحان ہوگا۔  
(۹) سالِ اول و دوم میں نابالغ بیرونی بچوں کا داخلہ نہ ہوگا نہ ان درجات میں امداد ہوگی۔

(۱۰) جو طالب علم اپنے ساتھ صغیر السن بچوں کو لائے گا اس کا داخلہ ختم کر دیا جائے گا۔  
(۱۱) جن امیدواروں کی وضع قطع طالب علمانہ نہ ہوگی مثلاً غیر شرعی بال، ریش تراشیدہ ہونا، ٹخنوں سے نیچے پا جامہ ہونا یا دارالعلوم کی روایات کے خلاف کوئی بھی وضع، اُن کو شریک امتحان نہ کیا جائے گا۔

(۱۲) سرحدی صوبوں میں سے آسام اور بنگال کے امیدواروں کو تصدیق نامہ وطنیت پیش کرنا ضروری ہوگا۔ تصدیق نامہ کی اصل کاپی پیش کرنا ضروری ہے۔ فوٹو اسٹیٹ کاپی قبول نہ کی جائے گی۔ اور یہ تصدیق نامہ وطنیت کسی بھی وقت واپس نہ ہوگا۔

(۱۳) جدید امیدواروں کیلئے سابقہ مدرسہ کا تعلیمی داخلاتی تصدیق نامہ اور مارک شٹ (نمبرات کتب) کا پیش کرنا ضروری ہوگا۔

(۱۴) نئی تصدیقات یا سماعت وغیرہ کا اعتبار نہ ہوگا۔

(۱۵) بنگلہ دیشی امیدوار حسب ذیل علماء کرام کی تصدیق لے کر آئیں۔

(۱) مولانا فرید الدین مسعود صاحب ڈھاکہ (۲) مولانا معتمد باشر صاحب مال بلخ بازار ڈھاکہ (۳) مولانا شمس الدین صاحب قاسمی جامعہ حسینہ، ارمن آباد میر پور ڈھاکہ (۴)



مولانا حافظ عبدالکریم صاحب، جو کی دیکھی محاذ سلہٹ،  
 تعلیمیت :- طلبہ کو خاص طور پر یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ امتحان کی کاپیاں  
 کوڈ نمبر ڈال کر نمٹن کو دی جاتی ہیں تاکہ امیدوار کو صرف استعداد کے مطابق نمبر  
 دئے جائیں۔ اس لئے امیدوار صرف اپنی سالوں میں امتحان دیں جن کی تیاری وہ  
 مکمل کر چکے ہوں۔

نوٹ :- امتحان داخلہ میں انتخاب میں آجانے کے بعد فارم داخلہ دیا جائیگا۔  
 قدیم طلبہ کیلئے :- (۱) جو طلبہ تمام کتابوں میں کامیاب ہوں گے ان کو ترقی  
 دی جائے گی۔ (۲) جو طلبہ بعض کتابوں میں کامیاب بعض میں ناکام ہوں گے اگر وہ  
 ۳ کتابوں میں کامیاب ہوں اور اوسط بھی ۳۰ ہو تو امداد دیدی جائے گی ورنہ  
 بلا امداد سال بھر کیلئے اعادہ سال کر دیا جائے گا۔ اعادہ سال کی رعایت صرف  
 ایک سال کیلئے ہوگی۔ اگر دوسرے سال بھی اعادہ کی نوبت آئی تو داخلہ نہیں  
 ہو سکے گا۔

(۳) تجوید کتابت، اختصار شفاہی کے نمبرات بسلسلہ ترقی درجہ اوسط میں شمار ہونگے  
 (۴) تکمیلات میں صرف ان فضلاء کا داخلہ ہو سکے گا۔ جن کا دورہ حدیث کے سالانہ  
 امتحان میں اوسط کامیابی ۴۲ ہو اور وہ کسی کتاب میں ناکام نہ ہوں اور ان امیدواروں  
 کا مستقل امتحان بھی لیا جائے گا۔

(۵) امیدواروں کے زیادہ ہونے کی صورت میں نمبرات کو وجہ ترجیح بنایا جائے گا۔  
 (۶) ایک تکمیل کے بعد دوسری تکمیل میں داخلہ کیلئے ضروری ہوگا کہ امیدوار نے سابقہ  
 میں کم از کم ۴۴ اوسط حاصل کیا ہو، اور وہ کسی کتاب میں ناکام نہ ہو۔  
 (۷) ایک تکمیل کی درخواست دینے والے دوسری تکمیل کے امیدوار نہ ہو سکیں گے لہذا  
 یہ کہ ان کے مطلوبہ درجہ تکمیل میں تعداد پوری ہونے کے سبب ان کا داخلہ نہ ہو سکا ہو

- (۸) دارالافتاء کے فضلاء کا کسی شعبہ میں داخلہ نہ ہوگا۔  
 (۹) کسی بھی تکمیل میں داخلہ کی تعداد ۲۰ سے زائد نہ ہوگی۔  
 (۱۰) جس کی کوئی بھی شکایت دارالافتاء تعلیمات یا اہتمام میں کسی بھی وقت درج ہوئی  
 ہے اسکو دورہ حدیث کے بعد کسی بھی شعبہ میں داخل نہیں کیا جائے گا۔  
 (۱۱) کسی بھی شعبہ میں داخلہ لینے والے قدیم فضلاء کو، فراغت کے بعد ہی سند فضیلت

## دیجائے گئے دیگر شعبوں کے بارے میں

دارالعلوم دیوبند کا بنیادی کام اگرچہ عربی دینیات کی تعلیم ہے۔ لیکن حضرات  
 اکابر نے مختلف دینی اور دنیوی فوائد اور مصالح کے پیش نظر متعدد شعبے قائم فرمائے  
 شعبہ تجوید اردو عربی، شعبہ خوش نویسی دارالصنائع وغیرہ، ان شعبوں میں داخلہ کے  
 لئے درجہ ذیل قواعد پر عمل ہوگا۔

## شعبہ دینیات اردو، فارسی، شعبہ حفظ قرآن

- (۱) شعبہ دینیات اردو فارسی اور شعبہ حفظ میں مقامی بچوں کو داخلہ دیا جائے گا  
 (۲) سال اول دینیات اردو، اور شعبہ حفظ میں داخلہ ہر وقت ممکن ہوگا۔  
 (۳) بقیہ درجات میں داخلہ ذی الحجہ کی تعطیل تک لیا جائے گا۔

## شعبہ تجوید حفص اردو عربی

- (۱) حفص اردو میں وہ طلبہ داخل ہو سکیں گے جو حافظ ہوں، قرآن کریم ان کو یاد ہو اور  
 وہ اردو کی اچھی استعداد بھی رکھتے ہوں، نیز ان کی عمر اٹھارہ سال سے کم نہ ہو ان طلبہ میں  
 تیس سال کی امداد جاری ہو سکے گی۔

- (۲) حفص عربی میں ان طلبہ کو داخل کیا جائے گا جنہیں قرآن کریم یاد ہو اور وہ عربی میں  
 شرح جامی یا سال سوم کی تعلیم حاصل کر چکے ہوں۔ ان طلبہ میں دس سال کی امداد جاری ہو سکے گی۔

اور مطلوبہ معیار کی جانچ بھی کی جائے گی  
(۳) ان طلبہ کی اوقاتِ مدرسہ میں حاضری ضروری ہوگی۔

## قِرَاءَتِ سَبْعَہِ عَشْرَہ

اس درجہ میں داخلہ کیلئے حافظ ہونا ضروری ہے اور یہ کہ وہ عربی کی سالِ چہارم تک کی جیتا استعداد رکھتے ہوں۔ (۲) اس درجہ میں داخل طلبہ کی تعداد دس سے زائد نہ ہوگی اور ان دس کی امداد بھی جاری ہو سکے گی۔

## شعبہ خوش نویسی

- (۱) اس شعبہ میں داخل طلبہ کی تعداد تیس ہوگی اور ان تیس کی امداد جاری ہو سکے گی۔
- (۲) داخلہ کے امیدواروں میں فضلاء دارالعلوم کو ترجیح دی جائے گی۔
- (۳) شعبہ میں مکمل داخلہ کے امیدواروں کو امتحان داخلہ دینا ضروری ہوگا۔ اور صرف اس فن کی ضروری صلاحیت رکھنے والوں کو داخل کیا جائے گا۔
- (۴) قدیم طلبہ اگر فن کی تکمیل نہیں کر سکے ہیں تو ناظم شعبہ کی تصدیق اور سفارش پر ان کا مزید ایک سال کیلئے غیر امدادی داخلہ کیا جاسکے گا بشرطیکہ ان کی کوئی شکایت نہ ہو۔
- (۵) جو طلبہ مکمل امدادی یا غیر امدادی داخلہ لیں گے ان کو اوقاتِ مدرسہ میں پورے چھ گھنٹے درسگاہ میں بیٹھ کر مشق کرنا ضروری ہوگا۔

- (۶) جو طلبہ عربی تعلیم کے ساتھ کتابت کی مشق کر چکے ہوں اور ناظم شعبہ ان کی صلاحیت کی تصدیق کریں تو دورہ حدیث کے بعد مکمل داخلہ اور امداد میں ان کو ترجیح دی جائے گی
- (۷) تمام طلبہ کیلئے طالب علمانہ وضع اختیار کرنا ضروری ہوگا۔

- (۸) پہلی سہ ماہی میں مقرر کردہ تمرینات کی تکمیل نہ کی گئی تو داخلہ ختم کر دیا جائے گا

## دَارُ الصَّنَاعِ

- (۱) طالب علمانہ وضع قطع کے بغیر داخلہ نہیں لیا جائے گا (۲) معلم دارالصنائع



- جن کی صلاحیت کی تصدیق کریں گے اُن کو داخل کیا جائے گا۔  
 (۳) پہلی سہ ماہی کے کام کی تکمیل نہ کی گئی تو داخلہ ختم کر دیا جائے گا۔  
 (۴) اس شعبہ میں داخلہ دہش سے زائد کا نہیں ہوگا اور ان سب کی صرف امداد طعام جاری ہو سکے گی۔ (۵) اوقاتِ مدرسہ میں پورا وقت حاضریہ کر کام کرنا ضروری ہوگا۔

## دارالافتاء

- (۱) دارالافتاء میں داخلہ کے امیدواروں کیلئے وضع قطع کی درستگی کی اہمیت سب سے زیادہ ہوگی  
 (۲) دورۂ حدیث سے دارالافتاء کیلئے صرف وہ طلبہ امیدوار ہوں گے جن کا اوسط کامیابی ۴۴ ہو  
 (۳) کسی بھی تکمیل سے دارالافتاء میں داخلہ کے امیدوار کیلئے سابقہ تکمیل میں ۴۵ اوسط حاصل کرنا ضروری ہوگا (۴) ان تمام امیدواروں کا الگ سے بھی امتحان لیا جائے گا۔  
 (۵) دارالافتاء میں داخلہ کی تعداد بارہ سے زائد نہ ہوگی۔ اور کوشش کی جائے گی کہ معیار مذکور پورا کرنے والے ہر صوبہ کے طلبہ کو داخلہ دیا جائے لیکن اگر کسی صوبہ سے کوئی امیدوار مندرجہ بالا شرائط کا حامل نہ پایا گیا تو دوسرے صوبوں سے یہ تعداد پوری کر لی جائے گی۔  
 (۶) ان بارہ طلبہ کی امداد جاری ہو سکے گی۔  
 (۷) دارالافتاء میں ممتاز نمبروں سے کامیاب ہونے والے دو طلبہ کا انتخاب تدریس فی الافتاء کے لئے ..... ہوگا۔ یہ انتخاب دو سال کا ہوگا۔ اور ان کا وظیفہ  
 ۳۰۰ روپے ماہوار ہوگا۔

# نئے دین کی تعمیر

از مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب خیر آبادی مفتی دارالعلوم دیوبند  
شیعان کوفہ نے حضور کے محبوب نواسے حضرت حسینؑ کو میدانِ کربلا میں شہید کر دیا۔  
اور اس جسمِ عظیم کے بعد اپنی حرکت پر نادام ہو کر رونا، بیٹنا اور ہائے حسین ہائے  
حسین کر کے ماتم کرنا شروع کیا اور اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے یزید پر پھسکا کرنے  
لگے۔ حضرت زین العابدین، حضرت زینب، حضرت ام کلثوم، حضرت فاطمہ بنت  
حسین اور حضرت حسین کے خادم حضرت بریر بن حصیر نے ان کو بددعائیں دیں۔  
کہ اب تم لوگ ہم پر روتے ہو۔ خدا تمہاری آنکھوں کو خشک نہ کرے۔ اب تم ماتم  
کر کے ہمارے طرفدار بنتے ہو۔ تو بتاؤ ہمیں کس نے قتل کیا؟

(جلال العیون ص ۳۶)

غرض ان اہل بیتِ مظلومین کی بددعاؤں کے صلہ میں ماتم اور عزاداری اس  
فرتے کیلئے گلے کا ہار بن گئی۔ اور شریعتِ اسلام کے اتباع سے یہ کوسوں دور ہو گئے۔  
انہوں نے سانحہ کربلا کی بنیاد پر ایک نیا دین تعمیر کیا۔ جس میں حضرت حسینؑ اور شہداء  
کربلا کے جسم و خون کا مصالحہ لگایا، دوسری اور تیسری صدی کے زرارہ، ستھام، جابر جعفی  
وغیرہ جیسے لوگوں کی روایات کے تانے بانے کا نظر لگایا۔ اور چوتھی اور پانچویں صدی میں اپنی چادر

۱۔ کافی از محمد یعقوب کلینی (م ۳۲۵ھ) (۲) الاستبصار (۳) تہذیب الاحکام از ابو جعفر طوسی (م ۳۲۰ھ) ،

(۴) من لایحضرہ الفقیہ از شیخ صدوق ابن بابویہ قمی (م ۳۸۴ھ) ۱۲

مستند کتابیں تصنیف کر کے اس چھت کو مکمل کیا۔ پھر نویں صدی ہجری (عہد صفوی) میں اس نئی عمارت کو کرایہ پر چڑھایا اور ایران کے شاہ عباس صفوی کے دور میں شہر "قم" کے شیعہ علماء بورڈ نے شیعہ ازم مرتب کیا۔ اور اسے سرکاری مذہب قرار دیا۔ اور زبردست خانہ جنگی کے بعد یعنی تقریباً چالیس لاکھ سنی مسلمانوں کو تہ تیغ کر کے اس مذہب کو پھیلا یا (حرمت مآتم ص ۱۸)

یوں تو حضورؐ کے لائے ہوئے حقیقی اسلام اور اس نئے نام نہاد اسلام میں الف سے یاز تک تقریباً ہر مسئلہ میں اختلاف ہے جن کی تفصیل یہاں ممکن نہیں ہے۔ اس موضوع پر نصیحتہ الشیعہ، تحفہ امامیہ، حرمت مآتم، اسلام اور شیعہ مذہب، شیعوں کے چالیس عقیدے غرض بہت سی کتب چھپ چکی ہیں۔ البتہ نمونہ کے طور پر اپنے سنی بھائیوں کی معلومات کیلئے ہم یہاں کچھ چیزوں کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) مذہب اسلام میں کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ کو سمجھ کر اور سچے اعتقاد کے ساتھ پڑھنے سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے مگر شیعہ مذہب میں یہ کلمہ طیبہ ناقص ہے۔ محض اتنا کلمہ پڑھنے سے ہرگز مؤمن مسلمان نہیں ہوتا بلکہ اسکے آگے عَلَيَّ وَوَلِيُّ اللَّهِ، وَصِيُّ رَسُولِ اللَّهِ خَلِيفَةُ بِلَا فَصْلِ، ملانا ایمان و اسلام کیلئے شرط ہے۔ (حرمت مآتم ص ۱۹)

(۲) قرآن کی رو سے خدا کی ذات اجزاء اور اولاد سے پاک ہے۔ مگر شیعہ مذہب یہ کہتا ہے کہ ان کے بارہ امام اجزاء خداوندی ہیں، نور من اللہ اللہ کے نور میں سے ایک نور ہیں) اور بشری رُوپ میں ہیں۔ (حرمت مآتم ص ۱۹)

(۳) مذہب اسلام کی رو سے تمام جائزہ حاجتیں اور دُعائیں صرف اللہ سے مانگنی چاہئیں کیونکہ وہی حاجت روا ہے۔ شیعہ مذہب یہ بتاتا ہے کہ حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین حاجت روا اور مشکل کشا ہیں اور گنہگار بندوں کو انھیں سے



تعلق قائم کرنا چاہئے۔ (حرمت مائتم ص ۱۹)

(۴) صحیح احادیث میں ہے کہ نذر و نیاز اور منت عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اللہ کے سوا کسی اور کے لئے نذر و نیاز دین لین جائز نہیں ہے مگر شیعہ مذہب یہ کہتا ہے کہ حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت جعفر صادق وغیرہ کی نذر و نیاز دینی لینی چاہئے۔ (حرمت مائتم ص ۱۹)

(۵) ہم اہل اسلام قرآن کی رو سے صرف اللہ کو ہر چیز پر قادر مانتے ہیں کیونکہ وہی بارش برساتا، فصل لگاتا، دریا بہاتا، پہاڑ نکالتا، ہوائیں چلاتا، فریاد سنتا، مصائب ٹالتا، زمین میں لوگوں کو ایک دوسرے کا جانشین بناتا، خشکی اور سمندر میں گم شدگان کو راستہ دکھاتا، وہی مارتا اور جلاتا ہے۔ اور صرف وہی عالم الغیب ہے ان اوصاف میں اللہ کے ساتھ کوئی شریک نہیں مگر شیعہ حضرات حضرت علیؑ کو تمام امور پر قادر و مختار مانتے ہیں۔

علی کا معجزہ اک اک ہے نادر علی کی ذات ہے ہر شے پر قادر

(تاریخ الائمہ)

(۶) انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تمام انسانوں میں سب سے افضل ہیں۔ اور نبوت کا منصب سب سے اعلیٰ منصب ہے۔ لیکن شیعہ مذہب میں ان کے بارہ خود ساختہ امام انبیاء کرام سے افضل ہیں اور امامت کا درجہ نبوت سے افضل ہے

(حرمت مائتم ص ۱۹)

(۷) وحی یا آسمانی کتاب یا کوئی صحیفہ خدا کی طرف سے صرف انبیاء کرام کو ملتا ہے۔ نبیوں اور رسولوں کے علاوہ اور کسی کے اوپر یہ سب چیزیں نازل نہیں ہوتی ہیں۔ اور شیعہ مذہب میں ان کے بارہ اماموں پر بھی وحی آتی رہی۔ اور ان پر خدا کی طرف سے صحیفے نازل ہوتے رہے ہیں۔ (حرمت مائتم ص ۱۹)

(۸) قرآن کی رو سے تمام دنیا کی ہدایت نبی آخر الزماں سے ہوئی مگر شیعہ مذہب میں دنیا کو ہدایت امام مہدی کے ہاتھوں ہوگی۔ یعنی ان کے عقائد کے مطابق وہ آخر زمان میں آئیں گے۔ اور ہدایت، عدل و انصاف سے دنیا کو بھر دیں گے۔ (حرمت ماتم ص ۱۹)

(۹) قرآن و حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تبلیغ و تعلیم کی بدولت لاکھوں نفوس کو مؤمن بنایا۔ لیکن شیعہ حضرات فرماتے ہیں کہ ۵-۷ آدمی کے علاوہ کوئی شخص بھی آپ پر ایمان نہیں لایا اور جو ۵-۷ ایمان لائے وہ بھی حضرت علیؓ کے واسطے سے اسلام لائے (حرمت ماتم ص ۱۹)

(۱۰) مذہب اسلام میں یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، نبوت اور عصمت آپ پر ختم ہے۔ آپ کے بعد کوئی معصوم نہ ہوگا۔ شیعہ مذہب یہ کہتا ہے کہ ان کے بارہ امام بھی انبیاء کی طرح معصوم ہوتے ہیں۔

(حرمت ماتم ص ۱۹)

(۱۱) مذہب اسلام میں کسی حکم کو حلال یا حرام کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے انبیاء کرام کو صرف ان احکام کی تبلیغ کے لئے بھیجا گیا ہے۔ لیکن شیعہ مذہب میں ان کے بارہ اماموں کو پورا حق حاصل ہے کہ جس چیز کو چاہیں حلال بنائیں جس چیز کو چاہیں حرام بنائیں۔ (کافی ص ۴۴)

(۱۲) مذہب اسلام میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت دین ہے یعنی کتاب اللہ اور سنت نبویؐ جو ثقلین کہے جاتے ہیں ان ہی دونوں کا اتباع دین ہے۔ لیکن شیعہ مذہب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو ناممکن اور منسوخ کہتا ہے۔ اور صرف کتاب اللہ اور اہل بیت کے اتباع کو دین کہتا ہے۔ (حرمت ماتم ص ۱۹)

(۱۳) مذہب اسلام میں تقیہ کرنا (جھوٹ بولنا) اور دین کا چھپانا گناہ اور حرام ہے اور نبوت کے مقصد کے خلاف ہے۔ لیکن شیعہ مذہب میں یہ تعلیم ملتی ہے کہ تقیہ کرنا سب سے

بڑی نیکی حتیٰ کہ دین کے دشمن حصوں سے فوجیتے جھوٹ بولنا بتایا گیا ہے۔ اور ان حضرات کے عقیدے کے مطابق انبیاء کرام بھی تقیہ کرتے تھے۔

(اصول کافی ص ۲۲۲ ج ۲)

(۱۴) مذہب اسلام میں ہمارے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و افعال برحق ہیں۔ ان کی تصدیق ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ اور شیعہ مذہب یہ کہتا ہے کہ صرف آپ کے وہ اقوال برحق ہیں جو آپ کے آل و اولاد کی مراد اور تعریف میں ہیں۔ اور بقیہ آپ کے تمام اقوال و اعمال میں ظاہر داری اور مصلحت کا احتمال ہے۔ (حرمتِ ماتم ص ۲)

(۱۵) مذہب اسلام کی رو سے ایمان و ہدایت میں تمام انسان بشمول حضرت علی رضی اللہ عنہ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج ہیں۔ لیکن شیعہ مذہب یہ بتاتا ہے کہ حضرت علیؑ اور باقی ائمہ پیدائشی ہدایت یافتہ ہیں اور ایمان و ہدایت میں لوگ صرف ان کے ۱۲ اماموں کے محتاج ہیں۔ اور کسی کے محتاج نہیں۔ (حرمتِ ماتم ص ۲)

(۱۶) مذہب اسلام میں یہ عقیدہ ہے کہ قرآن و حدیث لازم و ملزوم ہیں قیامت تک انہی دونوں چیزوں سے لوگ رہنمائی حاصل کرتے رہیں گے۔ اور شیعہ مذہب میں قرآن اور اہل بیت لازم و ملزوم ہیں لیکن چونکہ لوگوں نے اہل بیت کو پیچھے نہ دیا تو لوگ اصلی قرآن کی رہنمائی سے امام مہدی کے ظہور تک محروم ہو گئے۔ یعنی قرآن و حدیث ہر دو سے رہنمائی کی جھٹی ہو گئی۔ (حرمتِ ماتم ص ۲)

(۱۷) مذہب اسلام کے عقیدے کے مطابق موجودہ قرآن وہی اصل قرآن ہے اور لوح محفوظ میں مرتب و موجود ہے۔ شیعہ مذہب یہ کہتا ہے کہ موجودہ قرآن کی ترتیب بالکل غلط ہے اصل اور صحیح ترتیب دیا ہوا قرآن حضرت امام مہدی کے پاس ہے۔

(حرمتِ ماتم ص ۲)



(۱۸) مذہب اسلام میں ہے کہ قرآن آسان اور عام فہم کتاب ہے، ہر کوئی اس سے ہدایت و نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔ (حروف مقطعات وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں) لیکن شیعہ مذہب میں یہ ہے کہ قرآن نہایت مشکل اور ناقابل فہم کتاب ہے۔ ان کے بارہ اماموں کی مدد کے بغیر کوئی نہیں سمجھ سکتا اور اماموں کی حدیث کے بغیر قرآن سے دلیل پکڑنا بھی ان کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ (مجالس المؤمنین)

(۱۹) مذہب اسلام میں ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ اس سے عرب و عجم، اپنے اور بیگانے غرض تمام ہی لوگ فیضیاب ہوئے۔ شیعہ حضرات کے مذہب میں یہ ہے کہ قرآن کی ہدایت کسی کے دل میں نہ بھیجی اور حضرت علیؓ اور اماموں کے علاوہ کوئی صحابی (بحسب زود کے) اور کوئی قرآن سے ہدایت یافتہ نہ ہو سکا، نہ ہو سکتا ہے۔ (حرمت ماتم صلا)

(۲۰) اہل اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اس سے بھی موجودہ قرآن مراد ہے۔ جو لاکھوں حفاظ کرام کے سینے میں محفوظ ہے شیعہ حضرات کا مذہب یہ بتاتا ہے کہ وعدہ خداوندی جس قرآن کے ساتھ ہے وہ مجموعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے اور وہ امام مہدی (امام غائب) کے پاس ہے اور وہ سب اماموں کو یاد تھا، یہ موجودہ قرآن اصلی قرآن نہیں ہے اس کے لئے خدا نے حفاظت کا کوئی وعدہ نہیں فرمایا نہ ہی اس قرآن کا یاد کرنا ضروری ہے۔ (اصول کافی ص ۲۸ ج ۱)

لے قرآن پر عقیدہ رکھنا اہل اسلام کا بنیادی مسئلہ ہے اور ضروریات دین میں سے ہے۔ اس لئے قرآن کی تحریف کا عقیدہ رکھنا یا اس کے ایک حرف کا انکار کرنا کفر ہے۔ شیعہ حضرات کی متواتر بیانیہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کا ایمان قرآن پر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اس موضوع پر نہایت تحقیقی کتاب ”تنبیہ الحائرین“ امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب غفرلہ کی لکھنی (بقیہ حاشیہ ص ۱۶)

(۲۱) قرآن کی رو سے مذہب اسلام میں فرشتوں کو ماننا بنیادی عقائد اور دین و ایمان کے اصول میں داخل ہے۔ شیعہ مذہب میں فرشتوں پر ایمان لانا اصول دین میں سے نہیں ہے، ان کے یہاں توحید، امامت، نبوت، آخرت اور عدل پر ایمان لانا ضروریات دین میں سے ہے۔ (حرمت مآثم ص ۱۷)

(۲۲) مذہب اسلام کی رو سے ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام فرشتے گناہوں سے معصوم اور دوزخ میں جانے سے محفوظ ہیں۔ لیکن شیعہ مذہب یہ کہتا ہے کہ جب سبیل و میکائیل کے دل میں ذرہ برابر بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی محبت ہوگی تو یہ دونوں جہنم میں جلیں گے۔ (جلال العیون)

(جاریہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶ کا) نے لکھی ہے اب یہ کتاب "شیعہ اور قرآن" کے نام سے شائع ہوتی ہے۔ اس کتاب کی بنیاد پر دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارن پور، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، مدرسہ امینیہ دہلی، دارالعلوم حسینیہ چلہ امرہ، مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ، اور گونجبرہ والہ پاکستان کے علماء کرام اور مفتیانِ عظام نے شیعوں کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ یہ فتویٰ اب سے پچاس ساں پہلے شاہی پریس لکھنؤ میں طبع ہو کر دفتر دارالبلغین لکھنؤ سے شائع ہو چکا ہے۔ ۱۲

قسط ۷

# ایں چہ بو العجمی است

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

اقبال کے رجوع کے باوجود ان اشعار کے باقی رہنے کی حکمت کے سلسلہ میں دوسری بات یہ ذہن میں آئی کہ اقبال کے آخری شعر:

بہ مصطفیٰ برسوں خویش را کہ دیں ہمہ ادست

گر بہ ادنہ رسی ہمہ بو لہبی است

میں ”دطنی قومیت“ کے نظریہ کو ”بو لہبی“ کہا گیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان اشعار کے ساڑھے نو سال بعد اگست ۱۹۴۷ء میں دنیا کے مطلع پر ”پاکستان“ طلوع ہوگا۔ اور یہ ملک جسے مانگنے والوں نے خدا و رسول کے نام پر مسلم قومیت کا واسطہ دیکر مانگا۔ اس میں اسی ”دطنی قومیت“ کا سکہ چلے گا۔ جسے اقبال ”بو لہبی“ قرار دے رہے ہیں اس وقت بو لہبوں کے اس ٹولہ میں، جو حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے خلاف سیخ پا ہے۔ ایک بھی ایسا نہیں ہوگا۔ جو اس بو لہبی کو اپنانے پر لب کشائی کرے بلکہ سب کی زبانیں اس وقت گنگ ہو جائیں گی۔ اقبال کے ان اشعار کا محفوظ رہنا بڑا ضروری ہے۔ کیونکہ اقبال کے یہی اشعار اس وقت ”آئینہ بو لہبی“ کا کام دیں گے جس میں ان لوگوں کو ان کا بھیانک چہرہ دکھایا جاسکے گا۔

پاکستان میں اس ”بو لہبی“ کا کس طرح تسلط ہوا۔ اور اس نے یہاں کیا کیا کھل



کھلائے۔ اس کی ایک دو جھلکیں آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ پاکستان ۱۴ اراگست ۱۹۴۷ء کو وجود میں آیا، اور اس سے تین دین پہلے قائد اعظم سٹر محمد علی جناح نے دو قومی نظریہ سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ یہ کہانی شاہراہ پاکستان کے مصنف چوہدری خلیق الزماں صاحب سے سنئے۔ وہ لکھتے ہیں۔

”سر سید کے بعد نواب محسن الملک نے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کر کے اُسے بڑی

گورنمنٹ سے قبول کرا لیا، گو سٹر جناح جداگانہ انتخاب کی ۱۹۳۵ء تک ہمیشہ

مخالفت کرتے رہے مگر ۱۹۳۷ء میں انھوں نے بھی مسلمانوں کو ایک علیحدہ

نیشن کہنا شروع کیا۔ اس کا کوئی خاص فرق ہندوستانی سیاست میں اس

وقت تک نہ پڑا جب تک انگریزی اقتدار قائم رہا۔ بلکہ یہ کہنا صحیح ہو گا کہ اس

غیر ممالک میں مسلم لیگ کا مطالبہ زائد صحیح بنیاد پر نظر آنے لگا۔ مگر اس کا اتنا

مہلک اثر مسلم اقلیتوں پر تقسیم ہند کے بعد پڑا کہ اشک پناہ یعنی ۱۵ اراگست

۱۹۴۷ء کو چار کروڑ مسلمان ہندوستان میں نہ پاکستانی تھے اور نہ ہندوستانی

مختلف مذہبی اقلیتیں تو ایک ملک میں رہ سکتی ہیں مگر مختلف نیشنل اقلیتیں

بہ حیثیت شہری کے ملک میں نہیں رہ سکتی تھیں۔ اور تمام صوبوں کے مسلمان

فوراً تقسیم کے بعد اس کس پہر سی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ جب سٹر جناح نے

پاکستان کو دس کروڑ مسلمانوں کا ہوم لینڈ یا وطن کہا تھا۔ تو انھیں مسلمانوں

کے ہندوستان سے انخلا کا سامان بھی مہیا کر لینا تھا۔ چہ جائیکہ تقریباً نصف

مسلم آبادی کو بے یار و مددگار چھوڑ دینا۔

یہ دو نیشن نظریہ دو قوم نہیں بلکہ نیشن اپنے تمام وسیع معنوں میں تقسیم

ہند کے بعد ان چار کروڑ مسلمانوں کے لئے جو ہندوستان میں رہ گئے ہیں۔

بڑا ہولناک ثابت ہوا۔ کیوں کہ ۱۴ ارا اور ۱۵ اراگست ۱۹۴۷ء کو وہ نہ پاکستانی

نیشن رہ گئے اور ہندوستانی، جس کی وجہ سے ان پر بدترین مصائب نازل ہوئے، یکم اگست ۱۹۴۷ء کو مسٹر جناح نے ہندوستان کے اقلیتی نمائندوں سے رخصت ہونے کے لئے ان کو بلوایا، اس موقع پر سید رضوان اللہ سکریٹری یوپی مسلم لیگ اور ممبر کانسیٹیوٹ اسمبلی نے اقلیتی مسلمانوں کے مستقبل کے متعلق جناح صاحب سے کچھ بہت پیڑھے سوالات کئے جن سے وہ بہت پریشان نظر آئے، اس سے پہلے انھیں اس قدر پریشان میں نے نہیں دیکھا تھا گفتگو کی یہ نوعیت دیکھ کر میں نے اسے ختم کرانا ہی مناسب سمجھا اور رضوان اللہ سے کہا کہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب اس کا اعادہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ اسکے بعد ہم سب ان سے رخصت ہو کر چلے آئے۔ اس گفتگو کا اثر مسٹر جناح پر اتنا گہرا اور عمیق پڑا کہ ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو بحیثیت ہونے والے گورنر جنرل پاکستان اور پاکستان کانسیٹیوٹ اسمبلی کے پریسڈنٹ کے انھوں نے اولین موقع پر دو قومی نظریہ کو اپنی ایک تقریر کے ذریعہ بالکل ختم کر دیا۔ ان کی تقریر یہ تھی۔

”اب اگر ہم پاکستان اسٹیٹ با فراغت اور خوش دیکھنا چاہتے ہیں تو ہم کو کلیتہً عوام کی خصوصاً غریب کی خدمت میں لگ جانا چاہئے اگر ہم سب گزشتہ واقعات کو بھلا کر اور اختلافات کو ختم کر کے متحدہ طور سے کام میں مشغول ہو جائیں تو ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔ اگر ہم اپنا ماضی بدل ڈالیں اور سب مل کر یک جہتی سے کام شروع کر دیں۔ خود تم کسی قوم کے ہو۔ خواہ تمہارا آپس کے تعلقات پہلے کچھ ہی رہے ہوں۔ خواہ تمہارا رنگ ذات اور دین کچھ ہی رہا ہو مگر وہ اب ہر صورت سے پاکستان کا شہری ہے۔ جس کے تمام وہی حقوق اور وہی ذمہ داریاں ہیں جو کسی اور کے۔ میں اس کے زائد اور اس پر زونہیں دے سکتا۔ ہم کو اسی جذبہ سے کام کرنا ہے اور تھوڑے عرصہ میں اکثریت

اور اقلیت ہندو قوم اور مسلم قوم کے قسے ختم ہو جائیں گے۔ کیوں کہ خود مسلمانوں میں پٹھان، پنجابی اور شیخو سنی وغیرہ ہیں۔ اور اسی طرح ہندوؤں میں برہمن، دیش کھتری اور بنگالی اور مدراسی وغیرہ یہ سب دور ہو جائیں گے۔ اگر آپ مجھ سے پوچھیں تو حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی آزادی میں یہ مختلف حالات ہار ج رہے درنہ ہم بہت پہلے آزاد ہو گئے ہوتے۔ آپ کسی مذہب ذات یا عقیدے کے ہوں اس کو اسٹیٹ کے کام سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

یہ واضح اور روشن تبدیلی ہمارے سیاسی مسلک میں ایسے وقت آئی جب کہ لاکھوں مسلم جانیں جا چکی تھیں اور لاکھوں کی نوبت آرہی تھی اور اس سے زائد یہ کہ لاکھوں خاندان اور افراد اپنے آبائی وطن اور ماحول کو خیر باد کر کے پاکستان کی طرف چل پڑے تھے۔ (شاہراہ پاکستان صفحات ۹۴۲ تا ۹۴۴)

محمد علی جناح کے مصنف نے قائد اعظم کی تفسیر کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔  
 ”اب تم سب آزاد ہو اور پاکستان میں تمہیں اس بات کی پوری آزادی ہے کہ اپنے مندروں اور مسجدوں اور دوسری عبادت گاہوں میں جا کر اپنے اپنے عقیدے کے مطابق عبادت کرو۔ ہمارا یہ بنیادی اصول ہے کہ ہم سب ایک مملکت کے شہری اور مساوی حقوق کے مالک ہیں۔ یہ اصول مذہب معتقدات اور ذات پات کے امتیاز سے بالاتر ہے، اگر ہم سب اس اصول کو اپنا معیار بنا لیں تو مجھے یقین ہے کہ کچھ عرصے بعد نہ ہندو ہندو بنیں گے۔ نہ مسلمان مسلمان اس سے میرا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ اپنے اپنے مذہب پر قائم نہ رہیں گے مطلب یہ ہے کہ سیاسی اعتبار سے اور پاکستان کے شہری ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہوں گے۔ جہاں تک مذہب کا تعلق ہے یہ ہر فرد کے ذاتی اعتقاد کا معاملہ ہے۔“

(محمد علی جناح ص ۲۹۶ ناشر مرکزی مارتھ و بورڈ لاہور)  
 (بھوالہ ماہنامہ الرشید ”سامی قال“ مدنی و انبال نمبر)



یہ وہی بات ہے جو حضرت مدنیؒ نے فرمائی تھی، اور جسے اقبال نے

عِزِ گرباد نہ رسی ہمہ بولہی است۔

فرمایا۔ البتہ حضرت مدنیؒ کے بیان میں اور بانی پاکستان کے اعلان میں چند وجوہ سے فرق تھا۔

الف۔ حضرت مدنیؒ "وطنی قومیت" کو اپنے عقیدہ کے طور پر بیان نہیں فرما رہے تھے بلکہ دورِ تجدید کا نظریہ قومیت نقل فرما رہے تھے۔ جب کہ بانی پاکستان "وطنی قومیت" کو بطور اصول کے پاکستان میں نافذ فرما رہے تھے۔

ب۔ حضرت مدنیؒ "وطنی قومیت" کے مغربی ہتھیار کو خود مغرب ہی کے خلاف استعمال کرنے اور اس کے ذریعہ غلام ہندوستان کو آزاد کرانے کی دعوت دے رہے تھے۔ اور بانی پاکستان ایک نو مولود آزاد اسلامی مملکت کو، جو صرف اسلام کی خاطر حاصل کی گئی تھی۔ "وطنی قومیت" کی یہ "جہنم گھٹی" دے رہے تھے،

ج۔ حضرت مدنیؒ اس نظریہ کو متحدہ ہندوستان میں پیش فرما رہے تھے، اور اس کے ذریعہ ہندوستان کی مسلم اقلیت کو ہندوؤں کی اکثریت کے برابر کھڑا کر کے انھیں دیگر ہم وطنوں کے مساوی حقوق دلانا چاہتے تھے۔ جبکہ بانی پاکستان ایک اسلامی ریاست میں، جو صرف مسلم قومیت کی بنیاد پر حاصل کی گئی تھی۔ غیر مسلموں کو مسلمانوں کے برابر کھڑا کرنے اور ان کو مساوی حقوق دینے کا اعلان فرما رہے تھے۔ حالاں کہ ضرورت اس بات کی تھی کہ پاکستان کے غیر مسلم ذمیوں کے لئے ان شرعی حقوق کا اعلان کیا جاتا، جو شریعت اسلامیہ نے بیان فرمائے ہیں۔ اگر پاکستان میں بھی غیر مسلموں کو تمام حقوق میں مسلمانوں کے برابر کھڑا کرنا تھا تو بوجھنے والا یہ دریافت کر سکتا تھا کہ پھر آپ نے دو قومی نظریے کی بنیاد پر مسلمانوں کے لئے الگ وطن کا تکلف ہی کیوں فرمایا تھا۔ ان غرض ایک طرف حضرت مدنیؒ کے موقف کو دیکھئے اور دوسری طرف بانی پاکستان کے اس اعلان کو۔ اور ان دونوں کا فرق و تفاوت

ملاحظہ فرمائیے ع ”بہیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بجا“  
 اگر حضرت مدنیؒ کا وہ فترہ اقبال کے نزدیک بولہبی تھا، تو ستائے عظم کے  
 اس اعلان کو کیا نام دیجئے گا؟ لیکن گز گز کی جو زبانیں حضرت مدنیؒ کے خلاف کھلی  
 تھیں، اقبال کا شعر اپنے والی زبانوں نے بانی پاکستان کے بارے میں بھی کوئی جنبش  
 کی؟ اور پاکستان کی جنم گھٹی ”میں جو وطنی قومیت شامل کی جا رہی تھی کیا کسی کو اس پر  
 ذرا بھی ملال ہوا؟ اگر حضرت مدنیؒ (نحوذ باللہ) ہندوؤں کے ایجنٹ تھے تو بانی پاکستان  
 کس کے ایجنٹ تھے؟ کیا پرستارِ اقبال، اقبال کے پیش کردہ ”آئینہ بولہبی“  
 میں اپنا منہ دیکھنا پسند کریں گے؟

۲۔ مملکتِ خداداد پاکستان کی پہلی کابینہ تشکیل دی گئی تو اس میں ایک وزیر ہندو  
 تھا یعنی مسٹر جوگندر ناتھ منڈل، اور ایک سڑا ہوا قادیانی مسٹر ظفر اللہ خاں تھا  
 جس نے بانی پاکستان کا جنازہ تک نہیں پڑھا، اور جب اس سے اس کی وجہ پوچھی  
 گئی تو کہا،

”آپ مجھے کافر حکومت کا مسلمان وزیر سمجھ لیں، یا مسلمان حکومت کا کافر وزیر“

(ملتِ اسلامیہ کا موقف ص ۴۳)

پاکستان کا پہلا چیف جسٹس ایک عیسائی ”کارنلیس“ کو بنایا گیا۔ اور افواج کا کمانڈر  
 انچیف ایک انگریز کو۔ جبے اب تک سول اور فوج کے نازک اور حساس مناصب  
 بر قادیانی، عیسائی، ہندو، دہریے، اور رافضی فائر چلے آتے ہیں۔ فرمایا جائے کہ یہ اقبال  
 کے الفاظ میں ”بہ مصطفیٰ برسوں خویش را“ کا مظاہرہ تھا۔ یا ”ہم بولہبی است“ کا؟  
 کیا حضرت مدنیؒ کے کسی ناقد کو اقبال کے پیش کردہ اس ”آئینہ بولہبی“ میں اپنی  
 شکل دیکھنے کی بھی کبھی توفیق ہوئی؟

۳۔ اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کا ”قومی پارٹی بورڈ“ جاری کیا گیا تو اس میں



”قومیت“ پاکستانی کا اندراج کیا گیا ”مسلم قومیت“ کا سرے سے تصور ہی نہ تھا۔ اور پاسپورٹ سے مذہب کا خانہ ہی غائب تھا۔ جس کا صاف صاف مطلب یہ تھا کہ پاکستان میں قومیت کی بنیاد صرف وطن ہے۔ ریاست کو باشندگان مملکت کے مذہب و ملت سے کوئی سروکار نہیں۔ بعد میں قادیانیوں کی شناخت کے لئے علمائے کرام کے مطالبہ پر پاسپورٹ میں مذہب کا خانہ بڑھایا گیا۔ لیکن قومیت پھر بھی وہی پاکستانی رہی۔

کیوں صاحب! یہ نظریہ کہ ”اس زمانے میں قومیں مذہب سے نہیں بلکہ اوطان سے بنتی ہیں“ تو حضرت مدنیؒ نے مغربی اقوام کے حوالے سے نقل کیا تھا۔ جس پر آپ نے حضرت مدنیؒ کو منہ بھر کر گالیاں دیں تھیں۔ اور شاہِ مملکت علامہ اقبالؒ نے چھوٹے ہی حضرتؒ پر ”چہ بے خبر از مقام محمد عربیؐ است“ اور ”ہمہ بولہبی است“ کے فتوے صادر فرما دیئے تھے، یہ آپ کو کیا ہوا کہ آپ نے مملکتِ خداداد پاکستان میں حضرت مدنیؒ کا نقل کردہ مغربی نظریہ قومیت اپنالیا۔ اور یہاں سے تمام شہریوں کو بلا امتیاز مذہب و ملت ایک ہی قوم بنادیا۔ جس کی رو سے مسلم، ہندو، سکھ عیسائی، یہودی، پارسی، مادیانی وغیرہ وغیرہ سب ایک ہی قوم قرار پائی، اگر یہ اقبالؒ کے بقول: ”مقام محمد عربیؐ سے بے خبری“ اور ”ہمہ بولہبی“ تھی تو آپ کے لئے پاکستان میں یہ بولہبی کیسے حلال اور طیب ہو گئی، جس کی رو سے مولانا شاہ احمد نورانی اور لالہ جگن ناتھ ایک ہی قوم قرار پائے، علامہ اقبالؒ مرحوم کے فرزند گرامی قدر جناب جسٹس جاوید اقبالؒ اور سردار بلونت سنگھ ایک ہی قوم کے دو فرد بن گئے۔ جناب محمد حنیف رائے اور مرزا طاہر قادیانی کی ایک ہی قوم بن گئی؟ کیا حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے ناقدین کو اس آئینہ میں اپنا چہرہ نظر آئے گا؟ اور انھیں اس سے کچھ عبرت ہوگی؟ ع ”حذر اے چہرہ داستان سخت ہیں فطرت کی تعزیریں“



ہم — پاکستان میں، ہاں اسی پاکستان میں، جو صرف اسلام کے نام سے حاصل کیا گیا تھا۔ جب مسلم قومیت کے تصور کو کچل دیا گیا۔ اور اس کی جگہ "وطنی قومیت" کو جسے اقبال نے "بولہبی" کہا تھا۔ بطور ایک عقیدہ اور نظریہ کے اپنا لیا گیا تو اس "بولہبی" نے پر پرزے نکالے اور پاکستانی قومیت کی جگہ یہاں الگ الگ وطنی تشخصات ابھرنے اور صوبائی بنیاد پر مختلف قومیتوں کے نعرے لگنے لگے۔ سب سے پہلے "بنگلہ قومیت" کا فتنہ اٹھا، جس کے نتیجہ میں نہ صرف ملک دولت لکھنؤ ہوا۔ بلکہ مسلمانوں پر وہ قیامت بیت گئی۔ جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اور جس کی وجہ سے آج تک انسانیت کا سر شرم سے جھکا ہوا ہے "بنگلہ قومیت کے مطابق مشرقی پاکستان کے ہندو مسلم ایک قوم تھے۔ اور مشرقی و مغربی پاکستان کے مسلمان دو قومیں، اس کے بعد سندھی، بلوچی، افغانی اور پنجابی قومیتوں کے نعرے لگے۔ پھر مہاجر قومیت کا غلغلہ بلند ہوا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے "وطنی قومیت" کا یہ دیو عریاں رقص کرنے لگا۔

حال ہی میں کراچی اور حیدرآباد میں قومیت کے عفریت نے جو تباہی مچائی۔ اور درندگی و شیطنت کے جو مظاہرے کئے انھیں دیکھ کر شاید ابلیس بھی شرمندہ ہوگا اب ہر چہار سو "وطنی قومیت" اور صوبائی ذہنیت کے نعرے لگ رہے ہیں۔ اور یہ "بولہبی" ذہنوں پر اس طرح مسلط ہے کہ نہ کسی کو اپنے دین و ایمان کا پاس ہے، نہ ملک و ملت، نہ اسلامی اخوت کا احساس ہے، نہ خالق سے حیا نہ مخلوق سے شرم۔ بد مستان قومیت پورے ملک کی سطح پر سوچنے اور قوم و ملک کا مفاد پیش نظر رکھنے سے عاری ہو چکے ہیں، اپنے محدود مفاد کی خاطر پاکستان کو توڑنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ اور وہ قومیت کے جنون اور مدہوشی میں کسی شریف آدمی کی بات سننے کیلئے بھی کادہ نہیں مگر اسے یاد دہنایاں ہیں ہم آفرینہ قسمت ۵

جب روزِ اوّل ہی سے پاکستان کی بنیاد ”مسلم قومیت“ کے بجائے ”وطنی قومیت“ پر رکھ دی گئی تو اس کے نتائج اس کے سوا اور کیا ہو سکتے تھے؟ افسوسیت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

”آج ہم کہتے ہیں نہ بناؤ۔ تم ہماری نہیں مانتے، ایک وقت آئے گا جب ہم کہیں گے نہ توڑو، اس وقت تم ہماری نہیں سنو گے۔“

”قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید“ اس مرد قلندر کی یہ بات واقعہ بن کر ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

الغرض دوسری بات جو ذہن میں آئی وہ یہ تھی کہ یہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی کرامت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اقبال کے قلم زد کردہ اشعار کو ضائع ہونے نہیں دیا۔ کیونکہ اقبال کے اعلانِ رجوع سے حضرت مدنیؒ کا دامن تو پاک ہو چکا تھا۔

ع ”زینتِ نے کیا خود پاک دامن“ ماہِ کنعاں کا“

اس لئے ان اشعار کا باقی رہنا حضرت مدنیؒ کو مضر نہیں تھا، بلکہ خود اقبال کے لئے رُوح کی بے تراری و شرمساری کا سامان تھا۔ لیکن قدرت کو منظور تھا کہ جو لوگ آج حضرت مدنیؒ کی توہین کر کے ”مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ“ اور ”پاکستان کا مطلب کیا: لا الہ الا اللہ“ کے گیت گارہے ہیں۔ کل جب اقتدار ملنے کے بعد یہ لوگ ایں ہمہ بولہبی است! کا راستہ اختیار کریں گے تو اقبال! کے آئینہ بولہبی! میں ان کو اپنی تصویر دکھائے جاسکے۔ اور خدا کی بے آواز لائٹ! ان سے حضرت مدنیؒ کا انتقام لے سکے۔ حدیثِ قدسی میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

من عادی لی ولیاً فقد  
مذنتہ بالحرب (مشکوٰۃ ص ۱۱)

جو شخص میرے کسی ولی سے عداوت رکھے  
میں اس کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں



”حضرت مدنیؒ اپنے دور کے دل کا بلکہ سرگردہ اولیا اللہ تھے، پاکستان کی بنیاد ہی ان کی توہین اور گستاخی پر رکھی گئی۔ اور آج تک یہ سلسلہ بند نہیں ہوا، گویا یہ لوگ خدا تعالیٰ سے مسلسل جنگ لڑ رہے ہیں، کاش کوئی دانشمندان کو فہمائش کرتا کہ آپ لوگ ایک مقبول بارگاہ الہی سے عداوت کر کے کب تک خدا تعالیٰ سے جنگ لڑتے رہیں گے؟ راقم الحروف نے حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے بارے میں لکھا تھا کہ انھیں ”حضرت مدنیؒ قدس سترہ سے غایت درجہ کی عقیدت و ارادت تھی، اور ان کے بچہ مدد ارج تھے۔ ہمارے ملک پر جو آفات و بلیات کا نزول متواتر ہو رہا ہے اس کا باطنی سبب حضرت بنوریؒ کے نزدیک یہ تھا کہ لوگوں نے حضرت مدنیؒ قدس سترہ کی بڑی توہین کی ہے اور انھیں ایذا میں پہنچائی ہیں، جب تک کہ اس جبرم سے توبہ نہ کی جائے اور اس کی معافی بارگاہ قدس سے نہ مل جائے تب تک اصلاح احوال کی کوئی صورت نہیں۔“

(بینات، بنوری نمبر ص ۸۱)

ناکارہ راقم الحروف کو حضرت مدنیؒ کے مرتبہ و مقام عالی کی معرفت کا دعویٰ نہیں کہ مقام نبوت کو نبی کے سوا کوئی نہیں جاتا، اور مقام ولایت کو دلی کے سوا کوئی دیکھتا نہیں پہچانتا۔ دلی را دلی می شناسد، مشہور مقولہ ہے۔ لیکن عمر جوں جوں ڈھلتی جا رہی ہے۔ حضرت بنوریؒ کے مندرجہ بالا ارشاد پر یقین و اذعان میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ میں یہاں کے اربابِ حل و عقد، اہل فکر و دانش، اصحابِ قلم اور عوام و خواص کی خدمت میں نہایت اخلاص و دل سوزی سے گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ ہم حضرت مدنیؒ کی توہین و بے ادبی کا بہت خمیازہ بھگت چکے ہیں۔ خدا را یہ سلسلہ اب بند کر دیا جائے۔ جس شخص نے بھی اپنی زبان و قلم کو حضرت مدنیؒ کی بے ادبی سے لکھ دیا، اس نے اپنی طاقت بربادی کا سامان کیا۔ ابھی وقت ہے اس جبرم عظیم سے پوری



تو مہ کرے۔ اور وارثین اقبال کا فرض ہے کہ حضرت مدنیؒ کی خاطر نہیں تو کم از کم روح اقبالؒ کی تسکین کے لئے اقبالؒ کے متعلقہ اشعار کو "ارمغانِ حجاز سے حذف کر دیں۔ اور اگر یہ کسی وجہ سے ممکن نہیں تو کم سے کم ان پر یہ نوٹ ہی لکھ دیں کہ اقبالؒ نے وفات سے تین ہفتہ قبل ان سے رجوع کر لیا تھا۔ امید ہے کہ میرے اس خیر خواہانہ پیغام پر اربابِ حل و عقد بھی کان دھریں گے۔ اربابِ خامہ و قسطاس بھی، اور خداوندانِ عمل و انصاف بھی۔ — ورنہ

ع "بر رسولان بلاغ باشد و بس"

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِأَخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا  
غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ، فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ  
وَلِيُّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَالْحَقْنِي بِالصَّالِحِينَ وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى  
عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ صَفْوَةِ الْبَرِيَّةِ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ

# نظامِ امارت فی الہدٰی کی مختصر تاریخ

از۔ مولانا حبیب الرحمن قاسمی

احیاءِ دین، اعلاءِ کلمۃ اللہ اور خدا کی زمین پر خدا ہی کے احکام و فرمان کے نفاذ و اجراء کے لئے نظامِ امارت و تنظیم جماعت کی ضرورت و اہمیت کو ہمارے اسلام نے کبھی بھی فراموش نہیں کیا۔ بلکہ حالات نے جب بھی اجازت دی حسب استطاعت اس اہم ترین ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی مخلصانہ جدوجہد کی ہے۔ اور احوال و ظروف کے مطابق توفیق ایزدی ملے و مدنی دونوں عہد کی سنتوں کو زندہ کر دکھایا ہے۔ آئندہ صفحات میں اکابرِ رحمہم اللہ کی اسی انقلابی جدوجہد کی مختصر تاریخ پیش کی جا رہی ہے۔ انشاء اللہ اس کے مطالعہ سے شبہات کے پردے ہٹیں گے۔ خدشات کے زخم مندمل ہوں گے مسافرانِ منزل کو حوصلہ ملے گا۔ اور اس راہ کی صعوبتوں کے تصور نے جن کی ہمتیں پست کر دی ہیں۔ ان میں بھی قدم سے قدم ملا کر چلنے کی ہمت پیدا ہوگی۔

امارتِ شریعہ کی تاسیس | قیامِ امارت کی ضرورت علامتِ اسلام نے  
اسی دقت محسوس کر لی تھی جبکہ ہندوستان کی  
سلم حکومت کا چسراغ مغربس کے دینے کی طرح ٹٹھانے لگا تھا۔ چنانچہ اس عہد کے

جماعت علماء کے سربراہ اور خاندانِ دلی الہی کے چشم و چراغ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فتویٰ دارالحرب و قیام امارت اسی احساس کا جراثیمدانہ اظہار تھا۔ اور اس فتویٰ کو غیر منقسم ہندوستان میں پہلی بار جس جماعت نے عملی جامہ پہنانے کا بیڑا اٹھایا وہ بھی حضرت شاہ صاحب ہی کی ساختہ پرواختہ تھی۔ یعنی حضرت سید احمد شہید بریلویؒ اور آپ کے رفقاء کار۔ اس اجمال کی تفصیل جناب غلام رسول مہر کی زبانی سنئے۔ مہر صاحب لکھتے ہیں۔

”سید صاحب سرحد شریف لائے تھے تو آپ کو یقین ہوگا کہ شرع شریف کے احکام کی پابندی اور اسلامیت پر فداکاری میں اہل سرحد مسلمانان ہند سے فائق و برتر ہو گئے لیکن یہاں پہنچ کر دو برس تک ایک ایک طبقے کے احوال و مراسم دیکھ چکنے کے بعد معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا اسلام بھی رسمی ہے اور واقعہ بھی یہی تھا کہ اس وقت اہل سرحد کی زندگی جاہلیت کے اوقات سے آلودہ تھی لہذا یہ فیصلہ کیا گیا کہ سرحد میں جہاد کے ساتھ ساتھ انھیں اسلامیت کا پابند بنایا جائے۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ جہاد کی بیعت کے ساتھ ساتھ سب سے اقامت شریعت کی بیعت بھی لی جائے۔ بھٹانوں کی اصلاح و تنظیم کے سلسلے میں یہ دوسرا قدم تھا۔

چنانچہ فیصلہ کے مطابق کام کا آغاز کر دیا گیا اور منفرد ہزاروں آدمیوں نے سید صاحب کی اس دعوت کو قبول کر لیا لیکن اصل غرض انفرادی قبول و پذیرائی سے پوری نہیں ہو سکتی تھی ضروری تھا کہ ایک ہمہ گیر نظام پیدا کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے عطاء و اکابر کا اجتماع ضروری تھا۔ اس اجتماع کیلئے حوزہ نظام بہتار سمجھا گیا۔ چنانچہ سید صاحب اپنی جماعت کے ساتھ رئیس بہتار فتح خاں کی دعوت پر وہاں پہنچے اور پہنچتے ہی بیعت شریعت کے لئے دعوت عام کا سلسلہ شروع کر دیا اس سلسلے میں آپ مختلف بستیوں اور قبیلوں میں دورے فرماتے



اور علماء و اکابر کو جمع کر کے پابندی احکام اسلام کی ہدایت کرنے اور دل اور دماغ نصیحت کے ذریعہ سے قبول عام کا جذبہ بیدار ہو گیا تو فیصلہ ہوا کہ پختیار میں اجتماع عظیم منعقد کیا جائے۔ جس میں سرحد کے ہر حصے سے علماء و خواتین شریک ہوں یکم شعبان ۱۴۲۹ھ (۶ فروری ۲۰۰۸ء) کی تاریخ اور جمعہ کا دن اس اجتماع کے لئے تجویز ہوا۔

خواتین و اکابر کے علاوہ ڈو ہزار کے قریب علماء اس موقع پر آئے۔ اتنے ہی ان کے تلامذہ تھے بعض مکاتیب میں ہے قریب ہزار علماء و طلبہ اس اجتماع میں سید صاحب نے ایک اختتامی تقریر فرمائی جس کے آخر میں پختیار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر آپ ہماری بات ماننا چاہتے ہیں تو اسی مجمع میں مان لیجئے ورنہ اتحاد کارشتہ کٹ جائے گا میں خدائے عزوجل کا ایک عاجز بندہ ہوں۔ میری خواہش اس کے سوا کچھ نہیں کہ سب لوگ احکام الہی کے فرمانبردار بن جائیں۔

تقریر پوری کر کے سید صاحب خود مجمع میں سے اٹھ گئے۔ علماء آپس میں مشورے کرتے رہے آخر اس فیصلے پر پہنچے کہ "نظام شرعی کا قیام" لازم ہے نماز جمعہ کے بعد سب نے سید صاحب کے ہاتھ پر "اقامت شریعت" کے لئے بیعت کی

بیعت کے بعد ایک استفتاء علماء کی خدمت میں پیش کیا گیا جس کا مضمون

**استفتاء اور اس کا جواب**

یہ تھا کہ "اگر کوئی شخص امام کی بیعت کرنے اور اس کی اطاعت اپنے اوپر لازم کر لینے کے بعد خدمت دین اور اجرائے شوع مبین کے سلسلے میں امام کے کسی حکم کو رد کر دے اور مخالفت پر کمر بستہ ہو جائے، بلکہ جدال و قتال میں بھی شامل نہ ہو تو اس کے اداس کے ساتھیوں کے شعلق شریعت کا فیصلہ کیا ہے؟

علمائے فہم و فکر کے بعد اس کا مفصل جواب مرتب کیا اس کے مطالب کا

خلاصہ یہ تھا۔

- ۱۔ اثبات امامت کے بعد حکم امام سے سرتابی سخت گناہ اور قبیح جرم ہے۔
  - ۲۔ مخالفوں کی سرکشی اگر اس پیمانے پر پہنچ جائے کہ قتال کے بغیر اس کا انتہا ممکن نہ رہے تو تمام مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ ان مخالفوں کی تادیب کے لئے تلواریں نکالیں اور امام کے حکم کو بزور مخالفوں پر نافذ کریں۔
  - ۳۔ اس معرکہ میں لشکر امام سے جو شخص قتل ہوگا وہ شہید سمجھا جائے گا اور لشکر مخالف کے مقتولین مردود و ناری تصور ہوں گے۔
- اس فتوے پر علمائے سرحد میں سے پچیس افراد کے دستخط تھے۔ جن کے نام سیرت احمد شہید میں مرقوم ہیں۔

**اصلاح عام** غالباً ۱۵ شعبان ۱۲۲۹ھ کو جمعہ کے دن (۲۰ فروری ۱۸۱۵ء) پھر ایک اجتماع ہوا جو فتح خاں رئیس پنجتار کے قبیلے کے افراد پر مشتمل تھا۔ خان نے ان سب کو بیعت کی ترغیب دی اور انھوں نے بطیب خاطر نظام اسلامی کی پابندی قبول کر لی پھر مختلف علاقوں کیلئے سید صاحب نے قاضی مقرر فرمادئے۔ مولوی سید محمد حبان کو قاضی القضاۃ بنایا گیا۔ ملا قطب الدین ننگر ہاری کو احتساب کا کام سونپا گیا۔ اور رئیس تفنگی ان کے ساتھ مقرر کئے گئے وہ قریہ قریہ اور دیہ دیہ دورہ کرتے رہے۔ جہاں کوئی امر خلاف شرع پاتے اس کا انکسار کرتے۔

**نظام امارت کا اثر** رادیوں کا بیان ہے کہ تھوڑی ہی مدت میں پورے علاقے کی کایا پلٹ گئی۔ تمام لوگوں نے شریعت کی پابندی اختیار کر لی۔ پتہ داریاں ٹوٹ گئیں۔ مقدمات کے فیصلے شریعت کے مطابق ہونے لگے۔ اگر ملا قطب الدین کے آدمی دوسرے کام کے سلسلے میں بھی گاؤں میں جاتے تو گاؤں والے دوڑے ہوئے آتے اور بتاتے کہ یہاں کوئی بے نماز نہیں رہتا۔



**ایک سوال** کیا بیعت اقامت شریعت کے بعد سید صاحب کے اختیارات فرمائروائی میں کوئی اضافہ ہوا؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ بیعت اقامت نے سید صاحب کو نظم و آئے جہاد کا مجاز بنایا تھا۔ بیعت اقامت شریعت کی رو سے وہ اجزائے احکام شرعی کا مرکز بن گئے۔ رؤسا و خواتین پر صرف اس حد تک پابندی عائد ہوئی جو از روئے شریعت حق ضروری تھیں لیکن ان کی ریاستیں اور سرداریاں بدستور قائم رہیں۔ (سیرت احمد شہید ج ۲ ص ۸۳ تا ۸۷ و سید احمد شہید ج ۲ ص ۵۵ تا ۶۵)

**ضرورت کی تنبیہ** یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ بیعت شریعت، بیعت جہاد کے الگ ہے۔ چنانچہ غلام رسول مہر صاحب نے بھی اس پر تنبیہ کی ہے۔ وہ بیعت جہاد کی بحث کو ختم کر کے حاشیہ پر لکھتے ہیں "یہاں یہ بتادینا بھی ضروری ہے کہ بعض سواخ نگاروں نے بیعت امامت جہاد اور بیعت اقامت شریعت کو مخلوط کر دیا ہے۔ حالانکہ دونوں بیعتیں الگ الگ موقعوں پر ہوتی تھیں۔ اور ان میں کم و بیش دو سال دو مہینے کا فاصلہ ہے۔ (ایضاً ج ۱ ص ۸۰)

**(۴) نظام امارت کی دوبارہ تاسیس** حضرت امام سید احمد شہید کے واقعہ شہادت (۲۴ رذی تعدہ ۱۲۴۲ھ)

کے بعد باقی ماندہ مجاہدین نے شیخ ولی محمد صاحب پھلتی کو (جو امام شہید کے مخصوص احباب میں تھے) اپنا امیر بنالیا پھر ۱۲۵۰ھ میں جب شیخ نصیر الدین دہلوی داماد حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی و حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مرشد اول، ہجرت مجاہدین کے مرکز استھانہ پیچھے تو تمام مجاہدین نے ان کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی اور انھیں اپنا امیر منتخب کر لیا۔ لیکن مجاہدین کی جماعت میں حضرت امام شہید کی غیبت و رجعت کے جدید نظریہ کی وجہ سے اجتماعیت قائم نہ رہ سکی اور جماعت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ شیخ نصیر الدین دہلوی نے اگرچہ ان کے انتشار و اختلاف کے دور کرنے کی



بہت کوشش کی مگر انہیں کامیابی حاصل نہ ہو سکی جس کی بنا پر اعلام کلمۃ اللہ کے لئے جدوجہد کا وہ سلسلہ جسے امام شہید نے جاری فرمایا تھا اور ان کی شہادت کے بعد منقطع ہو گیا تھا۔ دوبارہ شروع نہ ہو سکا۔ مجاہدین کے اسی انتشار کے زمانہ میں مولانا نصیر الدین دہلوی کا ۱۹۵۶ء میں انتقال ہو گیا۔ ان کے بعد مجاہدین کی قیادت و سیادت کی ذمہ داری مولانا ولایت علی صادق پوری نے سنبھالی۔ چونکہ نظریہ غیبت و رجعت کے مولانا زبردست حامی اور مؤند تھے اور عقیدہ کی رو سے امام شہید کے ظہور کے بعد انہیں کی معیت میں جہاد کیا جاسکتا تھا۔ اس لئے ان کے عہد امارت میں بھی حضرت امام شہید کے عظیم مقصد کو بروئے کار لانے کے سلسلے میں کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی جو ہندوستان سے ہجرت کر کے حجاز چلے گئے تھے انہیں ہندوستان میں دوبارہ اس بابرکت جدوجہد کو دوبارہ شروع کئے جانے کی بڑی تمنا تھی۔ اور اس کی تدبیروں پر اکثر غور و فکر کرتے رہتے تھے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی بغرض حج و زیارت حرمین شریفین پہنچے اور تقریباً دو سال اس ارمن مقدس میں مقیم رہے۔ اس سفر میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کی مجلس میں حاضری اور ان سے استفادہ کا خوب خوب موقع ملا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب نے انہیں جوہر قابلِ پا کر ان کی تربیت کی جانب خصوصی توجہ فرمائی اور ہندوستان میں انقلابی جدوجہد کی ہدایات دیکر واپس بھیجا چنانچہ حضرت حاجی صاحب نے انہیں خطوط پر جن کی ہدایات ”شاہ صاحب“ نے فرمائی تھیں ہندوستان آکر استاذ الکمل مولانا مملوک علی، مولانا مظفر حسین کاندھلوی، مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ کے اشتراک و تعاون کے ساتھ کام شروع کر دیا۔

(ماخوذ از التہبید لتعرف النمة التجدید۔ تالیف مولانا عبید اللہ سندھی ص ۴۳، ۴۴، ۴۵)

بالآخر ۱۲۴۴ھ میں جب کہ برطانوی سامراج کے ظلم و تشدد کے خلاف برسوں کی سنگتی ہوئی آگ لاوا بن کر پھوٹ پڑی تو ان قافلہ ولی اللہی کے مسافروں نے جو سالوں سے سامان سفر کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے تھانہ بھون کی ایک مسجد میں بیٹھ کر طے کیا کہ اب دقت آگیا ہے کہ زمین اشتر کی، حکومت بادشاہ کی اور حکم ایسٹ انڈیا کمپنی کا، کے جھوٹے دعوے کے خلاف اعلان کر دیا جائے کہ زمین اشتر کی، حکومت اشتر کی اور حکم اشتر کا، ظاہر ہے کہ اعلان کوئی معمولی اعلان نہیں تھا بلکہ ایک ایسی جابر و طاہر حکومت کے خلاف اعلان جنگ تھا جس کی وسیع سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اس مسئلہ پر خوب غور و فکر کرنے کے بعد ایک تنظیم کے تحت یہ انقلابی قدم اٹھایا جائے۔ مزید غور و فکر کی اس لئے بھی ضرورت تھی کہ اپنی ہی جماعت کے ایک بزرگ حضرت مولانا شیخ محمد تقانوی رحمۃ اللہ علیہ بحالت موجودہ اس اقدام کے شدید مخالف تھے۔ تھانہ بھون کی اسی مسجد میں ایک بار پھر مجلس شوریٰ کے ارکان سر جوڑ کر بیٹھے۔ اس مجلس شوریٰ کا انعقاد کس تاریخ کو ہوا۔ ارباب حل عقد میں سے کتنے حضرات اس میں شریک ہوئے۔ ان تفصیلات سے تاریخ کا دامن خالی ہے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ کے بیان سے صرف درج ذیل اکابر کے ناموں کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) حضرت حاجی امداد اللہ صاحب، (۲) حضرت حافظ ضامن شہید صاحب (۳) حضرت مولانا شیخ محمد صاحب (۴) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب (۵) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب مآول الذکر تین اکابر تو تھانہ بھون ہی میں پہلے ہی سے موجود تھے۔ البتہ آخر الذکر ہر دو بزرگوں کو ان کے گھروں سے بلایا گیا تھا اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آگے کی کارروائی کی تفصیل خود حضرت مدنی قدس سرہ ہی کی زبانی



سنی جائے کیونکہ اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی آپ کی قد آور شخصیت تھی۔  
اس لئے ان سے زیادہ صحیح رپورٹ کون دے سکتا ہے۔ حضرت مدنی تحریر فرماتے ہیں  
جب ہر دو حضرات (مولانا نانوتوی و مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما) پہنچ گئے تو ایک اجتماع میں اس مسئلہ پر

مجلس شوریٰ کی روداد

گفتگو ہوئی۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ادب سے مولانا شیخ محمد صاحب

سے پوچھا (چونکہ وہ چچا پیر تھے اس لئے ہمیشہ ان کا ادب کیا جاتا تھا) حضرت

کیا وجہ ہے کہ دشمنانِ دین و وطن پر جہاد کو فرض بلکہ جائز بھی نہیں فرماتے۔

تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس اسلحہ اور آلات جہاد نہیں ہیں، ہم

بالکل بے سروسامان ہیں مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا اتنا بھی

سامان نہیں ہے جتنا کہ غزوہ بدر میں تھا۔ اس پر مولانا شیخ محمد صاحب

مرحوم نے سکوت فرمایا۔ اس پر حافظ ضامن شہید صاحب نے فرمایا کہ بس

مولانا سمجھ میں آگیا اور پھر جہاد کی تیاری شروع ہو گئی اور اعلان کر دیا گیا۔

حضرت حاجی صاحب کی امارت پر بیعت اور تنظیم کی تشکیل حضرت حاجی صاحب

رحمۃ اللہ علیہ کو امام مقرر کیا گیا۔ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

کو سپہ سالار افواج قرار دیا گیا۔ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو قاضی بنایا

گیا اور مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی اور حضرت حافظ ضامن صاحب تھانوی

کو میمنہ و میسرہ (فوج کے دائیں و بائیں بازو) کا افسر قرار دیا گیا۔

عام مسلمانوں کی اطاعت گزاری

چونکہ اطراف و جوانب میں مذکورہ بالا حضرات کے علم و تقویٰ (تقویٰ اور شریعت) کا بہت

زیادہ شہرہ تھا ان حضرات کے اخلاص اور للہیت سے لوگ بہت زیادہ متاثر



تھے، ہمیشہ سے ان کی دین داری اور خدا ترسی دیکھتے رہے تھے اس لئے  
 بہت تھوڑی مدت میں جوق جوق لوگوں کا اجتماع ہونے لگا.....  
 ..... مجاہدین ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے تھانہ بھون اور اطراف  
 میں اسلامی حکومت قائم کر لی گئی اور انگریزوں کے ماتحت حکام نکال دئے  
 گئے۔ (نقش حیات ج ۲ ص ۴۲، ۴۳)

اس نظام امارت کا ذکر مولانا عاشق الہی میرٹھیؒ نے تذکرۃ الرشید میں کیا ہے مگر تذکرۃ الرشید ایسے زمانہ میں ترتیب دی گئی ہے جب کہ واقعہ کو اس کے اصل رنگ میں بیان نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس لئے مولانا میرٹھیؒ نے اجمال و توریہ سے کام لیا ہے۔ ضرورت تھی کہ بعد کے ایڈیشنوں میں بات وضاحت کے ساتھ حاشیہ ہی میں صحیح بیان کر دی جاتی مگر ناشرین کی سہل انگاری سے ایسا نہ ہو سکا۔ ظاہر ہے کہ اس مجمل اور تلمیح و توریہ کے پردے میں کہی گئی بات کو ناخذ نہیں بنایا جاسکتا۔

مولانا مناظر احسن گیلانی نے بھی سوانح قاسمی بروایت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب  
اس کا تفصیلی تذکرہ لکھا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام اور حضرت قاری صاحب کے بیانات  
میں جزوی اختلافات پایا جاتا ہے۔ ہم نے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے بیان کو ترجیح  
دی ہے۔

دی ہے۔  
 مولانا عبید اللہ سندگی نے اپنی مشہور تصنیف التہدیک کے صفحہ ۷۹ پر لکھا ہے کہ حضرت شیخ احمد  
 نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ مجھ سے بیان کیا تھا مگر حضرت شیخ احمد نے کیا تفصیلات  
 بیان کی تھیں۔ مولانا سندگی اس سے بالکل خاموش ہیں کاش کہ مولانا ان تفصیلات کو بیان  
 کر دیتے تو ممکن تھا کہ اس واقعہ سے متعلق کچھ مزید باتیں منصفہ شہود پر آجاتیں۔  
 بادشاہ دہلی کی گرفتاری اور مجاہدین حریت کی ناکامی کے بعد اس نظام امارت کا  
 خیرازہ بھی منتشر ہو گیا۔ جس کی تفصیلات مذکورہ بالا کتابوں بالخصوص نقش حیات میں

دیکھی جاسکتی ہیں۔

## ۳۔ تنظیم جماعت کی تیسری کوشش

اس ناکامی کے بعد اگرچہ حضرت شیخ الہند اپنے پورے عہد میں "ثمرۃ التربیت، جمعیتہ الانصار،

نظارۃ المعارف اور ریشمی رومال تحریک کے ذریعہ اسی متاعِ گم شدہ کی بازیافت میں کوشاں رہے۔ لیکن ۱۸۵۷ء کی تحریک کا ردِ عمل اتنا سنگین تھا کہ اس دور میں دین و مذہب کے نام پر کسی تنظیم کی تشکیل تو دور کی بات ہے۔ زبانِ پر اس کا نام لانا بھی جُرمِ عظیم تھا۔ اس لئے باقاعدہ طور پر نظامِ امارت کا قیام تو اس زمانہ میں نہیں ہو سکا۔ پھر بھی حضرت شیخ الہند اپنے مخصوص اور معتمد تلامذہ اور متوسلین سے خفیہ طور پر احیاءِ دین کے لئے جدوجہد پر بیعت لیتے رہتے تھے۔ بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ بھی انہیں معتمد تلامذہ کی فہرست میں شامل تھے جن سے یہ معاہدہ شرعی ہوا تھا (مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت) لیکن آہستہ آہستہ جب شکوک و شبہات کے بادل کچھ چھٹے یا بالفاظِ دیگر جب مجاہدینِ حریت کے پے درپے حملوں سے برطانوی سامراج کی قوت میں اضمحلال پیدا ہو گیا اور اسیرانِ ظلم و ستم کو کسی حد تک امن و اطمینان کی فضا میں سانس لینے کا موقع نصیب ہوا تو ۶۳ سال کے طویل عرصہ کے بعد ۱۹۲۲ء میں اسی بوڑھے مجاہد جسے درازی عمر، کثرتِ امراض اور ماٹا کی تقریباً تین سالہ قید و بند کی صعوبتوں نے چار پائی پرٹا دیا تھا۔ لیکن اس کے حوصلے جوان اور عزائم بلند تھے) کی یہ آواز ہمارے کانوں میں گونجتی ہے۔ "میری چار پائی کو اٹھا کر جلسہ گاہ لے چلو پہلا شخص میں ہوں گا جو اس امیر کے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔ لیکن بُرا ہو ہم عصری کی چشمک اور منافست کا کہ غیروں نے نہیں بلکہ خود اپنوں نے اس صدائے حیات افزا کو سنی ان سنی کر دیا۔ حضرت سہبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ نے اپنی ایک تحریر میں اسی تلخ حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

اگر علماء میں مدافعت و منافست نہ ہوتی اور صوفیاء میں اربابا جن دونوں اثر



بننے کا شوق نہ ہوتا تو آج تمام ہندوستان ایک شرعی امیر کے تحت زندگی بسر کر رہا ہوتا۔ اور اسلام کی حقیقی برکات سے متمتع ہوتا۔ ان کی روح حکومت کی غلامی سے آزاد ہوتی اگرچہ جسم غلامی میں مقید ہوتا، (حیات سجاد ص ۱۸) قصہ مختصر جب جمعیت علماء کے دوسرے اجلاس میں حضرت شیخ الہند حبیبی عظیم دہمہ گیر شخصیت کی موجودگی اور ان کی شدید خواہش کے باوجود علمائے ذی مراتب امیر الہند کے انتخاب پر آمادہ نہیں ہوئے۔ تو مولانا ابوالحسن نے اپنی بصیرت سے اسی وقت بھانپ لیا کہ امیر الہند کا مسئلہ جلد طے ہونے والا نہیں ہے۔ اس لئے انھوں نے صوبائی پیمانے پر نظام امارت قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اور اپنے صوبہ بہار میں اس کی داغ بیل ڈالنے کی ہم شروع کر دی۔ چنانچہ ۲۳/۴/۲۴ شعبان ۱۳۳۹ھ (۲۱/۳/۱۹۲۱ء) کو درجنگہ میں جمعیت علمائے صوبہ کے اجلاس عام کے موقع پر یہ تجویز منظور کی گئی۔

”صوبہ بہار و اڑیسہ (اس وقت اڑیسہ مستقل صوبہ نہیں بنا تھا بلکہ صوبہ بہار ہی کا ایک جزو تھا) کے محکمہ شرعیہ کے لئے ایک عالم مقتدر شخص امیر منتخب کیا جائے جس کے ہاتھ میں تمام محکمہ شرعیہ کی باگ ہو اور اس کا ہر حکم مطابق شریعت ہر مسلمان کیلئے واجب العمل ہو۔ نیز تمام علماء و مشائخ اس کے ہاتھ پر خدمت و حفاظت اسلام کے لئے بیعت کریں۔ جو سمع و طاعت کی بیعت ہوگی۔ جو بیعت طریقت سے الگ ایک ضروری اور اہم چیز ہے۔ جمعیت متفقہ طور پر تجویز کرتی ہے کہ انتخاب امیر کیلئے ایک خاص اجلاس علماء بہار کا بمقام پٹنہ وسط شوال میں کیا جائے۔“ (تاریخ امارت ص ۵۸ و ۵۹)

حسب تجویز ۱۸/۱۹ شوال ۱۳۳۹ھ (۲۵/۲۶ جون ۱۹۲۱ء) کو یہ اجلاس پٹنہ کی مسجد میں مولانا ابوالکلام آزاد کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ جس میں مولانا آزاد سبحانی اور مولانا سہان خاں کے علاوہ سو سے زیادہ صوبہ بہار کے علماء و شریک تھے۔ چنانچہ اسی اجلاس کی



دوسری نشست میں بالاتفاق شرکائے اجلاس مولانا شاہ بدر الدین پھلواوی کو امیر شریعت صوبہ بہار اور مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحب کو نائب امیر شریعت منتخب کیا گیا۔ ۱۸۵۶ء کے بعد ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا مبارک دن تھا جس میں باقاعدہ امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا۔ جس کا سلسلہ مجدد آج تک جاری ہے اب تک یکے بعد دیگرے امارت کے منصب پر چار امراء کا انتخاب ہو چکا ہے اور یہ سب جمعیت علماء ہما کی نگرانی میں ہوا ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

۴۔ ایک اور صوبہ میں امیر کا انتخاب | صوبہ بہار میں انتخاب امیر اور نظام امارت کے قیام کے بعد، حضرت مولانا احمد علی

لاہوری قدس سرہ کی اجنہ و خدام الدین، کے سالانہ اجلاس ۱۹۲۶ء کے موقع پر جس میں حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی، مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد انور شاہ محدث کشمیری، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا حسین علی پھر اداں، حضرت مولانا علامہ محمد یوسف بنوری، مولانا ظفر علی خاں، اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ پانچ سو سے زائد علماء کرام شریک تھے۔ حضرت محدث کشمیری کی تحریک پر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو امیر شریعت منتخب کیا گیا اور پہلی بیعت خود حضرت مولانا انور شاہ کشمیری نے کی تھی۔ اس کے بعد بیعت عامہ ہوئی (ماہنامہ الرشید، ساہیوال شمارہ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۵ھ)

اس امارت کے متعلق اس سے زیادہ معلومات پر سر دست دسترس حاصل نہیں ہوئی۔ یہ ہے ہندوستان میں نظام امارت کے قیام کی مختصر تاریخ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر اور بزرگوں نے اس شرعی ذمہ داری سے عہدہ برائے ہونے کی ہر دور میں حسب استطاعت جدوجہد فرمائی ہے۔ (خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را) انظر تعالیٰ ہمیں اپنے اسلاف و اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق اور حوصلہ

عطا فرمائے۔

از مولا بنا عکد الدیان اعظمی

پر حُسن آتا ہو۔۔۔۔۔۔۔

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

۱۔ سوال یہ ہے کہ اگر حرف نہیں آتا ہے تو مولانا یہ بار بار فرمایا کیوں ہے میں اور ان کو کھٹک کیوں پیدا ہوتی ہے ؟ خود ان کی یہ کھٹک کہہ رہا ہے اس کے حرف

آتا ہے اور شدید حرف آتا ہے۔ اور خود مولانا کو اس کا احساس ہو گیا مگر اس خوف سے کہ ان کا بیان کہیں اُن کے متبعین کو ان سے برگشتہ نہ کر دے اُن کو اپنی ذہنی غلامی کی گہری نیند میں سلا دینے کے لئے ساتھ ہی بار بار یہ راگ بھی گاتے جا رہے ہیں کہ "اس سے حرف نہیں آتا ہے" اور یہ ہرگز قاصد نہیں ہے! وغیرہ تاکہ ان کے متبعین حضرات غلو عقیدت کے خواب غفلت میں پڑ کر مولانا کی تحقیق کو برحق سمجھتے رہیں یہاں تک کہ مولانا کے آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی صرف انھیں باتوں کو صحیح مانیں جن پر مولانا صاف کر دیں۔ اور جن پر صاف نہ کریں ان کو صحیح نہ مانیں۔ چنانچہ مسئلہ دجال میں ہم اُن کے متبعین کا یہی حال دیکھ رہے ہیں۔

۲۔ جو لوگ نبوت اور کھانت کے فرق سے واقف ہیں وہ اس نتیجے پر آسانی پہنچ چکے ہوں گے کہ ایک مدّعی نبوت کی پیشین گوئیاں اگر سو فیصد بھی صحیح نکل جائیں جب بھی وہ اس کے نبی برحق ہونے کی دلیل نہیں بنتیں۔ ممکن ہے کہ منہم جو جس نے رفتار حالات کو ملحوظ رکھ کر پھر کے استمراری واقعات کی بنا پر قیاس آرائی کی ہو اور اندازہ صحیح لگایا ہو۔ لیکن اگر اس کی ایک بھی پیش گوئی غلط نکل جاتی ہے تو یہ اس بات کی دلیل بن جاتی ہے کہ وہ نبی برحق نہیں۔ بلکہ مفتری اور کذاب ہے۔ کیونکہ نبی برحق جو بھی پیشین گوئی کرتا ہے منجانب اللہ کرتا ہے جس میں تخلف کا سوال ہی نہیں۔ اب کوئی بھی بتلائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد کو غلط ٹھہرانے سے منصب نبوت پر حرف آتا ہے یا نہیں؟ جبکہ دجال کے زمانہ و مقام وغیرہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اخبار غیب پر مشتمل ہیں جن کے پیشین گوئی ہونے میں کوئی کلام ہی نہیں۔

۳۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے دعویٰ نبوت کو برحق ثابت کرنے کیلئے



اپنی پیشین گوئیوں کو مدار ٹھہرایا تھا کہ ”ہمارا صدق یا کذب جانچنے کو ہماری پیش گوئی سے بڑھکر اور کوئی محک امتحان نہیں۔ (آئینہ کمالات ص ۱۱) جب ان کی بعض پیش گوئیاں غلط ہوئیں تو ان کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی۔ اور لگے ان کو تاویلات کے پردے میں چھپانے اور کسی طرح توڑ موڑ کر صحیح ثابت کرنے، آخر کیوں؟ کیا وجہ ہے کہ انھوں نے تاویلات کی زحمت تو اٹھائی مگر ان کو یہ آسان تدبیر سمجھ میں نہ آئی کہ کہہ دیں ”یہ میں نے اپنے قیاس سے کہی تھیں اور نبی کے قیاس و گمان کا درست نہ نکلنا ہرگز منصب نبوت پر طعن کا موجب نہیں۔ اس سے میری نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا“ ایسے نہ کہنے کی وجہ یہی ہے کہ وہ بھی خوب سمجھ رہے تھے کہ نبی کی کسی بات کے درست نہ نکلنے سے منصب نبوت پر حرف آتا ہے اور شدید حرف آتا ہے۔

۴۔ مولانا بدر عالم صاحب کے ایک بیان کا حاصل ہے کہ انبیاء کی صداقت کا معاملہ بہت ہی نازک ہے۔ اس کی نزاکت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر یہاں تمام زندگی کی خبروں میں سے ایک بھی خلاف نکل آئے تو سارا کاخانہ نبوت ہمارم برہم ہو جاتا ہے۔ اور ساری عمر کی صداقت ایک غلط بیانی سے ختم ہو جاتی ہے۔ (خلاصہ عبارت ترجمان السنہ سوم ص ۱) یہاں وجہ ہے کہ قدرت نے آپ کی رائے کو بھی عصمت دی یہاں تک کہ آپ کے خطرات و عواطف قلبیہ کو بھی وحی کی نگرانی میں رکھا کیونکہ اس قسم کی غلطیاں بھی نبوت پر حرف نہ لاسکیں۔

مولانا بدر عالم صاحب تو کہتے ہیں کہ ”..... کارخانہ نبوت ہمارم برہم ہو جاتا ہے“ اور مولانا مودودی صاحب کہتے ہیں کہ ”..... کوئی حرف نہیں آتا“  
 یہیں تفاوتِ رہ از کجاست تا کجا،

۵۔ کفار مکہ اس بات کے پورے طور پر متلاشی تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی چیز ملے کہ جس سے ان پر حرف لایا جاسکے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں ان کو ایک بھی چیز نہیں ملی۔ واقعہ معراج میں ابو جہل نے سوچا کہ راتوں رات بیت المقدس اور پھر وہاں سے آسمان پر جانا اور واپس لوٹ آنا یہ ایسی بات ہے جس سے حضور پر حرف لایا اور لوگوں کو برگشتہ کیا جاسکتا ہے۔ پس مکہ کی گلیوں میں ایک چکر لگایا کہ لوگو! جن کو تم نبی مانتے ہو وہ ایسی ایسی بات کہتے ہیں۔ وہ تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب ایمان، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو برحق ماننے والے اور آپ کی ہر ہر آن پر جان قربان کر دینے والے تھے جنہوں نے سنتے ہی کہا کہ اگر وہ کہتے ہیں تو سچ کہتے ہیں۔ ابو جہل اپنا سامنہ لیکر رہ گیا اور اس سے کوئی بھی یہ کہنے والا نہیں ملا کہ یہ خواب و خیال کی باتیں ہوں گی اس سے کوئی حرف نہیں آتا۔

اب کوئی بھی بتائے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی ارشاد واقعی طور پر قیاسی اور غلط ہوتا تو کفار مکہ کو کیا کچھ کہنے کا موقع مل جاتا۔ مگر یہاں مولانا کے نزدیک یہ ہے کہ کوئی حرف نہیں آتا۔ آج منکرین حدیث اپنا یہ عقیدہ بنا کر کہ یہ صحیح ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی گناہ نہیں کیا مگر وہ غلطیاں تو کر سکتے تھے۔ اور یہ حقیقت قرآن میں تسلیم کی گئی ہے۔ (منصب رسالت ص ۲۶۳) ابو جہل کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں غلطی کے متلاشی ہیں۔ کیا مولانا اپنی تحقیق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ارشادات کو قیاسی اور غلط قرار دے کر منکرین حدیث کے عقیدے کو تقویت نہیں پہنچا رہے ہیں۔ پھر بھی فرماتے ہیں کہ کوئی حرف نہیں آتا۔

۶۔ انبیاء علیہم السلام کی فطرت میں ابتداء ہی سے نیک نفسی اور راست گوئی



ودیعت کر دی جاتی ہے تاکہ لوگ ان کو قبل نبوت ہی اپنا معتد علیہ بنالیں  
چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے پہلے ہی صادق اور امین کا لقب مل  
چکا تھا یہ اسی لئے تاکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کا دعویٰ کریں تو یہی اعتقاد  
لوگوں کو تسلیم کرنے پر مجبور کرے کہ یہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں جھوٹے نہیں  
چنانچہ اسی پاک بازی و راست گوئی کا اثر تھا کہ ایام نبوت میں جب قریش نے  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تو انہیں میں سے ایک رئیس نصر بن حارث  
تردید کے لئے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ۔

”اے قریش! محمد تمہارے سامنے بچے سے جوان ہوا وہ تم میں سب سے  
زیادہ پسندیدہ، راست گو اور امین تھا۔ اس وقت تم نے کوئی بے  
اعتمادی ظاہر نہ کی۔ مگر اب جب کہ اسی کے بالوں میں سفیدی آچلی  
ہے تم اُسے ساحر کا ہن اور شاعر کہنے لگے ہو۔ خدا کی قسم وہ ان تمام  
الزامات سے پاک ہے۔“

اب سوچئے کہ اگر نبوت سے پہلے کی چالیس سالہ زندگی میں کہیں کوئی ادنیٰ  
سا واقعہ بھی صداقت کے خلاف نکلا ہوتا۔ یا کوئی بھی بات بلا تحقیق اٹکل بھوک  
کہی گئی ہوتی تو کیا ابن حارث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی اس قدر پُر زور  
شہادت دے سکتے تھے۔ یا مشرکین مکہ منصب نبوت پر طعن کرنے سے باز رہتے؟  
یہ تو دعویٰ نبوت سے پہلے کی بات تھی۔ اب کیا عقل یہ باور کر سکتی ہے کہ جس  
ذات گرامی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نبوت سے پہلے تو اس قسم کی باتیں ہرگز نہیں  
کیں وہی اب نبوت ملنے کے بعد جبکہ آپ پر وحی آنے لگی اپنے قیاس و خیال  
سے ایسے ایسے ارشادات فرمانے اور ایسی ایسی خبریں دینے لگے جن کے  
غلط نکل جانے کا امکان ہو جن کی نقل و روایت اسلام کی صحیح نمائندگی نہ ہو



اور زمانہ وحی میں اپنے قیاس و خیال سے کلام فرما کر دعوہ با شر و وحی الہی کو بھی مشکوک ٹھہرا دیں کہ مقصد نبوت ہی فوت ہو جائے۔ پھر بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے حرف نہیں آتا؟ لیجئے اب ہم مولانا ہی کی تحریر سے آپ کو بتانا چاہتے ہیں کہ حرف آتا ہے۔ اور شدید حرف آتا ہے۔

۷۔ براہ کرم مولانا کا بیان بعنوان ”کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیالات کی پیروی کے لئے آزاد تھے؟“ ایک بار پھر دیکھ جائیے اس میں فرماتے ہیں کہ۔

”..... دنیا اس کے اقوال و افعال کے لئے اس حکومت کو ذمہ دار ٹھہراتی ہے جس کی وہ نمائندگی کر رہا ہے۔۔۔۔۔ حدیہ ہے کہ اس کی پرائیوٹ زندگی تک کہ بُرائی اور بھلائی اس حکومت کی نام درمی پر اثر انداز ہوتی ہے جس کا وہ نمائندہ ہے۔۔۔۔۔“

..... (منصب رسالت نمبر ۳۱، ص ۱۳۱ کتاب ہذا)

اب مولانا ہی فرماتیں کہ اثر انداز ہونے کا کیا مطلب ہے؟ آیا حرف آتا ہے یا حرف نہیں آتا؟ وہ بھی پرائیوٹ زندگی کی باتیں، جن کا تعلق وحی سے نہیں قیاس و گمان ہی سے ہوگا۔

۸۔ مولانا ایک جگہ اور فرماتے ہیں کہ۔

”رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خدا کے اپنے اعلان کی رو سے دنیا کے سامنے مرضیات الہی کی نمائندگی کرتے تھے اور خدا نے خود اہل ایمان کو حکم دیا تھا کہ تم ان کی اطاعت اور ان کا اتباع کرو جو کچھ یہ حلال کہیں اسے حلال مانو اور جو کچھ یہ حرام قرار دے دیں اسے حرام مانو اس لئے ان کے قول و عمل میں یہ چھوٹی لغزشیں بھی بہت بڑی تھیں، کیونکہ

وہ ایک معمولی بشر کی لغزشیں نہ تھیں بلکہ اس شارح مجاز کی لغزشیں  
تھیں جس کی ایک ایک حرکت اور سکون سے قانون بن رہا تھا۔۔۔

(منصب رسالت ص ۸۸)

اب مولانا ہی بتلاتے ہیں کہ یہ چھوٹی لغزشوں کا بھی بڑی بن جانا حَسْرَت  
آتا نہیں تو اور ہے کیا؟ جہاں ایک ایک حرکت اور ایک ایک سکون  
سے قانون بن رہا ہو۔ جہاں قول و فعل کیا بلکہ سکوت بھی سند و محبت  
قرار دیا جا رہا ہو وہاں کوئی غلط ارشاد حرف لائے گا یا نہیں؟  
فَتَدَبَّرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ۔

## حضرت مولانا قمر الدین صاحبِ استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند کو صدرۃ عظیم

دارالعلوم دیوبند کے درجۂ علیا کے استاذ حضرت مولانا قمر الدین صاحبِ حدیث  
۴ شعبان ۱۴۰۷ھ کو واصل بحق ہو گئیں۔

مرحومہ پابندِ صوم و صلوٰۃ اور شبِ زندہ دار خاتون تھیں۔ اعزہ و اقربا کی خبر گیری  
اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا پورا پورا خیال رکھتیں تھیں۔ پیرانہ سالی ضعف  
پیری کے باوجود امور خانہ داری میں بڑی مستعد تھیں۔ مرحومہ نے اپنے پیچھے بیٹوں پوتوں اور  
نواسوں وغیرہ سے بھرا ہوا کنبہ چھوڑا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو کرمِ جنت  
نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل اور عطا جزیل سے ہمکنار کرے۔  
قارئین ماہنامہ دارالعلوم بالخصوص مولانا کے تلامذہ سے اپیل ہے کہ وہ مرحومہ کے لئے دعا گوشت  
اور مولانا موصوف اور دیگر متعلقین کے لئے صبر و اجر کے لئے خصوصی دعا فرمائیں۔

# اگر آپ چاہتے ہیں کہ

• عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت کو سمجھیں • خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ سے واقف ہوں • اسلام کی ہمہ گیری کے راز سے آشنا ہوں • مسلمہ پنجاب غلام احمد قادیانی کے باطل عقائد اور اسلام دشمن نظریات سے باخبر ہوں • اس متنبی کا ذب پر آسمانِ فرنگ سے اترنے والی وجوہات مطلع ہوں • اسلام کے متوازی مذہب قادیانیت کے باطل مزعومات سے عقل و نقل کی روشنی میں پوری طرح آگاہ ہوں تو "دارالعلوم دیوبند" کے ترجمان مہنامہ دارالعلوم کی خصوصی اشاعت "تحفظ ختم نبوت" کا ضرور مطالعہ کریں جو عنقریب منظر عام پر آ رہا ہے۔ اور اپنے احباب اور قریب دوار کے اداروں کو بھی ترغیب دیں کہ ابطال قادیانیت کے سلسلہ میں اس اہم ترین علمی و تحقیقی دستاویز سے ضرور استفادہ کریں۔

## فی ط

مہنامہ دارالعلوم کا اگلا شمارہ "تحفظ ختم نبوت" نمبر ہوگا۔ جو شوال و ذی قعدہ دو مہینوں کا مشترکہ شمارہ ہوگا۔ اس لئے قارئین شوال کے پرچے کا انتظار نہ فرمائیں۔

انشاء اللہ یہ نمبر دو سو صفحات پر مشتمل ہوگا۔ اور ذی قعدہ کے آخری ہفتہ میں قارئین کی خدمت میں پہنچ جائے گا۔

(ایڈیٹر)

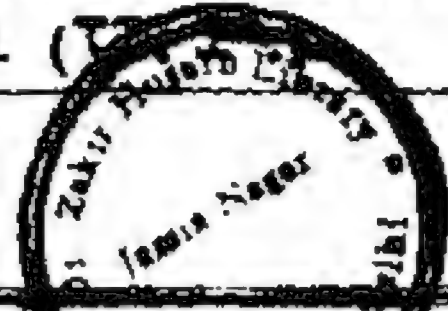




Regd. No. SHN.L-13-NP-21-87

# DARUL ULOOM MONTHLY

Deoband (V)



فهرست کتب مکتبه دارالعلوم دیوبند

[illegible]

ذَٰرُ الْغُلُومِ بَرْنَنُکْ پَرِیْسْ مَدَنِ گِیٹ دِیو بند





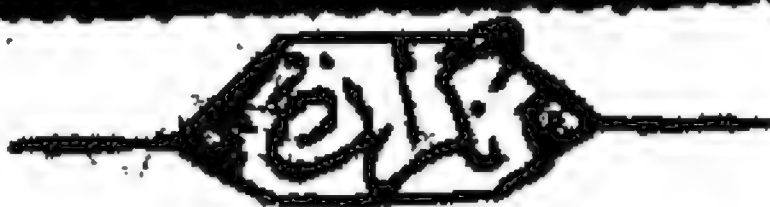


تاریخ العلوم و ادب و تہذیب کا تذکرہ

ختم نبوت نمبر

# دارالعلوم

شمارہ نمبر (بابتہ ماہ جون جولائی ۱۹۸۶ء) بھارت



حضرت مولانا غوث الرحمن صاحب دہلی و لاہور

مدنی

مولانا حبیب الرحمن القاری



بازار لاہور کیمون ماکہ سے



سودی عرب، اتر، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ

اساتذہ کرام و اہل علم و کمال سے

مکتبہ دارالعلوم لاہور

# فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	نگار کش	صفحہ
۱	حرف آغاز	حبیب الرحمن قاری	
۲	خطبہ انتقالبیہ	حضرت مولانا محمد رفیع الرحمن صاحب دارالعلوم	۹
۳	ختم نبوت کی حقیقت اور حفاظت دین کی سلسلہ	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی سرپرست	۲۴
۴	ہمارے علم و عقول کا موقف	ماہنامہ الفکر کانٹونمنٹ	
۵	قابلیت اسلام کے متوازی ایک جدید مذہب	مولانا حبیب الرحمن قاری استاد	۳۸
۶	مرزا قاسم علی شاہ	مدیر ماہنامہ دارالعلوم	
۷	اس کے پیروں کے آئینہ میں	حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب چوہدری	۵۹
۸	مرزا غلام احمد قادیانی کے تئیں جھوٹ	مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدیر ماہنامہ	۶۹
۹	مرزا غلام احمد کی پیشین گوئیاں و تنبیہات	بیتناٹ کراچی	
۱۰	آئینہ میں	مولانا کفیل احمد علوی کیرانوی	۸۲
۱۱	مرزا نیت عقل سلیم کہتے ہیں	ایڈیٹر آئینہ دارالعلوم	
۱۲	مستند ختم نبوت کتاب سنت کی روشنی میں	ڈاکٹر رشید الودیدی فاضل دیوبند	۱۱۶
۱۳	عقیدہ ختم نبوت اور غلام احمد قادیانی	جامعہ ملیہ دہلی	
۱۴	ختم نبوت علم و عقل کی روشنی میں	مولانا ظفر الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند	۱۲۷
۱۵	ختم نبوت اور مرزا غلام احمد قادیانی	مولانا عبدالحلیم فاروقی دارالبلغین کھنوکھ	۱۴۵
۱۶	ختم نبوت اور امت کی ذمہ داریاں	مولانا فرید الدین مسعود ڈاکٹر کیرانوی	
۱۷		فادر رشید بنک دیش	۱۵۸
۱۸		مولانا عزیز احمد قاسمی بی، استاد دارالعلوم	۱۶۳
۱۹		مولانا سعید احمد پوری استاد دارالعلوم	۱۷۰
۲۰		کار دارالعلوم دیوبند	



نمبر شمار	مضمون	نگارش	صفحہ
۱۳	قصر نبوت پر اسلام کے باغیوں کا حملہ اور ہمکاری ذمہ داری	مولانا امام علی دانش اداہ محمودیہ لکھیم پور	۱۷۵ ✓
۱۵	مرزا غلام احمد کی ناپاک جسارت	مولانا شمیم احمد لکھیم پوری کارکن دارالعلوم	۱۸۲ ✓
۱۶	قادیانیت -	مولانا نظام الدین اسیر اوروی جامعہ اسلامیہ بنارس	۱۹۲ ✓
۱۷	سیح اور مہدی دو شخصیتیں	مولانا جمیل احمد نذیری احیاء العلوم مباح	۲۰۱ ✓
۱۸	روقا دیانیت پر فضلاء دارالعلوم کی تصنیفی خدمات	مولانا برہان الدین سیحلی استاذ مدوۃ العلماء لکھنؤ	۲۱۷ ✓
۱۹	حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امرہ اور مرزا امتیاد یانی	مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امرہ	۲۲۲ ✓
۲۰	فتنہ قادیانیت اور حضرت مونگیری کی خدمات جلیلہ	مولانا سید منت اشرف رحمانی خانقاہ رحمانیہ مونگیر	۲۵۳ ✓
۲۱	روقا دیانیت میں دو اہم رسائل	مولانا عبدالحی فاروقی ایم جی ایف دہلی	۲۶۸ ✓

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## عرضِ حال

از۔ حبیب الرحمن قاسمی

دارالعلوم دیوبند نے ۲۹/۳/۳۱ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو تحفظ ختم نبوت کے عنوان سے ایک عالمی کانفرنس کی تھی جس میں ہندوستان کے علاوہ سعودیہ عرب امارات، پاکستان، بنگلہ دیش وغیرہ ممالک اسلامیکے ارباب دعوت و اصحاب قلم نے شرکت کی تھی۔ کانفرنس کا آغاز ہندوستان کے مشہور داعی حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کی افتتاحی تقریر سے..... اور اختتام رابطہ عالم اسلامی کے سکریٹری محترم ڈاکٹر عبداللہ نصیف کی تقریر پر ہوا تھا۔ کانفرنس کی مکمل رپورٹ اور کانفرنس میں منظور تجویزیں دارالعلوم مجریہ ماہ نومبر ۱۹۸۶ء میں تفصیل سے آچکی ہے۔

اس موقع پر تقریروں کے علاوہ بہت سے صاحب نظر علماء نے مقالات بھی پیش کئے تھے۔ زیر نظر نمبر انہیں مقالات پر مشتمل ہے۔ مقالات کی ترتیب مضامین کے اعتبار سے کی گئی ہے۔ مقالہ نگاروں کی اہمیت و شہرت کا چنداں لحاظ نہیں کیا گیا۔ نیز بعض مقالات میں حک و حذف سے بھی ضرورتاً کام لیا گیا ہے۔ اس طرح کے مجموعوں میں یہ عمل ناگزیر ہوتا ہے۔ امید ہے کہ مرتب کو اس سلسلے میں معذور سمجھا جائے گا۔ خیال یہ تھا کہ یہ خصوصی شمارہ زیادہ سے دو ٹوک صفحات پر شائع کیا جائے۔ لیکن مقالات کی کثرت نے ایسا نہ کرنے دیا۔ پھر بھی بعض مقالات شامل اشاعت نہ کئے جاسکے جس کی

وجہ مقالہ کی غیر ضروری طوالت یا اسی موضوع پر اس سے بہتر مضمون کی اشاعت ہے۔  
 اس کانفرنس میں ایک نشست طلبہ دارالعلوم کے لئے مخصوص کی گئی تھی جس میں طلبہ  
 عزیز نے تقریریں اور اپنے مقامات پڑھے تھے افسوس کہ یہ مقالات مرتب کو حاصل  
 نہ ہو سکے۔ ورنہ ان کی نمائندگی بھی ہو جاتی اگر یہ مقالات بعد میں لکھے جاتے۔ آئندہ  
 شماروں میں انتخاب کر کے شائع کر دئے جائیں گے۔

۱۹۸۷ء  
 یہ خصوصی نمبر اب سے بہت پہلے آجیا نا چاہتے تھا، کم از کم اعلان کے مطابق ۱۵ جولائی  
 تک شائع ہو جانا چاہئے تھا۔ اعلان کے مطابق ساری تیاریاں مکمل کر لی گئی تھیں مگر  
 میرٹھ اور دہلی کے نہ ختم ہونے والے سنگین فساد نے سارے نظام کو درہم برہم کر دیا  
 ریل و رسائل کے ذرائع تقریباً منقطع ہو گئے اور انتہائی کوشش کے باوجود بھی کاغذ  
 فراہم کرنے میں نہ صرف ہمارا دفتر بلکہ پریس کے مالک بھی ناکام رہے اس مجبوری  
 سے یہ خاص نمبر جولائی کے بجائے اب اگست میں قارئین کی خدمت میں پیش  
 کیا جا رہا ہے۔ نیز صفحات کی زیادتی کی بناء پر دو ماہ کے بجائے یہ شمارہ تین مہینوں  
 پر مشتمل ہے۔ انشاء اللہ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ، ستمبر ۱۹۸۷ء سے ماہنامہ دارالعلوم  
 حسب معمول ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا رہے گا۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۖ هُوَ حَسْبِيَ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

## حرف آغاز

### نبی افرنگ کی داستانِ حیات

نام ادتاریخ پیدائش ۱۔ انگریزی نبی کا پہلا نام "سوندی تھا" (۱) پتہ نہیں سوندی سے کب "غلام احمد" بن گئے۔ انھوں نے خود لکھا ہے کہ میری پیدائش موضع قادیان ضلع گورداسپور میں ۱۸۳۷ء یا ۱۸۳۸ء میں ہوئی۔ اور ایک دوسری تحریر میں جو اپنے والد کی وفات کے سلسلہ میں لکھی ہے کہتے ہیں کہ "جب میرے والد نے دنیا کو چھوڑا تو اس وقت میری عمر ۳۴ یا ۳۵ سال کی تھی" ان کے والد مرزا غلام مرتضیٰ کا انتقال ۱۸۷۱ء میں ہوا ہے۔ اس اعتبار سے سن پیدائش ۱۸۳۷ء ہوتا ہے۔

مرزا قادیانی کا خاندان | مرزا قادیانی کس خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس کا پتہ لگانا ان کی تحریروں سے نہایت دشوار ہے۔ کیونکہ وہ ۱۸۹۵ء تک اپنے آپ کو مرزا لکھتے رہے ہیں۔ چنانچہ کتاب البریہ جو ان کی ۱۸۹۵ء کی تصنیف ہے اس کے صفحہ ۱۳۴ پر اپنی قومیت برلاس (مغل) لکھی ہے۔ لیکن اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۵ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں "میرے اہلآقا کی مدد سے ہمارے ابا راویلین فارسی تھے پھر ۱۸۹۵ء میں اس نسب سے تعلق سے دست بردار ہو کر اپنے رسالہ "ایک غلطی کا ازالہ" کے صفحہ ۱۶ پر رقمطراز ہیں کہ "میں اسرائیلی بھی ہوں اور فاطمی بھی" اس کے ایک سال بعد ایک

۱۔ تلمذ براہین احمدیہ ص ۱۳۷، ۱۳۸ کتاب البریہ ص ۱۵۹ سے ص ۱۶۰، مؤلفہ مرزا غلام احمد

پٹا اور کھایا اور اپنی تصنیف تحفہ گوڑویہ کے صفحہ ۴۰ پر یہ تحقیق سپرد قلم کی ہے۔ میرے  
بزرگ چینی حدود سے پنجاب آتے تھے۔ ان انکشافات سے ان کی ذات چار قوموں  
کا معجون مرکب معلوم ہوتی ہے یعنی وہ بیک وقت مغل، یہودی، سیر اور چینی  
سب تھے۔ "عامہ انگشت بداماں ہے اسے کیا لکھتے۔"

مرزا کے والد غلام مرتضیٰ بیگ کی عملی حالت | آنجناب انگریزی نبی کے منجھلے لڑکے

میاں بشیر احمد ایم، اسے لکھتے ہیں کہ

ہمارے دادا مرزا غلام مرتضیٰ بے نمازی تھے یہاں تک کہ ۷۵ سال کی عمر میں پہنچ کر  
بھی نماز نہیں پڑھی تھی

مرزا کے آیام طفلی | اشر تعالیٰ کے منتخب اور برگزیدہ بندوں کے بچپن کے عکس  
مرزا قادیانی کے آیام طفلی دیگر بازاری بچوں کی طرح نظر

آتے ہیں۔ چنانچہ ان کی سوانح حیات سیرت الہدیٰ میں درج ہے کہ ایک مرتبہ  
مرزا کے ہم عمر لڑکوں نے ان سے کہا گھر سے شکر لاؤ۔ گھر گئے تو وہاں پسا ہوا  
نمک رکھا تھا۔ اسے شکر سمجھ کر چپکے سے جیب میں بھر لیا اور لڑکوں کے سامنے  
پہنچ کر پھانکنا شروع کر دیا۔ انگریزی نبی صاحب کو بچپن میں جڑیوں کے  
پکڑنے کی بھی عادت تھی۔

تعلیمی لیاقت | حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علوم و معارف تمام تر  
موجبہ ربانی پر موقوف ہوتے ہیں اپنے جیسے انسان سے

تعلیم و تعلم اور اخذ فیض سے ان کی زندگی بالکل پاک ہوتی ہے۔ اس لئے انگریزی  
نبی کو اس کی فکر ہوئی کہ وہ اپنے آپ کو اتنی ثابت کرے۔ لیکن ان کا اسکولوں میں

سیرت احمدی ج ۱ ص ۲۱۲، سیرت الہدیٰ ج ۱ ص ۲۲۶، سیرت الہدیٰ ج ۱ ص ۲۳۳

پڑھا ایک ایسی حقیقت ہے جس کو خود مرزا جی بھی اپنے دہل و فریب سے چھپاتے  
سکے۔ حضرات انبیاء و رسل کی اس صفت خاص میں ہم سب کی برابری کی تکام  
کو بخش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "امام الزماں کے لئے لازم ہے کہ وہ دنیا اور  
میں کسی کا شاگرد نہ ہو بلکہ اس کا استاد خدا ہو۔"

ایک دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں "آنے والے کا نام جو مہدی رکھا گیا ہو  
اس میں اشارہ ہے کہ وہ آنے والا علم دینِ خدا ہی سے حاصل کرے گا۔ اور قرآن و  
حدیث میں کسی کا شاگرد نہیں ہوگا۔ سو میں خلفا کہہ سکتا ہوں کہ میرا حال یہی ہے  
کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی انسان سے قرآن و حدیث یا تفسیر کا ایک  
سبق بھی پڑھا ہے۔"

نبی بننے کی خواہش میں ان جھوٹے دعوؤں کے بعد "دروغ گور حافظہ نباشد"  
کی بہترین مثال ملاحظہ کیجئے کہ بقلم خود آنجناب مرزا کیا لکھ رہے ہیں۔  
"بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح ہوئی کہ جب میں سات سال کا تھا  
تو ایک فارسی خواں معلم میرے لئے نوکر رکھا گیا۔ جنھوں نے قرآن شریف  
اور چند فارسی کی کتابیں مجھے پڑھائیں۔ اس بزرگ کا نام فضل الہی تھا  
اور جب میری عمر قریباً دس سال کے ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب  
میری تربیت کے لئے مقرر کئے گئے جن کا نام فضل احمد تھا۔  
میں نے صرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد خوان سے پڑھے اس کے  
بعد جب میں سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا تو ایک اور مولوی صاحب  
چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ ان کو میرے



والد صاحب نے نوکر رکھ کر قادیان میں بڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا۔  
 (اُن) مولوی صاحب سے میں نے خوب منطق اور حکمت وغیرہ معلوم مروجہ  
 کو حاصل کیا ہے

مرزا کے پہلے استاد فضل الہی قادیان کے باشندے اور حنفی تھے دوسرے  
 فضل احمد فیروز والاہ کے رہنے والے اہل حدیث تھے اور تیسرے استاد گل علی شاہ  
 متوطن بٹالہ شیعہ تھے یہ تیس قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

مرزا نے اپنے تیسرے استاد گل علی شاہ کے بارے میں یہ جھوٹ لکھا ہے  
 کہ میرے والد نے ان کو نوکر رکھا تھا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مرزا کے والد غلام مرتضیٰ  
 ان کے دسترخوان کے ریزہ چین تھے تفصیل کے لئے مرآۃ القادیانیہ، مؤلفہ مرزا  
 احمد علی امرتسری ص ۲۹ ف ۳ ملاحظہ کیجئے۔

مرزا کے اس بیان سے جہاں ان کا پہلا دعویٰ کہ "میں نے کسی انسان سے  
 قرآن وغیرہ کا ایک سبق نہیں پڑھا ہے" غلط ہو جاتا ہے۔ وہیں اس سے یہ بھی  
 معلوم ہو گیا کہ مرزا کی تعلیم ناقص اور ادھوری تھی اور وہ "نیم ملاحظہ ایمان"  
 کے سچے مصداق تھے۔

انگریزی زبان میں معمولی واقفیت | انگریزی بنی کو بقول خود انگلش میں بھی  
 الہام ہوا کرتے تھے اور نہایت فخر سے کہا

کرتے تھے کہ "انگریزی نہیں جانتا، اس کو چہ سے بالکل ناواقف ہوں، ایک فقرہ تک  
 مجھے معلوم نہیں۔ مگر خرق عادت کے طور پر اس زبان میں بھی مجھے الہام ہوتے ہیں۔"  
 لیکن آنہمال کا یہ دعویٰ بھی دروغ مصطوبت آمیز پر مبنی تھا۔ کیونکہ انھوں نے  
 سیالکوٹ میں دوران ملازمت انگریزی کی ذرا ایک کتاب میں سبقاً سبقاً پڑھی تھیں۔

تھکات البریہ ص ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، سیرت الہدی ج ۱ ص ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷،  
 سکہ نزول شیعہ ص ۱۴۔

اور اسی کے نتیجے میں انگریزی کے ٹوٹے بھوٹے جملے بول اور لکھ لیا کرتے تھے۔ میاں بشیر احمد لکھتے ہیں۔ مولوی الہی بخش ڈسٹرکٹ انسپکٹر نے منشیوں کے لئے ایک انگریزی کامیڈ قائم کیا تھا، ڈاکٹر امیر شاہ بنشتر معلم تھے۔ حضرت مسیح موعود نے بھی انگریزی کی دو ایک کتابیں پڑھیں۔

**کچہری کی منشی گیری** | کچہری سیالکوٹ کی ملازمت بھی انگریزی بنی کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ مرزا کی تقریروں سے ثابت ہوتا ہے کہ انگریزی حکومت نے مرزا غلام مرتضیٰ کیلئے تاحین حیات سات سو روپے سالانہ کی پنشن مقرر کر دی تھی۔ اسی پر خاندان کے گذر بسر کا مدار تھا۔ ایام شباب میں ایک مرتبہ مرزا جی نے اس قسم کو وصول کر کے عیش کوشیوں اور جوانی کی رنگ رلیوں میں اڑا دی، بعد میں ہوا ہوس کا نشہ جب کچھ اُتر اتویہ شرمندگی دامن گیر ہوئی کہ کونسا منہ لیکر گھر جائیں اس لئے قادیان واپس آنے کے بجائے سیال کوٹ چلے گئے۔ اور وہیں اپنے مکتب کے ساتھی لالہ بہیم سین کی سعی و کوشش سے پندرہ روپے ماہانہ پر کچہری میں منشی مقرر ہو گئے۔

**عہدِ ملازمت** | مرزا آزاد نے بشیر احمد لکھتے ہیں کہ "مرزا صاحب نے دورانِ ملازمت اپنا دامن رشوت ستانی سے ملوث ہونے نہیں دیا، لیکن مرزا کے اکثر واقف کار اطلاع دیتے ہیں کہ انھوں نے بزمانہ ملازمت دل کھول کر رشوتیں لیں۔ چنانچہ مرزا احمد علی شیعہ اپنی کتاب دلیل العرفان میں لکھتے ہیں کہ منشی غلام احمد قمری نے اپنے رسالہ "نکاح آسمانی کے راز" میں لکھا تھا کہ مرزا نے زمانہ محرمی میں خوب رشوتیں لیں۔ یہ رسالہ مرزا کی وفات سے آٹھ سال پہلے سن ۱۲۹۷ء میں شائع ہو گیا تھا مگر مرزا نے اس کی تردید نہیں کی۔

**مقدمہ بازی کا مشغلہ** | آنجنابی مرزا نے منشی سے مختار بن جانے کی ہوس میں



سیالکوٹ کے زمانہ قیام میں مختاری کا امتحان بھی دیا تھا استعداد کی کمی کی بنا پر اس امتحان میں ناکام رہے اور مختاری کے منصب پر فائز ہونے کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ پھر بھی اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ قانونی مروجہ کی موشگافیوں سے کسی حد تک واقف ہو گئے۔ چنانچہ مختاری کے امتحان میں ناکامی اور منشی گیری کی نوکری سے دل بدلاشتہ ہو کر جب قادیان واپس لوٹے تو ان کے والد نے خاندانی مقدمات کی پیروی کی خدمت ان کے سپرد کر دی۔ مرزا جی خود بتاتے ہیں کہ ”میرے والد صاحب اپنے بعض آباء و اجداد کے دیہات دوبارہ حاصل کرنے کے لئے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے۔ انھوں نے انہی مقدمات میں مجھے لگا دیا اور ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا۔“

مقدمہ بازی میں مرزا جی کو اس قدر شغف تھا کہ خواب بھی دیکھتے تو اسی کا جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں ”ہمارا ایک مقدمہ موروثی اسامیوں پر تھا۔ مجھے خواب میں دکھلایا گیا کہ اس مقدمہ میں ڈگری ہو گئی تھی۔ اسی طرح کے ایک خواب کا تذکرہ ”تذوق العقولہ“ کے صفحہ ۳۶ پر بھی کیا ہے۔

اپنے شرکار کی آراضی پر غاصبانہ قبضہ

آنجہانی مرزا کے تحریری بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد عظام مرتضیٰ اور ان کے بھتیجوں و دیگر اقربا کی کچھ زمین سکھوں نے اپنے عہد حکومت میں ضبط کر لی تھی۔ جسے انگریزی عہد سلطنت میں بذریعہ عدالت انھوں نے دوبارہ واکزار کرایا۔ بعد میں اس زمین پر آنجہانی مرزا اور ان کے بھائی عظام ستار بلا شرکت غیرے قابض و متصرف ہو گئے۔ اور دیگر حقدار رشتہ داروں کو اس میں سے کچھ نہیں دیا۔ بالآخر ان حقداروں نے مرزا اعظم بیگ لاہوری پیشتر گمشدہ کسٹ کے تعاون سے عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا اور مرزا جی کے عل الرغم بذریعہ عدالت



اپنا حصہ حاصل کر لیا۔ غم نصیب تقاروں کی اس اعانت پر مرزا اعظم بیگ کی شکایت کرتے ہوئے آنجنابی لکھتے ہیں "میر والد کے انتقال کے بعد مرزا اعظم بیگ لاہوری نے شرکائے ملکیت قادیان کی طرف سے مجھ پر اور میر بھائی مرحوم مرزا غلام قادر پر مقدمہ دخل ملکیت کا عدالت ضلع میں دائر کر دیا اور میں بظاہر جانتا تھا کہ ان شرکار کو ملکیت سے کچھ غرض نہیں کیونکہ وہ ایک گم گشتہ چیز تھی جو سکھوں کے وقت میں نابود ہو چکی تھی۔ اور میرے والد نے تنہا مقدمات دائر کر کے اس ملکیت اور دوسرے دیہات کی بازیافت کے لئے آٹھ ہزار روپیہ کے قریب خرچ و خسارہ اٹھایا تھا وہ شرکار ایک پیسہ کے بھی شریک نہیں تھے۔"

تلاش شہرت اور مناظرانہ سرگرمیاں | آنجنابی مرزا جی اپنے خانگی حالات سے بہت دل برداشتہ تھے اور شبے روزا کی

خیال میں غلطاں و بیجاں رہتے تھے کہ خاندانی زوال کا مداوا کس طرح کیا جائے مختاری کے ایوان میں باریابی کی توقع اٹھ چکی تھی، فوج یا پولیس کی ملازمت سے قلت تنخواہ کی بنا پر کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ تجارتی کاروبار سے سرمایہ کی کمی اور تجربہ کاری کی وجہ سے قاصر تھے۔ اس لئے اب لے دے کر صرف یہی ایک صورت باقی رہ گئی تھی کہ خادم اسلام کی حیثیت سے زندگی کے میدان میں نمودار ہوں اور اس راہ سے شہرت و دولت حاصل کریں۔ چنانچہ اپنے مکتب کے ساتھی اور قدیم رفیق مولوی محمد حسین بٹالوی کے مشورہ سے قادیان کے بجائے لاہور کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور آریوں و پادریوں سے مذہبی جھڑپ چھارٹ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی، منشی الہی بخش اکاؤنٹنٹ، بابو عبدالحق اکاؤنٹنٹ، حافظ محمد یوسف ضلعدار وغیرہ اس کام میں ان کے معاون بنے۔ اور ہر مجلس مجلس میں یہ حضرات مرزا جی کی قابلیت اور بزرگی کا چرچا کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ماہ ہی کے

اندر مرزا جی مناظر اسلام کی حیثیت سے مشہور ہو گئے چونکہ ابھی تک انھوں نے مہدویت مسیحیت وغیرہ کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اس لئے ہر مسلمان ان کو عزت و عقیدت کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔ اور علمائے دین بھی ان کے ساتھ تعاون و اشتراک کی دینی خدمت سمجھتے رہے۔ شہرہ کے اس مقام بلند پر پہنچنے کے بعد لاہور کے قیام کو غیر ضروری سمجھ کر مرزا جی وطن مالوف قادیان واپس آ گئے اور وہیں سے مناظرانہ اشتہار بازیوں کا سلسلہ جاری رکھا۔

مرزا جی ایک عارفِ کامل کے روپ میں | مذہبی مناظروں کی بدولت مرزا جی کو جو شہرت حاصل ہو گئی تھی وہ

ہر قسم کے دامِ تزویر کے کامیاب بنانے کی ضامن تھی۔ چنانچہ اس شہرت سے نفع حاصل کرنے اور اس کے ذریعہ مستقبل کو سنوارنے کی غرض سے مرزا جی نے باہذا صوفی کا سوانگ رچایا اور دنیوی کاروبار سے بظاہر منقطع ہو کر خلوت نشین ہو گئے وظائف و علمیات کی کتابوں کا مطالعہ کر کے بغیر کسی مُرشد و شیخ کی رہنمائی کے علمیات وظائف شروع کر دیے۔ علاوہ ازیں راتوں کو قادیان سے باہر جا کر خندق میں جا بیٹھتے۔ اور جلدو کے عمل پڑھا کرتے۔ ساتھ ہی اس زمانہ میں خوابوں کے ذریعہ بھی مستقبل کے حالات معلوم کرنے کی ناکام کوشش کرتے۔ اور اس سلسلے میں شبِ روز مطبوعہ تعبیر ناموں کی ورق گردانی میں مصروف رہتے۔ اس زمانہ میں ان کا معمول یہ بھی تھا کہ اپنے خواب دوسروں کو سنایا کرتے اور دوسروں کے خوابوں کی تعبیر خواب ناموں کی ورق گردانی کی مدد سے بتانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ مرزا زادے میاں بشیر احمد کا بیان ہے جب کوئی اہم معاملہ پیش ہوتا تو گھر کی عورتوں، بچوں اور خداموں تک سے پوچھا کرتے تھے کہ تم نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اگر کسی نے دیکھا ہوتا تو اسے بڑے غور سے سنتے تھے یہ



نبی افرنک مراق کے شکار تھے | مراق یعنی مایخولیا۔ دیوانگی کی ایک قسم ہے  
مرزا جی کے خلیفہ اعظم حکیم نور الدین لکھتے

ہیں۔ مایخولیا جن کا ایک شعبہ ہے اور مراق مایخولیا کی ایک شاخ ہے اسے طب  
کی مشہور کتاب شرح اسباب میں ہے "نوع من المایخولیا یسبب المراق"۔ لگے  
مایخولیا کی ایک قسم مراق ہے۔ اس مرض کا مریض اگر کچھ پڑھا لکھا ہوتا ہے تو خدائی  
نبوت، غیب دانی وغیرہ کا دعویٰ کرنے لگتا ہے۔ "اگر مریض دانشمند بودہ باشد  
دعوائے پیغمبری و کرامت کند و سخن از خدائی گوید و خلق را دعوت کند۔ لگے اگر  
مراق کا مریض ذی علم ہو تو پیغمبری اور کرامت کا دعویٰ کرتا ہے اور خدائی کی باتیں  
کرتا ہے اور لوگوں کو اپنی رسالت کی دعوت دیتا ہے۔ یہ ایسا مرض ہے جس سے  
حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو قطعی طور پر محفوظ رکھا گیا ہے۔ لیکن نبی افرنک  
بقول خود دیگر بہت سے امراض کے ساتھ اس دماغی مرض کے بھی شکار تھے۔  
چنانچہ لکھتے ہیں "دیکھو میری بیماری کی نسبت بھی آنحضرت صلعم نے پیشین گوئی کی  
تھی جو اس طرح وقوع میں آئی ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مسیح آسمان سے جب  
اترے گا تو دو زرد چادریں اس نے پہنی ہوں گی۔ سو اس طرح مجھ کو دو بیماریاں  
ہیں ایک اوپر کے دھڑ کی اور ایک نیچے کے دھڑ کی یعنی مراق اور کثرت بول چہ  
اسی طرح ایک مرزائی لکھتا ہے کہ مراق کا مرض حضرت (مرزا) صاحب میں مورش  
نہیں تھا۔ بلکہ یہ خارجی اثرات کے ماتحت پیدا ہوا ہے۔

مرزا جی کی دوسری بیماریاں | مراق کے علاوہ اور مختلف امراض میں بھی غفلت  
مبتلا تھے۔ یہاں بعض امراض کا ذکر خود انصاف

لگے بیان نور الدین ج ۱ ص ۱۱، لگے شرح اسباب ج ۱ ص ۱۱، لگے اسرار علم  
ج ۱ ص ۱۸۸، لگے رسالہ تشہید الاذیان جون ۱۹۰۷ء ص ۱۱، لگے دیوانہ و دیوانہ  
اگست ۱۹۰۷ء ص ۱۰،



الفاظ میں کیا جا رہا ہے۔ لکھتے ہیں: "میں دائم المرض ہوں۔ ہمیشہ درد سہرا کی خواب، تشنچ، دل کی بیماری دورہ کے ساتھ آتی ہے" لے اور لکھتے ہیں مرض ذیابیطس مدت سے دامنگیر ہے اور بسا اوقات سو سو دفعہ رات یا دن کو پیشاب آتا ہے اور اس قدر کثرت پیشاب سے جس قدر عوارض ضعف وغیرہ ہوتے ہیں وہ سب میرے شامل حال رہتے ہیں لے ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں "کوئی وقت دریا سر سے خالی نہیں گذرتا۔ مدت ہوئی نماز تکلیف سے بیٹھ کر پڑھی جاتی ہے۔ بعض وقت درمیان میں توڑنی پڑتی ہے لے مجھے اسہال کی بیماری ہے اور ہر روز کئی کئی دست آتے ہیں لے ایک مرتبہ قولنج سے سخت بیمار ہوا اور سولہ دن تک پاخانہ کی راہ سے خون آتا رہا اور سخت درد تھا جو بیان سے یا ہر ہے لے اپنے مرید خاص خلیفہ اعظم حکیم نور الدین کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"جب میں نے نئی شادی کی تھی تو مدت تک مجھے یقین رہا کہ میں نامرد ہوں، ایک اور خط میں لکھا کہ " ایک مرض مجھے نہایت خوف ناک تھی کہ صحت کے وقت لیٹنے کی حالت میں نعوذ بکلی جاتا رہتا تھا لے و نعوذ بالفتم برخواستن قضیب یعنی استاد گنتی ذکر) انگریزی نبی آنجہانی مرزا جی کا ان موذی اور رسوا کن امراض میں مبتلا ہونا حیرت انگیز نہیں ہے بلکہ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو حیرت کی بات ضرور ملے۔

مرزا جی کہا کرتے تھے کہ بعض اطباء کے نزدیک

افیون اور شراب کا استعمال | افیون نصف طب ہے چنانچہ انھوں نے ایک

دوا تریاق الہی کے نام سے تیار کی تھی جس کا بڑا جزو افیون تھا۔ اس دوا کو افیون کے مزید اضافہ کے ساتھ اپنے خلیفہ اول کو چھ ماہ سے زائد مدت تک کھلاتے رہے

لے ضمیر اربعین نمبر ۳، ص ۴ لے ایضاً لے مکتوبات احمدیہ ج ۵ ص ۱۸۸، لے کتاب منظرات ص ۳۴۹۔ ۵۵ حقیقۃ الیقین ص ۲۳۴، لے مکتوبات احمدیہ ج ۵ ص ۸۸

اور خود بھی وقتاً فوقتاً استعمال کرتے تھے لے  
**ٹانک ڈائن کا استعمال** | مرزا جی اپنے چہیتے مرید حکیم محمد حسین کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

محبی اخو حکیم محمد حسین ستم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس وقت  
 میاں یار محمد بھیجا جاتا ہے۔ آپ اشیاء خریدنی خود خریدیں اور ایک بوتل ٹانک ڈائن  
 کی پلومر کی دکان سے خریدیں۔ مگر ٹانک ڈائن چاہتے اس کا لحاظ رہے باقی خیریت  
 ہے۔ والسلام، لے

”سودا مرزا کے حاشیہ پر حکیم محمد علی پرنسپل طلبیہ کالج امرتسر لکھتے ہیں ٹانک ڈائن  
 کی حقیقت لاہور میں پلومر کی دکان سے ڈاکٹر عزیز احمد صاحب کی معرفت معلوم  
 کی گئی ڈاکٹر صاحب جواباً تحریر فرماتے ہیں ”حسب ارشاد پلومر کی دکان سے دریافت  
 کیا گیا۔ جواب حسب ذیل ملا۔“

”ٹانک ڈائن ایک قسم کی طاقت و رادرنشہ دینے والی شراب ہے جو دلائل  
 سے بند بوتلوں میں آتی ہے۔ اس کی قیمت ساڑھے پانچ روپے ہے ۲۱ دسمبر ۱۹۳۲ء

**مرزا جی بحیثیت صابر کشف** | مرض مراق کے دماغ پر مسلط ہو جانے کے  
 بعد مرزا جی کے دل و دماغ کے سوتے سے الہامات

کاسیل رواں بھوٹ پڑا اور اعلانات و اشتہارات کے ذریعہ اس کا خوب دھندھورا  
 بیٹا گیا۔ جس کا اثر یہ نکلا کہ دور دور سے لوگ قادیان آنے لگے۔ مرزا جی تقدس کا  
 رُوب دھارے اپنے بیت الفکر نامی کمرے میں لیٹے رہتے اور الہامات کی بارشیں  
 ہوتی رہتی تھیں۔ اور جب الہام کی غنودگی دور ہوتی تو فوراً اُسے نوٹ بک میں درج

لے اخبار الفضل قادیان ۱۱ جولائی ۱۹۲۹ء بحوالہ قادیانی مذہب ص ۵۹ مطبوعہ بار سوم۔ لے  
 خطوط امام بنام غلام ص ۵ بحوالہ سابق منہ، لے سودا کے مرزا ص ۳۹ حاشیہ،



## کر لیا جاتا تھا

ایک ہندو لڑکا بحیثیت کاتبِ وحی | چونکہ ساون کی بھڑی کی طرح الہامات کا ایک غیر منقطع سلسلہ جاری تھا اس لئے ضرورت تھی کہ انھیں ضبطِ تحریر میں لانے کیلئے ایک مستقل کاتب رکھا جائے۔ چنانچہ اس مقدس کام کی انجام دہی کے لئے ایک ہندو لڑکے کا انتخاب عمل میں آیا۔ خود مرزا جی لکھتے ہیں "ان دونوں ایک پنڈت کا بیٹا شام لال نامی جو ناگری اور فارسی دونوں میں لکھ سکتا تھا۔ بطور روزنامہ نویس نوکر رکھا گیا۔ اور بعض امور غیبیہ جو ظاہر ہوتے تھے اس کے ہاتھ سے ناگری اور فارسی خط میں قبل از وقوع لکھائے جاتے تھے اور پھر شام لال مذکور کے اس پر دستخط کرائے جاتے تھے یہ ہندو لڑکا جب اول اول نوکر رکھا گیا تھا تو اس کی عمر کل بارہ سال کی تھی اور مرزا جی کے چچا زاد بھائی مرزا امام الدین کے بقول اس درجہ بے سمجھ اور سادہ لوح تھا کہ سو تک بمشکل شمار کر سکتا تھا۔" جیسی وحی ویسا کاتب حق بحق داد رسید۔

مرزا جی نے معاشی زبوں کو دور کرنے کی غرض سے | زرا ندوزی کی ایک اور تجویز | مذہبی مناظرہ اور بزرگی کا جو سوانحک بچایا تھا اس میں انھیں بڑی حد تک کامیابی مل گئی تھی۔ اور دجل و فریب کے یہ تیر شہرت و قبولیت کے نشانہ پر ٹھیک بیٹھ گئے تھے۔ جس کی وجہ عوام و خواص کا ایک اچھا خاصا طبقہ ان کی جانب متوجہ ہو گیا۔ اس لئے انھوں نے روپیہ بٹورنے کی ایک اور تجویز سوچا اور "براہمن احمدیہ" کے نام سے پانچ جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب کی طباعت کا اعلان کیا اور لوگوں سے پیشگی قیمت اور امداد و اعانت حاصل کرنے کی غرض سے اشتہارات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس سلسلے کا پہلا اشتہار اپریل ۱۸۸۷ء

لے سیرت المہدی ج ۱ ص ۱۵، لے البشری ج ۱ ص ۱۰، لے مگزب براہمن ص ۳۸



میں بعنوان "اشتہار بغرض استعانت از انصار دین محمد مختار علی الشہ علیہ وآلہہ الابراہ  
تھا۔" اس میں دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی تحریر کیا تھا کہ "ایسی بڑی کتاب کا چھپ کر  
شائع ہونا بجز معاونت مسلمان بھائیوں کے بڑا مشکل امر ہے اور ایسے اہم کام میں  
اعانت کرنے میں جس قدر ثواب ہے وہ ادنیٰ اہل اسلام پر بھی مخفی نہیں لہذا اخوان  
مؤمنین سے درخواست ہے کہ اس کے مصارف طبع میں معاونت کریں۔" اغنیاء لوگ  
اگر اپنے مطبع کے ایک دن کا خرچ بھی عنایت فرمائیں گے۔ تو یہ کتاب بسہولت چھپ  
جائے گی۔ ورنہ یہ مہر و رخشاں چھپا رہے گا، یا یوں کریں کہ ہر ایک اہل وسعت نیت  
خریداری کتاب پانچ پانچ روپے مع اپنی درخواستوں کے راقم کے پاس بھیج دیں جیسی  
جیسی کتاب چھپتی جائے گی۔ ان کی خدمت میں ارسال ہوتی رہے گی کچھ دنوں کے بعد  
ایک اور اشتہار بعنوان "اشتہار کتاب براہین احمدیہ بجمہت اطلاع جمیع عاشقان  
صدق و انتظام سرمایہ طبع کتاب" شائع کیا اسکا مضمون بھی پہلے اشتہار کے قریب تھا  
ان اشتہارات کے ملک میں پھیلتے ہی حسب توقع روپیوں کی بارش شروع ہو گئی  
لیکن اس بارش زرنے استسقی کے مریض کی طرح ان کی طلب مال کی تشنگی کو مزید بڑھایا  
اس لئے مرزا جی نے ۳ دسمبر ۱۸۸۷ء کو... اس کی قیمت میں پانچ روپے کا اور اضافہ  
کر کے دس روپے کر دی اور اسی کے ساتھ اس وعدہ کا بھی اعلان کیا کہ جنوری ۱۸۸۸ء  
میں کتاب طبع ہو کر شائع ہو جائے گی۔ چونکہ مرزا جی کے بے پناہ پروپیگنڈے نے  
لوگوں کو کتاب کو کرامت شاق بنا دیا تھا۔ اس لئے بڑی کثیر تعداد میں کتاب کے آرڈر آئے  
اس مقبولیت کو دیکھ کر ڈو حصوں کے طبع ہو جانے کے بعد اس کی قیمت میں مزید اضافہ  
کر دیا اور فارغ البال لوگوں سے دس روپے کے بجائے پچیس روپے لیکر سو روپے  
تک وصول کرنے لگے۔

۱۔ تبلیغ رسالہ ج ۱ ص ۱۵، ۲۔ تبلیغ رسالت ج ۱ ص ۱۵، ۳۔ ایضاً ص ۲۳

آنجنہانی نے ابتداء میں پانچ حصوں پر مشتمل کتاب شائع  
**بد معاہدگی اور سخن تراشی** کرنے کا اعلان کیا تھا اور پانچوں حصوں کی پیشگی قیمت  
 لوگوں سے وصول کر لی تھی لیکن چار حصے شائع کرنے کے بعد اس سلسلہ کو بند کر دیا جس  
 کی بنا پر خریداروں کو شکایت ہوئی۔ اب اس بد معاہدگی پر پردہ ڈالنے کی غرض سے  
 سخن تراشی اور الہام بازی شروع کر دی چنانچہ براہین احمدیہ جلد چہارم کے آخری صفحہ پر  
 ”ہم اور ہماری کتاب“ کے عنوان سے لکھتے ہیں ”ابتداء میں جب یہ کتاب تالیف کی گئی تھی  
 اس وقت اس کی کوئی اور صورت تھی۔ اب اس کتاب کا متولی اور مستم طاہرؑ اور یاطنؑ  
 حضرت رب العالمین ہے اور کچھ معلوم نہیں کہ کس اندازہ اور مقدار تک اس کو پہنچانے  
 کا ارادہ ہے اور سچ تو یہ ہے کہ جس قدر جلد چہارم تک انوار حقیقت اسلام کے  
 ظاہر کئے ہیں یہ بھی اتمام حجت کے لئے کافی ہیں الخ۔“

اس تولیت و انتہام خداوندی کے ڈھونگ کا واحد مطلب یہ تھا کہ اب میں باقی ماندہ  
 کتاب کی طبع و اشاعت کا ذمہ نہیں لے سکتا اب یہ کام خدا ہی کے سپرد ہے وہ چاہے  
 تو طبع کرائے یا نہ طبع کرائے میری کوئی ذمہ داری نہیں۔

الٹا چور کو تو ال کو ڈالنے | مرزا صاحب لوگوں کی پیشگی قمیئیں شیر مادر کی طرح ختم  
 کر گئے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کو شکایتیں

ہوتیں اور مرزا جی کی بد معاہدگی کا چرچا برسرِ عام ہونے لگا تو انھیں فکر لاحق ہوئی کہ شکوہ  
 و شکایتوں کا یہ سلسلہ یونہی جاری رہا تو ایک طرف کے جتن کے بعد تقدس کا جو سکہ بجایا  
 گیا تھا کہیں عقیدت مندوں کے دلوں سے زائل نہ ہو جائے۔ اس لئے یکم مئی ۱۸۹۲ء  
 کو آٹھ صفحات کا ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ ”مجھے ان مسلمانوں پر نہایت  
 افسوس ہے کہ جو اپنے پانچ یا دس روپے کے مقابل پر ۳۶ جزدوں (۵۶۲ صفحات) کی  
 ایسی کتاب پا کر جو معارف اسلام سے بھری ہوئی ہے ایسے شرمناک طور پر بدگوئی

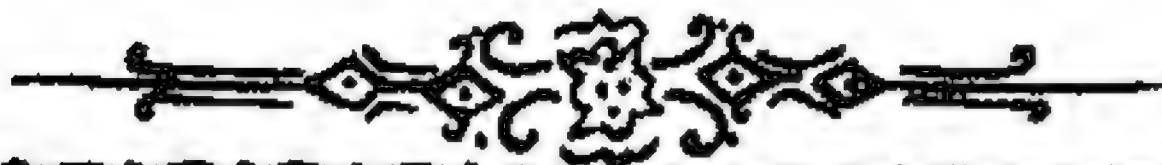


اور بد زبانی پر مستعد ہو گئے کہ گویا ان کا رد یہ کسی نے چھین لیا یا ان پر کوئی قزاق آپڑا اور گویا وہ ایسی بے رحمی سے لوٹے گئے کہ اس کے عوض میں ان کو کچھ نہیں دیا گیا اور ان لوگوں نے زبان درازی اور بدظنی سے اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کیا کہ کوئی دقیقہ سخت گوئی کا باقی نہ رکھا اس عاجز کو چور قرار دیا گیا، مکار ٹھہرایا، مال مردم خور کر کے بدنام کیا، حرام خور کہہ کر نام لیا، دغا باز نام رکھا۔ اور اپنے پانچ ددشلا روپے کے غم میں وہ سیپا کیا کہ گویا تمام گھران کا لوٹا گیا اٹھ لے

وعدہ خلائی | مرزا جی نے براہین احمدیہ کی پیشگی قیمت وصول کرتے وقت یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ اس کتاب میں حقانیت اسلام کے تین سودلائل درج کئے جائیں گے لیکن وعدہ کے مطابق ایک دلیل بھی پوری نہیں کی، چنانچہ مرزا زادے میا بشیر احمد لکھتے ہیں "تین سودلائل جو آپ (مرزا غلام احمد) نے لکھے تھے ان میں سے صرف ایک ہی دلیل بیان ہوئی اور وہ بھی نامکمل طور پر۔ لے

یہ ہے آنجنابی مرزا غلام احمد قادیانی نئی افزنگ کی تریں سالہ داستان حیات کا مختصر بیان جو ان کی تصنیفات یا ان کے بیٹے مرزا بشیر احمد ایم، اے اور دیگر مرزائی مآخذوں کو سامنے رکھ کر پیش کی گئی ہے۔ قارئین اُسے پڑھ کر خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آنجنابی جیسے کردار و اخلاق کا شخص شریف انسان کہے جانے کے بھی قابل نہیں ہے۔ چہ جائیکہ وہ ملہم، محدث، مہدی موعود، مسیح زماں یا نبی ہو۔

سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ





بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## خطبہ استقبالیہ

از حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب معتمد دارالعلوم دیوبند

الحمد لله رب العالمين وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ سَيِّدِ نَاوَدَوْلَانَا مُحَمَّدٍ  
خَاتَمِ النَّبِيِّينَ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ۔ اَمَّا بَعْدُ !  
اِنَّ تَعَالَى جَلَّ شَانُهُ كَيْفَ انْعَامَاتِ كَاشِكْرِ كَيْسِ زَبَانٍ سَيِّدَا كَيْفَ جَانَتْ كَيْفَ خَدَامِ  
دَارِ الْعُلُومِ كَيْفَ حَقِيقَةِ دَعْوَتِ پَر لَبِيك كَيْفَ دَالَا اِيكِ مُنْتَقِبِ اجْتِمَاعِ سِرِّ زَمِينِ دِيُو بَنْدِ كَيْفَ رُفْقِ  
مِيں اَضَاذَ كَر رَاہِے جِس مِيں ہر طَبَقَہ اور ہر سَمَتِ كَيْفَ كَرَامَتِ قَدْرِ عِلْمِ اَرْشَرِيفِ فَرَاہِے ۔  
خَدَاوندِ قَدُّوسِ كَا اِحْسَانِ عَظِيمِ ہِے كِه اِس دَعْوَتِ كُو شَرَفِ قَبُولِيتِ سِے نَوَاذَنے دَالِے  
مَرْفِ ہِنْدُوسْتَانِ كِے عِلْمِ اَرْشَرِيفِ بَلَكِ بِيروُنِ ہِنْدِ كِے اَرْبَابِ عِلْمِ دِينِ بِيں ہِيں كُو دِيكھِے  
كِر حَضُورِ پَاكِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمِ كِے اَرْشَادِ بَعَثَتِ اِلَى الْاَسْوَدِ دَالِ اَحْمَرِ كِي عَمَلِ تَفْسِیْرِ  
نِظَامِ مِيں گھُومِ جَاتِے ہِے ۔

اِس اِيْمَانِ پَر وِرَاوَرْدُوحِ افْرَا مَوْجِ پَر ہِمِ خَدَامِ دَارِ الْعُلُومِ ضروری كِيتے ہِيں كِه  
اِسے تَامِ سَہَانُوں كَا مَرْفِ رُكْنِ نِہِيں بَلَكِ بَصِيْمِ قَلْبِ شَكْرِ يَہ اَدَا كَرِيں كِه اِنھُوں سِنے خَالِصِ  
بُوحِ اللہِ دُورِ دَرَازِ كِے سَخَرِ كِي صَوْتِ بَر حَاقِقتِ فَرَا كَر تَشْرِيفِ آدِي كِي زَعْمَتِ گِیَارَا  
فَرَا كَر اَدِيتَا مِ دَارِ الْعُلُومِ كُو يَہ مَوْجِ ہِمِ پِنچَا يَہ مَسَائِدِ تَامِ دَلِ خَالِ كِر كِے مَلَّتِ  
اِس سَلَامِ كِے سَلِيفِ كُو عَمَلِ حَاقِقتِ كِے طَرَفِ اَنُوں مِيں حَاقِقتِ مَقْصُودِ كِي تَبْلِغِ سَلَمِ كِي

جدو بہد کو تیز کر سکیں۔

مہمان محترم! دارالعلوم کی دعوت پر اس قابل رشک پذیرائی کا یہ منظر سرزمین دیوبند نے بار بار دیکھا ہے۔ اور اس طرح کی بہاریں اپنی جلوہ سامانیوں کے ساتھ بار بار جلوہ ریز رہ چکی ہیں۔ اور آج پھر الحمد للہ بہار پورے آب و تاب کے ساتھ رونق افروز ہے اور ہم اس قافلہ بہار کے جلو میں برگزیدہ علماء و فرزندانِ قسیم اور اپنے محسنین و معاونین کا استقبال کر رہے ہیں

فالحمد للہ علی ذالک

گرامی مرتبت حاضرینِ کرام! اس مبارک اور مسعود موقع پر دارالعلوم اور اس کے مسلک سے متعلق یہ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم روزِ اول سے الحمد للہ اسی تہذیبی، علمی، اور عملی وراثت کا امین ہے جو اُسے عہدِ خیر القرون سے قرناً بعد قرن پہنچی ہے، امت مسلمہ پر چودہ صدیاں بیت جانے کے باوجود بھی دارالعلوم علم و عمل کے لحاظ سے اسی عہدِ خیر القرون کا نمونہ ہے، ہمارے یہاں سب سے باکمال وہ ہے جو زمانہ کی دور دراز مسافتوں اور زمان و مکان کے فاصلوں کو طے کر کے اسی مجلسِ نبوت میں حاضر ہو جاتے۔ جس سے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مستفید ہوئے تھے، غیر متزلزل یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے فرقہ ناجی کی جو علامت "مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِی" بیان فرمائی تھی وہ الحمد للہ یہی طرح دارالعلوم اور اس کے مسلک پر منطبق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم کی آغوش میں جن مایہ ناز عناصر نے پرورش پائی ہے۔ وہ نہ صرف برصغیر ہندو پاک بلکہ پوری ملتِ اسلامیہ کے صالح ترین عناصر کہلانے کے مستحق ہیں، نیز یہ کہ ان صالح عناصر کے ذریعہ دین و ملت کی جو گراں قدر خدمات انجام پائیں ان کی وجہ سے یہ کہنا تعلقِ مبالغہ نہیں ہے کہ دارالعلوم علم و عمل کا صرف محور نہیں بلکہ منبع اور سرچشمہ ہے اور



گزشتہ صدی کا تجدیدی کارنامہ الشریعت العزت نے محض اپنے فضل و کرم سے دارالعلوم اور اسکے فرزندوں کے ذریعہ انجام دلیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے ذریعہ اس تجدیدی کارنامہ کی انجام پزیری کی وجہ یہ کہ علمی و عملی طور پر دارالعلوم دیوبند کی بنیاد قرآن مجید اور سنت پاک پر استوار ہوئی ہے، پھر جو روشنی قرآن کریم اور حدیث پاک کے ذریعہ دل و دماغ پر مستولی رہی اس نے احسان و سلوک اور فقہ و فتاویٰ کی شکل میں پوری ملت اسلامیہ کیلئے رہبری اور رہنمائی کی خدمت انجام دی، چنانچہ رجال دارالعلوم کے ذریعہ پیش آمدہ مسائل میں جو رہنمائی قرآن و سنت اور اجماع و قیاس کی روشنی میں کی گئی وہ الحمد للہ اتنی جامع اور مکمل ہے کہ اگرچہ گزشتہ صدی اپنی مادی اور صنعتی ترقی کے لحاظ سے بہت اہم اور تاریخ انسانیت میں سب سے زیادہ انقلاب انگیز ہے۔ لیکن انسانیت اور مسلمانوں کا ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں تھا یا جاسکتا ہے جس کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں پیش نہ کر دیا گیا ہو۔

اس باب میں بلا مبالغہ ہدایت کا کوئی رخ ایسا نہیں ہے جہاں باری تعالیٰ نے دارالعلوم کے ہاتھوں شعلیں اور منار قائم نہ فرمادے ہوں اور اسی طرح ضلالت و گمراہی کا کوئی پیچ و خم ایسا نہیں ہے جہاں دارالعلوم کے ذریعہ صراطِ مستقیم کی تعین نہ کرادی ہو۔

**سامعین عالی مقام** | دارالعلوم نے اپنے قیام کے روز اول سے صراطِ مستقیم کی تعین اور غلط راستوں کی تخطیط کو اپنا نصب العین بنایا ہے، دارالعلوم کا قیام جن حالات میں عمل میں آیا تھا اس وقت حیثیت کے فروغ کا ایک ایسا فتنہ اٹھا ہوا تھا جس نے تقریباً پورے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، بحمد اللہ اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے دارالعلوم کا



تھم گئے بڑھا اور مناظرہ و تقصیر اور قسملہ و تحسیر کے ہر میدان میں عیسائیت کے مبلغین کو شکست ناش نصیب ہوتی، اس موضوع پر ہزاروں صفحات فرزندِ انوارِ العلوم کے قلم سے نکلے اور اس کے باوجود کہ حکومت و اقتدار کی تمام طاقتیں اس فتنہ کی پشت پناہی کر رہی تھیں مگر دارالعلوم کے اہل حق مجاہدین نے برق بے اہاں بن کر ان کی تمام پناہ گاہوں کو خاکستہ کر دیا، اسی فتنہ کے پہلو بہ پہلو توحید کی تعلیم سے محسوس کرنے کے لئے آریائی یا شدھی تحریک وجود میں آئی، یہ مسلمانوں کو صراطِ مستقیم سے منحرف کرنے کی خطرناک اور زبردست سازش تھی لیکن اس میدان میں بھی فرزندِ انوارِ دارالعلوم نے اپنا فرض منصبی پوری طرح ادا کیا اور اس فتنہ کو ہمیشہ کے لئے تاریخ کے گورستاں میں دفن کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس سلسلے میں فضلاء دارالعلوم کی سینکڑوں تصانیف آج بھی کتب خانہ اسلام کی زینت ہیں۔

ان زبردست فتنوں کے علاوہ انگریزوں کی جانب سے مسلمانوں کے اندرون میں متعدد فتنے برپا کرائے گئے جن میں سب سے اہم فتنہ قادیانیت کا تھا۔ اس فتنہ نے سیاسی، علمی اور اعتقادی طور پر خلفشار پیدا کیا، اس فتنہ کی طرح تو تیسری صدی ہجری کے اواخر میں پڑ گئی تھی۔ لیکن مرزا نے سلسلہ میں بل مین احمدیہ کے ہم حصے شائع کر کے اپنے زیع و ضلال کو طشت از بام کر دیا۔ تو علمائے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں ابتدا اگرچہ علمائے لدھیانہ و امرتسر کے غلام علی امرتسری، مولانا احمد امجد امرتسری، حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، مولانا عبدعزیز لدھیانوی، مولانا محمد لدھیانوی، مولانا عبداللہ لدھیانوی، مولانا محمد رضا عسکری لدھیانوی اور مولانا غلام دستگیر قصوری نے کی، مگر اکابر دارالعلوم کا کلناہ اس سلسلے میں بحیر العقول ہے کہ وہ محض الہامی طور پر فتنے کے وجود سے پہلے ہی پیش بندی فرما رہے ہیں۔

جماعت دیوبند کے سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی  
 قدس سرہ کے بارے میں یہ معلوم کر کے حیرت ہوتی ہے کہ انھوں نے حضرت  
 پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ کو حجاز مقدس میں قیام نہ فرمانے دیا۔ اور ایک  
 بڑے فتنہ کی پیشین گوئی فرماتے ہوئے انھیں ہندوستان آنے پر مجبور فرمایا۔  
 مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہ کے علاوہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب  
 مہاجر مکیؒ کے دو بزرگ خلفاء حضرت مولانا احمد حسن صاحب امر دہویؒ، حضرت  
 مولانا انوار اللہ صاحب حیدر آبادیؒ، حضرت مولانا محمد علی مونگیری قدس سرہ  
 وغیرہ بھی اس فتنہ کی سرکوبی میں پوری طرح سرگرم ہیں۔ ان خلفاء گرامی قدس سرہ  
 اگرچہ بعض حضرات کا کارنامہ تاریخی اعتبار سے کچھ بعد ہی میں سامنے آیا۔  
 لیکن اس کو حضرت حاجی صاحب کی نسبت سے الگ نہیں کیا جاسکتا، پیر  
 مہر علی صاحب گولڑویؒ کو تو حضرت حاجی صاحب نے بطور خاص اس فتنہ کی تردید کی  
 طرف متوجہ فرما کر ہندوستان بھیجا تھا۔ اس لئے ان کی کتاب "شمس الہدایہ غالباً  
 رد قادیانیت پر سب سے پہلی کتاب ہے۔

حضرت مولانا احمد حسن صاحب امر دہویؒ اور حضرت مولانا انوار اللہ صاحب  
 حیدر آبادی قدس سرہ بھی ابتداء ہی میں سامنے آ گئے ہیں۔ حضرت مجدد  
 امر دہویؒ نے تو مرزا کو مناظرہ و مباہلہ کا پیلنج بھی دیا تھا۔  
 اور حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کا کام زمانہ کے اعتبار سے مؤخر ہی لیکن  
 وہ ایک طاقت ور تحریک کی صورت میں سامنے آیا۔ اور اس نے باطل کے اس  
 سیلاب پر بند باندھنے کا کام انجام دیا۔

قبل از وقت تنبیہ میں اکابر مار اعلم میں حضرت حاجی صاحب قدس سرہؒ  
 تنہا نہیں ہیں بلکہ اس سلسلہ میں دو سرانام حجت الاسلام حضرت اقدس مولانا



محدث اسم صاحب نانوتوی قدس سرہا کہے کہ انھوں نے فتنہ کی نقاب کشائی سے پہلے اس موضوع پر تحذیر الناس، جیسی اہم مدلل اور قیمتی کتاب تصنیف فرمائی جو رد قادیانیت کے موضوع پر راہنما اور راہبر کا کام انجام دے رہا ہے۔ پھر مناظرہ عجیبہ میں ان کا یہ فیصلہ بالکل الہامی زبان میں نقل ہوا ہے۔ اپنا دین و ایمان ہے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تاثر مل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں، مناظرہ عجیبہ ص ۱۳۱۔ پھر مرزا غلام احمد قادیانی کے باطل ادعا کے پہلے ہی سال ۱۳۱۵ھ میں جب مرزا نے اپنے الہامات کو وحی الہی کی حیثیت سے براہین احمدیہ میں شائع کیا تو علماء لدھیانہ نے اس کی تکفیر کی۔

اس وقت تک حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہا کو اس دجل و فریب سے پوری واقفیت نہ تھی۔ اس لئے کچھ لوگوں نے جو مرزا سے حسن ظن رکھتے تھے علماء لدھیانہ کی مخالفت میں حضرت گنگوہی سے فتویٰ منگالیا۔ لیکن علماء لدھیانہ اسی سال جمادی الاول ۱۳۱۵ھ میں جلسہ دستار بندی کے موقع پر دیوبند تشریف لائے اور قادیانی کے مسئلہ میں حضرت گنگوہی اور دوسرے علماء دیوبند سے بالمشافہ گفتگو فرمائی۔ گفتگو کے بعد دارالعلوم کے سب سے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہا نے جو تحریر مرتب فرمائی وہ یہ ہے ”یہ شخص (مرزا غلام احمد قادیانی) میری دانست میں لامذہب معلوم ہوتا ہے اس شخص نے اہل اللہ کی صحبت میں رہ کر فیض باطنی حاصل نہیں کیا۔ معلوم نہیں اس کو کس رُوح سے اویسیت ہے مگر اس کے الہامات اولیاء اللہ کے الہامات سے کچھ مناسبت اور علاقہ نہیں رکھتے، (ص ۱۲۱ تیس قادیان جلد ۱) اس کے بعد حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے بھی مرزا کے بارے میں وہ موقف اختیار



فرمایا جو اس کے باطل عقائد کی رو سے ضروری تھا۔ کسی نے سوال کیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے خیالات متعلق بہ وفات عیسیٰ علیہ السلام جو کچھ میں ظاہر ہے۔ پس اس مرزائی جماعت کا اپنی مساجد میں نہ آنے دینا اور ان کے ساتھ نماز میں شریک ہونے سے تنفر رکھنا کیسا ہے؟ تو جواب میں ارشاد فرمایا۔

”مرزا قادیانی گمراہ ہے، اس کے مرید بھی گمراہ ہیں۔ اگر جماعت سے الگ رہیں اچھا ہے جیسا رافضی، خارجی کا الگ رہنا اچھا ہے۔ ان کی دامنیات مت صنوا کر ہو سکے اپنی جماعت سے خارج کر دو، بحث کر کے ساکت کرنا اگر ہو سکے ضرور ہے ورنہ ہاتھ سے ان کو جواب دو، اور ہرگز فوت ہونا عیسیٰ علیہ السلام کا آیات سے ثابت نہیں وہ بکتا ہے اس کا جواب طلبانے دیدیا ہے مگر گمراہ ہے۔ اپنے اغوار اور اضلال سے باز نہیں آتا، حیا اس کو نہیں کہ شرادے“

اس کے بعد حضرت گنگوہی قدس سرہ نے مرزا کو مرتد، زندق اور خارج اسلام قرار دیا۔ اور چونکہ حضرت اقدس ہی جماعت دیوبند کے سید الطائفہ تھے۔ اور ان کا فتویٰ گویا پوری جماعت کا اجماعی فیصلہ تھا۔ اس لئے مرزا حضرت اقدس کے فتویٰ کی ضرب کاری کو زندگی کے آخری سانس تک نہ بھلا سکا۔ اور حضرت اقدس کے بارے میں حسب عادت فحاشی پر اتر آیا۔

اس زمانہ میں حضرت مولانا احمد حسن صاحب امر دہلویؒ اور حضرت مولانا محمد کیرانویؒ کی خدمات بگنا قابل فراموش ہیں کہ حضرت مولانا احمد حسن صاحب امر دہلویؒ نے ذیل وقیم کی پوری طاقت اس کے لئے وقف کر دی۔ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ نے مولانا غلام دستگیر قسوری کے استفتاء پر علامہ میں مرزا کو مرتد اور کفر اسلام سے خارج قرار دے کر علمائے حرمین سے اس کی تصدیق کرائی اور قسری مرزا کی بدعتی ہونے کی تردید کی۔ ثابت ہوا۔

اس کے بعد ۱۳۱۵ھ میں مولانا محمد حسین جالویؒ کے استفتاء کے جواب میں تمام علماء ہندوستان نے مرزا کی تکفیر کی جس میں اکابر دیوبند میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے رقم فرمایا:

”مرزا غلام احمد قادیانی اپنی تاویلات فاسدہ اور سفوات باطلہ کی وجہ سے دجال، کذاب اور طریقہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے۔“

حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے تحریر فرمایا:

”جامل یا گمراہ کے سوا ایسے عقائد کا معتقد کوئی نہیں ہو سکتا۔“

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ نے رقم فرمادیا:-

”قادیانی اور اس کے پیرو جو اعتقاد رکھتے ہیں وہ بلا شک الحاد اور شریعت کا

ابطال ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے ارشاد فرمایا:-

”ان عقائد کا مخترع ضال، مضل بلکہ دجالہ میں راس رئیس ہے۔“

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ قدس سرہ نے تحریر فرمایا:

”ایسے عقائد کا معتقد کتاب اللہ کی بنیادوں کو منہدم کرنے والا ہے۔“

اس کے بعد ۱۳۱۵ھ میں جب مرزا کی کتابیں ”فتح اسلام“ توضیح مہرام، اور انزالہ اوہام، شائع ہوئیں جس میں وفات مسیح کا دعویٰ کر کے اپنے مسیح موعود ہونے کا اعلان کیا گیا تھا تو علماء ربانیین خیم شونک کر میدان میں آگئے اور سارا ہندوستان مرزا کی تردید کے غلغلوں سے گونجنے لگا۔ اسی زمانہ میں حضرت مولانا اسماعیل صاحب علی گڑھیؒ نے بھی کام شروع فرمایا۔ جگہ جگہ مناظروں میں مرزا نہیں کو شکست دے دی جانے لگی۔

شعبان ۱۳۱۵ھ میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہ نے



البرہان نامی رسالہ شاہجہاں پور سے جاری کیا جو تیسری بار دو سال تک تاریکیوں کی شب میں نورِ محسوس کا کام انجام دیتا رہا۔

۱۳۲۷ھ میں نواب حامد علی خاں والی ریاست رامپور کے زیرِ اہتمام عظیم الشان تاریخی مناظرہ ہوا جس میں حضرت مولانا احمد حسن صاحب امر دہوئی اور حضرت مولانا شہار اللہ صاحب امر تیسری کے باطل شکن دلائل اور بیانات سے قادیانیت لرزہ بر اندام ہو گئی۔ اور ۱۳۲۹ھ میں حضرت مولانا محمد علی مونگیری قدس سرہ کی زیر سرکردگی وہ تاریخی مناظرہ ہوا جس میں چالیس علماء کرام نے شرکت فرمائی۔ جن میں حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ اور دوسرے اکابر دیوبند شریک ہوئے اور اس مناظرہ میں مرزائیوں کی شکستِ فاش نے ان کی کمر توڑ دی۔

پھر ۱۳۳۱ھ کے بعد ۱۳۳۲ھ میں مولانا محمد سہول صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند کے قلم سے ایک مفصل فتویٰ کی ترتیب عمل میں آئی۔ اس مفصل فتویٰ میں پہلے مرزا غلام اور قادیانی کے افکار و عقائد کو اسی کی کتابوں سے نقل کیا گیا تھا۔ پھر لکھا گیا تھا۔  
”جس شخص کے ایسے عقائد و اقوال ہوں، اس کے خارجِ اناسلام ہونے میں کسی مسلمان کو خواہ جاہل ہو یا عالم تردد نہیں ہو سکتا۔ لہذا مرزا غلام احمد اور اس کے جملہ متبعین درجہ بدرجہ مرتد و بدعتی، کافر اور فرقہ ضالہ میں یقیناً داخل ہیں۔“  
اس فتویٰ پر حضرت شیخ الہند، بور حضرت علامہ کشمیری اور دوسرے مشاہیر علماء کے دستخط ہیں۔ حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے اس فتویٰ پر دستخط کے ساتھ یہ الفاظ مزید قلم بند فرما کر اپنی ہرنگائی ہے۔

”مرزا۔ علیہ السلام کے عقائد و اقوال کا کفر یہ ہونا ایسا بدیہی مضمون ہے کہ جس کا منکر کوئی منصف فہم نہیں کر سکتا۔ جن کی تحصیل جو اس میں موجود ہے۔“



بندہ محمودی عنہ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ انگریز کی ذریت (قادیانی ٹولہ) سے نہیں بلکہ براہ راست قادیانی نبوت کے خالق (انگریز بہادر) سے ٹکر لے رہے تھے لیکن ذریت برطانیہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا اور اپنے نابغہ روزگار تلامذہ۔ (جن کی فہرست بڑی طویل ہے) کو اس جانب متوجہ فرمایا۔ جنہوں نے اس موضوع کو اپنی خدمت کا جولاں گاہ بنایا۔ محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیری، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، نقیہ الامت حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری، حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری، شیخ الادب حضرت مولانا اعجاز علی صاحب، حضرت مولانا عبد السمیع صاحب انصاری، حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری۔ حضرت مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری اور حضرت مولانا محمد عالم اسی امرتسری قدس اللہ اسرار ہم نے تحریر و تقریر کے ذریعہ حسرت ختم نبوت کی یاسبانی کا فریضہ انجام دیا، لیکن ان اکابر کی خدمات کی فہرست میں حجۃ اللہ فی الارض حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اور فاتح قادیان حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری قدس سرہما کا کارنامہ سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز ہے، حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اگرچہ مسائل فقہیہ میں حضرت شیخ الہند کے مسلک پر نہ تھے مگر ختم نبوت کے لئے آپ کے ارشاد پر جان چھڑکتے تھے، حضرت شیخ الہند نے آپ کے ذریعہ پورے حلقہ اہل حدیث میں مرزائیت کے خلاف بیداری پیدا کر دی اور مولانا امرتسری نے مولانا ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا داؤد غزنوی کو بھی اس پلیٹ فارم پر لا کھڑا کر دیا۔ اور حضرت علامہ کشمیری نے اپنے علم و قلم اور تلامذہ کی پوری طاقت اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے وقف کر دی، اور قادیانیت کی تقریب سے اصول دین اور اصول تکفیر کی وضاحت ہو

ایسا تھی سرمایہ تیار فرمایا کہ قیامت تک اس طرح کے فتنوں کی سرکوبی کیلئے امت  
 اس سے روشنی حاصل کرتی رہے گی۔ حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے تلامذہ میں  
 حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب  
 حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری، حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی، حضرت  
 مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی، حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی، حضرت مولانا  
 حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری، حضرت مولانا  
 سید عطاء اللہ شاہ بخاری، حضرت مولانا چیراغ محمد صاحب گوجرانوالہ، حضرت  
 مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی، حضرت مولانا ابوالوفار صاحب شاہجہانپوری،  
 حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی، حضرت مولانا تھمس الحق صاحب انجانی،  
 حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، حضرت مولانا  
 حبیب الرحمن صاحب اعظمی اور دوسرے جلیل القدر علماء نے اس فتنہ کا بھرپور  
 تعاقب کیا۔ ہندوستان کے طول و عرض میں قریب قریب گھوم کر حق کی وضاحت کی  
 اور اس موضوع کے ہر پہلو پر اتنا لطیف و تیار کر دیا کہ اس کا کوئی گوشہ نشین  
 ..... نہیں ہے۔ فجزاہم اللہ عنا وعن سائر المسلمین ۝

تقسیم ہند کے بعد اس فتنہ نے سرزمین پاکستان کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا تو  
 وہاں بھی علماء دیوبند اور منتسبین دیوبند نے تمام طاقتیں اس حیریم مقدس کی حفاظت  
 کے لئے وقف فرما دیں۔ تاہم قادیانیت تاریخ انسانیت میں ایک بہتان اور افتراء  
 بن کر رہ گئی اور یہ کام خدا کے فضل و کرم سے تکمیل تک پہنچ گیا۔

**مجاہدین قوم** | علماء کرام کی جدوجہد سے قادیانیوں کو مرتد اور غیر مسلم اقلیت  
 قرار دیتے جانے کے بعد اب قادیانیوں نے ایسے مقامات کو منتخب کیا ہے۔ جہاں  
 انھیں اس سلسلہ میں سیاسی طور پر فرصت ملتا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اب ہندوستان



میں بھی ان کی سرگرمیوں میں تیزی آگئی ہے۔ جگہ جگہ مراکز قائم ہو رہے ہیں۔ کانفرنسیں منعقد کی جا رہی ہیں، اور اس فتنہ نے از سر نو مختلف انداز پر کام شروع کر دیا ہے۔ تعلق آباد دہلی میں مرزائیوں نے ایک وسیع و عریض جگہ خرید کر وہاں اپنا مرکز قائم کر لیا ہے۔ خرید کردہ زمین کا احاطہ بنالیا گیا ہے اور عارضی طور پر ایک مسجد ضرارتیت الشیاطین کی بنیاد ڈال کر اسلامی احمدی تبلیغی مشن کا بورڈ لگا دیا گیا ہے۔ بمبئی و کلکتہ میں ان کے مراکز پہلے سے قائم ہیں جن کی تجدید کے طاقور بنایا جا رہا ہے۔ میرٹھ میں بھی ایک دفتر قائم کر لیا ہے اور وہاں مرزائیوں کی ایک کانفرنس بھی منعقد ہو چکی ہے۔ اسی طرح چند ماہ قبل لکھنؤ میں بھی کانفرنس کر چکے ہیں، ہاتھرس ضلع علیگڑھ میں بھی مشن قائم کر لیا گیا ہے جس سے غریبوں میں مفت دوائیں بھی تقسیم ہو رہی ہیں اور طلبہ کو تعلیمی وظائف بھی دے جا رہے ہیں اور وہاں العیاذ باللہ متعدد خاندان قادیانیت کو قبول بھی کر چکے ہیں۔ اسی طرح فتحپور کا پور میں بھی مرزائیوں کی جدوجہد تیز ہوتی ہے اور کئی گھرانے قادیانیت کے پیٹ میں آ گئے ہیں۔ حیدر آباد و مالابار میں بھی مرزائیوں کی تنظیم جدید ہو رہی ہے۔ مرزائیوں کا شعبہ نشر و اشاعت بھی زندہ کیا گیا ہے اور ۱۹۸۲ء سے اب تک ان کی کئی نئی اور پرانی کتابیں طبع ہو کر سامنے آئی ہیں اور بہت سارے لٹریچر تیار کئے گئے ہیں۔ اخبار بدر قادیان میں از سر نو روح ڈالی جا رہی ہے۔ مرزائیوں نے اپنے کفر کی اشاعت کرنے کیلئے مبلغین کی تربیت کا کام بھی شروع کر دیا ہے۔ اور اس کے لئے آگرہ میں "سادھن" کے نام سے سینٹر کا قیام عمل میں آ گیا ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ دارالعلوم کے فرزندوں اور ہندوستان کے علماء کو اس مصلحت پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی جائے

اجلاس منعقد کرنا اگرچہ دارالعلوم کے بنیادی مقاصد میں نہیں ہے۔ لیکن جب ضرورت سامنے آئے اور حالات کا تقاضا ہو تو پھر اجلاس بلانا، اہل مشورہ اور ارباب



تعلق کو زحمت اجتماع دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مجلس شوریٰ منعقدہ ۱۹-۲۰-۲۱ شعبان ۱۴۰۹ھ نے فیصلہ کیا ہے کہ اس وقت سرزمین ہند پر قادیانیت کا عفریت پھر نچے گاڑنے کی تدبیریں کر رہا ہے۔ تو فوراً اس کا محاسبہ کیا جانا چاہئے اور اہل علم کو جمع کر کے اس کے تازہ پیرہن کو تار تار کرنے کی جدوجہد کو تیز کر دینا چاہئے۔

علماء والامتھام! اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے اسلاف امجاد نے اس موضوع کو پوری طرح مکمل فرما دیا ہے۔ لیکن عرصہ دراز سے ہندوستان میں چونکہ قادیانیت کی آواز مدہم پڑ گئی تھی۔ اس کی تردید کی جانب بھی کوئی توجہ نہیں تھی اور اکابر مرحومین کی تمام ہی کتابیں نایاب ہو گئی تھیں اس موقع پر دارالعلوم کی جانب سے چند کتابیں بھی شائع کی جا رہی ہیں اور ملادہ ہے کہ تازہ دم فضلاء کو اس فتنہ کی اہمیت سے آگاہ کر کے انھیں اس کی تردید کے لئے میدان میں اتار دیا جائے۔

اور اس کے ساتھ ہی صحیح افکار و عقائد کی نشر و اشاعت کے لئے بھی تاحق دور اپنی مساعی کو تیز کر دیا جائے۔ چونکہ یہ حقیقت اپنی جگہ ثابت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد انسانیت کی نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ انسانیت کا قافلہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائے۔

قابلِ صدا احترام بھائیو! اس موقع پر یکساں سول کوڈ کے مسئلے کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ابھی چند دن پہلے اس سلسلے میں بارکونسل آف انڈیا کے زیرِ اہتمام کنونشن کی جو باتیں سنے آئی ہیں ان کے سبب مسلمانوں کی پوری توجہ اس مسئلے کی طرف منعطف ہو گئی ہے

اس کنونشن میں جو پالیسی اختیار کی گئی اور جو طرزِ عمل سامنے آیا وہ مسلمانوں

کے لئے انتہائی دل آزار ہے۔ کیونکہ یکساں سول کوڈ کے بعد مسلم پرسنل لا کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی۔ اور مسلمانوں کے لئے مذہبی اور شرعی ہدایات کے خلاف کسی چیز کا قبول کرنا ممکن نہیں ہے۔

اس لئے دارالعلوم دیوبند، اس کے فرزند اور منتسبین غیر مبہم الفاظ میں اس سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں، اور اس کو مداخلت فی الدین قرار دیتے ہوئے اس کے ہر حال میں ناقابل قبول ہونے کو واضح کر دینا اپنا ملی اور مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس طرح کے تمام شرور و فتن سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

آخر میں احقر خدام دارالعلوم دیوبند کی جانب سے ہمانانِ گرامی قدر کا بصیم قلب شکریہ ادا کرنا اپنا فرائض سمجھتا ہے اور واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی کے لئے معذرت خواہ ہے اور امید کرتا ہے کہ حضرات محترمین نے جس طرح زحمت سفر برداشت کر کے کرمے پایاں کا ثبوت دیا ہے اسی طرح تفصیلات کے صرف نظر فرما کر بھی ممنون فرمائیں گے۔

والسلام

(حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند)

# ختم نبوت کی حقیقت

## اور حفاظت دین کے سلسلہ میں ہمارے بزرگوں کا موقف

از حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعلانی

حضرات کرام! آپ میرا حال دیکھ رہے ہیں، بیماری اور ضعف پیری سے نیم جان جسم آپ کے سامنے ہے۔ اس حال میں اپنی حاضری اور آپ حضرات کے درمیان موجودگی کو اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص کا کرشمہ اور اپنے لئے باعث سعادت سمجھتا ہوں اور اس اجلاس کے موضوع "ختم نبوت" کی نسبت کی قوت کشش کا ایک نمونہ۔

زندگی بھر کتاب و قلم سے واسطہ رہنے کے باوجود نہ علم آیا اور نہ قلم، اور اب تو آئے ہوئے علم کے جانے کا زمانہ ہے۔ رات ہی مجھے معلوم ہوا کہ اسی حال میں اتنے اہل علم حضرات کے سامنے اس اہم اجلاس کی پہلی نشست میں مجھے کچھ عرض کرنا ہے تو کوشش کی کہ چند مختصر اشارات قلبیہ کرادوں۔

محترم حضرات! نبوت و رسالت، انسان کی سب سے اہم بنیادی اور فطری ضرورت اور راہ سعادت کی طرف اس کی رہنمائی کی تکمیل کا خدائی انتظام ہے جو ابتدائے آفرینش سے چھٹی صدی عیسوی تک تو اس طرح جاری رہا کہ قوموں، علاقوں اور مختلف بنیادوں پر قائم ہونے والے انسانی مجموعوں معاشرہ کے لئے الگ الگ انبیاء و رسل کی بعثت مختلف زمانوں میں ہوتی رہی۔ پھر چھٹی صدی عیسوی میں



جب کہ انسانیت بلوغ کو پہنچ گئی، اور حکمت الہی کے نظر نہ آنے والے مسلسل عمل کے نتیجہ میں دنیا کے جغرافیائی، تمدنی، مواصلاتی اور ذہنی احوال اس طرح کے ہو گئے کہ پوری دنیا کو ایک رہنمائی کا مخاطب بنانا، اُسے ایک ہی مرکز ہدایت سے وابستہ کرنا ممکن ہو گیا اور قیامت تک کے لئے دین اور دین کے سرچشموں کتاب و سنت کی حفاظت کے اسباب پیدا ہو گئے۔ تب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مبارک سلسلہ کا خاتم اور عالمین کے لئے مبعوث فرما دیا گیا۔ اور گویا سیٹے کر دیا گیا کہ قیامت تک کے آنے والے زمانہ اور پورے کثرۃ ارض میں بسنے والے انسانوں میں سے کسی ایک فرد پر اب ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آئے گا جو نبوت اور اُس کے فیضان ہدایت سے خالی ہو۔ اس پہلو پر غور فرمایا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ختم نبوت اس نعمت عظمیٰ کے انقطاع اور اس کے فیض سے محرومی نہیں بلکہ اس کے دوام و تسلسل کا نام ہے۔

ختم نبوت کا ایک اور پہلو اس لائق ہے کہ اُسے اچھی طرح سمجھ کر عام کیا جائے۔ وہ یہ ہے کہ گذشتہ امتوں کے لئے نئے نبی کی آمد ایک شدید آزمائش ہو ا کرتی تھی۔ آنے والے نبی سے پہلے نبیوں کے ماننے والوں میں سے بہت کم لوگ اس کو قبول کرتے اور اس پر ایمان لاتے تھے۔ بڑی تعداد انکار و تکذیب اور کفر کا راستہ اختیار کر کے لعنتی اور جہنمی ہو جاتی تھی۔ سب سے آخری دو عظیم الشان رسولوں ہماری مثال سامنے رکھ لیجئے۔ اسرائیلی سلسلہ کے آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائے اور احیاء موتی جیسے معجزے لے کر تشریف لائے تو یہودیوں میں سے کتنے ان پر ایمان لائے اور کتنوں نے ان کو بھڑامی نبوت قرار دے کر لعنتی اور واجب القتل قرار دیا اور ان کی شرعی عدالت سے ان کو صولی کے ذریعہ سزائے موت دینے کا فیصلہ کیا۔ اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کی نبوت کو نہ مان کر اس وقت کی قریب قریب پوری یہودی امت لعنتی اور  
جہنمی ہو گئی۔

اسی طرح جب ان کے بعد سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
تشریف لائے تو اگرچہ آپ کے بارے میں واضح پیشین گوئیاں تورات و انجیل  
وغیرہ اگلی کتابوں میں موجود تھیں اس کے باوجود اگلے پیغمبروں اور  
ان کی اگلی کتابوں کے ماننے والے یہود و نصاریٰ میں سے بس چند ہی نے آپ کو  
قبول کیا اور آپ پر ایمان لائے باقی سب افکار و تکذیب اور کفر کا راستہ اختیار  
کر کے دنیا میں اللہ کی لعنت اور آخرت میں جہنم کے ابدی عذاب کے مستحق ہوئے  
پس اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم فرما کر  
اس امت محمدیہ پر یہ عظیم رحمت فرمائی کہ اس کو اس سخت ترین امتحان اور آزمائش  
سے محفوظ فرمادیا۔ اگر بالفرض نبوت کا سلسلہ جاری رہتا تو یقیناً وہی صورت  
ہوتی جو پہلے ہمیشہ ہوتی رہی تھی یعنی حضور کی امت کے بہت تھوڑے لوگ  
آنے والے نبی کو قبول کرتے اور زیادہ تر آپ کے امتی اس کا انکار کر کے (معاذ  
اللہ) کافر اور لعنتی ہو جاتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ حضور پر ختم  
فرما کر اس امت کو ہمیشہ کے لئے کفر اور لعنت کے اس خطرہ سے محفوظ فرمادیا۔  
اس لئے یہ ختم نبوت امت محمدیہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین رحمت ہے  
اس سلسلہ میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کے ذمہ پیغام الہی کی تبلیغ، اور اس کو قبول کرنے والوں کی تعلیم و تربیت کے کام  
کے علاوہ ایک کام یہ بھی تھا کہ ایک ایسی امت تیار کریں جو ان تینوں کاموں  
کو سمجھالے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کی تعمیر کا کمال کیا۔



کہ بعثت بعثت مزدوجہ تھی، یعنی آپ کی بعثت کے ساتھ آپ کی امت کی بھی بعثت ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں اس طرف اشارے بھی آئے ہیں کہ آپ کے بعد اللہ تعالیٰ آپ کی امت میں وقتاً فوقتاً ایسے بندے پیدا فرماتا رہے گا۔ جو آپ کے لائے ہوئے دین کی حفاظت و اشاعت اور اس کی صفائی و آبکاری کی خدمت انجام دیتے رہیں گے۔ آپ کے ایک ارشاد کے الفاظ ہیں۔

ان الله يبعث لهذه الامة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها۔ ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں۔

يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتأويل الجاهلين،

ایک اور ارشاد کے الفاظ ہیں۔ "لكل قون سابق"

ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں۔

"بدأ الاسلام غريباً وسيعود غريباً فطوبى للغرباء قبل من الغرباء يا رسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم) قال الذين يصلحون ما افسد الناس من امتي"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سب ارشادات کا حاصل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دور میں آپ کی امت میں ایسے افراد پیدا فرماتا رہے گا جو آپ کے لائے ہوئے دین کی حفاظت و اشاعت اور تجدید و صفائی کا کام کرتے رہیں گے گزشتہ چودہ سو سال میں دین کی جو خدمات ہوئی ہیں وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی نبوی کی عملی تطبیق ہیں۔



محققین کا خیال ہے کہ ہزارہ دوم کے آغاز سے اس عظیم کام کا خصوصی مرکز حکمت الہی نے سرزمین ہند کو بنایا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سے یہاں اس زریں سلسلہ کا آغاز ہوا۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے جو بڑے بڑے کام نئے ان میں اکبر کے دین الہی کا خاتمہ سرفہستہ ہے۔ جو ایسا فنا ہوا کہ اب تلاش کرنے سے اس کا ذکر صرف تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے۔ اس کے علاوہ توحید و سنت کی اشاعت، شرکانہ رسوم و بدعات کے خلاف جہاد تزکیہ و احسان کے صاف ستھرے نظام کی ترویج۔ بگڑے ہوئے تصوف کی بیخ کنی اور شیعیت کے فتنہ سے اس دور کے مسلمانوں کو بچانے کی جد جہد ان کے چند اہم تجدیدی کارنامے ہیں۔

ان کے بعد یہ امانت بارہویں صدی میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد ہوئی۔ ان کے زمانے میں ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں پر سخت حالات تھے۔ باہمی تفرقہ و انتشار بہت زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اصرار کی وجہ سے مسلمانوں کے مختلف حلقوں اور مکاتب فکر کی صلاحیتیں باہم ایک دوسرے کی تردید و تفصیل ہی پر صرف ہو رہی تھیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے وہ تمام کام کئے جن سے ملت اسلامیہ ہند یہ کی تعمیر نو ہو سکے اور اس کی صفوں میں اتحاد اور قدموں میں ثبات پیدا ہو۔ اور ذوق و مزاج عملی اور مثبت ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے وقت کے فتنوں اور اسلام کو درپیش داخلی و خارجی خطروں پر کڑی نظر رکھی۔ یہاں خاص طور پر روضہ شیعیت کے سلسلہ میں ان کے کام کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ خود دو کتابیں تصنیف کیں (۱) ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء (۲) قرۃ العینین فی تفصیل الشیخین، بلکہ حضرت مجدد الف ثانی کے اس رسالہ کا عربی ترجمہ بھی کیا جو انھوں نے شیعوں کی تکفیر کے سلسلہ

میں علامہ خسر اسان کے فتوے کی تائید میں لکھا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے متصلاً بعد ان کے صاحبزادہ گرامی حضرت شاہ عبدالعزیز کا زمانہ آیا اس زمانہ کے حالات کا اندازہ آپ جیسے اہل علم و نظر حضرات صرف اس سے لگا سکتے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے زمانہ میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تھا۔ لیکن اپنے تمام دوسرے کاموں کے ساتھ جن میں رجاں کاری تیاری کا کام سب سے زیادہ اہم تھا۔ انھوں نے بھی شیعیت کے فتنہ سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے "تحفۃ اثنا عشریہ" جیسی کتاب تصنیف فرمائی جو انشاء اللہ اس راہ میں قیامت تک مسلمانوں کی رہنمائی کرتی رہے گی۔ پھر حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اپنے تمام کاموں کے ساتھ جن میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے میدان کارزار کا سجانا سرفہرست ہے شرک و بدعات کی بیخ کنی کا کام پورے اہتمام کے ساتھ جاری رکھا۔

پھر وہ وقت آیا کہ مغلیہ حکومت کا اگرچہ کچھ نام باقی تھا لیکن فی الحقیقت وہ ختم ہو چکی تھی۔ اس کی جگہ "سرکار ایسٹ انڈیا کمپنی" کا اقتدار قائم ہو چکا تھا، اس وقت مسلمانوں کی سیاسی مغلوبیت اور کمزوری کے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر عیسائی مبلغین کی ایک فوج میدان میں آگئی۔ انھوں نے سمجھا تھا کہ اس وقت مسلمانوں کو عیسائی بنالینا آسان ہو گا۔ انھوں نے تحریر و تقریر سے تبلیغی مہم وسیع پیمانے پر شروع کر دی تو ہمارے سلسلہ کے اکابر میں سے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب انوار و دیگر علمائے کرام نے ایسا مقابلہ کیا۔ جس نے عیسائی مبلغین کو ہمیشہ کیلئے پسپا اور خاص کر مسلمانوں کی طرف سے مایوس کر دیا۔ اس کے کچھ ہی بعد سوامی دیانند کی آریہ سماجی تحریک وجود میں آئی انھوں نے بھی اسلام اور مسلمانوں کو اپنا نشانہ بنایا۔ حضرت مانو توئیؒ نے تحریک و تقریر سے اس کا بھی مقابلہ کیا۔



اسی دور میں یورپ کے سیاسی غلبہ اور اقتدار کے نتیجہ میں عقلیت اور روشن خیالی کے خوبصورت ناموں سے دہریت اور نیچریت کا فتنہ اٹھا۔ الشریعہ الی کی خاص توفیق سے حضرت نانوتویؒ نے اس طرف بھی خاص توجہ فرمائی اور اپنی تصانیف اور تفسیروں سے ثابت کیا کہ اسلام کے تمام بنیادی عقائد و مسائل عقل و فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اور جو اس کے خلاف ہے وہی خلاف عقل و فطرت ہے۔

پھر ان خارجی حملوں اور فتنوں کے دفاع اور مقابلہ کے ساتھ شیعیت کی مخالفت کے خلاف بھی آپ نے لسانی اور قلمی جہاد کیا۔ اس سلسلہ میں آپ کی مستقل تصنیف "ہدایۃ الشیعہ" اور اس موضوع سے متعلق آپ کے مکتوبات حضرات اہل علم کے لئے قابل مطالعہ ہیں۔ اس کے علاوہ تعلیمات نبویؐ اور دین کی حفاظت و اشاعت کا سلسلہ جاری رہنے کیلئے دینی مدارس کے قیام کی طرف بھی خاص توجہ فرمائی۔ علیٰ مذا۔

آپ کے رفیق خاص حضرت گنگوہیؒ نے بھی عمر بھر شیعیت اور دوسرے داخلی فتنوں اور گمراہیوں شرکائے رسوم و بدعات سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے جدوجہد فرمائی۔ اور اس کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھا۔ انہی کے زمانہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کا فتنہ شروع ہوا۔ ابتداء میں جب تک حضرت کے علم میں اس کی وہ باتیں اور دعوے نہیں آئے جن کی وجہ سے اس کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا فرض و واجب ہو گیا۔ آپ نے احتیاط فرمائی۔ لیکن جب اس کے ایسے دعوے سامنے آ گئے۔ جن کے بعد کفرِ بے ان کی بھی گنجائش نہ رہی تو حضرت نے اس کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔

حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے بعد ان کے تلامذہ و مسترشدین،



حضرت شیخ الہند حضرت سہارنپوری، حکیم الامت حضرت تھانویؒ، پھر ان کے تلامذہ  
 و مستشرقین، حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا سید محمد رفیع حسن  
 چاندپوری، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا  
 محمد زکریا صاحب کاندھلوی (رحمہم اللہ تعالیٰ) یہ سب حضرات بھی اپنے اکابر و اسلاف  
 کے نقش و قدم پر چلتے ہوئے، خارجی جملوں اور داخلی فتنوں سے دین کی حفاظت  
 علوم نبوی کی اشاعت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور امت کی اصلاح و ارشاد  
 کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اس وقت بھی ہم میں بڑی تعداد ان لوگوں کی  
 ہے۔ جنہوں نے ان اکابر کی دینی غیرت و حمیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے  
 ہم شہادت دیتے ہیں کہ کوئی بڑی سے بڑی مصلحت ان حضرات کو کسی فتنے سے  
 سمجھوتہ اور کسی زینغ و ضلال کو نظر انداز کرنے اور اس سے چشم پوشی پر آمادہ نہیں  
 کر سکتی تھی۔ بارہا ہم نے دیکھا اور تجربہ کیا کہ ہمارے یہ اکابر کسی مسئلہ کی طرف  
 بڑی شدت سے متوجہ ہوئے جو ہم جیسے کوتاہ نظروں کی نگاہ میں اس شدت کا  
 مستحق نہیں تھا۔ لیکن تھوڑے ہی دن بعد سامنے آگیا کہ ہم جس فتنہ کو بہت  
 معمولی سمجھ رہے تھے۔ یا اس کو دین میں رخنہ اور فتنہ ہی نہیں سمجھ رہے تھے وہ  
 دین کے لئے ایسے زہریلے برگ و بار لایا کہ الامان، الحفیظ !

یہ اجلاس تحفظ ختم نبوت کے عنوان سے بلایا گیا ہے اور یہی اس کا اصل  
 موضوع اور مقصد ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارے استاذ امام العصر حضرت مولانا  
 محمد انور شاہ قدس سرہ سے خاص طور سے اس دارالعلوم کی صدارت و تدریس  
 کے دور میں، اللہ تعالیٰ نے جو کام لیا اور اس کے بارے میں ان کا جو حال تھا جس  
 کی طرف کچھ اشارہ اجلاس کے دعوت نامہ میں بھی کیا گیا ہے، میں مناسب بلکہ  
 ضروری سمجھتا ہوں کہ اس موقع پر آپ حضرات کے سامنے اس کا کچھ ذکر کروں،

میں اس کا عینی شاہد ہوں۔

اس وقت میں اس سلسلہ کی حضرت کی تعریف اور ان کی علمی عظمت و اہمیت کا ذکر نہیں کروں گا۔ اسی طرح حضرت کی توجہ اور فکر مندی سے آپ کے تلامذہ کی جو ایک بڑی تعداد قادیانی فتنہ کے خلاف تحریر و تفسیر کے ذریعہ علمی جہاد کے لئے تیار ہو کر میدان میں آگئی تھی، اس کا بھی ذکر نہیں کروں گا۔ پس چند واقعات ذکر کروں گا۔ جن سے اس فتنہ کے بارے میں حضرت کی شدتِ احساس اور قلبی اضطراب کا کچھ اندازہ لگایا جاسکے گا۔

۱۳۳۵ھ میں یہاں دورہ حدیث کا طالب علم تھا، یہ دارالعلوم دیوبند میں حضرت کی صدارت تدریس اور درس حدیث کا آخری سال تھا جس دن دورہ حدیث کے طلبہ کا سالانہ امتحان ختم ہوا اس دن حضرت نے بعد نماز عصر مسجد میں دورہ سے فارغ ہونے والے ہم طلبہ کو خصوصی خطاب فرمایا، وہ گویا ہم لوگوں کو حضرت کی آخری وصیت تھی۔ اس میں دوسری اہم باتوں کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ ہم نے اپنی عمر کے پورے تیس سال اس میں صرف کئے کہ یہ اطمینان ہو جائے کہ فقہ حنفی حدیث کے خلاف نہیں ہے۔ الحمد للہ فیما بیننا و بین اللہ اس پر پورا اطمینان ہو گیا کہ فقہ حنفی حدیث کے خلاف نہیں ہے۔ اگر کسی مسئلہ کے خلاف کوئی حدیث ہے تو کم از کم اسی درجہ کی حدیث اس کی تائید اور موافقت میں موجود ہے۔

لیکن اب ہمارا احساس ہے کہ ہم نے اپنا یہ وقت ایسے کام پر صرف کیا جن پر زیادہ ضرورت نہیں تھا۔ جو کام زیادہ ضروری تھے ہم ان کی طرف توجہ نہیں کر سکے اس وقت جبکہ زیادہ ضروری کام دین کی اہمیت کی فتنوں سے حفاظت ہے جو بلاشبہ فتنہ ارتداد ہے میں آپ لوگوں کو وصیت کرتا ہوں کہ ان فتنوں سے امت کی



اور دین کی حفاظت کے لئے اپنے کو تیار کریں یہ اس وقت کا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ آپ اس کے لئے اُردو تفسیر و تقریر میں مہارت پیدا کریں، اھم جن کیلئے انگریزی میں مہارت حاصل کرنے کا امکان ہو وہ انگریزی میں مہارت پیدا کریں۔ ملک کے اندر ان فتنوں کا مقابلہ اُردو میں کیا جاسکتا ہے۔ اور ملک کے باہر انگریزی کے ذریعہ۔ حضرت الاستاذ قدس سرہ سے یہ ارشاد سُننے ساٹھ سال سے زیادہ ہو چکے ہیں۔ الفاظ میں تو یقیناً فرق ہو گا۔ لیکن الطینان ہے کہ حضرت کا پیغام اور ہم لوگوں کو وصیت یہی تھی۔

حضرت اپنے خطابات اور تقریروں میں قادیانی فتنہ پر گفتگو فرماتے ہوئے اکثر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس غیر معمولی حال اور اضطراب کا ذکر فرماتے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد کے فتنوں خاص کربوت کے مدعی میلہ کذاب کے فتنہ کے سلسلے میں آپ پر طاری تھا۔ ہم لوگ محسوس کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قادیانی فتنہ کے بارے میں کچھ اس طرح کا حال ہمارے حضرت الاستاذ پر طاری فرمادیا ہے۔

یہاں میں فتنہ قادیانیت کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب سے متعلق مہمست بھاولپور کے تاریخی مقدمہ کا واقعہ بھی ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ یہ مقدمہ بھاولپور کی جج کی عدالت میں تھا۔ ایک مسلمان خاتون نے دعویٰ کیا تھا کہ میرا نکاح فلسطانی شخص سے ہوا تھا۔ اس نے اپنے کو مسلمان ظاہر کیا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ قادیانی ہے اس لئے وہ کافر ہے۔ عدالت میرے اس نکاح کو فسخ اور کالعدم قرار دے بھاولپور کے ظہار کرام نے اس مقدمہ کی پیروی کا فیصلہ کیا، اس سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب کو بھی دعوت دی گئی کہ وہ تشہید لائیں اور عدالت میں بیان دیں۔ اس وقت حضرت عمر ریض اور مرصی کی وجہ سے بہت



ضعیف و نحیف تھے بالکل اس لائق نہ تھے کہ بھاؤلیپور تک کا طویل سفر فرمائیں لیکن آپ نے اسی حال میں تشریف لے جانے کا فیصلہ فرمایا (میں نے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ میرے پاس کوئی مسئلہ نہیں ہے جس سے نجات کی امید ہو، شاید اس حال میں یہ سفر ہی میری نجات و مغفرت کا وسیلہ بن جاتے)، بہر حال تشریف لے گئے۔ اور جا کر عدالت میں بڑا معرکہ الارار سپان دیا، دوسرے چند حضرات علامے کرام کے بھی بیانات ہوئے۔ خاص کر حضرت شاہ صاحب کے بیان سبے فاضل جج کو مطمئن کر دیا کہ قادیانی ختم نبوت کے انکار اور مرزا غلام احمد کو نبی ماننے کی وجہ سے دائرۃ اسلام سے خارج کا فرد مرتد ہیں۔ انھوں نے بہت مفصل فیصلہ لکھا، دعویٰ کرنے والی مسلم خاتون کے حق میں ڈگری دی۔ اور نکاح فسخ اور کالعدم قرار دیا۔ فاضل جج کا یہ فیصلہ قریباً ڈیڑھ سو صفحات کی کتاب کی شکل میں اسی زمانہ میں "فیصلہ مقدمہ بھاؤلیپور کے نام سے شائع ہو گیا تھا۔ اس کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بڑی بنیاد حضرت شاہ صاحب کا بیان تھا۔ بطلانِ حکومت کے دور میں یہ پہلا عدالتی فیصلہ تھا جس میں قادیانیوں کو کافر اور غیر مسلم قرار دیا گیا تھا۔

فتنہ قادیانیت کے ہی سلسلہ میں ایک واقعہ حضرت شاہ صاحب کے جلال کا بھی سن لیجئے۔ دورہ حدیث کے ہمارے ہم سبق طلبہ میں ضلع اعظم گڑھ کے بھی چند حضرات تھے۔ اسی زمانہ میں ضلع اعظم گڑھ کے ایک صاحب جو قادیانی تھے، بہار پور میں حکومت کے کسی بڑے عہدہ پر آگئے وہ ایک دن اپنے ہم ضلع اعظم گڑھ ہی طلبہ سے ملنے کے لئے دسکن فی الحقیقت ان کو جال میں پھانسنے کیلئے ہمارے علوم آئے، ان طلبہ نے ان کی اچھی خاطر مدارات کی، وہ شکار کے بہانے ان میں سے بعض کو اپنے ساتھ لے گئے۔ حرات کو دارالعلوم والیں گئے، حضرت شاہ صاحب کو

کسی طرح اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی۔ حضرت کو ان طلبہ کی اس دینی بے حمیت سی سخت قلبی اذیت ہوئی، ان طلبہ کو اس کا علم ہوا تو ان میں سے ایک سعادت مند طالب علم غالباً معافی مانگنے کے لئے حضرت کی خدمت میں پہنچ گئے حضرت پر جلال کی کیفیت ظاہری تھی۔ قریب میں چھڑی رکھی تھی اس سے ان کی خوب پٹائی کی (یہ فاروقی شدت فی امر اللہ کا ظہور تھا) ہمارے وہ ہم سبق طالب علم بڑے خوش اور مسرور تھے اور اس پر فخر کرتے تھے کہ ایک غلطی پر حضرت شاہ صاحب کے ہاتھ سے پٹنے کی سعادت ان کو نصیب ہوئی۔ جو حضرت کے ہزاروں شاگردوں میں سے غالباً کسی کو نصیب نہ ہوئی ہوگی۔ کیوں کہ حضرت فطری طور پر بہت ہی نرم مزاج تھے۔ ہم نے کبھی ان کو غصہ کی حالت میں نہیں دیکھا۔

آخر میں اپنا ایک ذاتی واقعہ ذکر کرنا بھی مناسب سمجھتا ہوں۔ میرے اصل آبائی وطن سنبھل سے قریباً پندرہ میل کے فاصلہ پر ایک موضع ہے اس موضع میں چند دولت مند گھرانے تھے، والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے ان لوگوں کے تجارتی اور کاروباری تعلقات تھے جس کی وجہ سے ان کی آمد و رفت رستی تھی۔ میں جب شعبان ۱۳۸۷ھ کے اواخر میں دارالعلوم کی تسلیم سے فارغ ہو کر مکان پہنچا تو میرے بڑے بھائی صاحب نے بتلایا کہ اس موضع والوں کے کوئی رشتہ دار امر وہ میں ہیں جو قادیانی ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ برابر وہاں آتے ہیں اور قادیانیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اور دعوت دیتے ہیں اور لوگ متاثر ہو رہے ہیں۔ اور سنا ہے کہ اس کا خطرہ ہے کہ بعض لوگ قادیانی ہو جائیں۔ میں نے عرض کیا کہ وہاں چلنا چاہئے۔ آپ پر وگرام بنائیے! میرے یہ بھائی صاحب مرحوم عالم تو نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے دین کی بڑی فکر عطا فرمائی تھی۔ چند دن کے بعد انہوں نے بتلایا کہ معلوم ہوا ہے کہ امر وہ کا وہ قادیانی (جس کا نام بھائی صاحب تھا)



فلاں دن وہاں آنے والا ہے۔ بھائی صاحب نے اس سے ایک دن پہلے پہنچے گا پروگرام بنایا۔ رمضان مبارک کا مہینہ تھا، ہم اپنے پروگرام کے مطابق پہنچ گئے۔ لوگوں نے ہم نے باتیں کیں تو اندازہ ہوا کہ بعض لوگ بہت متاثر ہو چکے ہیں، بس اتنی ہی کسر ہے کہ ابھی بات سارہ قادیانی نہیں ہوئے ہیں۔ جب ہم نے قادیانیت کے بارے میں ان لوگوں سے گفتگو کی تو انھوں نے بتلایا کہ امروہہ سے عبدالسمیع صاحب آنے والے ہیں آپ اُن کے سامنے یہ باتیں کریں۔ ہم نے کہا یہ تو بہت ہی اچھا ہے ہم ان سے بھی بات کریں گے۔ اور ان کو بھی بتلائیں گے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کیسا آدمی تھا اور اس کو نبی ماننا گمراہی کے علاوہ کتنی بڑی حماقت ہے۔ اس گفتگو کے دو مہینے وہاں کے ایک صاحب نے (جو کچھ پڑھ لکھے) اور عبدالسمیع کی باتوں سے زیادہ متاثر تھے، بتلایا کہ وہ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی سے مناظرہ کر چکا ہے۔ اور امروہہ کے سب بڑے بڑے عالموں سے بحث کر چکا ہے اور سب کو لا جواب کر چکا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ بات سن کر میں بڑی فکر میں پڑ گیا اور دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی تجربہ کاری اور چرب زبانی سے لوگوں کو متاثر کر لے میں نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ میری مدد اور انجام بخیر فرمائے۔ میں اسی حال میں سو گیا۔ خواب میں حضرت استاذ قدس سرہ کو دیکھا۔ آپ نے کچھ فرمایا جس سے دل میں اعتماد اور یقین پیدا ہو گیا کہ بڑے سے بڑا کوئی قادیانی مناظرہ آجائے تب بھی میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ حق کو غالب اور اس کو مغلوب فرمائے گا۔ اس کے بعد میری آنکھ کھلی تو الحمد للہ میرے دل میں وہی یقین و اعتماد تھا۔ لیکن امروہہ سے وہ قادیانی عبدالسمیع نہیں آیا۔ ہم نے کہا کہ اب جب کبھی وہ آئے تو ہم کو اطلاع دیجو ہم انشائے اللہ آئیں گے۔ اس کے بعد ہم نے لوگوں کو بتلایا اور سمجھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا یا کسی دعویٰ کرنے والے کو نبی ماننا



صریح کفر و ارتداد ہے اور مرزا قادیانی کے بارے میں بتلایا کہ وہ کیسا آدمی تھا ہم بفضلہ تعالیٰ وہاں سے اس اطمینان کے ساتھ واپس ہوئے کہ انشاء اللہ شراب یہاں کے لوگ اس قادیانی کے جال میں نہیں آئیں گے۔ خواب میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھے دکھایا اس کو میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف بشارت اور حضرت شاہ صاحب کی کرامت سمجھا۔

محترم حضرات! حضرت شاہ صاحب کے یہ چند واقعات تو میں نے صرف اس لئے بیان کئے کہ اس دارالعلوم کے اکابر میں اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کے تحفظ کا اور قادیانی فتنہ کے خلاف جہاد کا (جو اس اجلاس کا خاص موضوع ہے) سب سے زیادہ کام انہی سے لیا۔ ورنہ میں تاریخی تسلسل کی روشنی میں عرض کر رہا تھا کہ ہمارے اس سلسلہ مجددی ولی اللہی اور سلسلہ قاسمی و گنگوہی کی ایک خصوصیت توفیق خداوندی ہر قسم کے فتنوں اور ہر قسم کی تحریف سے دین اور امت کی حفاظت، اور اس سلسلہ میں پوری بیداری، ہوشیاری اور صلابت مضرت رہی ہے۔ ہمیں یہ فکر ہونی چاہئے کہ یہ مزاج اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ زندہ اور قائم رہے اور ہماری ان نسلوں کو منتقل ہو جو ہمارے مدارس میں تیار ہو رہی ہیں۔

میں اس موقع پر آپ حضرات سے اپنا یہ احساس عرض کروں یا ضروری سمجھتا ہوں کہ وقت کا بہت اہم مسئلہ یہ ہے کہ امت کے عوام ہی میں نہیں بلکہ ان میں جن کو خواہ سمجھا جاتا ہے۔ ایک بڑی تعداد ہے جو دین کے بنیادی عقائد و حقائق کے بارے میں بھی، تسامح، تساہل اور چشم پوشی کے رویہ کو اچھے اچھے نام دے کر اختیار کرتی جا رہی ہے۔ خطرہ یہ ہے کہ وہ ایمانی غیرت و حمیت اور وہ دینی حس جو اکثر بڑے بڑے فتنوں کے مقابلہ میں مایہ ناز دین کی مددگار رہی

کہیں وہ اتنی مضحکہ خیز نہ ہو جائے کہ پھر اس کے بعد آپ کو دوطرفہ کام کرنا پڑے۔ ایک تو آپ کو ان فتنوں کا مقابلہ کرنا پڑے۔ اور دوسری طرف امت کو بلکہ ان کے خواص کو اس بات پر مطمئن کرنے پر اپنی توانائی صرف کرنی پڑے کہ عقیدہ اور دین پر کسی اور شے کو مقدم کرنا ہمارے دین کے خلاف ہے اگر یہ اجلاس ختم نبوت کے خلاف ہونے والی صریح اور پوشیدہ بغاوتوں اور اسی طرح دوسرے فتنوں کے مقابلہ کے لئے اپنے اکابر و اسلاف کی رہنمائی کو زندہ کرنے کی کوشش کا نقطہ آغاز بن جائے اور مدارس کے فضلاء کی ایسی جامع تربیت کا ایسا پروگرام شروع کرنے کا فیصلہ کر دے جس کے ذریعہ انھیں دین کی حفاظت اور فتنوں کے مقابلہ کے لئے تیار کیا جائے تو میرے خیال میں یہ اجلاس کی افادیت کا ایک عملی ثبوت ہو گا۔

آخری کلمہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ہے۔ اللہم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم واجعلنا منہم واخذل من خذل دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجعلنا منہم۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

# قادیانیت اسلام کے متوازی ایک جدید مذہب

از مولانا حبیب الرحمن قاسمی

۱۸۵۷ء کے بعد اگر ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط مکمل طور پر قائم ہو گیا تھا۔ اور ان کا پنجہ استبداد ملک کو اپنی گرت میں لے چکا تھا۔ پھر بھی حکومت برطانیہ اس خطرے سے بے نیاز نہیں تھی کہ ہندوستانی قوم بالخصوص مسلمان جن سے انگریزوں نے ملک کی زمام اقتدار چھینی تھی اگر متحد و متفق ہو گئے تو اپنے اس غاصبانہ تسلط کو برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ اس لئے آئین جہانداری کی رو سے ضروری سمجھا گیا کہ ان کے ذہنی مشغلہ اور روحانی توجہ کیلئے نہ صرف مذاہب عالم کو آپس میں ٹکرا دیا جائے۔ بلکہ ہر مذہب میں نئے نئے فرقے پیدا کئے جائیں۔ اور پھر ہر فرقے میں نئی نئی قلیں لٹکا کر ہندوستان کو مذاہب و افکار کی آویزش کی ایک آماجگاہ بنا دیا جائے۔ تاکہ آوازہ حریت بلند کرنے کی کسی کو فرصت ہی نہ ملے اور اگر کسی گوشے سے یہ آواز اٹھے بھی تو اس افراقی غلغلہ کے شور میں دب کر رہ جائے۔

چنانچہ انگریزوں کی نگاہ دور میں نے مسلمانوں کے اندر مذہبی رنگ میں افراق و انتشار پیدا کرنے کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی کا انتخاب کیا جس کے



بعد آسمان مغرب سے مرزا پر وحی خفی و حلی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جس کے ذریعہ  
نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مقابل امتوازی  
ایک جدید شریعت امت کے سامنے پیش کی گئی۔ اس طرح مسلمانوں کے  
اندر ایک نئے فرقہ کا اضافہ ہو گیا۔ اور یہی شاہانِ فرنگ کا عین مطلوب و  
مقصود تھا۔

یہ فتنہ انگریزوں کی درپردہ سازش سے اس قوت کے ساتھ اٹھایا گیا تھا۔  
کہ اگر علمائے اسلام اس کے مد مقابل ڈٹ نہ جاتے تو جس طرح سینٹ پال نے  
دین مسیحیت کو ایک تین اور تین ایک کے غیر معقول فلسفہ میں الجھا کر وحدانیت سے  
شُرک کی راہ پر ڈال دیا۔ ٹھیک اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی وحی و الہام  
کے پُر فریب دعوؤں کے ذریعہ دین اسلام کو مسخ کر کے الحاد و دہریت کا ترجمان  
بنادیتے۔

اس مختصر مقالہ میں مرزا غلام احمد کی اسی ناپاک کوشش کے دس نمونے پیش  
کئے گئے ہیں۔ پورے مقالہ میں اس بات کا بطور خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ اپنی  
طرف سے کچھ کہنے کے بجائے قرآن و سنت سے ماخوذ اسلامی عقائد و احکام....  
اور اس کے بالمتقابل.... امتوازی مذہبِ مرزائی کے مزعمات خود بانی مذہب  
مرزا قادیانی کی زبان سے پیش کر دئے جائیں۔

اسلامی شریعت کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ رسالت مآب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
خاتم النبیین ہیں آپ کی ذات و ملاصفات پر مراتبِ نبوت ختم ہو گئے۔  
اللہ جل مجدہ کا ارشاد ہے۔

محمد رسول اللہ تمہارے رسول  
میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ  
مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن

مَلَايِلَ عَقِيدَةٍ

رسول اللہ و خاتم النبیین (آخرؑ) لیکن انبیاء کے خاتم اور آخری نبی ہیں۔  
 قدیم ترین مفسر امام ابن جریر طبری متوفی ۳۴۰ھ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں  
 لکھتے ہیں۔

وَالْكُنْهُ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ الَّذِي خَتَمَ النَّبُوَّةَ فَطُبِعَ عَلَيْهَا فَلَا  
 تَفْتَحُ لِأَحَدٍ بَعْدَهُ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ،، (جامع البیان فی تفسیر القرآن ص ۲۲)  
 آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں یعنی ایسے شخص ہیں جس نے نبوت کو ختم  
 کر دیا اور اس پر مہر لگا دی آپ کے بعد اب قیامت تک کسی کے لئے یہ نہیں  
 کھولا جائے گا۔

محقق حافظ عماد الدین ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ تحریر کرتے ہیں۔

هَذِهِ الْآيَةُ نَصٌّ فِي أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ وَإِذَا كَانَ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ فَلَا رَسُولَ بِالطَّرِيقِ  
 الْأُولَى وَالْآخِرَى لِأَنَّ مَقَامَ الرِّسَالَةِ اخْصَ مِنْ مَقَامِ النَّبُوَّةِ فَإِنَّ كُلَّ رَسُولٍ  
 نَبِيٌّ وَلَا يَنْعَكُسُ - وَبِذَلِكَ وَرَدَتْ الْأَحَادِيثُ الْمَتَوَاتِرَةُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حَدِيثِ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ  
 (تفسیر ابن کثیر ص۔)

یہ آیت اس بارے میں نص صریح ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد  
 کوئی نبی نہیں ہو سکتا اور جب کوئی نبی نہ ہوگا تو رسول بدرجہ اولیٰ نہ ہوگا۔ کیونکہ  
 رسالت کا مرتبہ نبوت کے مرتبہ سے خاص ہے ہر رسول کا نبی ہونا ضروری ہے اور ہر  
 نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں۔ اس مسئلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث  
 متواترہ بھی حضرات صحابہ سے منقول ہیں۔

امام مخشری، قاضی ابوسعود، امام نسفی، علامہ سید آلوسی وغیرہ مشاہیر علمائے  
 تفسیر نے بھی اپنی اپنی تفسیروں میں باختلاف الفاظ یہی بات لکھی ہے البتہ بعض محشری



اور قاضی ابو سعور نے اس موقع پر ایک شبہ کا جواب بھی دیا ہے۔ شبہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علی نبیہا علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں نزول اجلال فرمائیں گے۔ تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء اور آخری نبی کیسے ہو سکتے ہیں۔ امام زرخشری اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ ”معنی کونہ آخر الانبیاء ائہ لا ینباء احد بعدہ لا وعیسیٰ (علیہ السلام) مہن نبی قبلہ“ آخر الانبیاء کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں بنایا جائے گا اور عیسیٰ علیہ السلام ان حضرات انبیاء میں ہیں جنہیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے منصب نبوت سے سرفراز کر دیا گیا ہے صحابی رسول حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

سیکون فی امتی کذابون ثلاثون  
میری امت میں تیس ایسے جھوٹے  
کلہم ریزعم انہ نبی وانا خاتم  
پیدا ہوں گے جن میں ہر ایک یہ دھوی  
النبیین لا نبی بعدی۔  
کرے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں  
(ابوداؤد ۲۳ ج ۲ و ترمذی ۲۵ ج ۲) خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی کسی  
قسم کا نبی نہیں ہو سکتا۔

مشہور شارح حدیث حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں  
لیس المراد بالحدیث من ادعی النبوة مطلقاً فانہم لا یحصون کثرة  
لکن خالیہم ینشأ لہم ذالک من جنون و سودا و انما المراد من قاحت  
لہ الشریکۃ رفتح الباری ۳ ج ۱۴

اس حدیث پاک میں مطلقاً مدعی نبوت مراد نہیں کیونکہ ایسے (مطلوبہ) ہزار ہیں۔ کیونکہ یہ بے بنیاد دھوی بالعموم یا کل بن اور سوداوت کے طبقے سے



وجود میں آتا رہتا ہے بلکہ اس حدیث میں جن تین سو لوگوں (و کذاب کا ذکر ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں پیروکاروں کی کثرت اور شوکت حاصل ہو جائے۔

اسی مفہوم کی حدیث، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، صحیح ابن حبان، ابویعلیٰ اور مستدرک حاکم میں علی الترتیب ابوہریرہ، سعد بن ابی وقاص، عقبہ بن عامر، جبیر بن مطعم، ابوامامہ باہلی، ابوذر غفاری، انس بن مالک، تمیم داری اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم کی روایت سے منقول ہے۔ اس لئے معنوی طور پر یہ حدیث متواتر ہے کیونکہ ائمہ اصول حدیث کی تصریح کے مطابق جو حدیث دس حضرات صحابہ سے مروی ہو وہ حد تو ترکو پہنچ جاتی ہے۔

کتاب و سنت کے ان نصوص کی بنا پر محقق ابن نجیم لکھتے ہیں: اذالم یعرف ان محمداً آخر الانبیاء فلیس بمسلم لانه من ضروریات الدین۔  
 (الاشبال والنظارہ ص ۱۳۸) جب کوئی اس کا معترف نہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء ہیں تو وہ مسلمان نہیں ہے کیونکہ یہ ضروریات دین سے ہے جس کا عدم اعتراف مسلمان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ ملا علی قاری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعوی نبوت کرنے والے کے کفر پر اجماع نقل کرتے ہیں۔  
 (شرح فقہ اکبر ص ۲۰۲)

ان تفصیلات سے معلوم ہو گیا کہ نبی کتاب و سنت اور باجماع علماء اہل امت ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں آپ کے بعد دعویٰ نبوت کرنے والا بالفاظ حدیث و جہاں، کذاب ہے اور باتفاق علماء دین مرتد و کافر ہے۔ یہ بات بھی اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے اسی مسئلہ پر اجماع ہوا ہے۔

اس بنیادی و اجماعی عقیدہ کے برخلاف مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے ماننے

والوں کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم نہیں ہوتی ہے آپ کے بعد بھی نبوت کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور خود مرزا غلام احمد اس وقت منصب نبوت پر فائز ہیں۔ آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی کی چند عبارتیں ملاحظہ ہوں۔  
لکھتے ہیں۔

(۱) "خدا وہ خدا ہے کہ جس نے اپنے رسول کریم یعنی اس عاجز کو ہدایت، اور دین حق، اور تہذیب اخلاق کے ساتھ بھیجا۔" (اربعین نمبر ۳ ص ۱۲ طبع سنہ ۱۹۰۱ء ضمیمہ گورنمنٹ پریس)  
(۲) "میں (مرزا غلام احمد) جب کہ اس مدت تک ڈیڑھ سو پیش گوئی کے قریب خدا کی طرف سے بحشم خود دیکھ چکا ہوں کہ صاف طور پر پوری ہو گئیں تو میں اپنی نسبت نبی یا رسول کے نام سے کیونکر انکار کر سکتا ہوں اور جب کہ خود خدا تعالیٰ نے یہ نام میرے رکھے ہیں تو میں کیونکر رد کر دوں۔"

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ سنہ ۱۹۰۱ء مندرجہ حقیقۃ الوحی ص ۲۶۴)

(۳) سچا خدا ہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا (دافع البلاء ص ۱۱)  
**اسلام کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہی کا دروازہ بند ہو گیا اب کسی پر منجانب اللہ وحی نازل نہیں ہوگی۔**

چنانچہ ایک طویل حدیث میں حضرت فاروق اعظم، خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

"انہ انقطع الوحی وتم الذین وحی منقطع ہو گئی اور دین تمام ہو گیا (مشکوٰۃ ص ۵۵ بحوالہ رزین)

امام بخاری نے ابن الوحی قد انقطع کے الفاظ سے اس اثر کی تخریج کی ہے شیخ عبدالوہاب شرانی ایواقیت والجواہر میں لکھتے ہیں۔

فَمَا بَقِيَ لِلأَوَّلِيَاءِ الْيَوْمَ بَعْدَ ارْتِفَاعِ  
النَّبُوَّةِ إِلَّا التَّعْرِيفَاتُ وَانْسِدَتْ  
أَبْوَابُ الْإِفَادَةِ إِلَّا لِلْهَيْبَةِ وَالنَّوَاصِي  
فَمَنْ ادَّعَى مَا بَعْدَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ مَدْعٍ شَرِيعَةٍ  
أَوْ حَقٍّ يَمُوتُ بِهَا إِلَيْهِ سِوَاءِ وَاقِفٍ شَرِيعَةٍ  
أَوْ خَالِفٍ فَإِنْ كَانَ مُكَلِّفًا  
ضَرَبْنَا عَنْقَهُ وَالْأَضْرِبْنَا عَنْهُ  
صَفْحًا (ص ۳۸ ج ۲)

آج سلسلہ نبوت کے منقطع ہو جانے  
کے بعد اولیاء کے لئے معرفتوں کے علاوہ  
کچھ باقی نہیں رہا اور امر و نواہی الہیہ  
کے دروازے بند ہو گئے ہیں لہذا  
جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
کے بعد نزول وحی ربانی کا دعویٰ کرے  
تو وہ (جدید) شریعت کا مدعی ہے  
جو اس کی طرف وحی کی گئی ہے۔ خواہ  
ہماری شریعت کے موافق ہو یا مخالف  
پھر اگر وہ مدعی مکلف (عاقل بالغ) ہے  
تو اس کی گردن اڑا دیں گے اور اگر غیر مکلف  
(مجنون و طفل غیر عاقل) ہے تو اس سے  
اعراض کریں گے۔

قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں۔

وَكُنَّا نَدْعِي مَنْ ادَّعَى مِنْهُمْ أَنَّ  
يُوحَى إِلَيْهِ وَإِنْ لَمْ يَدْعِ النُّبُوَّةَ  
فَهُوَ لَدَى كُلِّهِمْ كُفَّارٌ مَكْذُوبٌ  
لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
(شفاء ص ۳۱ ج ۲)

ایسے ہی وہ شخص (بھی کافر ہے) جس نے  
دعویٰ کیا کہ میرے پاس وحی ربانی آتی  
ہے۔ اگرچہ مدعی نبوت نہ ہو یہ سب  
کے سب کافر اور نبی کریمؐ کی تکذیب کرنے  
والے ہیں۔

ان تصریحات کے بعد مرزا غلام احمد کی ہفوات سنئے۔ اور دیکھئے اسلامی عقائد  
کے متقابل یہ کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔



(۱) ”مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم رہنے نہ دیا“ (حقیقۃ الوحی ص ۱۵)

(۲) ”اور بعد میں جس طرح قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہوں۔ ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے خدا کی اس کھلی کھلی وحی پر ایمان رکھتا ہوں جو مجھے ہوئی“ (اشتہار ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ حقیقۃ الوحی ص ۱۶)

(۳) یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعے سے چند امر و نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب الشریعہ ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی الخ (اربعین ص ۷)

مرزا نے اپنی اس تحریر میں صاحب وحی ہونے کے ساتھ صاحب الشریعہ ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے

۳۔ اسلامی شریعت میں نجات صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی میں ممکن ہے جیسا کہ باری تعالیٰ عزا سزا کا ارشاد ہے۔

قل ان کنتم تحبون الله فاتبعوني  
يُحِبِّكُمْ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ  
وَ اللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ قُلْ  
اطِيعُوا اللهَ وَالرَّسُولَ فَاِنْ  
تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ  
(آل عمران)

آپ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہد مجھے اگر تم  
اللہ کی محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو  
تاکہ تم سے اللہ محبت کرے اور تمہارے گناہ  
بخش دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے  
آپ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہد میں اطاعت  
کرو اللہ کی اور رسول کی پھر اگر اعراض کریں  
تو اللہ کو محبت نہیں ہے کافروں سے

ان دونوں آیتوں میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو مغفرت اور نجات کا

ذریعہ بتایا گیا ہے اور آپ کی اتباع سے اعراض کو کفر سے تعبیر فرمایا گیا ہے جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ مدار نجات آپ ہی کی پیروی ہے۔

اس کے برخلاف مرزا قادیانی کہتے ہیں کہ اب مدار نجات میری وحی میں ہے جو

اس کی اتباع نہیں کرے گا وہ جہنمی ہے۔ ملاحظہ ہو ان کی عبارت ملاحظہ۔

(۱) ”چونکہ میری تعلیم میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے میری تعلیم کو اور اس کی وحی کو نفلک یعنی کشتی کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اب دیکھو خدا نے میری وحی اور میری تعلیم کو میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا اور تمام انسانوں کے لئے اس کو مدار نجات ٹھہرایا جس کی آنکھیں ہوں دیکھے اور جس کے کان ہوں سُننے۔ (حاشیہ اربعین ص ۷۷)

(۲) ”بہر حال جب کہ خدائے تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ ہر وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا ہے وہ مسلمان نہیں اور خدا کے نزدیک قابلِ مواخذہ ہے“ (منہج المصلیٰ مجموعہ فتاویٰ احمدیہ ص ۲۷۱)

(۳) مرزا محمود بن مرزا غلام احمد قادیانی اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں لکھتے ہیں۔  
”آپ (مرزا غلام احمد) کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے ضروری قرار دیا ہے اور اسے مدار نجات ٹھہرایا ہے“ (ص ۱۵۱)

۱۔ اسلامی شریعت کا عقیدہ ہے کہ معجزہ نبی کے علاوہ کسی سے ظاہر نہیں ہو سکتا اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت ختم ہو گیا۔ اس لئے اب کسی سے معجزہ صادر نہیں ہو سکتا۔ امام شعرانی تحریر فرماتے ہیں۔

وقد حدّ جمہور الاصولیین۔  
المعجزة بانها امرٌ خارق للعادة  
مقرون بالتحدی مع عدم المعاوضة  
جمہور اصولیوں نے معجزہ کی یہ تعریف کی ہے  
کہ تحدی یعنی دعویٰ رسالت کے ساتھ  
رسول سے امر خارق ظاہر ہوا اور کوئی



اس کا معارضہ نہ کر سکے

اس دعویٰ کے مقابلہ میں آنجنہانی مرزا کی لن ترانی ملاحظہ ہو۔

(۱) "ہاں اگر یہ اعتراض ہو کہ اس جگہ معجزات کہاں ہیں تو میں صرف یہی جواب دوں گا کہ میں معجزات دکھلا سکتا ہوں۔ بلکہ خدا کے فضل و کرم سے میرا جواب یہ ہے کہ اس نے میرا دعویٰ ثابت کرنے کیلئے اس قدر معجزات دکھائے ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں جنہوں نے اس قدر معجزات دکھائے ہوں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس قدر معجزات کا دریا رواں کر دیا ہے کہ باستثناء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام میں ان کا ثبوت اس کثرت کے ساتھ قطعی اور یقینی طور پر محال ہے کوئی قبول کرے یا نہ کرے" (تمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۳۶) ایک موقع پر لکھتے ہیں۔

۲۔ اور خدا تعالیٰ نے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کئے جائیں تو ان کی بھی ان سے نبوت ثابت ہو سکتی ہے۔ (چشمہ معرفت ص ۳۱۷) براہین احمدیہ حصہ پنجم میں لکھا ہے۔

"در حقیقت یہ خرق عادت نشان ہیں اور اگر بہت ہی سخت گیری اور زیادہ سے زیادہ احتیاط سے بھی ان کا شمار کیا جائے تب بھی یہ نشان جو ظاہر ہوئے دس لاکھ سے زیادہ ہوں گے۔ (ص ۵۶)

تحفہ گولڑویہ ص ۶۳ پر مرزا صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد میں ہزار بتائی ہے اور اپنے معجزات کی تعداد دس لاکھ سے بھی زیادہ بتاتے ہیں۔ اس لئے تمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۳۶ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا استثناء محض ایک فریب ہے۔



۱۔ اسلامی شریعت میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم افضل کائنات میں مخلوق میں سے کوئی بھی اُن کے مقام مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ افضل البریہ علیہ السلام والہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انا قائد المرسلین ولا فخر (مشکوٰۃ ص ۵۳ بحوالہ دارمی) حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمام مرسلین کا قائد اور پیشرو ہوں اور کوئی فخر نہیں ایک دوسری حدیث میں آپؐ فرماتے ہیں۔

انا اکرم الاولین والآخرین ولا فخر (مشکوٰۃ ص ۵۳ بحوالہ ترمذی) میں تمام اگلوں اور پچھلوں سے افضل ہوں بلا فخر کے۔ اور مرزا صاحب اپنی تعریف میں یوں گویا ہیں۔

(۱) انبیاء گرچہ بودہ اندر بسے من بعرفاں نہ کمتر ز کے  
آنچه داد است ہر نبی را جام داد آں جہاں را مرا بہ تمام  
کم نیم زان ہمہ بروئے یقین ہر کہ گوید دروغ ہست نصیب  
ترجمہ ۱۔ اگرچہ انبیاء بہت گذرے ہیں۔ میں معرفت میں ان میں کسی سے کم نہیں ہوں۔ خدا نے جو پیالہ ہر نبی کو دیا ہے وہ پیالہ مجھ کو تمامہ دیا ہے۔ پیالہ سے مراد ساغر نبوت ہے، یقیناً میں ان تمام نبیوں سے کم نہیں ہوں۔ جو جھوٹ کہتا ہو وہ ملعون و مردود ہے، "زان ہمہ" کے علوم میں خاتمی نبوت رسالت مآب صمد کائنات محمد رسول اللہ بھی شامل ہیں۔

(۲) درج ذیل شعر میں تو بالتحفہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی بالائری کا ادوی کیا ہے۔  
لہ خفف القمر المنیر و اقلی

خس القمران المشرقان اتسکر، (اعجازِ شریعت)

مرزا صاحب ہی کے الفاظ میں ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔ "اُس کے دینی نبی کریم کے لئے (صرف) چاند کا خسوف ظاہر ہوا۔ اور میگے لئے چاند اور سورج دونوں (کے گرہن) کا کیا تو انکار کرے گا۔ ترجمہ میں اس کے الفاظ کس ذات گرامی کے لئے استعمال کئے ہیں۔ بطور خاص قابل توجہ ہیں۔

۱۔ اسلامی شریعت میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعظیم و توقیر فرض ہے اور ان کی توہین و تنقیص مستلزم کفر و شران مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لَتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزُّوهٗ  
وَتُقِرُّوهٗ (الفتح) تاکہ تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم بجالاؤ۔

مشہور تابعی حضرت مجاہد راوی ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے (نعوذ باللہ) آنحضرتؐ کی شان میں گستاخی کے کلمات کہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے قتل کی سزا دی اور فرمایا کہ من سب اللہ تعالیٰ اوسب احد من الانبياء فاقتلوه "والتصارم السلول" علامہ ابن تیمیہ نے یہی فتویٰ جسرا لامہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی نقل کیا ہے۔

قاضی عیاض علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

من کذب باحد من الانبياء او تنقص احد منهم او برى منهم فهو مرتد "ر شفا ص ۲۸۶ ج ۲) جس نے کسی نبی کی تکذیب، تنقیص یا برأت کا اظہار کیا وہ مرتد ہے۔

لیکن ظاہریوں کے مذہب میں کسی نبی کی توہین و تنقیص اور ان کی تعظیم

شان میں گستاخی سب روا ہے چنانچہ بانی مذہب قادیانی مرزا آنجنابی نے برگزیدہ پیغمبر حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی شانِ اقدس میں ایسے گستاخانہ کلمات استعمال کئے ہیں کہ انہیں نقل کرتے ہوئے دل دہل رہا ہے۔ ہاتھ کانپ رہا ہے اور قلم لرزش میں ہے مگر "نفس کفر کفر نہ باشد" سے دل کو تسلی دیکر چند حوالے سپردِ قلم ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔ اور اس گستاخِ رسول پر اللہ کی لعنت بھیجئے۔

(۱) "پس اس نادان اسرائیلی نے (مراد حضرت عیسیٰؑ ہیں) ان معمولی باتوں کا پیشین گوئی کیوں نام رکھا" (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص ۷)

(۲) "ہاں آپ کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی ادنیٰ ادنیٰ بات میں غصہ آجاتا تھا۔ اپنے نفس کو جذبات سے روک نہیں سکتے تھے۔ مگر میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائزے افسوس نہیں کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔" (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص ۵)

(۳) "نہایت شرم کی بات یہ ہے کہ آپ نے پہاڑی تعلیم کو جو انجیل کا مغز کہلاتی ہے یہودیوں کی کتاب ظالمود سے چرا کر لکھا ہے اور پھر ایسا ظاہر کیا ہے کہ گویا میری تعلیم ہے" (حوالہ سابق ص ۷)

(۴) "آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مہر ہے تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار کیسی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان میں ہے ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک کنجری کسی کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر ناپاک ہاتھ لگا دے اور زنا کاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر ملے اور اپنے بانوں کو اس کے پیروں پر ملے۔ گھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس



چلن کا آدمی ہو سکتا ہے۔ (حوالہ سابق ص ۷۷)

ظاہر ہے کہ ان بے بنیاد الزامات اور بازاری گالیوں سے اس پاکیزہ اور محترم ہستی کے تقدس پر کیا اثر پڑے گا جسے رب العزت نے کلمۃ اللہ اور روح اللہ کے خطاب سے عزت بخشی ہو۔ البتہ ان گالیوں نے خود مرزا کی شرافت و نجابت کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے۔ سچ کہا ہے کہنے والے نے۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنہ پا کاں زند۔  
 عکس اسلامی شریعت کا یہ عقیدہ ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے باعزت اور فرمانبردار بندے ہیں جو لطیف نورانی جسم رکھتے ہیں اور مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں ان میں بعض حکم خدا اپنے مستقر سے زمین پر بھی اترتے ہیں اور حضرت جبریل و جی ربانی لے کر حضرات انبیاء کے پاس آتے تھے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

بل ہم عباد مکرمون۔ لا یسبقونہ  
 بالقول وہم بامرہ یعملون۔  
 بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے باعزت بندے ہیں  
 بات میں اللہ تعالیٰ سے پیش کلامی  
 نہیں کرتے اور وہ اللہ کے حکم کے مطابق  
 کام کرتے ہیں

ایک دوسری آیت میں فرشتوں کی شان یہ بتائی گئی ہے۔  
 لَا یَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ، وَیَفْعَلُونَ  
 مَا یُؤْمَرُونَ۔  
 وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے  
 اور وہی عمل کرتے ہیں۔ جس کا ان کو  
 حکم ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے دن فرمایا۔

ہذا جبرئیل اخذ براص فرسہ یہ جبرئیل ہیں اپنے گھوڑے کا سر پکڑے  
 علیہ اداء الحرب (بخاری ص ۴۵) ہوئے ہتھیار زیب تن کئے ہوئے۔  
 حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کو فرماتے سنا۔

نزل جبرئیل فاقم فی فصلیت معہ ثم صلیت معہ ثم صلیت معہ  
 ثم صلیت معہ، ثم صلیت معہ (بخاری ص ۴۵)  
 جبرئیل نازل ہوئے اور مجھ کو پانچوں نمازیں پڑھائیں۔  
 کتاب و سنت کے یہ نصوص ناطق ہیں کہ فرشتے اللہ کی ایک محترم مخلوق ہیں  
 اپنے مستقر سے حکم خدا زمین پر آتے ہیں اور جو کام ان کے سپرد ہوتا ہے اُسے  
 انجام دیتے ہیں۔

اب اللہ اور رسول کے مقابلے میں قادیانی صاحب کی تحقیق انیق بھی سنئے اور  
 فیصلہ کیجئے کیا اس رجم بالغیب اور اٹکل کے تیر کا اسلامی نظریہ سے کوئی ادنیٰ  
 بھی تعلق ہے؟  
 اپنی تصنیف توضیح المرام کے ص ۳۱ پر لکھتے ہیں۔

(۱) ”بلکہ فرشتے اپنے اصلی مقامات سے جو ان کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے  
 مقرر ہیں۔ ایک ذرہ کے برابر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے جیسا کہ خدا تعالیٰ ان کی طرف  
 سے قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ وما منّا الا لہ مقام معلوم وانا لنعلم المقادیر  
 (سورہ صافات جزو ۲۳)

پس اصل بات یہ ہے کہ جس طرح آفتاب اپنے مقام پر ہے اور اس کی گرمی  
 روشنی زمین پر پھیل کر اپنے خواص کے مطابق زمین کی ہر چیز کو فائدہ پہنچاتی ہے  
 اسی طرح روحانیت سماویہ خواہ ان کو یونانیوں کے خیال کے موافق نفوس ملکیہ کہیں

یاد ساتیر اور دید کی اصطلاحات کے موافق ارواح کو اکب سے نامزد کریں یا سید  
اور موحدا نہ طریق سے ملائک کا لقب دیں۔ درحقیقت یہ عجیب مخلوقات اپنے  
اپنے مقام میں مستقر اور قرار گیر رہے۔

۸۔ اسلامی عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن مردے قبروں سے نکل کر حساب  
کتاب کے لئے میدانِ حشر میں جمع ہوں گے۔ جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں  
داخل کئے جائیں گے۔ ملاحظہ ہو۔ درج ذیل آیتِ پاک

وَنفَخُ فِي الصُّورِ فَادْأَبَهُمْ مِنْ  
الْأَجْدَاثِ إِلَى رَبِّهِمْ يَنْسِلُونُ  
صور پھونکا جائے گا تو اس وقت سب کے  
سب اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب  
کی طرف چلیں گے۔

یہ آیت کریمہ اس بات پر نص ہے کہ قیامت کے دن مردے قبروں سے زندہ  
ہو کر اٹھیں گے۔ اور اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گے اس آیتِ پاک کے علاوہ  
قرآن کریم میں بے شمار آیتیں ہیں جن میں مردوں کے زندہ ہو کر میدانِ حشر میں  
جمع ہونے اور حساب و کتاب کے بعد جنت یا جہنم میں جانے کا ذکر ہے۔ اس سلسلے  
میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جسے اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی  
رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں۔ ملاحظہ ہو وہ نقل کرتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔

يَحْشُرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُقَاتًا عَرَاتًا، غَرَلًا قَلَتِ يَارَسُولَ اللَّهِ الرَّجَالُ  
وَالنِّسَاءُ جَمِيعًا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَقَالَ يَا عَائِشَةُ الْاِمْرَاةُ شَدِيدَةٌ اِنْ يَنْظُرُوْ  
بَعْضُهُمْ اِلَى بَعْضٍ (مشکوٰۃ ص ۲۸۳ بحوالہ بخاری و مسلم) لوگ قیامت کے  
دن ننگے پاؤں، ننگے بدن، بے ختنہ اٹھا کر جمع کئے جائیں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ مرد و عورتیں ایک دوسرے کو اس حال میں



دیکھیں گے۔ آپ نے فرمایا عائشہؓ وہ حالت اس سے زیادہ سخت ہوگی کہ لوگ ایک دوسرے کی جانب دیکھیں۔ لَکُلِ اُمْرِیْ مِنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَأْنٌ یُعْنِیْهِ۔  
 مرزا صاحب اقرآن و حدیث کی ان تصریحات کے بالمقابل یہ لکھتے ہیں "اگر بہشتی لوگ بہشت میں داخل شدہ تجویز کئے جائیں تو طلبی کے وقت انہیں بہشت سے نکلنا پڑے گا۔ اور اس لق و دق جنگل میں جہاں تحت رب العالمین بچایا گیا ہے حاضر ہونا پڑے گا۔ ایسا خیال تو سراسر حسمانی اور یہودیت کی سرشت سے نکلا ہوا ہے۔ (ازالۃ الادہام ص ۱۳۱)

مرزا صاحب ازالۃ الادہام کے صفحہ ۱۴۵ پر بزعم خویش ثابت کر چکے ہیں جو شخص بہشت میں داخل کیا جاتا ہے وہ اس سے کبھی خارج نہیں کیا جاتا۔ اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۴۶ پر لکھتے ہیں "مومن کو فوت ہونے کے بعد بلا توقف بہشت میں جگہ ملتی ہے۔"

ان عبارتوں کو یوں ترتیب دیں کہ مومن فوت ہوتے ہی بہشت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور بہشت میں داخل ہو جانے کے بعد اس سے باہر نہیں نکالا جائے گا لہذا حساب و کتاب کے لئے میدان حشر میں اپنے رب کے حضور ان کے جمع ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔ یہ ہے مرزا صاحب کا قیامت اور حشر و نشر و حساب کتاب کے متعلق نظریہ۔ لیکن اسے اس طرح پریچ اور اگر مگر کی بھول بھلیوں میں الجھا کر پیش کر رہے ہیں تاکہ بادی النظر میں پڑھنے والا دھوکہ کھا جائے۔

۹۔ اسلامی شریعت میں بحالت اختیار نماز کے لئے سمت کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا ہے۔ قَوْلًا وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحِیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَکُمْ شَطْرَهُ (البقرہ) پھر دیکھئے اپنا چہرہ سجد حرام کی طرف اور تم لوگ (اے مسلمانو) جس جگہ ہو اگر وہ اپنا منہ اسی کی طرف پھیرو۔

یہ پوری امت کا اجماعی مسئلہ ہے اور فقہ کی ہر چھوٹی بڑی کتابوں میں موجود ہے۔  
 لیکن مرزائی شریعت میں مرزا صاحب کی وحی فاشخذاً وامن مقام ابراہیم مصلیٰ  
 کی رو سے قادیان قبلہ ہے چنانچہ مرزائی اروپائی گروہ کا اس پر عمل ہے یہ گروہ  
 قادیان کی جانب رخ کر کے نماز پڑھنے کو ادنیٰ قرار دیتا ہے۔ (حاشیہ حق المبین ص ۳۴)  
 خود مرزا غلام احمد قادیانی حقیقۃ الوحی ص ۸۸ پر اپنا یہ الہام نقل کرتے ہیں۔  
 وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيمَ مَصَلًیْ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قَرِیْبًا مِنْ الْقَادِیَانِ۔ ابراہیم  
 کی جگہ کو قبلہ بناؤ اور مصلیٰ ٹھہرا لو ہم نے اُسے قادیان کے قریب نازل کیا ہے۔  
 اس الہام میں مرزا نے قادیان کو قبلہ قرار دیا ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ  
 ابراہیم سے مراد خود مرزا کی ذات ہے۔ جیسا کہ مرزا کے اس الہام سے ظاہر ہے  
 ۱۰ آخر زمانہ میں ایک ابراہیم (یعنی مرزا صاحب) پیدا ہوگا اور ان فرقوں میں  
 وہ فرقہ نجات پائے گا۔ کہ اس ابراہیم کا پیرو ہوگا۔

(۱۰) اسلامی شریعت میں جہاد قیامت تک بوقت ضرورت و شرائط فرض ہے  
 کتب علیکم القتال (القرآن) جہاد تم پر فرض کیا گیا ہے۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم  
 ولا تعدوا الخ (القرآن) اور جنگ کرو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے جنگ کریں۔ یہ  
 اور ان کے علاوہ متعدد آیتیں فرضیت جہاد پر نص صریح ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے  
 لَنْ یَبْرَحَ هَذَا الدِّیْنُ قَاتِلًا یُقَاتِلُ عَلَیْهِ عَصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَةُ مُشْکُوۃً یَوْمَئِذٍ  
 لیکن مرزا کی شریعت میں جہاد منسوخ ہے کیونکہ یہ ایک خراب چیز ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب لکھتے ہیں: یہ بات تو  
 بہت اچھی ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ کی مدد کی جائے اور جہاد کے خراب مسئلہ کے خیال کو دونوں مذاہب (یعنی  
 خطبہ الہامیہ میں کہتے ہیں: کافروں کے ساتھ لڑنا مجھ پر حرام کیا گیا ہے۔ ص ۱۱)  
 بطور مشتبہ از خروارے اس مختصر مقالہ میں مرزائی شریعت کے صرف دس بنیادی اصول و احکام نقل  
 کئے گئے ہیں۔ جو سب کے سب ابتدائی عقائد و احکام کے معارض و مخالف ہیں نہ تو امت کی فہرست بڑی طویل ہے  
 جو انتہائی مشکل کسی اور موقع پر پیش کی جائے گی۔



# مرزا قادیانی کے اقوال کفریہ اس کی تحریروں کے آئینہ میں

حضور مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاچپوری

پوری امت اسلامیہ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں نبوت کا سلسلہ آپ پر ختم کر دیا گیا ہے۔ آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔ اور یہ عقیدہ قرآن و حدیث سے ایسے محکم اور قطعی طریقہ پر ثابت ہے کہ اس میں ذرہ برابر شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن مجید میں آپ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے۔ اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق ارشاد فرمایا کہ سلسلہ نبوت مجھ پر ختم کر دیا گیا ہے۔ میں خاتم النبیین ہوں۔ اور اب میرے بعد کوئی نیا نبی اللہ کی طرف سے نہیں آئے گا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت سے لیکر آج تک پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ جس طرح توحید و رسالت، قیامت و آخرت اور قرآن کے کلام اللہ پہنچنے کا منکر، پنجگانہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا منکر مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ایسا شخص کذاب ہے، ملعون ہے، مدائیرہ اسلام سے قطعاً خارج ہے۔ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح جو شخص اس کی نبوت کو تسلیم کرے وہ بھی



مسلمان نہیں ہے اگر وہ پہلے سے مسلمان تھا۔ تو اس کو دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد قرار دیا جائے گا۔

امت کی پوری تاریخ میں علامہ ہی ہوتا رہا ہے۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مدعی نبوت "سیلمہ کذاب" اور اس کے ماننے والوں کے متعلق یہی فیصلہ صادر فرمایا۔ حالانکہ یہ بات محقق ہے کہ وہ لوگ توحید و رسالت کے قائل تھے۔ اُن کے یہاں اذان بھی ہوتی تھی۔ اور اذان میں اشہد ان لا الہ الا اللہ اور اشہد ان محمدًا رسول اللہ بھی کہا جاتا تھا۔ ختم نبوت سے متعلق اسلام کا یہ بنیادی عقیدہ ہے۔

لیکن غلام احمد قادیانی نے اس بنیادی اور اجماعی عقیدہ سے بغاوت کی ہے۔ اور اپنے لئے ایسے الفاظ کے ساتھ نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ کہ اس میں کسی طرح کی کوئی تاویل اور توجیہ کی گنجائش نہیں ہے اور اس کے معتقدین اس کو دیگر انبیاء عظیم الصلوٰۃ والسلام کے مثل "نبی" کہتے ہیں اور اس پر ان کو بے حد اصرار بھی ہے۔ مرزا غلام احمد کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود نے "حقیقۃ النبوة"، ایک کتاب شائع کی تھی جس کا موضوع ہی مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کو ثابت کرنا تھا اور اس کتاب میں مرزا صاحب کے نبوت کے دلائل خود مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں سے پیش کئے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے نئے مسیحیت اور ہندو کلام کی کثرت سے دعویٰ کیا ہے کہ اس کا انکار یا اس کی تاویل ناممکن ہے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جو بالا جماع معصوم ہیں ان کی بہت سخت

توہین کی ہے اور بہت سے مقامات پر اپنے کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل بلکہ تمام انبیاء کی روح بتایا ہے۔ نیز معجزات کا استہزاء کیا ہے قرآن میں تحریف کی ہے۔ احادیث کا بے حرمتی کی ہے۔ وغیرہ وغیرہ

## دعویٰ نبوت و اقوال کفریہ اسکی تحریر کے آئینہ میں

(۱) خدا وہ خدا ہے کہ جس نے اپنے رسول کو یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین حق اور تہذیب اخلاق کے ساتھ بھیجا (اربعین ص ۳۳)

(۲) میں رسول بھی ہوں۔ اور نبی بھی ہوں۔ (اشتہار۔ ایک غلطی کا انکار، مندرجہ حقیقۃ النبوة ص ۲۶۵)

(۳) اور میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے مجھے بھیجا ہے اور اس نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ اور اسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اس نے میری تصدیق کیلئے بڑے بڑے نشان ظاہر کئے ہیں جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں جن میں بطور نمونہ کسی قدر اس کتاب میں لکھے گئے ہیں۔ (تمہ حقیقۃ الوحی ص ۶۸)

(۴) سچا خدا وہ خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا (دافع البلاء ص ۱۱)

(۵) میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں (مرزا صاحب کا آخری خط مندرجہ بالا ص ۲۶)

(۶) ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول و نبی ہیں۔ (بدرہ رازح ص ۱۸۸)

(۷) پس اس میں کیا شک ہے کہ میری پیشین گوئیوں کے بعد دنیا میں مذمتوں اور دوسری آفات کا سلسلہ شروع ہو جانا میری سچائی کیلئے ایک نشان ہے۔ یاد رہے کہ خدا کے رسول کی خواہ کسی حصہ زمین میں تکذیب ہو مگر اس کی تکذیب کے



وقت دوسرے مجرم بھی پکڑے جاتے ہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۷۱)

(۸) سخت عذاب بغیر نبی قائم ہونے کے آتا ہی نہیں جیسا کہ قرآن شریف میں  
 .... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا پھر یہ کیا  
 بات ہے کہ ایک طرف تو طاعون ملک کو کھا رہی ہے اور دوسری طرف ہیبت ناک  
 زلزلے بچھا نہیں چھوڑتے۔ اے فافلو تلاش کرو شاید تم میں کوئی خدا کی طرف  
 سے نبی قائم ہو گیا ہے جس کی تم تکذیب کر رہے ہو (تجلیات الہیہ ص ۸-۹)  
 (۹) خدا نے نہ چاہا کہ اپنے رسول کو بغیر گواہی چھوڑے۔ (دافع البلاء ص ۸)  
 (۱۰) تیسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہر حال جب  
 تک کہ طاعون دنیا میں رہے گو ستر برس رہے قادیان کو اس کی خوفناک  
 تباہی سے محفوظ رکھے گا۔ کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے۔

(دافع البلاء ص ۸)

(۱۱) الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ، خدا  
 کا مامور، خدا کا امین۔ اور خدا کی طرف سے آیا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان  
 لاؤ۔ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔ (انجام آتم ص ۷)

(۱۲) اِنَّا رَسَلْنَاكَ اَحْمَدًا اِلٰی قَوْمٍ فَاَعْرَضُوْا وَقَالُوْا كَذٰبٌ اَشْرٰ

(اربعین ص ۳۷)

(۱۳) فَكَلِمَتِيْ وَاِنِّیْ نَادٰی وَاِنِّیْ مُرْسَلٌ اِلٰی قَوْمٍ مُّفْسِدِیْنَ وَاِنِّیْ

جَاعِلٌ لِّلنَّاسِ اِمَامًا وَاِنِّیْ مُسْتَخْلَفٌ اَلَا مَّا كُنَّا جَرَتْ سُنَّتِیْ فِی

الْاَوَّلِیْنَ۔ (انجام آتم ص ۷)

(۱۴) اور میں جیسا کہ قرآن شریف کی آیات پر ایمان رکھتا ہوں ایسا ہی فرق  
 الگ نہ دے دوں گا خدا کی اس کھلی کھلی وحی پر ایمان لاتا ہوں جو مجھے ہوئی جس کی



سچائی اس کی متواتر نشانوں سے مجھ پر کھل گئی ہے اور میں بیت اللہ میں کھڑے ہو کر یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ پاک وحی جو میرے اوپر نازل ہوتی ہے وہ اسی خدا کا کلام ہے۔ جس نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا کلام نازل کیا تھا۔ میرے لئے زمین نے بھی گواہی دی اور آسمان نے بھی اسی طرح میرے لئے آسمان بھی بولا اور زمین بھی کہ میں خلیفہ اللہ ہوں۔ مگر پیشین گوئیوں کے مطابق ضرور تھا کہ انکار بھی کیا جاتا۔

(ایک غلطی کا ازالہ، منقول از ضخیمہ حقیقۃ النبوة ص ۲۶)

(۱۵) آپ (یعنی مرزا صاحب) بنی ہیں۔ اور خدا نے اور اس کے رسول نے انہی الفاظ میں آپ کو بنی کہا ہے۔ جس میں قرآن کریم اور احادیث میں پچھلے نبیوں کو بنی کہا گیا ہے۔ (حقیقۃ النبوة ص ۷)

(۱۶) پس اس میں کیا شک ہے کہ حضرت مسیح موعود قرآن کریم کے معنوں کی رو سے بھی بنی ہیں۔ اور لغت کے معنوں کی رو سے بھی بنی ہیں۔ (حقیقۃ النبوة ص ۱۶)

(۱۷) پس شریعت اسلام بنی کے جو معنی کرتی ہے اس معنی کو حضرت صاحب ہرگز مجازی بنی نہیں ہیں بلکہ حقیقی بنی ہیں۔ (حقیقۃ النبوة ص ۱۷)

(۱۸) بلحاظ نبوت ہم بھی مرزا صاحب کو پہلے نبیوں کے مطابق مانتے ہیں۔

(حقیقۃ النبوة ص ۱۸)

## مسیح موعود ہونے کا دعویٰ

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ہمارا یعنی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا ہے اور قیامت کے قریب آپ تشریف لائیں گے۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ میرا بھی پہلے یہ عقیدہ تھا

مگر بعد میں اُن کا خیال یہ ہو گیا کہ اللہ نے اس کو بذریعہ وحی یہ بتلایا کہ یہ سراسر غلط خیال ہے کہ عیسیٰ آسمان پر زندہ ہیں اور کسی وقت وہ دنیا میں دوبارہ آویں گے بلکہ وہ مسیح اور عیسیٰ جو آنے والا تھا وہ خود تو ہی ہے تیرا ہی نام ابن مریم رکھا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں خود مرزا جی کا بیان ملاحظہ ہو "اور مسیری آنکھیں اس وقت تک بالکل بند رہیں جب تک کہ خدا نے بار بار کھول کر مجھ کو نہ سمجھایا کہ عیسیٰ ابن مریم اسرائیلی توفوت ہو چکا ہے اور وہ واپس نہیں آئے گا۔ اس زمانہ اور اس امت کیلئے تو تو ہی عیسیٰ ابن مریم ہے" (براہین احمدیہ جلد پنجم ص ۸۵)

## حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت کا دعویٰ

پہلے تو مرزا صاحب مسیح موعود اور عیسیٰ ابن مریم ہی بنے تھے۔ لیکن پھر وہ آگے بڑھے اور انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنی فضیلت کا اعلان شروع کر دیا اُن کے بیٹے مرزا بشیر الدین نے مرزا کا یہ قول نقل کیا ہے۔ "میں مسیح علیہ السلام کی خدائی کا مُنکر ہوں ہاں بے شک وہ خدا کے نبیوں میں سے ایک نبی تھا مگر مجھے خدا نے اس سے برتر مرتبہ عطا کیا ہے" (تبلیغ ہدایت ص ۱۶۹)

"اور دیکھو آج تم میں سے ایک ہے جو اس مسیح سے بڑھ کر ہے" (دافع البلاء ص ۱۳)

مرزا جی کا درج ذیل شعر بہت مشہور ہے۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو : اس سے بڑھ کر غلام احمد ہے  
(معاذ اللہ) (دافع البلاء ص ۱۳)

مرزا جی کا دوسرا شعر ہے :-

مریم عیسیٰ نے دی تھی محض عیسیٰ کو شفا  
میری مریم سے شفا پائے گا ہر ملک و دیار (درتین)

:- حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین :-

”ہاں آپ کو یعنی حضرت عیسیٰؑ کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی۔ ادنیٰ ادنیٰ بات میں غصہ آجاتا تھا۔ اپنے نفس کو جذبات سے روک نہیں سکتے تھے۔

(ضمیمہ انجام آتھم۔ حاشیہ ص ۵)

یہ بھی یاد رہے کہ آپ کو کس قدر جھوٹ بولنے کی عادت تھی“ (استغفر اللہ)

(ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص ۵)

”عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزات لکھے ہیں۔ مگر حق بات یہ ہے کہ

آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا“ (ضمیمہ انجام آتھم۔ حاشیہ ص ۶)

”سیح کی راست بازی اپنے زمانہ میں دوسرا ستبازوں سے بڑھکر ثابت

نہیں ہوتی بلکہ یحییٰ بنی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں

پیتا تھا۔ اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال

سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں اور سر کے بالوں سے اس کے بدن

کو چھوا تھا۔ یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی اسی وجہ

سے خدا نے تشراف کریم میں یحییٰ کا نام حضور رکھا مگر سیح کا یہ نام نہیں

رکھا۔ کیونکہ ایسے قہقے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے“

(ازالہ ادہام حصہ اول ص ۱۵۸)



## حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کی نسبت مرزا جی کے خیالات

”کچھ تعجب نہیں کرنا چاہئے کہ حضرت مسیح نے اپنے دادا سلیمان کی طرح اس وقت کے مخالفین کو یہ عقلی معجزہ دکھلایا ہو اور ایسا معجزہ دکھانا عقل سے بعید بھی نہیں کیونکہ حال کے زمانہ میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ اکثر صنّاع ایسی ایسی چڑیاں بنا لیتے ہیں کہ وہ بولتی بھی ہیں اور ملتی بھی ہیں اور دم بھی ہلاتی ہیں۔ اور میں نے سنا ہے کہ کل کے ذریعہ سے بعض چڑیاں پرواز بھی کرتی ہیں۔“  
(ازالہ اوہام حصہ اول ص ۳۰۳)

”کچھ تعجب کی جگہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو عقل طور سے ایسے طریق پر اطلاع دی ہو جو ایک مٹ کا کھلونا کسی کل کے دبانے یا کسی پھونک کے مارنے سے کسی طور پر ایسا پرواز کرتا ہو جیسا پرندہ پرواز کرتا ہے۔ یا اگر پرواز نہیں تو پسیدوں سے چلتا ہو۔ کیونکہ حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس کی مدت تک بخاری کا کام بھی کرتے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ بڑھئی کا کام درحقیقت ایسا کام ہے جس میں کلوں کے ایجاد کرنے اور طرح طرح کی صنعتوں کے بنانے میں عقل تیز ہو جاتی ہے۔“ (توضیح المرام ص ۷)

اس جملہ میں خط کشیدہ عبارت پر غور کیجئے! حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ پر کس قدر خبیث بہتان لگایا ہے۔ قرآن مجید کی بیان کی ہوئی اس حقیقت پر تمام اہل اسلام کو بلا کسی شک و شبہ کے ایمان ہے کہ اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو کسی شخص کی وساطت کے بغیر ”میں سے پیدا فرمایا تھا۔“ حضرت مریم عقیقہ اور پاکدامن تھیں آپ کا کسی شخص سے تعلق قائم نہیں

ہوا تھا۔ قرآن پاک کی اس صریح وضاحت کے باوجود مرزا غلام احمد قادیانی نے کس قدر غلط بات لکھی ہے۔ اس کی یہ بات قرآن کے بالکل خلاف ہے۔ اور قرآن کا انکار ہے۔ اس کے باوجود اس کو مسلمان سمجھا اور اس کے متبعین کا اپنے کو مسلمان کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

» ادا تل میں میرا بھی یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۴۸)

» اس امر میں کیا شک ہے کہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ فطری طاقتیں نہیں دی گئیں جو مجھے دی گئیں کیونکہ وہ ایک خاص قوم کیلئے آئے تھے اور اگر وہ میری جگہ ہوتے تو اپنی اس فطرت کی وجہ سے وہ کام انجام نہ دے سکتے جو خدا مجھے انجام دینے کی قوت دی۔ وھذا تحدیث نعمۃ اللہ ولافخر

(حقیقۃ الوحی ص ۱۴۹)

**حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت کا فتویٰ**

» بس اس امت کا یوسف یعنی یہ عاجز اسرائیلی یوسف سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ عاجز قید کی دعا کر کے بھی قید سے بچا لیا گیا مگر یوسف بن یعقوب قید میں ڈالا گیا»

(براہین احمدیہ جلد پنجم ص ۱۷)

**میں سب کچھ ہوں**

» مرزا صاحب کا دعویٰ یہ تھا کہ میں تمام نبیوں کی روح اور ان کا خلاصہ ہوں۔

میری ہستی میں تمام انبیاء سامنے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس نے لکھا ہے۔



”میں خدا کے دفتر میں صرف عیسیٰ بن مریم کے نام سے موسوم نہیں بلکہ اور بھی  
میرے نام ہیں۔ میں آدم ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحاق  
ہوں۔ میں یعقوب ہوں۔ میں اسماعیل ہوں۔ میں موسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں، میں  
عیسیٰ بن مریم ہوں۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔۔۔۔۔ سو ضرور ہے کہ ہر نبی  
کی شان بھ میں پائی جائے“ (تحفہ حقیقۃ الوحی ص ۸۵)

## معجزات کی کثرت

جب مرزا جی نے پیغمبری اور نبوت کا دعویٰ کیا تو معجزات کا دعویٰ بھی لازم تھا  
چنانچہ انھوں نے معجزات کا دعویٰ بھی معمولی انداز سے نہیں کیا بلکہ اللہ کے تمام  
نبیوں کے معجزات کے معاملہ میں مرزا جی نے اپنے مقابلہ میں بہت نیچے چھوڑ  
دیا۔ چنانچہ لکھا ہے۔

”اللہ نے اس بات کو ثابت کرنے کیلئے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اس  
قدر نشان دکھائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کئے جائیں تو ان کی بھی  
ان سے نبوت ثابت ہو سکتی ہے“ (حشر معرفت ص ۱۱)

”ہاں اگر یہ اعتراض ہو کہ اس جگہ وہ معجزات کہاں ہیں تو میں صرف یہ جواب  
نہیں دوں گا کہ میں معجزات دکھلا سکتا ہوں بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے  
میرا جواب یہ ہے کہ اس نے میرا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے اس قدر معجزات  
دکھائے ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں جنہوں نے اس قدر معجزات  
دکھائے ہوں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس نے اس قدر معجزات کا دریا بہا کر دیا  
ہے کہ دستخبر ہمارے تمام اہل بشر علیہم السلام کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام  
میں ان کی نبوت اس کثرت سے کہ سب سے زیادہ نبی اور نبیوں پر کمال ہے اور خدا نے اپنی



مجت پوری کر دی ہے اب چاہے کوئی قبول کرے یا نہ کرے  
(تمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۳۶)

”اور خدا تعالیٰ میرے لئے اس کثرت سے نشان دکھلا رہا ہے کہ اگر نوحؑ  
کے زمانہ میں وہ نشان دکھلائے جاتے تو وہ لوگ غرق نہ ہوتے“

(تمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۳۷)

”ان چند سطروں میں جو پیشین گوئیاں ہیں وہ اس قدر نشانوں پر مشتمل ہیں  
جو دس لاکھ سے زیادہ ہوں گے اور نشان بھی ایسے کھلے کھلے ہیں جو اول درجہ پر  
فائق ہیں“ (براہین احمدیہ ص ۵۶ حصہ پنجم)

”اگر بہت ہی سخت گیری اور زیادہ سے زیادہ احتیاط سے بھی ان کا شمار  
کیا جائے تب بھی یہ نشان جو ظاہر ہونے دس لاکھ سے زیادہ ہوں گے۔  
(براہین احمدیہ ص ۵۶ حصہ پنجم)

## احادیث کے متعلق مرزا جی کا خیال

ہم اس کے جواب میں خدا کی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ میرے اس  
دعویٰ کی حدیث بنیاد نہیں بلکہ قرآن اور وحی جو میرے پر نازل ہوئی ہاں تائیدی  
طور پر ہم حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری  
وحی کی معارض نہیں اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔

(ازالہ ادیان ص ۳۱-۳۲)

مرزا غلام احمد قادیانی کے اقوال کفریہ میں سے چند اقوال کفریہ بطور نمونہ نقل  
کئے گئے۔ ان اقوال سے صراحت یہ ثابت ہو رہا ہے کہ وہ نبوت کا مدعی ہے  
اور اس کے معتقدین بھی اس کی نبوت کے قائل ہیں۔ لہذا غلام احمد قادیانی  
طور پر اسلام سے خارج ہے اور اس کے متبعین بھی جو اس کی نبوت کو تسلیم

کرتے ہیں یا دعویٰ نبوت کے باوجود اسے دائرۃ اسلام میں سمجھتے ہیں وہ لوگ بھی قطعی طور پر کافر، مرتد، اور خارج از اسلام ہیں۔

**علمی لطیفہ**۔ موقع کی مناسبت سے ایک علمی لطیفہ ذہن میں آیا۔ رنگون میں خواجہ کمال الدین قادیانی بیہوش بڑا چالاک اور چالباز تھا اس نے اہل رنگون کے سامنے اپنے اسلام کا دعویٰ کیا اور کہا کہ ہم غلام احمد قادیانی کو بنی نہیں مانتے اور یہ بات قسمیہ کہتا۔ جیسا کہ بہت سے قادیانی خصوصاً لاہوری کہتے ہیں۔ خواہ مخواہ ہم کو بدنام کیا جاتا ہے حالانکہ ہم بچے مسلمان ہیں۔ قرآن کو مانتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا سچا رسول سمجھتے ہیں عوام اس کی باتوں میں آگئے۔ اس کی تقریریں ہونے لگیں بہت سے مقامات پر نماز بھی پڑھائی، جمعہ تک پڑھایا رنگون کے ذمہ دار بہت فکر مند تھے کہ عوام کو کس طرح اس فتنہ سے محفوظ رکھیں عوام میں دن بدن اس کو مقبولیت حاصل ہو رہی ہے مقامی علماء سے اسکی گفتگو بھی ہوئی مگر اپنی چالبازی کی وجہ سے اپنی اصیلت ظاہر نہ ہونے دیتا۔ مشورہ کر کے یہ طے پایا کہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی صاحب کو مدعو کیا جائے۔ چنانچہ تار دیدیا گیا اور وہاں اس کی شہرت بھی ہو گئی کہ بہت جلد مولانا عبدالشکور صاحب تشریف لائے وہ اس سے گفتگو کریں گے۔ خواجہ کمال الدین نے جب مولانا کا نام سنا تو راہ فرار اختیار کرنے میں ہی اپنی عافیت دیکھی چنانچہ وہ مولانا کے وہاں پہنچنے سے پہلے پہلے چلا گیا۔ مولانا تشریف لے گئے۔ مولانا کی تقریریں ہوئیں۔ عوام انہیں کو حقیقت سے خبردار کیا اور ذمہ داروں کی ایک مجلس میں فرمایا کہ آپ حضرات نے غور فرمایا کہ وہ کیوں یہاں سے چلا گیا! دراصل وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھ گیا ہو گا کہ میں اس سے یہ سوال کروں گا۔ کہ تو مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا قائل نہیں مگر تو اسے مسلمان سمجھتا ہے یا کافر؟ اس کا جواب

اس کے پاس نہیں تھا۔ جو بھی جواب دیتا پکڑا جاتا۔ وہ مرزا صاحب کو کسی حال میں  
 کانٹہ نہ تو کہہ نہیں سکتا تھا۔ اگر مسلمان کہتا تو اس پر بھی اس کی گرفت ہوتی  
 کہ جو شخص مدعی نبوت ہو وہ کسی حال میں مسلمان نہیں رہ سکتا۔ ایسے  
 آدمی کو مسلمان سمجھنا خود کفر ہے۔ میں اس سے یہی سوال کرتا اور انشاء اللہ  
 اسی ایک سوال پر وہ لاجواب ہو جاتا۔ اور اس کا راز فاش ہو جاتا۔ یہ سوال آپ  
 لوگوں کے ذہن میں نہیں آیا۔ اس لئے آپ لوگ پریشان رہے۔

---



# مرزا غلام احمد قادیانی کے تفسیر جھوٹ

مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ - الْحَمْدُ لِلَّهِ وَبِسْلَامٌ عَلَى عِبَادَةِ الَّذِينَ اصْطَفَا

مرزا غلام احمد قادیانی کے دعووں کی علاقے امت نے ہر پہلو سے قلعی کھول دی ہے۔ اور کوئی پہلو تشذیب نہیں چھوڑا۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے سچے وارثوں کا بنیادی وصف صدق و راست گفتاری ہے۔ بنی کی زبان پر کبھی خلاف واقعہ بات آئی نہیں سکتی۔ اور جو شخص جھوٹ کا عادی ہو وہ بنی تو کہا ایک شریف آدمی کہلانے کا بھی مستحق نہیں۔

جو لوگ نبوت و رسالت یا بھدیت و مہدیت کے جھوٹے دعوے کرتے ہیں حق تعالیٰ ان کی ذلت و رسوائی کے لئے ان کا جھوٹ خود ان ہی کی زبان سے کھول دیتے ہیں۔ شیخ علی قاریؒ شرح فقہ اکبرؒ میں لکھتے ہیں:

ما من احد ادعى للنبوۃ من	جھوٹے لوگوں میں سے جس نے بھی نبوت
الکذابين الا وقد ظهر عليه	کا دعویٰ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے معمولی عقل
من الجهل والكذب لمن له	تمیز کے شخص پر بھی اس کا جہل و کذب
ادنى تميين بل وقد قيل:	واضح کر دیا۔ بلکہ کہا گیا ہے کہ جس نے بھی
ما اسم احد سريرة الا اظهر	اپنے دل میں کوئی بات چھپائی اللہ تعالیٰ
الله على صفحات وجهه و	نے اس کے چہرے پر اور زبان کی گفتگو

فلسفات لسانہ (ص ۷۳) میں اس کو خطا پر کر کے چھوڑا۔

راقم الحروف نے مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ مرزا کی تحسیر میں سچائی اور راستی کا تلاش کرنا کار عبث ہے بڑے بڑے جھوٹے بھی کبھی سچی بات کہہ دیتے ہیں۔ لیکن مرزا نے گویا قسم کھا رکھی ہے کہ وہ کلمہ علیہ بھی پڑھے گا تو اس میں اپنے جھوٹ کی آمیزش ضرور کرے گا۔ پیش نظر مقالہ میں بطور نمونہ مرزا کے تین جھوٹ ذکر کئے گئے ہیں۔ دس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ دس حق تعالیٰ شانہ پر۔ اور دس حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر۔

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر مرزا کے دس جھوٹ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی غلط بات کو منسوب کرنا خبیث ترین گناہ کبیرہ ہے۔ احادیث متواترہ میں اس پر دوزخ کی وعید آئی ہے۔ اور جس شخص کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ اس نے ایک بات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی ہے وہ مفتری اور کذاب ہے۔ اور اس کی کوئی بات اور کوئی روایت لائق اعتماد نہیں رہتی۔ مرزا غلام احمد قادیانی اس معاملہ میں نہایت بے باک اور جسری تھا۔ وہ بات بات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر افتر پرازی کرنے کا عادی تھا۔ یہاں اس کی دس مثالیں پیش کرتا ہوں۔

۱۔ ”انبیاء گزشتہ کے کشوف نے اس بات پر مہر لگا دی ہے کہ وہ دس (موجود) چودہویں صدی کے سر پر ہوگا۔ اور نیز یہ کہ پنجاب میں ہوگا۔“

(اربعین ۲ ص ۲۳)

انبیاء گزشتہ کی تعداد کم و بیش ہے۔ ان کی طرف مرزا نے دو باتیں منسوب



کی ہیں۔ مسیح کا چودھویں صدی کے سربرآنا، اور پنجاب میں آنا۔ اور یہ نسبت خاص جھوٹ ہے۔ اس طرح مرزا نے صرف ایک فقہ میں ڈھائی لاکھ جھوٹ جمع کرنے کا ریکارڈ قائم کیا ہے۔

نوٹ ۱۔ پہلے ایڈیشن میں انبیاء گزشتہ کا لفظ تھا۔ بعد میں اس کی جگہ "اولیاء گزشتہ" کا لفظ کر دیا گیا، اس تحریف کے بعد بھی جھوٹ کی سنگینی میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔

۲۔ "مسیح موعود کی نسبت تو آثار میں یہ لکھا ہے کہ علماء اس کو قبول نہیں کریں گے۔" (ضمیمہ براہین پنجم ص ۱۸۶)  
آثار کا لفظ کم از کم دو تین احادیث پر بولا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ مضمون کسی حدیث میں نہیں۔

۳۔ "ایسا ہی احادیث صحیحہ میں آیا تھا کہ وہ (مسیح موعود) صدی کے سر پر آئیگا۔ اور چودھویں کا مجدد ہو گا۔۔۔۔۔ اور لکھا تھا کہ وہ اپنی پیدائش کی رُوحے دو صدیوں میں اشتراک رکھے گا۔ اور دو نام پائے گا۔ اور اس کی پیدائش دو خاندانوں سے اشتراک رکھے گی۔ اور چوتھی وہ گوشت صفت یہ کہ اس کی پیدائش میں بھی جوڑے کے طور پر پیدا ہو گا۔ سو یہ سب نشانیاں ظاہر ہو گئیں۔"

(ضمیمہ براہین پنجم ص ۱۸۸)

اس فقرہ میں مرزا نے چھ باتیں احادیث صحیحہ کی طرف منسوب کی ہیں۔ حالانکہ ان میں سے ایک بات بھی کسی حدیث صحیحہ میں نہیں آئی۔ اس لئے اس فقرے میں اٹھارہ جھوٹ ہوئے۔

۴۔ "ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے ملکوں کے انبیاء کا نصیب سوال کیا گیا تو آپ نے ہی فرمایا کہ ہر ملک میں اللہ تعالیٰ کے نبی گزرے ہیں۔"



اور فرمایا کہ "کان فی الہند نبیاً اسود اللون اسمہ کاهننا سینہ  
 ہند میں ایک نبی گذرا جو سیاہ رنگ کا تھا اور نام اس کا کاهن تھا یعنی  
 کنہیا جس کو کرشن کہتے ہیں" (ضمیمہ چشمہ معرفت ص ۷)  
 مرزا کی ذکر کردہ حدیث کسی کتاب موجود نہیں۔ اس لئے یہ خالص افتراء ہے۔  
 ظالم کو عربی کی صحیح عبارت بھی نہ بنائی آئی۔ "سیاہ رنگ" شاید اپنی تصویر دیکھ  
 کر یاد آگیا۔

۵۔ اور آپ سے پوچھا گیا کہ زبان پارسی میں بھی کبھی خدا نے کلام  
 کیا ہے تو فرمایا کہ ہاں خدا کلام زبان پارسی میں بھی اترا ہے جیسا کہ  
 وہ اس زبان میں فرماتا ہے۔

"ابن مشہ خاک را گر نہ بخشم چہ کنم"

(ضمیمہ چشمہ معرفت ص ۱۰)

یہ مضمون بھی کسی حدیث میں نہیں خالص جھوٹ اور افتراء ہے۔

۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسی شہر میں دیا نازل ہو  
 تو اس شہر کے لوگوں کو چاہئے کہ بلا توقف اس شہر کو چھوڑ دیں۔

(المستتار مریدوں کیلئے ہدایت بخشنا والا گشت مشکوٰۃ)

دبا کی جگہ کو بلا توقف چھوڑ دینے کا حکم کسی حدیث میں نہیں۔ یہ خالص مرزائی جھوٹ

ہے۔ بلکہ اس کے برعکس حکم ہے کہ اس جگہ کو نہ چھوڑا جائے۔ ۱۰ دلائل و قیاس

وَأَنْتُمْ بَهَا قُلُوبُكُمْ تَخْرُجُوا عَنْهَا مَنْعٌ (متفق علیہ مشکوٰۃ ۱۳۵)

۷۔ افسوس ہے کہ وہ حدیث بھی اس زمانے میں پوری ہوئی جس میں لکھا

تھا کہ مسیح کے زمانے کے علماء ان سب لوگوں سے بدتر ہیں گئے ہیں مذہب

رہتے ہیں۔ (المجاز احمدی ص ۱۱)۔ تاہم یہاں ۱۱

مسیح کے زمانے کے علماء کے بارے میں یہ بات ہرگز نہیں فرمائی گئی۔ یہ ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر افتر ہے۔ اور دوسری طرف علما نے امت پر صریح بہتان ہے۔

۸۔ چونکہ حدیث صحیح میں آچکا ہے کہ مہدی موعود کے پاس ایک کتاب چھپی ہوئی ہوگی جس میں اس کے تین سو تیرہ اصحاب کا نام درج ہوگا اسلئے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ وہ پیش گوئی آج پوری ہوگئی۔  
(ضمیمہ انجام آتھم ص ۲۰)

”چھپی ہوئی کتاب“ کا مضمون کسی صحیح حدیث میں نہیں ہے۔ لطف یہ ہے کہ مرزا نے اپنے ۳۱۳ اصحاب کے جو نام ازالہ ادہام میں لکھے تھے۔ ان میں سے کئی مرزا کی صحابیت سے نکل گئے۔ اس لئے یہ جھوٹی روایت بھی اس کی جھوٹی مہدویت پر راست نہ آتی۔

۹۔ مگر ضرور تھا کہ وہ مجھے کافر کہتے اور میرا نام دجال رکھتے کیونکہ احادیث صحیحہ میں پہلے سے یہ فرمایا تھا کہ اس مہدی کو کافر ٹھہرایا جائیگا اور اس وقت کے شریر مولوی اس کو کافر کہیں گے اور ایسا جوش دکھلائیں گے کہ اگر ممکن ہوتا تو اس کو قتل کر ڈالتے۔

(ضمیمہ انجام آتھم ص ۳۸)

اس عبارت میں تین باتیں ”احادیث صحیحہ“ کے حوالے سے کہی گئی ہیں۔ اور یہ تینوں جھوٹ ہیں۔ اس لئے اس عبارت میں نو جھوٹ ہوتے۔

۱۔ ”بہت سی حدیثوں سے ثابت ہو گیا کہ بنی آدم کی عمر سات ہزار برس

سے پندرہ ہزار برس تک رہے۔ اور آخری آدم پہلے آدم کی طرز پر الف ششم کے آخر میں جو ہر ششم

کے حکم میں پیدا ہونے والا ہے۔“ (ازالہ ادہام ص ۶۹۶)

آخری آدم کا افسانہ کسی حدیث میں نہیں آتا۔ اس لئے یہ بھی خالص جھوٹ ہے۔ دنیا کی عمر کے بارے میں بعض روایات آتی ہیں۔ مگر وہ روایات ضعیف ہیں۔ اور محدثین نے ان کو "ابین الکذب" سے تعبیر کیا ہے۔  
(موضوعات کبیر: ص ۱۶۶)

## افتراء علی اللہ کی مثالیں

- ۱۔ سورۃ مریم میں صریح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ بعض افراد اس امت کا نام مریم رکھا گیا ہے۔ اور پھر پوری اتباع شریعت کی وجہ سے اس مریم میں خدا تعالیٰ کی طرف سے روح پھونکی گئی اور روح پھونکنے کے بعد اس مریم سے عیسیٰ پیدا ہو گیا اور اسی بنا پر خدا تعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ بن مریم رکھا۔ (ضمیمہ براہین: ج ۱ ص ۱۸۹)
- سورۃ تحریم سب کے سامنے موجود ہے۔ مرزا نے صریح طور پر جن امور کا سورۃ تحریم میں بیان کیا جانا ذکر کیا ہے! کیا یہ صریح افتراء علی اللہ نہیں۔
- ۲۔ لیکن مسیح کی راستبازی اپنے زمانے میں دوسرے راست بازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی بلکہ عیسیٰ بنی کو اس پر (یعنی عیسیٰ علیہ السلام پر) ایک فضیلت ہے۔ کیونکہ وہ شراب پیتا تھا اور کبھی سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں یا اپنے سر کے بالوں سے اس کے بدن چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی۔ اسی وجہ سے قرآن نے عیسیٰ کا نام حضور رکھا مگر مسیح کا نام نہ رکھا۔ کیونکہ ایسے تھے اس کا نام رکھنے سے مانع تھے۔  
(دافع البلاء: آخری ص ۱۰۰)



حضرات انبیاء کرام کی طرف فواحش کا منسوب کرنا کفر ہے۔ مرزا قادیانی ایسے قحطی "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور ایسے کفر صریح کے لئے قرآن کریم کے لفظ "حصیر" کا حوالہ دیتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک لغو یا لٹر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان قصوں میں ملوث تھے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بہتان بھی ہے اور افتراء علی الشریعہ۔

۳۔ اور اس عاجز کو خدا تعالیٰ نے آدم مقرر کر کے بھیجا اور ضرور تھا کہ وہ ابن مریم جس کا انجیل اور فرقان میں آدم بھی نام رکھا گیا ہے۔

(ازالہ اوہام ص ۲۹۶)

یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام قرآن کریم میں آدم رکھا گیا ہے خالص جھوٹ ہے۔ اور اس مضمون کو انجیل سے منسوب کرنا دوسرا جھوٹ ہے۔ اور یہ کہنا کہ مرزا کو اللہ تعالیٰ نے آدم مقرر کر کے بھیجا ہے۔ تیسرا جھوٹ ہے۔

۴۔ اور مجھے بتلایا گیا کہ تیری خبر قرآن و حدیث میں موجود ہے اور تو

ہی اس آیت کا مصداق ہے کہ هو الذی ارسل رسولہ۔۔۔۔۔

(انجاز احمد ص ۷)

کون نہیں جانتا کہ اس آیت کریمہ کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ پس یہ کہنا کہ تیری خبر قرآن میں ہے ایک جھوٹ۔ حدیث میں ہے

دوسرا جھوٹ، اور مرزا اس آیت کا مصداق ہے تیسرا جھوٹ۔ اور ان تمام

باتوں کو مجھے بتلایا گیا ہے کہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب بدترین افتراء علی الشریعہ

۵۔ قادیان میں خدا تعالیٰ کی طرف سے اس عاجز کا ظاہر ہونا الہامی

نوشتوں میں بطور پیش گوئی پہلے سے لکھا گیا تھا۔

(ازالہ اوہام ص ۷۷ حاشیہ)

یہ بھی سفید جھوٹ اور افتراء علی الشریعہ ہے  
 ۶۔ "لیکن ضرور تھا کہ قرآن شریف کی وہ پیشین گوئیاں پوری ہوتیں  
 جس میں لکھا گیا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو "اسلامی علماء کے  
 ہاتھ سے دُکھ اٹھائے گا (۲) وہ اسکو کافر قرار دیں گے (۳) اور اس کو  
 قتل کرنے کے فتوے دئے جائیں گے (۴) اور اس کی سخت توہین  
 ہوگی (۵) اور اس کو اسلام سے خارج اور دین کا تباہ کرنے والا خیال  
 کیا جائے گا۔" (اربعین ص ۱۷)

ان چھ باتوں کو قرآن کریم کی پیش گوئیاں قرار دینا سفید جھوٹ اور  
 افتراء علی الشریعہ ہے۔

۷۔ پھر خدائے کریم جل شانہ نے مجھے بشارت دے کر کہا کہ تیرا گھر  
 برکت سے بھرے گا۔ اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا۔ اور  
 خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا تیری  
 نسل بہت ہوگی۔ (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء)

اس اشتہار کے بعد مرزا کے عقد میں کوئی خاتون نہیں آئی۔ نسل کیسے ملتی؟  
 اس لئے اس فقرے میں اللہ تعالیٰ کی طرف جو بشارت "منسوب کی گئی ہے۔ یہ  
 دروغ بے فروغ اور افتراء خالص ہے۔

۸۔ "الہام بکروثیب" یعنی خدا تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ وہ دو عورتیں  
 میرے نکاح میں لائے گا۔ ایک بکر ہوگی اور دوسری بیوہ چنانچہ  
 یہ الہام جو بکر کے متعلق تھا پورا ہو گیا۔ اور بیوہ کے الہام کی انتظار  
 (ترویق القلوب ص ۳۴)

مرزا کے نکاح میں کوئی ثیب نہیں آئی۔ محمدی بیگم کے بیوہ ہونے کے انتظار

میں ساری عمر کٹ گئی۔ مگر وہ بیوہ نہ ہوئی۔ اس کے پیکر و ثیب کا الہام محض آخر  
علی الشتر ثابت ہوا۔

۹۔ شاید چار ماہ کا عرصہ ہوا کہ اس عاجسز پر ظاہر ہو گیا تھا کہ ایک  
فرزند قوی الطاقیتین کا مل الظاہر و الباطن تم کو عطا کیا جائے گا۔ سو  
اس کا نام بشیر ہو گا۔۔۔۔۔ اب زیادہ تر الہام اس بات پر چڑھے ہیں  
کہ عنقریب ایک نکاح تمہیں کرنا پڑے گا۔ اور جناب الہی میں یہ بات  
قرار پا چکی ہے کہ ایک پارسا طبع اور نیک سیرت اہلیہ تمہیں عطا ہوگی  
وہ صاحب اولاد ہوگی۔ (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ ص ۷۷)

یہ سارا مضمون سفید جھوٹ ثابت ہوا۔

۱۰۔ اس خدائے قادر و حکیم مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص (احمد بیگ)  
کی دختر کلاں (محترمہ محمدی بیگم مرحومہ) کے لئے سلسلہ جنابی کران  
دنوں جو زیادہ تصریح کیلئے بار بار توجہ کی گئی تو معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ  
نے مقرر کر رکھا ہے کہ وہ مکتوب الیہ کی دختر کلاں کو جس کی نسبت  
درخواست کی گئی تھی ہر ایک مانع دور کرنے کے بعد انجام کار اس  
عاجز کے نکاح میں لاوے گا۔ (اشتہار ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء)

یہ بھی دروغ خالص ثابت ہوا۔ مرزا محمدی بیگم کی حسرت نے کر دنیا سے رخصت  
ہوا۔ اس عفت مآب کا سایہ بھی اُسے مدۃ العمر نصیب نہ ہوا۔ اور اس سلسلہ میں  
جتنے "الہامات" گھڑے تھے سب جھوٹ کا پلندہ ثابت ہوئے۔ مرزا نے اس نکاح  
کے سلسلہ میں کہا تھا۔

"یاد رکھو اگر اس پیش گوئی کی دوسری جزو یعنی سلطان محمد کا مرنا اور  
اس کی بیوہ کا مرنا کے نکاح میں آنا، پوری نہ ہوئی تو میں ہر بہ سے  
بدتر ٹھہروں گا۔ (ضمیمہ انجام آختم ص ۷۵)



اللہ تعالیٰ نے ثابت کر دیا کہ مرزا داقتہؒ اپنے اس فقرہ کا مصداق تھا۔  
یہ بیسٹس مثالیں خدا و رسول پر افترا کی تھیں۔ اب دس مثالیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام  
پر افترا کی ملاحظہ کیجئے۔

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دس جھوٹ

۱۔ یہ بات بالکل غیر معقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا  
نیا آنے والا ہے کہ جب لوگ نماز کیلئے مسجد کی طرف دوڑیں گے تو وہ  
کلیسا کی طرف بھاگے گا، اور جب لوگ قرآن شریف پڑھیں گے تو وہ  
انجیل کھول بیٹھے گا۔ اور جب لوگ عبادت کے وقت بیت اللہ کی طرف  
منہ کریں گے تو وہ بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو گا، اور شراب پیئے گا  
اور سور کا گوشت کھائے گا۔ اور اسلام کے حلال و حرام کی کچھ پروا  
نہیں کرے گا۔ (حقیقۃ الہی ص ۲۹)

مرزا کا اشارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے۔ جن کی تشریف کے مسلمان  
قاتل ہیں۔ مگر مرزا نے ان کی طرف جو چھ باتیں منسوب کی ہیں یہ نہ صرف مرتکب جھوٹ  
بلکہ شرمناک بہتان ہے۔

۲۔ یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا اس کا سبب  
تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔

(حاشیہ کشتی نوح ص ۱۱)

۳۔ مسیح ایک لڑکی پر عاشق ہو گیا تھا جب استاد کے سامنے اس کا قصہ  
جمال کا تذکرہ کر بیٹھا تو استاد نے اس کو عاق کر دیا۔ یہ بات پوشیدہ  
نہیں کہ کس طرح مسیح بن مریم جو ان عورتوں سے ملتا اور کس طرح ایک

بازاری عورت سے عطر ملواتا تھا۔ (الحکم ۲۱ فروری سنہ ۱۹۰۳ء)  
 ۴۔ اور یسوع اس لئے اپنے تئیں نیک نہیں کہہ سکا کہ لوگ جانتے  
 تھے کہ یہ شخص شرابی کبابی ہے۔ اور یہ خراب چال چلن، نہ خدائی کے بعد  
 بلکہ ابتدا ہی سے ایسا معلوم ہوتا تھا چنانچہ خدائی کا دعویٰ شراب خوری  
 کا بد نتیجہ تھا۔

ان تین حوالوں میں شراب نوشی اور دیگر گندگیوں کی جو نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام  
 کی طرف کی گئی ہے۔ یہ نہایت گندہ بہتان ہے۔ اور ہمارے پاس وہ الفاظ نہیں  
 جن سے اس گندے بہتانوں کی مذمت کر سکیں۔ اور ہم یہ تصور نہیں کر سکتے کہ کوئی  
 شخص فحاشی و بد گوئی اور کینہ پن کی اس سطح تک بھی اتر سکتا ہے۔  
 ۵۔ "پائے کس کے آگے یہ ماتم یجا نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین  
 پیش گوئیاں صاف طور پر چھوٹی نکلیں" (اعجاز احمدی ص ۳۴۴)  
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئیوں کو صاف طور پر چھوٹی کہنا سفید  
 جھوٹ اور کفر صریح ہے۔

۶۔ عیسائیوں نے آپ کے بہت سے معجزات لکھے ہیں۔ مگر حق بات یہ  
 ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا، اگر آپ سے کوئی معجزہ بھی ظاہر  
 ہوا تو وہ معجزہ آپ کا نہیں بلکہ اس تالاب کا معجزہ ہے۔  
 (ضمیمہ بنام آخر ص ۷۵۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی نفی نہ صرف کذب صریح ہے، بلکہ قرآن حکیم  
 کی کھلی تکذیب ہے۔ اور عجیب تر یہ کہ مرزا "تالاب کا معجزہ" ماننے کیلئے تیار ہے  
 مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ماننے پر تیار نہیں  
 ہے۔ اب یہ بات بھی اور بھی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت ابن ماریہ



بازن حکم الہی الیسع نبی کی طرح اس عمل الترب (سمریزم) میں کہاں  
کھتے تھے۔  
(ازالہ ادہام ص ۳۰۸)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سمریزم کی نسبت کرنا ایک جھوٹ، اُن کے  
معجزات کو سمریزم کا نتیجہ قرار دینا دوسرا جھوٹ، اُس پر بازن و حکم الہی کا اضافہ  
تیسرا جھوٹ۔ اور حضرت الیسع علیہ السلام کو اس میں لپیٹنا تیسرا جھوٹ،  
۸۔ حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس تک  
نجاری کا کام کرتے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ بڑھی کا کام درحقیقت  
ایک ایسا کام ہے جس میں کلوں کے ایجاد کرنے اور طرح طرح کی صنعتوں کے  
بنانے میں عقل تیز ہو جاتی ہے۔

(ازالہ ادہام ص ۳۰۳)

یوسف نجات کو حضرت مسیح کا باپ کہنا ایک جھوٹ، حضرت مسیح کو بڑھی کہنا  
دوسرا جھوٹ۔ اور ان کے معجزات کو نجاری کا کرشمہ کہنا تیسرا جھوٹ۔

۹۔ ”بہر حال مسیح کی یہ تربی کارروائیاں زمانہ کے مناسب حال بطور  
خاص مصلحت کے تھیں مگر یاد رکھنا چاہئے کہ یہ عمل ایسا قدر کے لائق  
نہیں۔ جیسا کہ عوام الناس اس کو خیال کرتے ہیں۔ اگر یہ عاجز اس  
عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے  
امید رکھتا تھا کہ ان انجوبہ نمایوں میں حضرت ابن مریم سے کم نہ رہتا۔“

(ازالہ ادہام ص ۳۰۹)

حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کو ”تربی کارروائیاں کہنا، انہیں مکروہ  
اور قابل نفرت کہنا صریح بہتان اور تکذیب قرآن ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے  
برتری کی امید رکھنا اور اس کو فضل و توفیق خداوندی کی طرف منسوب کرنا صریح کفر  
اور افتراء علی الشر ہے۔“



۱۔ "اور آپ کی انہیں حرکات کی وجہ سے آپ کے حقیقی بھائی آپ سے ناراض رہتے تھے اور ان کو یقین ہو گیا تھا کہ آپ کے دماغ میں ضرور کچھ خلل ہے اور وہ ہمیشہ چاہتے رہے ہیں کہ کسی شفا خانہ میں آپ کا باقاعدہ علاج ہو سنا یہ خدا تعالیٰ شفا بخشے۔

(ضمیمہ انجام آتھم ص ۱)

"یسوع در حقیقت بوجہ مرگی کے دیوانہ ہو گیا تھا"

(حاشیہ ست بھین ص ۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف انغوز باشراخلل دماغ، مرگی، اور دیوانگی کی نسبت کرنا سفید جھوٹ ہے یہ اور اس قسم کی دیگر تحریریں غالباً مرزا نے "مراق" کی حالت میں لکھی ہیں جس کا اس نے خود کئی جگہ اعتراف کیا ہے۔ یہ مرزا کے جھوٹ کے تیشل نمونے پیش کئے گئے ہیں، جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مرزا کو سچائی اور راستی سے کتنی نفرت تھی، اس تحریر کو مرزا کی ایک عبارت پر عبارت پر ختم کرتا ہوں:-

"ظاہر ہے کہ جب ایک بات میں کوئی جھوٹا ثابت ہو جائے تو پھر دوسری باتوں میں بھی اس پر اعتبار نہیں رہتا"

(چشمہ معرفت ص ۲۲۲)

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایسے جھوٹوں سے بچائے۔ اور مرزائیوں کو بھی اس جھوٹ سے نکلنے کی توفیق ارزائی فرمائے۔

سبحانہ تعالیٰ العزت عما یمفون، وسلام علی المرسلین والحمد

للہ رب العالمین

محمد یوسف عطا الشریعہ

۲۲/۲/۱۴۰۴ھ

# مرزا غلام احمد کی پیشین گوئیاں واقعات کے آئینہ میں

از — مولانا کفیل احمد علوی کیرانوی  
قادیانیت کا مختصر تعارف اور... پیشین گوئیاں جنہیں خود  
غلام احمد قادیانی نے اپنے صادق یا کاذب ہونے کا معیار اور حق و  
باطل کے درمیان فیصلہ کن قرار دیا تھا اور جو قطعی طور پر غلط ثابت  
ہو چکے

## قادیانیت کے جیٹ و گریباں

اس وقت ہمارا موضوع مرزا غلام احمد قادیانی کی ان پیشین گوئیوں کا جائزہ  
لینا ہے جنہیں خود مرزا جی نے اپنے صادق یا کاذب ہونے کا اصل معیار قرار دیا ہے  
لیکن اس سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ غلام احمد کی شخصیت اور قادیانیت پر ایک  
سرری نظر ڈال لیا جائے۔ یہ نکتہ اب پھر سر اُبھارتا ہوا دکھائی دیر رہا ہے۔ اس لئے  
ضرورت ہے کہ مسلمان قادیانیوں کی نکتہ انگیزیوں اور خطرناک چالوں کو سمجھیں اور  
ان کی سازشوں سے باخبر رہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ زبان و قلم کی طاقت سے  
کام لے کر قادیانیت کے بد نما چہرہ کو سر عام بے نقاب کر دیں۔  
مرزا غلام احمد نے امام مہدی، مسیح موعود اور نبوت کے جھوٹے دعوے کر کے

ملتِ اسلامیہ کی صفوں کو بنیادی طور پر درہم برہم کرنے کی ناپاک سعی کی ہے اس حقیقت سے ہندو پاک اور بنگلہ دیش وغیرہ ممالک کے اہل علم حضرات بخوبی واقف ہیں اور انھوں نے اپنے اپنے دائروں میں بجا طور پر اس گمراہی کو روکنے اور حقائق کی طاقت سے اس کے اثرات بد کو ختم کر دینے کی موثر اور کامیاب کوششیں کی ہیں۔

مرزا غلام احمد اپنے زعم میں ختم نبوت کو مانتے تو ہیں مگر اس کی ایسی مہمل تاویل کرتے ہیں جو زمانے کے مترادف ہے۔ وہ قرآنی آیات مقدسہ کی اپنی فضیلت خواہشات کے مطابق تفسیر کرتے ہیں۔ وہ اور ان کے ساتھی انبیاء علیہم السلام کی توہین کرتے ہیں۔ غلام احمد کے خلیفہ مرزا بشیر الدین "حقیقۃ النبوة" میں ایک جگہ غلام احمد کے متعلق لکھتے ہیں:-

”وہ بعض اولوالعزم بیوں سے بھی آگے نکل گئے۔“

وہ اپنے جاہل چیلوں کو حضرات صحابہؓ کے ہم رتبہ قرار دے کر ان کی مستہ عظمت کو بجر و جح کرنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں۔ قادیانیوں کا اخبار الفضل جلد ۲ مؤرخہ ۲۲ مئی ۱۹۱۸ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:-

”پس ان دونوں گروہوں میں تفریق کرنی یا ایک کو دوسرے سے مجموعی رنگ میں افضل قرار دینا، ٹھیک نہیں۔ ممکن ہے ہمارا خیال غلط ہو۔ لیکن ہمارا تجربہ یہی ہے۔ ہمارے نزدیک وہ ایک دہریہ صفت آدمی تھا۔ ایک نہایت فریب کار انسان۔ اس کی ضخیم کتابیں اس کی ذہنی عیاری کی آئینہ دار ہیں۔ اس نے لوگوں کی نفسیات کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دنیا کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک اکثریت نادان لوگوں کی ہے۔ اور نادان لوگوں کو مختلف طریقوں سے بہکا کر اپنے ساتھ لگا لینا کوئی زیادہ مشکل کام نہیں۔ اب سوال یہ تھا کہ



عزت و شہرت، مال و دولت اور بھرپور مفادات حاصل کرنے کیلئے اُسے کونسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ اگر وہ مذہب کے خلاف جھنڈا اٹھا کر سامنے آتا تو اس کے اپنے ہی گھر کے اور خاندان کے لوگ چند قدم ہی آگے نہ بڑھنے دیتے اس شخص نے مسلمانوں کی تفصیلات کو بھی اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ یہ ایک ایسی قوم ہے جسے مذہب کے نام پر گرایا بھی جاسکتا ہے اور ٹھنڈا بھی کیا جاسکتا ہے۔ جگایا بھی جاسکتا ہے، سلایا بھی جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس نے مذہب کی آڑ میں وہ تمام کھیل کھیلے جو آج سب کے سامنے ہیں، بسو نے پر سہاگ یہ کہ اسے حکومت برطانیہ کا ہر رُخ سے بھرپور تعاون بھی حاصل رہا۔ حکومت اس وقت مسلمانوں کے اتحاد سے اور جذبہ جہاد کی تیز تر لہر سے خائف تھی۔ سید احمد شہیدؒ اور ان کے عظیم ساتھیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیاں انگریزی اقتدار کیلئے پریشان کن بنی ہوئی تھیں۔ مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے اور ان کی توجہات کو ملکی اور غیر ملکی مسائل سے ہٹا دینے کیلئے انھیں مسلمانوں میں ایسے ہی ذہین و فطین آدمی کی ضرورت تھی۔ مرزا غلام احمد "ترویاق القلوب" میں اقرار کرتے ہیں:-

"میں حکومت برطانیہ کا خود کاشتہ پودا ہوں۔" — ضمیمہ شہادت القرآن "میں لکھا، میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک جو قریباً ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہوں اپنی زبان و مسلم سے اس کام میں مشغول ہوں تاکہ مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلیشیہ کی سچی محبت اور خیر خواہی اور مسدودی کی طرف پھیر دوں۔ اور ان کے بعض کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال جہاد و غیرہ کے دور کردوں جو ان کو دل صفائی اور مخلصانہ تعلقات سے روکتے ہیں۔ — ترویاق القلوب " میں ایک جگہ لکھا ہے:-

"میں نے مخالفت جہاد اور انگریزی کی اطاعت کے بارے میں اس قدر

کتابیں اور اشتہارات شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں  
 اکٹھا کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ ایسی کتابوں  
 کو تمام عرب ممالک اور مصر و شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔  
 ایک طرف مرزا جی برابر مسلمانوں کو انگریزوں کے ساتھ وفا دہی کی تعلیم دیتے  
 رہے۔ دل سے مصلحانہ برتاؤ کی تبلیغ کرتے رہے دوسری طرف مرحلہ وار مسلمانوں  
 کے بنیادی عقائد پر شاطرانہ انداز میں حملے شروع کر دئے۔ اور توقع کے  
 مطابق ایسے لوگ بھی مل گئے جو پیدا تو مسلم گھرانوں میں ہوئے تھے مگر مرزا  
 کی طرح تھے بے دین اور مفاد پرست۔ چنانچہ انھوں نے اپنے گرد گھنٹاں  
 مرزا غلام احمد قادیانی کے علم و فضل، تقویٰ و طہارت، بزرگی اور بجا طور پر کشف  
 کرامت کی تشہیر شروع کر دی۔ اس کے استعاروں کو کامیاب، الہامات کو پتے  
 اور دعاؤں کو مستجاب بیان کیا جانے لگا۔ لوگ آنے لگے۔ بے وقوف اور توہم  
 پرست لوگوں کی کبھی کمی نہیں رہی۔ نہ پہلے تھی اور نہ آج ہے۔ پھر یہ تو دام ہی  
 ہم رنگ زمین بچایا گیا تھا۔ کچھ سادہ لوح اور پڑھے لکھے بھی پھنس گئے۔  
 پہلے مرحلہ میں مرزا نے مختلف نفسیاتی پہلوؤں سے کام لے کر اپنے خدا  
 رسیدہ ہونے کا تاثر لوگوں کے ذہن نشین کرایا۔ امام مہدی اور مجدد ہونے کا  
 دعویٰ کیا۔ دوسرے مرحلہ میں مسیح بن گئے، بنی ظلی ہو گئے۔ فن کاری دیکھے!  
 حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان پر زندہ ہونے کے بارے میں قرآنی صراحت  
 کے باوجود حیات مسیح کے تو قائل نہیں لیکن آمد مسیح کے قائل ہیں اور وہ مرزا  
 جی... خود ہیں۔ اس سوال سے بچنے کے لئے کہ جب آپ کے بقول مسیح زندہ  
 ہی نہیں تو آپ مسیح کہاں سے آ گئے۔ تو مثیل مسیح کا شوشہ لگا دیا۔ ایسے ہی  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر نصوص قطعہ موجود ہیں۔



اسی لئے علامتے سلف و خلف شد و مد سے ختم نبوت کے عقیدہ کو طارا ایمان قرار دیتے آئے ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ شخص بنی بن بیٹھا۔ اور اس حقیقت کے تازیانہ سے بچنے کے لئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی بنی نہیں ہوگا۔ ظلی و بروز کی اصطلاحیں گھڑائیں۔ جب کہ نبوت ظلی و مجازی یا بروز کی ہوتی ہی نہیں تیسرے مرحلہ میں ظلی و بروز کا تکلف بھی ختم کر دیا گیا۔ کہتے ہیں۔

هو الذي ارسل رسوله بالهدى  
وذين الحق دوسری آیت۔ محمد رسول اللہ والذین معہ میں  
محمد رسول اللہ سے مراد میں ہی ہوں۔ اخبار الفضل ج ۲ ص ۱۵، بحوالہ پیشین گوئیاں  
مولانا شمس الرحمن صاحب

شوقِ فضیلت یا جوشِ عیاری نے جب مزید ابھارا تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی انفض ہو گئے۔ کہتے ہیں۔

لما خسف القمر المنير وان لي خسفا القمران المشرقان اشكر  
اس کیلئے یعنی بنی کریم کیلئے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا۔ کیا اب تو انکار کرے گا ؟

(اعجاز نبوی ص ۷)

متعدد آیات کے بارے میں بے جھجک کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے مجھے مخاطب کیا ہے۔ اس شخص کا حوصلہ دیکھئے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام کی کچھ عظمتوں ہی کو اپنی ذات میں سمولینے کا مدعی نہیں بلکہ وہ صاف صاف کہتا ہے کہ میں ہی سب کچھ ہوں۔ وہ لکھتا ہے۔

”میں آدم ہوں۔ میں شلیث ہوں۔ میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں۔ میں



اسحاق ہوں، میں اسحاق ہوں۔ میں یعقوب ہوں۔ میں یوسف ہوں۔ میں موسیٰ ہوں۔ میں داؤد ہوں۔ میں عیسیٰ ہوں۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا منظر اتم ہوں۔ یوں ظنی طور پر محمد اور احمد ہوں“ (حقیقۃ الوحی)

اس کا کہنا ہے کہ ”میرے معجزات انبیاء کے معجزات سے بڑھ کر ہیں (کشتی نوح) اور میری پیش گوئیاں نبیوں کی پیش گوئیوں سے زیادہ ہیں“ (توضیح المرام)

اس نے کہا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو جس چیز کو بنانا چاہے پس کن کہہ دے وہ ہو جائے گی“ (حقیقۃ الوحی ص ۵۱) جب کہ صاحب بہادر کی وہ پیشین گوئیاں بھی پوری نہیں ہو پاتیں جو انتہائی بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ کی گئی تھیں جنہیں ہم یہاں پیش کر رہے ہیں۔

## مرزا غلام احمد کی فیصلہ کن پیشین گوئیاں اور

### ان کا شرمناک انجام

غلام احمد قادیانی اگرچہ بے پناہ چالاک آدمی تھا۔ مگر جیسے کسی طالع کا حد سے زیادہ بڑھا ہوا حوصلہ اس کی غرقابی کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی طرح چالاک و متکاری میں اس کا حد سے زیادہ گذر جانا اس کو بڑی طرح لے ڈوبا اس نے مختلف پہلوؤں سے انبیاء علیہم السلام کی شان میں گستاخیاں کیں، قرآن کریم کا تحریف میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ کلمۃ اسلام کا جو عطا انکار نہیں کیا مگر اس کے خلاف تمام تقاضوں کی طرح مخالفت کی۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اجماع امت کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں۔ ہرم قدم پر مسلمانوں کی دل کاٹھکی کی۔ عیسائیوں کو بھی نہیں بچا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یوسف بنار کا ناجائز بیٹا بتایا

جو قرآنی صداقتوں کے قطعی خلاف ہے۔ ہندوؤں کے بزرگوں کی بھی مٹی پلید کر کے رکھ دی۔ اس طرح غلام احمد نے ایک ہی وقت میں بہت ساری مخالفتیں مول لے لیں۔

عیسائیوں کے ساتھ امرت سر کے ایک مناظرہ میں جب مرزا جی ایک بوڑھے پادری عبداللہ آتھم سے شکست فاش کھا گئے تو بھنچھلاہٹ میں اس کے لئے موت کی پیشین گوئی کر دی اور یہ سمجھ کر کہ یہ بوڑھا شخص ہے۔ سال ڈیڑھ سال میں رڑھک جائے گا۔ پیشین گوئی کی مدت پندرہ ماہ رکھی گئی۔ اعمال بد کے نتیجہ میں مرزا جی کو قدرتی طور پر ذلیل ہونا تھا۔ پادری سخت جان ہو گیا۔ اور پیشین گوئی کی مدت پوری ہونے کے بعد بھی کافی عرصہ تک زندہ رہا۔ ہم پہلے اسی الہامی پیشین گوئی کا جائزہ لیں گے۔

دافع رہے کہ ہم پادری آتھم کے حامی نہیں ہیں اور نہ مذہباً اسے حق پر سمجھتے ہیں۔ توحید کو چھوڑ کر تثلیث پر یقین رکھنے والا حق پر کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس پیشین گوئی کو چونکہ مرزا غلام احمد نے اپنے صدق و کذب کا معیار قرار دیدیا تھا۔ اس لئے اس کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

اس پیشین گوئی کے ساتھ مرزا جی نے اور بھی کئی پیشین گوئیاں شامل کر دی تھیں۔ ایک پنڈت لیکھرام کے متعلق جو ان کی بیہودہ گوئیوں پر انھیں برا بھلا کہتے رہتے تھے۔ دوسری مرزا احمد بیگ کے بارے میں۔ جو ان کے قریبی عزیز تھے اور جنھوں نے اپنی بیٹی محمدی بیگم سے بوڑھے مرزا جی صاحب بہادر کا پیغام نکاح عقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔ ان پیشین گوئیوں کے سلسلے میں مرزا جی کی صاف ملاحظہ فرمائیں، شہادت القرآن میں لکھتے ہیں۔

”پھر ماسوا اس کے اور عظیم الشان نشان اس عاجز کی طرف سے عرض



امتحان میں ہیں جیسا کہ منشی عبداللہ آتھم صاحب امرت سری کی نسبت  
پیشین گوئی جس کی میعاد ۵ جون ۱۸۹۱ء سے پندرہ مئی تک اور  
پنڈت لیکھ رام پٹاوری کی موت کی نسبت جس کی میعاد ۱۸۹۲ء سے  
چھ سال تک ہے اور پھر مرزا بیگ ہوشیار پوری کے داماد کی نسبت  
پیشین گوئی جو پٹی ضلع لاہور کا باشندہ ہے۔ جس کی میعاد آج کی تاریخ  
۲۱ ستمبر ۱۸۹۲ء ہے قریباً ۱۱ مہینے باقی رہ گئی ہے۔ یہ تمام امور  
جوانسالی طاقتوں سے بالکل بالاتر ہیں ایک صادق یا کاذب کی شناخت  
کیلئے کافی ہیں۔ کیونکہ احیاء اور امات دونوں حق تعالیٰ کے اختیار  
میں ہیں اور جب تک کوئی شخص نہایت درجہ کا مقبول نہ ہو۔ خدا تعالیٰ  
اس کی خاطر سے کسی اس کے دشمن کو اس کی دغا سے ہلاک نہیں کر سکتا  
خصوصاً ایسے موقع پر کہ وہ شخص اپنے تئیں منجانب اللہ قرار دے  
اور اپنی اس کرامت کو اپنے صادق ہونے کی دلیل ٹھہراوے پیشین گوئی  
کوئی معمولی بات نہیں کوئی ایسی بات نہیں جو انسان کے اختیار میں ہوں۔  
بلکہ محض اللہ جل شانہ کے اختیار میں ہیں۔ سو اگر کوئی طالب حق ہے تو  
ان پیشین گوئیوں کے وقتوں کا انتظار کرے۔ یہ تینوں پیشین گوئیاں  
ہندوستان اور پنجاب کی تینوں بڑی قوموں پر حاوی ہیں یعنی ایک  
مسلمان سے تعلق رکھتی ہے اور ایک ہندوؤں سے اور ایک عیسائیوں  
سے۔ اور ان میں سے وہ پیشین گوئی جو مسلمان قوم سے تعلق رکھتی ہے  
بہت ہی عظیم الشان ہے۔ کیونکہ اس کے اجراء یہ ہیں ۱) مرزا احمد بیگ  
ہوشیار پوری تین سال کی میعاد کے اندر فوت ہو گا۔ ۲) مرزا احمد بیگ  
جو اس کی دختر کا لڑکا ہے، کا شوہر ہے۔ اور سات سال کے اندر فوت ہو گا۔



(۳) اور پھر یہ کہ مرزا احمد بیگ تاروز شادی دختر کلاں فوت نہ ہو (۴)  
 اور پھر یہ کہ وہ دختر بھی تانکاح اور تا ایام بیوہ ہونے اور نکاح ثانی کے  
 فوت نہ ہو (۵) اور پھر یہ کہ یہ عاجز بھی ان تمام واقعات کے پورے  
 ہونے تک فوت نہ ہو (۶) اور پھر یہ کہ اس عاجز سے (محمدی بیگم کا) نکاح  
 ہو جائے اور ظاہر ہے کہ یہ تمام واقعات انسان کے اختیار میں نہیں۔

## پادری آتھم کے بارے میں ایک خصوصی الہام

پادری آتھم کے متعلق پیشین گوئی کہ وہ ۵ جون ۱۸۹۳ء سے پندرہ ماہ کے اندر  
 اندر مر جائے گا، ہم مرزا جی کی واضح عبارت نقل کر چکے ہیں لیکن بعد میں مرزا جی کو  
 آتھم کے بارے میں ایک خصوصی الہام ہوا جس کے الفاظ یہ ہیں۔

”آج رات جو مجھ پر کھلا وہ یہ ہے کہ جب میں نے تفرغ اور ابتہاں سے  
 جناب الہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے میں  
 تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تو اس نے یہ نشان بشارت کے  
 طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں (جو آتھم سے ہوئی تھی) دونوں فریقوں  
 میں سے جو فریق غدا جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان لا محضت  
 عیسیٰ (کو خدا بتا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن  
 ایک لے کر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ (جہنم) میں گرایا جائے گا اور  
 اس کو سخت ذلت پہنچے گی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور جو  
 شخص حق پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت  
 ظاہر ہوگی اور اس وقت جب پیشین گوئی ظہور میں آئے گی تب بھی

اندھے سو جا کے ہو جاویں گے۔ اور بعض ننگے چلنے لگیں گے۔  
اور بعض بہرے سننے لگیں (جنگ مقدس)  
اس پیشین گوئی کے بارے میں مزید لکھتے ہیں :-

”میں حیران تھا کہ اس بحث میں مجھے کیوں آنے کا اتفاق پڑا۔ معمولی  
بجائیں تو اور لوگ بھی کرتے ہیں۔ اب یہ حقیقت کھلی کہ اس نشان کے  
لئے تھا۔ میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشین گوئی جھوٹی  
نکلی یعنی وہ فریق جو خدا تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ پندرہ  
ماہ کے عرصہ میں، آج کی تاریخ سے بسزائے موت ہاویہ (جہنم)  
میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔  
بھکو ذلیل کیا جائے، رُوسباہ کیا جائے، میرے گلے میں رصاص ڈال  
دیا جائے، مجھ کو پھانسی دیا جائے۔ ہر ایک بات کیلئے تیار ہوں۔ اور  
میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کریگا  
ضرور کرے گا۔ ضرور کرے گا۔ زمین آسمان ٹل جائیں پر اس کی باتیں  
نہ ملیں گی،، (حوالہ مذکور)

اس پیشین گوئی میں مرزا جی نے پوری وضاحت کے ساتھ یہ یقین دلایا ہے کہ  
اگر آتھم نے حق کی طرف رجوع نہ کیا تو وہ پیشین گوئی کی تاریخ سے پندرہ مہینے  
کے عرصہ میں مر جائے گا، جہنم رسید ہو جائے گا۔ واضح رہے کہ مرزا جی حق پر  
خود کو اور اپنے عقیدے ہی کو سمجھتے تھے۔ اس لئے آتھم کے حق کی طرف رجوع کرنے کا  
صاف مطلب یہی تھا کہ اگر وہ عیسائیت سے تائب ہو کر مرزا جی کے دین میں  
داخل نہ ہوئے اور انھیں مسیح موعود نہ مانا تو لازماً پیشین گوئی کے مطابق پندرہ ماہ  
کے اندر مر جائیں گے۔ اور طبیعت موت نہیں مریں گے۔ بلکہ بسزائے موت جہنم میں نہیں



مگر افسوس مرزا جی کی اس قدر اہم پیشین گوئی کے بعد بھی وہ پندرہ مہینے کے اندر نہیں مرے۔ کافی لمبے عرصے تک زندہ رہے۔ پیشین گوئی کے مطابق پادری آتھم کو ۱۸ ستمبر ۱۸۹۶ء تک جہنم رسید ہو جانا چاہئے تھا مگر وہ ۷ دسمبر ۱۸۹۶ء میں مرے۔ اور طبعی موت مرے۔ دیکھئے ہدایتہ المتری عن غواۃ القفری ص ۱۴۱، مصنفہ مولانا عبد الغنی بٹالوی۔ پیشین گوئی کی میعاد پوری ہو جانے کے بعد عیسائیوں نے آتھم کا بڑی دھوم دھام کے ساتھ امرت سر شہر میں جلوس نکالا اور لوگوں کو دکھایا کہ دیکھو آتھم زندہ ہے۔ مرزا جی کی پیشین گوئی رکھی رہ گئی اور وہ بد نصیب لنگرے، اندھے اور ہرے بھی ٹھیک ہونے سے محروم رہ گئے۔ جن کو پیشین گوئی کے ظہور میں آنے کے ساتھ بشارت دی گئی تھی۔

اب اگر مرزا جی کو اپنے دعوؤں کا پاس ہوتا تو انھیں چاہئے تھا کہ وہ صاف طور پر اپنے کاذب اور فریبی ہونے کا کھلے عام اعتراف کرتے، اپنے آپ کو عوام کی ہدایت میں سزا کیلئے پیش کر دیتے۔ اور اعلان کرتے کہ میں جسے وحی سمجھتا تھا۔ درحقیقت وہ وحی نہیں تھی۔ شیطانی حرکات تھیں۔ اور حق تعالیٰ کی بارگاہِ بے نیاز میں سجدہ ریز ہو کر اپنے گناہوں کا اقرار کرتے۔ اپنے سابقہ کردار پر ہزار بار لعنت بھیجتے اور دین کی صحیح راہ پر گامزن ہو جاتے لیکن اس شخص نے ایسا نہیں کیا۔ اور وہ کربھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ وہ کسی غلط فہمی کا شکار تھا ہی نہیں۔ نہ اس پر کسی خبیث کا کوئی اثر تھا۔ درحقیقت حال کھل جانے پر وہ لازماً تائب ہو گیا ہوتا۔ ہم اپنا خیال ظاہر کر چکے ہیں کہ وہ ایک زمین دہن اور الحاد پسند آدمی تھا۔ جو کچھ وہ کر رہا تھا۔ پوری طرح جان بوجھ کر کر رہا تھا۔ لوگوں کو بے وقوف بنانے اور اپنا اٹو سیدھا کرنے کے لئے کر رہا تھا۔



## مرزا جی کے کرتب

**پہلا کرتب**۔ جب مرزا جی نے دیکھ لیا کہ پادری آتھم اُن کی پیشین گوئی کی مدت نکل جانے کے بعد بھی زندہ ہے۔ جس سے لوگوں میں ان کی بُری طرح رسوائی پھری ہے اور اپنے لوگوں کے ٹوٹ جانے کا بھی خطرہ ہے۔ وہ سوالات بھی کر رہے ہیں۔ تو آپ نے پینتر ابدلہ فرمایا۔

”میری مراد صرف آتھم سے نہیں بلکہ پوری جماعت سے ہے جو اس بحث میں اس کی معاون تھی“ اور الاسلام ص ۳ مصنفہ مرزا

لوگوں کو احمق بنانے کے لئے پیشین گوئی کو زبردستی وسعت دیکر پادریوں کی صفوں میں نظر و ڈرائی شروع کر دی۔ اس عرصہ میں ایک پادری رائٹ مر گیا تھا۔ قدرت کا نظام ہے۔ لوگ پیدا بھی ہوتے ہیں۔ مرتے بھی رہتے ہیں۔ جیسے ہی رائٹ کا مرنا معلوم ہوا۔ فوراً مرزا جی پکار اُٹھے کہ میری پیشین گوئی پوری ہو گئی۔ پادری رائٹ مر گیا۔ ہاویہ میں جاگرا یا۔ اب کہتے! اسے عیاری نہیں کہیں گے تو اور کیا کہیں گے؟ پیشین گوئی کی گئی آتھم کے بارے میں۔ مراد لے لی جماعت۔ مر گیا رائٹ۔ مرزا جی کی پیشین گوئی پوری ہو گئی۔ بہت خوب! کیا کہتے ہیں نبی ظلی کی دیانت و صداقت کے!

مرزا جی کو تو جھوٹ دیکھتے۔ وہ توجہ بھی اپنی اور پیٹ بھی اپنی سے کام لے کر اپنا اتومبیل چلا کر رہے تھے۔ افسوس تو ان پر ہے جو قدرت کی عطا کی ہوئی سمجھ اور روشن آنکھوں سے صحیح کام نہ لے کر مرزا جی کے ساتھ اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں اور اتنی کھلی ہوئی باتیں بھی انہیں غلط راہ سے نہیں ہٹا سکیں۔

**دوسرا کرب و** سمجھے ہوں گے کہ شاید میری یہ توجہ لوگوں کو مطمئن نہ کر سکے  
اس احساس سے دوسرا پینتر بدلا۔ فرمایا۔

”پیشین گوئی میں یہ بھی تو ہے کہ اگر اس نے حق کی طرف رجوع نہ کیا اور

اس نے رجوع الی الحق کر لیا تھا۔ اسی لئے تو نہیں مرا“ مزید فرمایا۔

پیشین گوئی نے اس کے دل پر اثر کیا اور وہ پیشین گوئی کی عظمت کی

وجہ سے دل میں موت کے غم سے شہر شہر مارا پھرتا رہا۔

(اشتہارات ہزاری و دو ہزاری سے ہزاری انوار الاسلام)

جب لوگوں نے کہا مرزا جی! اس نے رجوع الی الحق کیا کہاں۔ وہ تو آج تک عیسائیت

پر مضبوطی سے قائم ہے، تو ایک اور پینتر بدلا۔ فرمایا۔

”میری پیشین گوئی کے بعد اس کے دل میں موت کا ڈر پیدا ہوا جس سے

وہ خدا کی طرف رجوع ہوا اور اس سے ڈرا۔ اسی لئے امرتسر سے باہر

آتا جاتا رہا“

اہل نظر غور فرمائیں! پندرہ ماہ کے عرصہ میں کیا کسی کو دو چار سفر پیش

نہیں آسکتے ہیں اس کبھی زیادہ آسکتے ہیں۔ اور آتے جتے ہیں۔ اگر پادری آتھم بھی اپنی کسی

ضرورت سے دو چار دفعہ کہیں سفر میں چلا گیا تو کیا اس کا یہ مطلب لیا جائیگا

کہ وہ مرزا جی کی پیشین گوئی سے ڈر کر امرتسر سے باہر بھاگا پھرتا رہا؟ اور پھر

پیشین گوئی میں یہ کہاں ہے کہ وہ امرتسر میں رہا تو مرے گا۔ باہر چلا گیا

تو نہیں مرے گا۔ اس میں تو صرف مرنے کی بات ہے۔ وہ پندرہ ماہ کی شیعہ

مدت میں کہیں بھی مر جاتا، پیشین گوئی سچی سمجھی جاتی۔

**تیسرا کرب و** مرزا جی جانتے تھے کہ پیشین گوئی پوری نہ ہونے کی وجہ سے  
صورت حال زیادہ بگڑ گئی ہے۔ ابھی تک کوئی بات



ڈھنگ کی نہیں بنی۔ اس لئے آپ نے ایک نیا پینترا بدلا اور لوگوں کو یہ اثر دینا چاہا کہ آتھم اگرچہ عیسائیت پر قائم ہے مگر دلی طور سے وہ حق کی طرف مائل ہو گیا ہے۔ اور میری پیشین گوئی کے بعد سے اس نے عیسائیت کیلئے کوئی کام نہیں کیا۔ کہتے ہیں۔

”اس نے اس مباحثہ کے بعد میری پیشین گوئی کے ڈر سے عیسائیت کی حمایت میں ایک سطر بھی نہیں لکھی۔ بس یہی اس کے رجوع کی علامت ہے۔“ (انجام آتھم)

درانحالیکہ آتھم عیسائیت کی حمایت میں حسبِ طاقت برابر لکھتا رہا۔ اس نے نہ صرف عیسائیت کی حمایت ہی میں لکھا بلکہ خود مرزا جی کی فریبکارانہ حرکتوں پر سے بھی وہ زندگی کے آخری دنوں تک پروے اٹھاتا رہا۔ اُسے دجال، کذاب اور فریب کار تک لکھتا رہا۔ مرزا جی کے پیچھے آنکھیں بند کر کے چلنے والے اس صورت حال کو کیا کہیں گے؟ کیا مرزا کو جھوٹا اور دجال کہنے والا شخص بھی ان کی نظر میں رجوع الی الحق کئے ہوتے ہے؟ جس کی وجہ سے وہ پیشین گوئی کی سخت مار سے بچ گیا۔

درحقیقت اس پیشین گوئی کے سراسر غلط ثابت ہو جانے سے مسیح موعود اور نبی ظلی کی ذات کو شدید دھکا پہنچا۔ اس کا قہر نبوت سارا کا سارا زمین پر آ رہا۔ وہ چالاک ترین آدمی ہونے کے باوجود گھبرا گیا۔ اور اس گھبراہٹ میں ایک سے ایک لپٹ اور بے تکی بات کہہ گیا۔

بات بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہ بنے

ایک جگہ کہتے ہیں:-

آتھم نے جلد مباحثہ میں شرمعز آدمیوں کے روبرو آنحضرت ﷺ



کو دجال کہنے سے رجوع کیا اور پیشین گوئی کی بنا ہی تھی کہ اس نے آپ کو دجال کہا تھا۔

قارئین غور فرمائیں! اس پیشین گوئی میں کسی رخ سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں۔ اس میں تو یہ ہے کہ جو فریق عدا جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجزان ان کو خدا بنارہا ہے۔ وہ پندرہ مہینے کے اندر ہادیہ میں گرایا جاوے گا، مرزا جی کو اس پیشین گوئی نے دراصل ایک ایسے موڑ پر کھڑا کر دیا تھا۔ جہاں انہیں کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا۔ اور وہ بوکھلائے ہوئے تھے۔

**مرزا جی کی الہی منطق** | پیشین گوئی کی مدت میں آتم کے جنم رسید نہ ہونے کی ایک طرف تو وجہ یہ بتائی جا رہی ہے کہ اس نے رجوع الی الحق کر لیا تھا۔ اسی لئے وہ پیشین گوئی کی مارے پنج نکلا۔ دوسری طرف مرزا جی کہتے ہیں:-

”وہ ہادیہ میں مبتلا رہا جس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ موت کے ڈر سے پریشان حال رہا۔ امرتسر سے گھبراہٹ میں ادھر ادھر بھاگا پھرا اس کا سکون غارت ہو گیا اور وہی ہادیہ ہے، آگے کھتے ہیں:-  
”ہمارے پیشین گوئی کے الہامی الفاظ پڑھو اور ایک طرف اس کے مصائب کو جانچو جو اس پر وارد ہوئے۔ تو تمہیں کچھ بھی اس بات میں شک نہیں ہو گا کہ وہ بے شک ہادیہ میں گرا ضرور گرا۔ اور اس کے دل پر وہ ریخ و غم اور بدحواسی وارد ہوئی جس کو ہم آگ کے عذاب سے کچھ کم نہیں کہہ سکتے۔“ (انوار الاسرار ص ۳۴)

اب مرزا جی تو ہیں نہیں جو ان سے پوچھتے کہ یہ کیا الہی منطق ہے کیا ایک طرف تو اس پر زور دیا جا رہا ہے کہ آتم نے رجوع الی الحق کر لیا تھا۔ دوسری طرف

یوں فرمایا چار ہا سچے کہ وہ ہادیہ (جہنم) میں گرا۔ ضرور گرا۔ معلوم نہیں کہ وہ کم نبت حق کے ساتھ ہادیہ میں کیسے گر گیا!

## مولانا محمد حسین وغیرہ سے متعلق پیشین گوئی

یہ پیشین گوئی مولانا محمد حسین بٹالوی اور ان کے دو ساتھیوں کے لئے کی گئی تھی جو مرزا جی کے لئے ایک بھاری آفت بنے ہوئے تھے۔ جن کے سامنے مرزائی ساری مکاریاں ناکام ہو رہی تھیں۔ مرزا غلام احمد نے اپنی اس الہامی پیشین گوئی کو بھی فیصلہ کن اور حق و باطل کا معیار قرار دیا تھا۔ اپنے متوسلین کو معصومانہ انداز میں ہدایات دیتے ہوئے۔ لکھتے ہیں:-

”میں اپنی جماعت کیلئے خصوصاً یہ اشتہار شائع کرتا ہوں کہ وہ اس اشتہار کے نتیجہ کے منتظر ہیں کہ ۲۱ نومبر ۱۸۹۵ء کو بطور مباہلہ شیخ محمد حسین بٹالوی صاحب اور اس کے دو رفیقوں کی نسبت شائع کیا گیا ہے جس کی میعاد ۱۵ ارجوری سنہ ۱۲۹۵ء میں ختم ہوگی اور میں اپنی جماعت کو چند لفظ بطور نصیحت کہتا ہوں کہ وہ طریق تقویٰ پر پختہ مار کر یا وہ گوئی کے مقابلہ پر یا وہ گوئی نہ کریں۔ اور گالیوں کے مقابلہ پر گالیاں نہیں دے بہت کچھ ٹھٹھا اور سنی سنیں گے۔ جیسا کہ سن رہے ہیں مگر چاہئے کہ خاموش رہیں۔ اور تقویٰ اور نیک بختی کے ساتھ خدا تعالیٰ کے فیصلہ کی طرف نظر رکھیں۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی نظر میں قابل تائید ہوں تو صلاح اور تقویٰ اور صبر کو ہاتھ سے نہ دیں۔ اب اس عدالت کے سامنے مسل مقدمہ ہے جو کسی کی رعایت نہیں کرتی اور گستاخانہ طریقوں کو پسند نہیں کرتی جب تک انسان عدالت کے



کمرے سے باہر ہے۔ اگرچہ اس کی بدی کا بھی مواخذہ ہے مگر اس شخص کے جرم کا مواخذہ بہت سخت ہے جو عدالت کے سامنے کھڑے ہو کر بطور گستاخی ارتکاب جرم کرتا ہے۔ اس لئے میں تمہیں کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی عدالت کی توہین سے ڈرو اور نرمی اور تواضع اور صبر و تقویٰ اختیار کرو اور خدا تعالیٰ سے چاہو کہ وہ تم میں اور تمہاری قوم میں فیصلہ فرمادے۔ (رسالہ راز حقیقت)

اب مرزا جی کا مندرجہ ذیل اشتہار ملاحظہ فرمائیے۔

”میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ وہ مجھ میں اور محمد حسین بٹالوی میں آپ فیصلہ کرے اور وہ دعا جو میں نے کی ہے یہ ہے کہ اے ذوالجلال پروردگار اگر میں تیری نظر میں ایسا ہی ذلیل اور چھوٹا اور مفتری ہوں جیسا کہ محمد حسین بٹالوی نے اپنے رسالہ ”اشاعت السنہ“ میں بار بار جھکو کذاب اور دجال اور مفتری کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ اور جیسا کہ اس نے اور محمد بخش جعفر زٹلی اور ابوالحسن قننی نے اس اشتہار میں جو ۱۰ نومبر ۱۲۹۷ء کو چھپا ہے میرے ذیل کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ تو اے میرے مولا اگر میں تیری نظر میں ایسا ہی ذلیل ہوں تو مجھ پر تیرہ ماہ کے اندر یعنی ۵ ارب دسمبر ۱۲۹۸ء سے ۵ ارب جنوری ۱۲۹۹ء تک ذلت کی مار وارو کر اور ان لوگوں کی عزت اور وجاہت ظاہر کرنا اور اس روز کے جھگڑے کو فیصلہ فرما۔ لیکن اگر میرے آقا میرے مولا میرے منعم۔ میری ان نعمتوں کے دینے والے جو تو جانتا ہے اور میں جانتا ہوں تیری جناب میں میری کچھ عزت ہے تو میں عاجزی سے دعا کرتا ہوں کہ ان تیرہ مہینوں میں جو ۵ ارب دسمبر ۱۲۹۸ء سے ۵ ارب جنوری ۱۲۹۹ء تک



شمار کئے جائیں گے۔ شیخ محمد حسین اور جعفر زٹلی اور متقی مذکور کو جنہوں نے میرے ذلیل کرنے کیلئے یہ اشتہار لکھا ہے۔ ذلت کی مار سے دنیا میں رسوا کر۔ غرض اگر یہ لوگ تیری نظر میں سچے اور متقی اور پرہیزگار اور میں کذاب اور مفتری ہوں تو مجھے ان تیرہ مہینوں میں ذلت کی مار سے تباہ کر۔ اور اگر تیری جناب میں مجھے وجاہت اور عزت ہے تو میرے لئے یہ نشان ظاہر فرما کر ان تینوں کو ذلیل اور رسوا اور ضربت علیہم الذلۃ کا مصداق کر۔ آگے لکھتے ہیں۔

”یہ دُعائی جو میں نے کی۔ اس کے جواب میں الہام ہوا کہ میں ظالم کو ذلیل اور رسوا کروں گا اور وہ اپنے ہاتھ کاٹیں گے“

اس کے بعد یہ الہام ہوا اور کچھ الہامات عربی میں ہوئے۔ کہتے ہیں۔ ”یہ خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہے جس کا ماحصل یہی ہے کہ ان دونوں فریق میں سے جن کا ذکر اس اشتہار میں ہے۔ یعنی یہ خاکسار ایک طرف شیخ محمد حسین اور جعفر زٹلی اور مولوی ابوالحسن متقی، دوسری طرف خدا کے حکم کے نیچے ہیں۔ ان میں سے جو کاذب ہے وہ ذلیل ہو گا۔ یہ فیصلہ چونکہ الہام کی بنا پر ہے اس لئے حق کے طالبوں کے لئے ایک کھلا کھلا نشان ہو کر ہدایت کی راہ ان پر کھولے گا۔

مرزا جی نے عاجزانہ اور دلکش انداز میں اپنے متبعین کو یاد دیکر اپنی پیشین گوئیوں کے برحق ہونے پر اور اپنے نصب العین کی صداقت پر جملے کی سعی کی ہے۔ بہر کیف وہ کوئی بھی انداز اختیار کریں ہمیں اس سے یہاں کوئی بحث نہیں، بحث ان کی پیشین گوئیوں سے ہے۔ یہ بات تو قارئین کے سامنے آئی گئی کہ مرزا جی اپنی ان پیشین گوئیوں کو اپنے صادق یا کاذب ہونے کا معیار

لے ہاتھ کاٹنے سے مراد یہ ہے کہ جن باتوں سے ظالم نے جو حق پھیلے ناجائز تحریر کا کام لیا وہ ہاتھ اس کی حسرت کا موجب ہوں گے۔ وہ افسوس کرے گا کہ کیوں یہ ہاتھ ایسے کام پر چلے۔ (مرزا)

قرار دیر ہے میں اور پوری قوت کے ساتھ یہ حقیقت ذہن نشین کر رہے ہیں کہ اگر یہ پیشین گوئیاں اپنی اپنی جگہ صحیح اور حق ثابت ہوئیں تو مجھے دوسری باتوں میں بھی صادق تسلیم کیا جائے عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ ورنہ ہر بہت سے کاذب، مفتری اور جھوٹا سمجھا جائے۔ یہ پیشین گوئیاں کیونکہ بہت زوردار دعووں کے ساتھ کی گئی تھیں اس لئے ان کے نام مجھ متبعین نے بھی خوب دل کھول کر روپیگندہ کیا اور بے قراری کے ساتھ ان کے وقوع پذیر ہونے کا انتظار کیا جانے لگا۔

الہام مرزا کے بموجب یہ فیصلہ قطعی اور احسن فیصلہ ہونا چاہیے تھا۔ ان کے چیلے مرزا جی کو تو حق ہی پر جانتے تھے۔ وہ شدت سے منتظر تھے کہ اب دیکھئے پیشین گوئی زدہ لوگوں کا کیا حشر بنتا ہے۔ مگر وہ نیک حضرات کیونکہ حق پر تھے اور ان کے سینے ختم نبوت کے صحیح عقیدے کی روشنی سے منور تھے اس لئے ان کا کچھ بھی نہیں بگڑا۔ خود مرزا جی کی پیشین گوئی کی موجب ان کے ساحل ایمان سے ٹکرا کر فضا میں تحلیل ہو گئیں۔ وہ نیک دل اور مخلص حضرات ہر طرح بعافیت رہے ملت اسلامیہ میں ان کی عزت افزائی ہوئی۔ البتہ مرزا جی کی رسوائیوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ مگر وہ بزبان خود مسیح موعود اور نبی ظلی ایسے کہاں تھے جو حقائق کو تسلیم کر لیتے۔ حقائق سے تو ان کو الزمی ہوتی تھی۔

پیشین گوئی کے تیرہ ماہ کے اندر تو کیا، کئی سال بعد تک بھی جب مرزا جی کے مقابل لوگوں پر کوئی آفت نہ آئی اور نہ کوئی آفت ادب پڑی تو مرزا جی نے اپنی دیرینہ عادت کے مطابق اسی فن کاری سے کام لیا۔ جس کا مظاہرہ وہ پہلے سے کرتے آرہے تھے۔ پیشین گوئی کا نشانہ بنائے جانے والوں کے خلاف کفر کا فتویٰ جسٹریا اور شور مچا دیا کہ میری پیشین گوئی پوری ہو گئی۔ وہ ذلیل ہو گئے،



ان پر کفر کا فتویٰ لگ گیا۔ نیز یہ کہ اس اثناء میں محمد حسین کو کافی زمین ملی ہے، وہ زمیندار ہو گیا ہے۔ یہ بھی ہماری پیشین گوئی کے سچے ہو جانے کا یقین ثبوت ہے، لوگوں نے پوچھا کہ زمین کا ملنا تو خوش حالی کی علامت ہے اور جسے انعامِ خداوندی کہنا چاہئے۔ اس میں تو ان کی عزت ہی بڑھی۔ ذلت تو نہ ہوئی۔ یہ بات سمجھ سے باہر ہے۔ ہاں اگر زمین ناجائز طور پر یا ظالمانہ انداز میں حاصل کی گئی ہے تو آپ کی بات کسی حد تک ٹھیک کہی جاسکتی ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ یا پھر آپ ثابت کیجئے !

اس پر فرمایا گیا، وہ زمین ملنے سے زمیندار ہو گیا ہے۔ جو ذلت ہے کیونکہ جس گھر میں کھیتی کے آلات داخل ہوں وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔ — یہ ہیں مرزا کی بہادر کی توجیہات اور ان کے بھاری اور معقول دلائل۔ اور یہ تھیں نبیِ قطبی کی الہامی پیشین گوئیاں۔ یہی حال ان کے تمام الہامات کا ہے اور یہی معجزات کا۔ وہ اپنے معجزات کی تعداد بڑے فخر کے ساتھ تین لاکھ بتاتے ہیں۔ لیکن وہ جنہیں معجزات کہتے ہیں وہ اس تعداد سے بھی زیادہ ہو سکتے ہیں۔ اگر کسی جاہل عقیدت مند نے ایک روپیہ مرزا جی کی نذر کر دیا۔ تو فرمایا۔ ”میرے دل میں یہ بات آئی تھی“ بس ایک معجزہ ہو گیا۔ اسی طرح اگر کسی سے پانچ دس ہزار روپے ٹھگ لئے تو فی روپیہ ایک معجزہ کے حساب سے اتنی ہی معجزات تیار ہو گئے یا ان کے قلم سے غلط سلاطین عربی میں یا اردو میں کوئی شعر یا غزل وغیرہ نکل گئی تو اس کے تمام حروف و الفاظ معجزات بن گئے۔

## پنڈت لیکھرام سے متعلق پیشین گوئی

یہ پنڈت لیکھرام وہی ہے جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ ان سے متعلق پیشین گوئی



کے بارے میں جو اشتہار مرزا جی کی طرف سے منظر عام پر آیا تھا۔ وہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے :-

” واضح ہو کہ اس عاجز نے اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں جو اس کتاب کے ساتھ شائع کیا گیا تھا۔ اندر من مراد آبادی اور لیکھرام پشاوری کو اس بات کی دعوت دی تھی کہ اگر وہ خواہشمند ہوں تو ان کی قضا و قدر کی نسبت بعض پیشین گوئیاں شائع کی جائیں۔ سو اس اشتہار کے بعد اندر من نے تو اعراض کیا اور کچھ عرصہ کے بعد فوت ہو گیا، لیکن لیکھرام نے بڑی دلیری سے ایک کارڈ اس عاجز کی طرف روانہ کیا کہ میری نسبت جو پیشین گوئی چاہو شائع کر دو۔ میری طرف سے اجازت ہے سو اس کی نسبت جب توجہ کی گئی تو اللہ جل شانہ کی طرف سے یہ الہام ہوا۔ عجل جسد لہ خوار لہ نصب و عذاب، یعنی ایک بچان گو سالہ جس کے اندر سے مکروہ آواز نکل رہی ہے۔ اور اس کے لئے ان گستاخیوں اور بدزبانوں کے عوض میں سزا اور رنج اور عذاب مقرر ہے۔ جو ضرور اس کو ملکر رہے گا۔ اور اس کے بعد آج ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء روز دوشنبہ ہے۔ اس عذاب کا وقت معلوم کرنے کے لئے توجہ کی گئی تو خداوند کریم نے مجھ پر ظاہر کیا کہ آج کی تاریخ سے جو ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء ہے چھ برس کے عرصہ تک یہ شخص اپنی بدزبانوں کی سزا میں یعنی ان بے ادبوں کی سزا میں جو اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کی ہیں۔ عذاب شدید میں مبتلا ہو جائے گا۔ سواب میں اس پیشین گوئی کو شائع کر کے تمام مسلمانوں اور آریوں اور عیسائیوں اور دیگر فرقوں پر ظاہر کرتا ہوں کہ

اگر اس شخص پر چھ برس کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے کوئی ایسا عذاب نازل ہوا جو معمولی تکلیفوں سے نرالا اور خارق عادت اور اپنے اندر الہی ہیبت رکھتا ہو تو سمجھو کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں اور نہ اس کی رُوح سے میرا نطق ہے اور میں اس پیشین گوئی میں کاذب نہ نکلا تو ہر ایک سزا کے بھگتنے کے لئے تیار ہوں، اور اس بات پر راضی ہوں کہ مجھ گلے میں رسا ڈال کر کسی سولی پر کھینچا جاوے اور باوجود میرے اس اقرار کے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کسی انسان کا اپنی پیشین گوئی میں مھوٹا نہ نکلا۔ خود تمام رسوائیوں سے بڑھ کر رسوائی ہے۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں؟ (سراج منیر ص ۱۲)

قارئین خاص طور پر یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ مرزا جی کی یہ پیشین گوئی لیکھرام کی موت کے بارے میں نہیں ہے۔ بلکہ خرق عادت کے طور پر کسی بھاری اور غیر مناسک عذاب کے بارے میں ہے۔ جس کا تعلق زندگی سے ہے۔ یعنی اس کی زندگی میں اس پر کوئی ہیبت ناک عذاب نازل ہوگا۔ چھ سال پورے ہونے لگے اور لیکھرام پر کوئی افتاد نہیں پڑی اور نہ خرق عادت کے طور پر کوئی عذاب نازل ہوا۔ جس کو لے کر مرزا جی لوگوں کو باور کرا سکتے کہ دیکھو ہماری پیشین گوئی پوری ہو رہی ہے، وہ کس طرح عذاب میں مبتلا ہے۔ مرزا جی اور ان کے مہنوا سخت پریشان تھے انھیں اپنی پیشین گوئی کی دلدل سے نکلنے کا کوئی موقع نہیں مل رہا تھا اتفاق سے اسی اثناء میں ان کے ایک دشمن نے چھرا گھونپ کر ان کو مار ڈالا۔ مرزا جی نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ اور اس صورت حال کو پیشین گوئی کے سچی ثابت ہونے کے ثبوت میں پیش کر دیا۔ جب کہ لیکھرام کے متعلق موت کی پیشین گوئی تھی یہاں نہیں پیشین گوئی ایک بار پھر پڑھ لیجئے! ہاں اگر پیشین گوئی یہ ہوتی کہ لیکھرام اتنی



مذمت میں قتل کر دیا جائے گا تو پھر مرزا جی کو کچھ کہنے کا حق حاصل ہو سکتا تھا۔  
 مرزا جی نے یہاں مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کیلئے یہ تاثر دینے کی  
 کوشش کی ہے کہ لیکھرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی  
 اور بے ادبی کی تھی اسی لئے میں نے اس کیلئے یہ پیشین گوئی کی ہے۔ ہم یہ  
 نہیں کہتے کہ لیکھرام نے گستاخیاں نہیں کی ہوں گی، کی ہوں گی۔ اس پر اسکی  
 جس قدر بھی مذمت کی جائے وہ کم ہے۔ ہمارا مقصد لیکھرام کی حمایت ہرگز  
 نہیں۔ بلکہ یہ دکھانا مقصود ہے کہ غلام احمد قادیانی جو خود کو مامور من اللہ، مسیح  
 موعود اور نبی ظلی بنا کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ مجسم جھوٹ  
 اور سُرپا مکر و فریب ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی  
 اور حق تعالیٰ کی شان میں گستاخیاں تو خود مرزا جی زندگی کے آخری لمحوں تک  
 کرتے رہے ہیں اور بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کرتے رہے ہیں۔ آنحضرتؐ نے  
 ارشاد فرمایا میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، مرزا جی نے کہا، آئے گا اور وہ  
 میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، محمد خاتم النبیین ہیں۔ مرزا جی نے کہا نہیں۔  
 نبوت کا سلسلہ جاری ہے۔ کیا یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو جھٹلانے کا صریح  
 ارتکاب نہیں ہے؟

## مرزا احمد بیگ، ان کے داماد اور آسمانی نکاح کے بارے میں پیشین گوئی

پادری آتھم کے بارے میں مرزا جی کی زور دار پیشین گوئی قطعا غلط ثابت  
 ہوئی۔ مولانا محمد حسین اور ان کے ساتھیوں سے متعلق پیشین گوئی کا جو حشر بنا  
 وہ سامنے آچکا ہے۔ پنڈت لیکھرام کے لئے جو پیشین گوئی خرابی گئی تھی، وہ بھی



جھوٹی ہو کر ان کی رسوائی کا باعث بنی۔ اب یہ پیشین گوئی ایک مسلمان شخص مرزا احمد بیگ کے بارے میں ہے۔ تنہا احمد بیگ کے بارے میں نہیں۔ اُن کے داماد اور بیٹی کے لئے بھی ہے۔ جس سے شادی کرنے کیلئے مرزا جی بے تاب تھے سابقہ پیشین گوئیوں کی طرح بلکہ ان سے زیادہ مرزا جی نے اس پیشین گوئی کو معرکہ الارار، عظیم الشان اور حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن قرار دیا تھا لیکن دوسری پیشین گوئیوں کی طرح یہ بھی مرزا جی اور ان کی پوری جماعت کے لئے انتہائی رسوا کن ثابت ہوئی۔ ہم واقعات کی صاف روشنی میں اس کا جائزہ پیش کر رہے ہیں۔ پیشین گوئی پڑھنے سے قبل اچھا ہے کہ آپ ایک نظر اسکے پس منظر کو بھی دیکھ لیں۔

اس پیشین گوئی کی اصل وجہ یہ تھی کہ مرزا احمد بیگ نے جو غلام احمد کے قریب عزیز تھے۔ لیکن ان کی گمراہیوں سے متنفر تھے۔ اپنے کسی معاملہ میں مرزا جی کے اخلاقی تعاون چاہا۔ مرزا جی نے فرمایا "اس وقت تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا تم پھر کسی وقت آنا" احمد بیگ دوسرے وقت پہنچے مرزا جی نے کہا "مجھے الہام ہوا ہے کہ میں تمہاری بیٹی (محمدی بیگم) سے نکاح کر لوں۔ اور یہ نکاح مقدر ہو چکا ہے۔ لہذا میں اس کے لئے تمہارے سے درخواست کرتا ہوں کہ تم اس رشتہ کو قبول کر لو۔ اس سے تمہیں بہت فائدہ پہنچے گا۔" مرزا جی نے اس عزیز عزیز کی مجبوری سے بیجا طور پر فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ یہ وہ مذموم اور خود غرضانہ حرکت تھی جسے ایک حساس معاشرہ میں ہمیشہ نفرت و غصہ کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ احمد بیگ ایک غیور آدمی تھے۔ انھیں مرزا کی یہ سوئے والی بات ناگوار گذری اور گذرنے کی بجائے تھی۔ انھوں نے بڑی حقارت سے اس شخص کو ٹھکرایا۔ مرزا جی کی دل تناسی تھی کہ وہ کسی بھی طرح محمدی بیگ کو حاصل

کر لیں انھوں نے احمد بیگ کے صاف انکار کے بعد بھی کوششیں جاری رکھیں مخطوط  
 لکھے۔ سفارشیں کرا لیں۔ جب کسی صورت بات نہ بنی تو پیشین گوئی کی دھونس دی  
 اور بالآخر پیشین گوئی کر ہی دی۔ اس دھونس سے ان کا منشا یہی تھا کہ احمد بیگ  
 اور ان کی اہلیہ جو اس معاملہ میں بہت سخت ہو گئی تھیں۔ خوف زدہ ہو کر اپنی جہت بھی  
 کو بڑھے اور جھوٹے نبی مرزا غلام احمد کے حوالہ کر دیں۔ احمد بیگ کے ہونے والے  
 داما و پر غصہ رقابت کی آگ تھی۔

اب مرزا جی کی پیشین گوئی کے الفاظ بغور پڑھئے بالکھتے ہیں  
 "اس خدائے قادر و حکیم مطلق نے مجھے فرمایا ہے کہ اس شخص (احمد بیگ)  
 کی دختر کلاں (محمدی بیگم) کے نکاح کیلئے سلسلہ جنابی کرو اور ان کو  
 کہہ دو کہ تمام سلوک و مردت تم سے اسی شرط سے کیا جاوے گا  
 اور یہ نکاح تمہارے لئے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان  
 ہوگا۔ اور ان تمام جوتوں اور برکتوں سے حسنہ پاؤں گے جو اشتہار ۲۲ فروری  
 ۱۸۸۸ء میں درج ہیں۔ لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس  
 لڑکی کا انجام نہایت ہی بُرا ہوگا۔ اور جس کسی دوسرے شخص سے  
 بیاہی جاوے گی۔ وہ روز نکاح سے اڑھائی سال تک اور ایسا  
 ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جاوے گا اور ان کے  
 گھر پر فقرہ اور تنگی اور مصیبت پڑے گی۔ اور درمیانی زمانہ میں  
 بھی اس دختر کیلئے کئی کراہت اور غم کے امر پیش آئیں گے۔  
 آگے لکھتے ہیں:-

پھر ان دنوں جو زیادہ تفرع اور تفصیل کیلئے بار بار توجہ کی گئی تو  
 معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ نے جو مقرر کر رکھا ہے وہ مکتوب ایک لکھنؤ



کلاں جس کی نسبت درخواست کی گئی تھی ہر ایک دور کرنے کے بعد  
انجام کار اسی عاجز کے نکاح میں لادے گا۔ اور بے دینوں کو  
مسلمان بناوے گا۔ اور گمراہوں میں ہدایت پھیلاوے گا۔“

۱۰ جنوری ۱۸۸۹ء

اس پیشین گوئی میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ اگر محمدی بیگم کا نکاح  
دوسرے کسی شخص سے کر دیا گیا تو نکاح کی تاریخ سے تین سال کے  
اندراحد بیگ اور ان کا ہونے والا داماد یعنی محمدی بیگم کا شوہر دونوں  
موت کے گھاٹ اتر جائیں گے۔ یہ جاننے کیلئے کہ محمدی بیگم کا نکاح  
کس تاریخ میں منعقد ہوا اور وہ مرزا جی کی پیشین گوئی کے مطابق  
کب تک موت کے منہ میں جائیں گے۔ مرزا جی ہی کے الفاظ پڑھئے۔  
وہ بیچارے کے متعلق اپنے رسالہ ”شہادت القرآن“ میں لکھتے ہیں۔  
”۲۱ ستمبر ۱۸۹۳ء سے قریباً گیارہ مہینے باقی رہ گئی تھی“

اُن کے لکھنے کے مطابق ۲۱ اگست ۱۸۹۳ء کے بعد ایک دن بھی احمد بیگ  
کے داماد محمدی بیگم کے شوہر کو زندہ نہیں رہنا چاہئے تھا۔ مگر وہ زندہ رہا اور  
صحت و عافیت کے ساتھ زندہ رہا، گھر کی تعلقات کی خوشگوار فضا میں زندہ  
رہا۔ اس عرصہ میں اگر کہیں وہ بیمار ہو گیا ہو یا کسی سفر میں چلا گیا ہو یا  
میاں بیوی کے باہمی تعلقات میں کچھ ٹکھیاں پیدا ہو گئی ہوں تو مرزا جی جھٹ  
پکار اٹھتے کہ ہماری پیشین گوئی سچی ہو گئی۔ دیکھو لو احمد بیگ کا داماد کس حالت  
میں ہے۔ اور یہ حالت ہمارے نزدیک خود موت کے مترادف ہے۔

تاریخ غور فرمائیں! پیشین گوئی میں کہا گیا تھا کہ احمد بیگ کا داماد نکاح کے بعد  
تین سال کے اندر ختم ہو جائے گا۔ جب کہ وہ نکاح کے بعد آٹھ نو سال تک زندہ



رہا۔ کہا گیا تھا کہ ان کے گھر پر تفرقہ، تنگی اور مصیبت پڑے گی، ان میں سے کوئی بات بھی پیش نہیں آئی۔ پیشین گوئی میں تھا کہ درمیانی زمانہ میں محمدی بیگم غم و رنج میں مبتلا ہوگی۔ ایسا بھی نہیں ہوا۔ پیشین گوئی میں یہ بھی تھا کہ انجام کار محمدی بیگم اس عاجز کے نکاح میں آئے گی۔ جب کہ زندگی بھر حضور اسی حسرت میں تڑپتے رہے۔ محمدی بیگم سے نکاح تو کیا ہوتا، اس کی شکل بھی نہیں دیکھ سکے۔ اور بیچارے نبی طہیٰ اسی نامرادی میں ذلتوں کا بھاری بوجھ سر پر رکھ کر دنیا سے سدھار گئے۔ اور آں جہانی بن گئے۔

ہم مرزا جی کا ایک خط جو انھوں نے مولانا ثناء اللہ صاحب کو لکھا تھا پیش کر رہے ہیں۔ اسے غور سے پڑھئے !

## مرزا جی بنام مولانا ثناء اللہ صاحب آخری فیصلہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّيْ عَلٰی رَسُوْلِكَ الْكَرِیْمِ ! یَسْئَلُوْنَكَ اَحَقُّ هُوَ قُلْ اٰی وَرَبِّیْ اِنَّهٗ لَی

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب۔ السّلام علی من اتبع الهدی

مدّت سے آپ کے پرچہ اہل حدیث میں میری تکذیب، تفسیق کا سلسلہ جاری ہے ہمیشہ مجھے آپ اپنے اس پرچہ میں مردودہ کذاب، و دجال مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور دجال اور کذاب ہے۔ اور اس شخص کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا سراسر افتراء ہے۔ میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا۔ اور صبر کرتا رہا۔ مگر چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ میں حق کے پھیلانے کیلئے مامور ہوں اور آپ بہت سے افتراء میرے پر کرتے اور دنیا کو

میری طرف آنے سے روکتے ہیں۔ اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں  
 جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں۔  
 تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا  
 ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور  
 حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا  
 ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے۔ تا خدا کے بندوں کو تباہ  
 نہ کرے۔ اور اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں۔ اور خدا کے مکالمہ  
 اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں، تو میں خدا کے فضل سے  
 امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں  
 بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ خدا کے  
 ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں۔ آپ پر میری  
 زندگی میں ہی وارد نہ ہوئیں تو میں خدا کی طرف سے نہیں۔

یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیشین گوئی نہیں محض دعا کے طور پر میں نے  
 خدا سے فیصلہ چاہا ہے اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے  
 مالک۔ اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے  
 اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افترا کرتا میرا  
 کام ہے تو اے میرے پیارے مالک۔ میں عاجزی سے تیری جناب میں  
 دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر لو  
 میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین۔

مگر اے کامل اور صادق خدا۔ اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو  
 مجھ پر لگاتا ہے۔ حق پر نہیں۔ تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا

کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی ان کو نابود کر، مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون دہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے۔ بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے کھلے طور پر میرے رُوبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانوں سے قوبہ کرے۔ جن کو وہ منجی فرض سمجھ کر ہمیشہ جھک دیکھ دیتا ہے۔ آمین یا رب العالمین۔

میں ان کے ہاتھ سے بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ ان کی بدزبانی حد سے گزر گئی۔ وہ مجھے ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں جن کا وجود دنیا کیلئے سخت نقصان رساں ہوتا ہے اور انھوں نے تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا۔ اور دور دور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا کہ یہ شخص (مرزا صاحب) درحقیقت مفسد اور ٹھگ اور دکان دار اور کذاب اور مفتری اور نہایت درجہ کا بُرا آدمی ہے۔ میں دیکھتا ہوں مولوی شمس الدین انہی تہمتوں کے ذریعے سے میرے سلسلے کو نابود کرنا چاہتا ہے۔ اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو قونے اے میرے آقا اور میرے بھینے والے، اپنے ہاتھ سے بنائی ہے اس لئے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا واسن پکڑ کر تیری جناب میں ملتی ہوں کہ مجھ میں اور شمس الدین میں کیا فیصلہ فرما۔ اور جو تیری نگاہ میں درحقیقت مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھالے یا کسی اور نہایت سخت عذاب میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر۔ اے میرے پیارے مالک۔ تو ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین۔

بالآخر مولوی صاحب سے اتنا سہ ہے کہ وہ میرے اس تمام مضمون کو اپنے برجہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ



خدا کے ہاتھ میں ہے۔ (مرزا جی غلام احمد قادیانی کا) اشتہار مؤرخہ ۵ مارچ ۱۹۰۷ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم ص ۱۲۱ بحوالہ قادیانی مذہب، ایس۔ ایل۔ خدا کی قدرت اور مقام عبرت دیکھئے کہ مولانا شنار اللہ صاحب تو ایک مدت تک بغایت زندہ رہے اور بوڑھے ہو جانے کے باوجود قادیانیت کی بیخ کنی میں لگے رہے اور مرزا جی بہادر اپنے اس اشتہار کے ایک ہی سال بعد ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء میں اپنے دامن میں بہت ساری رسوائیاں سمیٹ کر پادری آٹھم اور پنڈت لکھرام کے پاس ہادیہ میں جا پہنچے۔ قادیانیت کی سرزمین پر ستاٹا چھا گیا سان کے اُمّی حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے انتظار تھا مولانا شنار اللہ کے مرجلنے کا اڑھک گئے مرزا جی۔ وتغز من تشاء وقدال من تشاء مبدك الخير اقلی علی کل شئی قدیر۔

دعویٰ کیا تھا گل نے اس گل کی رو بری کا : ٹھہر مصلبانے مارا، شبنم نے منہ پر تھوکا نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ اس خط میں مرزا جی نے لکھا ہے کہ اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلک ہو جاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسی خط میں ہے کہ "اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے حکام اور مخاطب سے مشرف ہوں اور سچ موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی ستر لٹے نہیں ہیں گئے۔ پس اگر وہ مرزا جو لاف ان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ خدا کے ہاتھوں سے ہے۔ جیسے ہوں وہی نہ دھیرہ مہلک بیماریاں۔ آپ پر میری زندگی میں ہی وار نہ ہوئیں تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں۔" خدا کے فضل و کرم سے مولانا شنار اللہ صاحب تو ہر طرح سے محفوظ رہے۔ مظلوموں میں مبتلا ہوئے اور نہ ہی ان کی بیماریاں ان کو چھو سکی۔ اس کے

برعکس خود مرزا جی ہیفہ کی شدید تکلیف میں مبتلا ہو کر مرے۔  
اس خط سے پہلے بھی مرزا جی کے مولانا شام رائے صاحب کے لئے پیشین گوئی کی  
تھی۔ اس کا جو شہر ہوا۔ وہ بھی دیکھ لیجئے !

## مولانا شام رائے متعلق پیشین گوئی

مرزا جی نے ایک پیشین گوئی کی تھی کہ وہ (مولانا شام رائے) قادیان میں مسیری  
پیشین گوئیوں کی پڑتال کیلئے ہرگز نہیں آئیں گے۔ جیسے ہی یہ پیشین گوئی مولانا کے  
علم میں آئی۔ وہ فوراً اسی مقصد کیلئے ۱۰ جنوری ۱۹۰۴ء میں قادیان جادھمکے۔ وہ اور  
مولانا محمد حسین صاحب وغیرہ توجھوٹے بنی کو ہر جگہ اور ہر رخ سے مات دیے کا عزم  
مستحکم کئے ہوئے تھے۔ وہ اس موقع پر کیسے چوک سکتے تھے۔ جب مولانا شام رائے  
نے ایک خط کے ذریعہ مرزا جی کو آگاہ کیا کہ میں آپ کی پیشین گوئی کے برخلاف قادیان  
پہنچ چکا ہوں اور گفتگو جاتا ہوں۔ تو مرزا جی گول ہو گئے۔ اور اس وقت تک  
زمان خانہ سے باہر نہ نکلے جب تک ایسے معتبر لوگوں سے یقین کے ساتھ یہ معلوم نہیں  
ہو گیا کہ شام رائے قادیان کی حدود سے باہر جا چکے ہیں۔ دیکھئے نبی ظلی کی پیشین  
گوئی کتنی سچی ثابت ہوئی !

## مولانا شام رائے کو دعوت مبارزت اور میدان میں آنے سے گریز

ایک مرتبہ مرزا جی نے عربی میں ایک قصیدہ لکھ لیا اور مولانا شام رائے کو پیشین  
کردیا کہ

”یہ میرا قصیدہ ہے عربی میں ہے اور یہ میرا اہم معجزہ ہے۔ اگر تم حق پر  
ہو تو آج سے پانچ دن کے اندر اس جیسا قصیدہ لکھ کر پیش کرو“



مولانا مرحوم نے بڑا اچھا جواب دیا۔ فرمایا  
 ”تمہارا چیلنج منظور ہے مگر پہلے مجمع میں آکر اس کی عربی صحیح کرو۔ اور  
 پھر میں پانچ دن سے پہلے تصدیق پیش کرتا ہوں۔“  
 اس پر مرزا جی کھیل گئے اور چپ سادھ لی۔ کیونکہ انہیں اتنی عربی آتی ہی نہیں  
 تھی کہ کسی عربی داں کے سامنے آکر زبان و قواعد کے مسئلہ میں گفتگو کر سکیں۔

## ایک دلچسپ پیشین گوئی

۱۸۸۶ء میں مرزا جی کی بیگم حاملہ ہو گئیں۔ آپ نے فوراً پیشین گوئی فرمادی کہ:-  
 ”خداوند کریم نے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ مجھ اپنے الہام سے فرمایا کہ میں  
 تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں۔ تاوین اسلام کا شرف کلام اللہ  
 کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو۔ تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں۔ جو چاہتا  
 ہوں کرتا ہوں۔ تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور تا انہیں  
 جو خدا۔ خدا کے دین۔ اس کی کتاب۔ اس کے رسولوں کو انکار کی نگاہ  
 سے دیکھتے ہیں۔ ایک کھلی نشانی ملے۔ ایک وجیہ اور پاک لڑکا تجھے  
 دیا جائے گا۔ وہ تیرے ہی تخم تیری ہی ذریت سے ہوگا۔ خوب صورت  
 پاک لڑکا۔ تمہارا مہمان آتا ہے۔ اس کا نام بشیر بھی ہے۔ مبارک  
 وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ اس کے ساتھ فضل ہے۔ وہ بہتوں کو  
 بیماریوں سے صاف کرے گا۔ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا  
 وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ اسیروں کی رستگاری کا باعث ہوگا  
 قومیں اس سے برکت پائیں گی۔“

(۱) اشتہار ۴ فروری ۱۸۸۶ء مندرجہ تبلیغ رسالت ص ۵۸



کسی سے سن لیا ہو گا کہ محل کے دوران داہنی کوک بھاری ہونا لڑکے.....  
 .... کی علامت ہے۔ اور باتیں کا بھاری ہونا لڑکی کی استفسار پر بیگم نے کہہ دیا  
 ہو گا کہ میری داہنی کوک بھاری ہے۔ اب کیا تھا۔ مرزا جی نے جھٹ سے پیشین گوئی  
 کر ڈالی۔ یہ ان کی عادت تھی ہی کہ اپنی ہر بات کو الہامی بتاتے تھے۔ معتقدین میں ایک  
 مادر زاد ولی کاہل، مجدد وقت اور امام زماں کے ظہور کا شدت سے انتظار کیا  
 جانے لگا۔ اثر اثر کر کے جب دن پورے ہوئے اور محل باہر آیا تو اسے لڑکا  
 نہیں۔ لڑکی تھی۔ ع۔ اے بسا آرزو کہ خاک مشدہ۔

لوگوں نے پوچھا! مرزا جی۔ یہ کیا ہوا؟ یہ تو لڑکی ہو گئی۔ آپ نے تو عظیم الشان  
 لڑکے کی پیشین گوئی کی تھی؟ — مرزا جی نے فوراً کرتب دکھایا کہ میں نے یہ کب کہا  
 تھا کہ اسی محل سے لڑکا ہو گا۔ الہام کے مطابق لڑکا ضرور ہو گا۔ دوسرے محل میں ہو گا  
 دوسرے میں بھی نہ ہوا۔ تیسرے میں ہو گا۔ ہو گا ضرور۔

مولانا شمس الدین وغیرہ جو کرائے کا تبین کی طرح مرزا جی کی ہر بات پر نظر  
 رکھتے تھے۔ جستجو میں رہنے لگے اور ایسا انتظام کر لیا گیا کہ مرزا جی کے گھر کی خبریں بھی  
 ملتی رہیں۔ خطرہ یہ تھا کہ کہیں مرزا جی کسی دوسرے کے فوہود سے بیگم کی گود بھر کر  
 یہ مشہور نہ کر دیں کہ میرے الہام کے مطابق لڑکا پیدا ہو گیا۔ یہ ان سے کچھ بعید  
 بھی نہیں تھا۔ مرزا جی نے لڑکا پیدا ہونے کے لئے نہ جانے کیا کچھ کیا ہو گا۔ لیکن  
 افسوس۔ اس لڑکی کے بعد ان کے یہاں کوئی بچہ ایسا پیدا نہیں ہوا جسے مرزا جی  
 اپنی پیشین گوئی کا مصداق قرار دے سکتے۔

مرزا جی کی فیصلہ کن اور دوسری پیشین گوئیاں جب پوری نہ ہوئیں تو بڑے  
 پیمانہ پر ان کی رسوائی ہوئی۔ ہونی ہی تھی۔ ہونی اور خوب ہوئی۔ مسلمانوں ہی میں  
 نہیں۔ ہندوؤں اور عیسائیوں میں بھی ہوئی۔ ان کے جیلوں کو چاہئے تھا کہ وہ حقائق

کے سامنے آجانے کے بعد صحیح راہ پر آجاتے۔ مرزا جی کا ساتھ چھوڑ دیتے۔ مگر ان میں سے بہت سوں نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ غدر گناہ بدتر از گناہ کے مرتکب ہو گئے۔ مرزا جی کے ایک چیلے ظہور الدین اکمل، پیشین گوئیوں کے صحیح ثابت نہ ہونے سے گھبرا کر اور مرزا جی کے چہرے سے ذلت کی گرد صاف کرنے کیلئے ایک نرالا انداز اختیار کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:-

ہر بات کی کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ غرض پوری ہوئی یا نہیں۔ جب اصل غرض پوری ہو جائے تو پھر یہ سوال بے فائدہ ہے کہ پیشین گوئی پوری ہوئی یا نہیں۔

(مرزا احمد بیگ دالی پیشین گوئی ص ۱۷)

دنیا جانتی ہے کہ کسی پیشین گوئی کو جبکہ وہ ایسے شخص کی طرف سے کی جا رہی ہو جو مامور من اللہ اور نبی ہونے کا مدعی ہو، اسی وقت درست مانا جائے گا جب وہ دعویٰ کے عین مطابق پوری ہوگی۔ ورنہ نہیں۔ غرض تو بعد میں کچھ بھی بتائی جاسکتی ہے۔ اس طرح کی پیشین گوئی بلکہ اس سے کہیں معقول انداز میں تو کوئی بھی کر سکتا ہے۔ پیشین گوئی کا اور اس پر زور دینے کا حتیٰ کہ اسے کذب و صدق کا معیار اور قطعی فیصلہ کن قرار دئے جانے کا تو صاف مطلب یہی ہوتا ہے کہ جس طرح کہا جا رہا ہے، اس کو اس طرح ہونا چاہئے نہ ہونے کی صورت میں یہ کہنا کہ اس سے میرا مطلب یہ تھا۔ میری غرض یہ تھی۔ حق کے ساتھ آنا کافی ہے۔ نہ ہم و شعور کو منہ چڑھانا ہے غلط اور رکیک تو جیہات ہیں۔ جنہیں معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والا بھی نہیں مان سکتا۔

# مرزا نیت، عقل سلیم کیلئے چیلنج

ڈاکٹر رشید الوحید رحمہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

حکیم مطلق نے قرآن پاک میں اپنے رسول کی طرح طرح صفت بیان فرمائی ہے۔  
 غور کیجئے تو ہر بیان میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہے۔ بعض اسماء و صفات کے  
 ذکر سے جناب باری تعالیٰ نے آنے والے دور میں بڑے بڑے فتنوں کا سد باب  
 فرمادیا ہے۔ تمام اسماء اور تمام صفات کا استقصاء تو مشکل اور تفصیل طلب ہے۔  
 مثال کے طور پر لفظ "عبد" کو لیجئے اس لفظ سے بہت بڑا مقصد عظیم یہ سمجھ میں  
 آتا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بے مثال، اور انسانیت کے اعلیٰ ترین  
 مقام کو سامنے رکھتے ہوئے۔ ذہن و عقیدہ کو ٹھکنے، گمراہ ہونے سے محفوظ رکھنے  
 کا بہترین سامان کر دیا گیا ہے۔ پھر قرآن پاک میں متعدد جگہ اس لفظ "عبد" کو  
 اشرف ترین مقامات میں ذکر فرما کر اس حفاظت کو اور بھی مستحکم فرمادیا ہے۔  
 اسرار کے ذکر میں ہے "سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ" ایک اور جگہ۔  
 "وَإِنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ - پھر فرمایا "فَاَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ" اور  
 "وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا" وغیرہ لفظ

پھر حضرت مسیحؑ بھی قیامت میں شفاعت کے موقع پر اسی شرف و مجد  
 والے لفظ کو اختیار فرمائیں گے۔ اذہبوا الی محمد عبد غفر لہ ما تقدم



من ذنبہ وما تأخر،

دوسری صفت قرآن پاک نے یوں بیان فرمائی ہے: "لَکِن رَّسُوْلُ اللّٰهِ  
وَحَاتِمُ النَّبِیِّیْنَ" کے سلسلے میں ایک بات نوٹ کرنے کی ہے، تمام ہی انبیاء  
کرام خصوصاً بنی آخر الزماں کی دعوت کا بنیادی مقصد ایک ذات واحد کی طرف  
مخلوق کو بلانا تھا، مشرکین عرب کو محمد بن عبد اللہ سے کوئی کد نہ تھی ہاں آپ کی  
نبوت کے تصور سے اُن کو چڑھ تھی، اور یہ اس لئے کہ صدیوں سے تین سو  
ساٹھ بلکہ ہزاروں اور لاکھوں بتوں کو پوجنے والوں کو جب بنی نے ایک ہی  
عبود کی طرف بلایا۔ اور صرف اُسی ایک ذات کو پوجنے کی دعوت دی تو وہ  
پوری طرح اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ جب تک آپ اس دُنیا میں رہے  
اُن کے سینے میں غیض و غضب کا طوفان بھرا کتا رہا۔ طرح طرح کے مظالم اور  
جنگ کا بازار گرم رکھا، اور آپ کے دنیا سے پردہ پوشی فرماتے ہی انھوں نے  
براہِ راست قصرِ نبوت پر حملے شروع کر دیے، اور اس طرح کہ بہت سے  
جھوٹے نبی۔ دعوائے نبوت کرنے، بنی کریم اس خطرے سے واقف تھے۔ آپ کے  
قلب صافی پر آنے والے اس فتنے کا خطرہ گذر رہا تھا۔ چنانچہ اللہ کے اس فرمان  
"حَاتِمُ النَّبِیِّیْنَ" کی طرح طرح سے آپ نے تشریح فرمائی۔ مثال دے کر وصفاً  
فرمائی اور بعض مواقع پر توصفاً ہی بتا دیا کہ میرے بعد کچھ جھوٹے لوگ نبوت  
کا دعویٰ بھی کریں گے۔ یہ سب آپ اسی لئے کر رہے تھے کہ امت اس عظیم گمراہی  
میں بڑھ کر دین کو برباد نہ کر لے۔ شرک میں داخل ہو کر اللہ کے سخت غضب  
کا شکار نہ ہو جائے۔ نیز بنی آخر الزماں کی ذات سے امت میں جو ایک مرکزیت  
پیدا ہو گئی ہے، سیکڑوں بنی کے جھوٹے دعوؤں سے وہ انتشار کا شکار نہ ہو جائے  
چنانچہ صحیحین کی ایک روایت میں اس کو مثال دے کر بتایا۔

میری اور انبیاء کی مثال ایک خوبصورت محل کی ہے، وہ محل یوں تو مکمل ہے۔ مگر ایک اینٹ کی جگہ اس میں خالی ہے، اس محل کو دیکھنے والوں نے گھوم گھوم کر اس کو دیکھا، پسند کیا، اُسی ایک اینٹ کی خالی جگہ کے علاوہ اور کوئی عیب ان کو نظر نہ آیا۔ پس میں اس خالی جگہ کو بھر دوں گا، مجھ پر وہ عمارت مکمل ہوگی اور رسالت بھی مجھ پر ختم ہوگی۔  
ایک جگہ سرکارِ دو عالم نے تاکید فرمائی

”میرے مختلف نام ہیں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماجی ہوں (الشیر میرے ذریعے کفر کو مٹو فرمائیں گے)، میں حاشر ہوں (الشیر پاک میرے قدموں میں لوگوں کو جمع فرمائیں گے۔ میں عاقب ہوں)“ (عاقب وہ کہ اس کے بعد کوئی نبی نہ ہو) (مسلم شریف)  
پھر اگلی روایت میں آپ نے (مرزا ایسے) جھوٹے نبیوں کی تکذیب فرمائی اور تردید فرمادی۔

”بے شک میری امت میں تیسرا جھوٹے ہوں گے۔ اور ہر ایک اُن میں سے خود کو نبی سمجھے گا۔ اور میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا“ (مسلم شریف)

ایک جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر انبیاء کے مقابلے میں سات چیزوں میں اپنی فضیلت ذکر فرمائی ہے۔ اس میں سے آخری فضیلت یہ ذکر فرمائی ”مجھ پر نبوت ختم ہوگئی ہے“ غرض کہ آپ اس دجالی اور کذابی فتنے سے بخوبی واقف تھے۔ اس لئے ”ختم نبوت“ کے قرآنی اعلان کو طرح طرح سے واضح فرمایا۔ اور اپنی ذات پاک پر نبوت کے اختتام کا طرح طرح سے یقین دلاتے رہے۔ مگر اس بد نصیبی کا کیا جائے کہ دشمنانِ دین و اسلام نے پھر بھی، تمام تاکیدوں اور احقر



کے باوجود، اپنی نبوت کا جھوٹا اعلان کیا، خود بھی گمراہ ہوتے اور امت کے افراد کو بھی تباہ و برباد کیا، خود نبی اکرمؐ کے سامنے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یہ صورت پیش آئی، آپؐ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اس گمراہی کا قلع قمع کر دیا۔ مگر اس کے بعد بھی برابر جھوٹے مدعیان نبوت اٹھتے رہے، اور الحمد للہ ہر دور میں علماء امت نے خم ٹھونک کر ان کا مقابلہ کیا۔ بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا، بہت تھوڑی جماعت ان کے دجل و فریب سے متاثر بھی ہوئی۔ مگر امت کی اکثریت کو، ہر دور کے علماء حق اور مبلغین اسلام نے اس فتنے کے بھنور میں ڈوبنے سے بچایا ہے۔

ہندوستان میں بھی یہ، اور دوسرے فتنے نئے نئے روپ سے ابھرتے رہے ہیں اور ان سب میں گہرا، گمراہ کن اور دیر پا فتنہ مرزا غلام احمد قادیانی کا فتنہ تھا۔ جو تجدّد، تجدّثیت، مہدویت، مسیحیت سے ترقی کر کے حریم نبوت کے تقدس کو بزرغم خویش تار تار کر گیا۔ اور اپنے آغاز سے لے کر آج تک یہ فتنہ برابر موجود ہے۔ وقتاً فوقتاً جگہ جگہ سر اٹھاتا رہتا ہے۔ پاکستان اور امریکہ تو اس فتنے کا گڑھ بن ہی چکا ہے۔

### مرزا کے دعوے کے اسباب !

مرزا نے ایسا دعویٰ کیوں کیا، متعدد تحریروں کے دیکھنے کے بعد سمجھ میں آتا ہے کہ اول تو خود ان کے دماغ میں بچپن ہی سے، تعلیٰ، عجب، خود نمائی اور طلبِ شہرت کا کیرا رنگ تار تار تھا۔ اس پرستم یہ کہ طرح طرح کے موزی امراض کا حملہ، مایوسگی، ہستیریا، اور جانے کیا کیا، الابلّا، جس میں انسان کا دل و دماغ صحیح کام نہیں کر سکتا تھا۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں :-



» مرزا غلام احمد قادیانی جو ذہنی انتشار کے مریض تھے اُسے اور بڑی شدت سے اپنے دل میں یہ خواہش رکھتے تھے کہ وہ ایک نئے دین کا بانی بنے، ان کے کچھ متبعین اور مومنین ہوں اور تاریخ میں اُن کا ویسا ہی نام و مقام ہو جیسا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے «  
 دوسری یہ کہ سارے ملک اور ملتِ اسلامی کی بد نصیبی سمجھتے، انگریزوں کو ایک ایسے شخص کی تلاش تھی جس سے وہ سودے بازی کر سکیں، اور وہ سودے بازی یہ کہ (۱) اس شخص کے ذریعے مسلمانوں کو اپنی مخالفت سے باز رکھ سکیں (ب) مسلمانوں کے اندر سے جذبہ جہاد کو ختم کر سکیں (ج) مسلمانوں کو اپنا وفادار اور اطاعت گزار بناسکیں۔ ان تین مقاصد کے لئے انگریز کسی کو اپنا آلہ کار بنانا چاہتے تھے۔ انگریز جانتے تھے کہ مسلمان دین کے

اُسے یہ حاشیہ مولانا ندوی مدظلہ کا ہے۔ اس شخص میں تین ایسی چیزیں بیک وقت جمع تھیں جنہیں دیکھ کر ایک مؤرخ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ اُن میں سے اہم ترین اور حقیقی سبب کسے قرار دیا جائے جس نے اس شخص سے یہ ساری حرکتیں سرزد کرائیں (۱) دینی رہنمائی کے منصب پر پہنچا جائے اور نبوت کے نام سے پورے عالم اسلام پر چھایا جائے۔ (۲) مایخو لیا، جس کے بار بار تذکرہ سے اس کی اور اس کے ماننے والوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں (۳) مبہم اور غیر واضح قسم کے سیاسی اغراض و مفادات اور سرکارِ انگریزی کی خدمت گزاری «

مولانا علی میاں ندوی ص ۹۷ » قادیانیت دین محمد اور اسلام کے خلاف ایک بغاوت « مجلس تحقیقات و نشریات لکھنؤ

معاملے میں خاصے جذباتی ہوتے ہیں۔ وسترآن دین اور رسول کا نام لیکر اس قوم سے بڑے سے بڑا کام لیا جاسکتا ہے۔ پھر یہ بڑے بھلے اور دین میں غلط یا صحیح کی تمیز کرنے کی رحمت بھی نہیں کرتے۔ چنانچہ انھیں مسلمانوں میں ایک ایسے ہی شخص کی تلاش تھی جو دین کے نام پر مسلمانوں کو بیوقوف بنا کر ان کا یہ مقصد پورا کر سکے۔ مرزا غلام احمد نے یہ سودا قبول کر لیا اور بسما اشترواہ تمنا قلیلاً کی خفگی کو نظر انداز کر کے یہ خدمت انجام دینے لگے، چنانچہ مرزا میں انگریز پرستی خون کی حد تک موجود تھی، اپنی تقریر، تحریر اور عمل سے وہ اس کا ثبوت دیتے رہتے تھے۔ اور ہر اس مجاہد یا جماعت مجاہدین کو گالیوں، طعنوں اور سب و شتم سے نوازتے رہتے تھے جو انگریزوں سے مقابلہ کر رہے تھے یا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے حتیٰ کہ حقہ ۸۸ کے شریک اور شہیدار کو انھوں نے ”بے رحم، کم عقل، بد اخلاق، بے انصاف چور، قزاق، حرامی، اپنے محسن گورنمنٹ انگریز پر حملہ آور، یہ سب کچھ بتایا اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ جب کہ یہ شخص اور اس کی جماعت انگریزوں کا ہی پیدا کردہ، اور انگریزوں ہی کے رحم و کرم پر باقی تھا، بڑھ رہا تھا۔ اس بارے میں مولانا علی میاں نے بہت عمدہ نفسیاتی تجزیہ فرمایا ہے

”علمی اور تاریخی حیثیت سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ قادیانیت فرنگی سیاست کے بطن سے وجود میں آئی ہے۔“

آگے مولانا علی میاں کا بیان ہمارے اس خیال کیلئے سند کا درجہ رکھتا ہے۔

مولانا، سید احمد شہید، سوڈان میں شیخ محمد احمد سوڈان، جمال الدین انصاری کی تحریک اور جذبہ جہاد کا ذکر فرما کر تحسیر فرماتے ہیں۔

”یہ سرگرمیاں برطانوی حکومت کے لئے پریشانی اور تشویش کا باعث تھیں



اس نے ان سب خطرات کو محسوس کیا۔  
 اور پھر مولانا انگریزوں کی چال بازیوں کا ذکر فرماتے ہیں۔  
 "اس نے مسلمانوں کے مزاج و طبیعت کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اسے  
 معلوم تھا کہ ان کا مزاج دینی مزاج ہے۔ دین ہی انہیں گمراہاتا ہے  
 اور دین ہی سلا سکتا ہے۔ لہذا مسلمانوں پر قابو پانے کی واحد شکل  
 یہ ہے کہ ان کے عقائد اور ان کے دینی میلانات و نفسیات پر قابو  
 پایا جائے۔" یہ تھی وہ دہری مصیبت جس نے مرزا کے عظیم فتنے کو  
 جنم دیا، ایک طرف انگریزوں کی مکارانہ نفسیات، دوسری طرف  
 مسلمان کی مذہبی جذباتیت، اور پھر امت مسلمہ کی بد نصیبی سے  
 انگریزوں کو اپنے مقصد برآری کے لئے انہیں مرزا ایسا ایمان  
 فردش بھی ہاتھ لگ گیا۔ بقول مولانا ندوی۔

"برطانوی حکومت نے یہ طے کیا کہ مسلمانوں ہی میں کسی شخص کو ایک  
 بہت اونچے دینی منصب کے نام سے ابھارا جائے کہ مسلمان عقیدت  
 کے ساتھ اس کے گرد جمع ہو جائیں۔ اور وہ اس حکومت کی وفاداری  
 اور خیر خواہی کا ایسا سبق پڑھائے کہ پھر انگریزوں کو مسلمانوں سے  
 کوئی خطرہ نہ رہے۔" اور مرزا نے انگریزوں کی یہ تمنا پوری کر دی۔ اور اپنی  
 پوری زندگی اپنے دلی نعمت انگریز کیلئے وقف کر دی۔ اور پھر دینی منصب کے  
 نام سے تو ایسا ابھرے کہ ابھرتے ابھرتے جیسا کہ معلوم ہوا ہے مقام تجدید پھر  
 مہدویت، مسیحیت حتیٰ کہ نبوت تک جا پہنچے اور انگریزوں سے وفاداری اور  
 خیر خواہی کا سبق پڑھاتے پڑھاتے انھوں نے اسلام کا ایک رکن "جہاد"  
 ہی کو قرآن کی تعلیم کے مخالف قرار دیدیا کیونکہ مرزا اور اس کے ماننے والے



انگریزی حکومت کھٹے پتے جاں نثار دوست اور کامیاب جاسوس کا کام کر رہے تھے۔

اب ہم ان کے دعویٰ پر ایک سرسری نگاہ ڈال کر بات ختم کرتے ہیں اگرچہ اس موضوع پر دفتر کے دفتر چھپ چکے ہیں۔  
مرزا نے ۱۸۷۷ء اور ۱۸۷۸ء کے دوران آریوں کے خلاف بحث مسیحا کا آغاز کیا وہ اس وقت اچھا خاصا انسان تھا، اس کے مذہبی عقائد میں کوئی فرق اور تبدیلی نمایاں نہ تھی۔ اس لعنت کا پتہ و نشان تو ۱۸۷۷ء سے ظاہر ہونا شروع ہوا۔ مگر غنیمت تھا کہ اشارے و کنایے میں باتیں ہوتی رہیں۔ برملا بغاوت کی ہمت نہ ہوئی تھی مگر ۱۸۷۸ء آتے آتے مجدد ہونے کا دعویٰ کر ڈالا اور صاف کہا،

”آپ کو مجدد ہونے کی حیثیت سے اللہ نے اصلاح امت کا کام سپرد کیا ہے،“

اور پھر ۱۸۹۱ء میں آپ کا ایک دوسرا کریہہ رُخ ظاہر ہوا جب مرزا نے یہ اعلان کیا۔

”مسیح موعود مرچکے ہیں اب زندہ نہیں ہوں گے۔ میں چونکہ ان کے مثل ہوں اس لئے میں ہی مسیح ہوں۔“  
اپنی دو کتابوں ”فتح اسلام“ اور ”توضیح المرام“ میں متعدد جگہ یہ دعویٰ ظاہر کرتے ہیں۔  
”مسیح جو آنے والا تھا یہی (مرزا) ہے،“

لے مجموعہ اشتہارات مسیح موعود بحوالہ قادیانیت اپنے آئینے میں ص ۴۲

” مسیح کے نام پر یہ عاجز (مرزا) بھیجا گیا ہے “ لے

پھر ایک جگہ مسئلے کو صاف ہی کر دیا

” میرا دعویٰ ہے کہ میں وہ مسیح موعود ہوں جس کے بارے میں خدا تعالیٰ

نے دعویٰ کیا ہے۔ کہ پاک کتابوں میں پیشین گوئیاں ہیں کہ وہ

آخری زمانے میں ظاہر ہو گا لے

یہ ایک دردناک طویل اور مسلسل داستان ہے ہم اور چند حوالوں کو ذکر کر کے نبوت کے بارے میں مرزائی دریدہ دہنی ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ

” خدا نے مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا، ہمارا دعویٰ

ہے کہ ہم رسول ہیں “

قادیانی اخبار ریلو یو آف ریلجنز قسم طراز ہے۔

” حضرت مسیح موعود غلام احمد کا ذہنی ارتقا، آنحضرتؐ سے زیادہ تھا “

اخبار الفضل مرزا محمود کی ڈائری میں سے ایک دعویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

” یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے، بڑے سے بڑا

درجہ پاسکتا ہے، بلکہ حضرت محمدؐ سے بھی بڑھ سکتا ہے “

صرف امت محمدیہ ہی کو نہیں تمام انبیاء کو بھی مرزا کی نبوت پر ایمان لانا ضروری

قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ ” عقل و خرد سے بیگانے “ مرزا کے ماننے والوں کا حال ہے

ان کے صاحبزادے کا بیان ہے

” جب تمام انبیاء علیہ السلام کو مجھلا حضرت مسیح موعود (مرزا) پر ایمان لانا اور

اس کی نصرت کرنا فرض ہوا، تو ہم کون ہیں جو نہ مانیں “ الفضل،

خود مرزا اپنے آپ کو پیغمبر آخر الزماں سے افضل قرار دیتے ہوئے لکھا ہے

«لَا خُصْفَ الْقَمَرِ الْمُنِيرِ وَإِنِّي عَسَا الْقَمَرَانِ الشَّرْقَانِ أَتُنْكِرُ  
حضورؐ کے لئے صرف چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا۔ اور میرے لئے چاند  
سورج دونوں تاریک ہو گئے۔ کیا اب بھی انکار کر دو گے؟» (عجاز احمدی ص ۵۷)  
اور خرافات سنئے

«تین ہزار معجزات ہمارے نبیؐ سے ظہور میں آئے»، (تحفہ گولڑویہ) اور  
اپنی ذات کے لئے

«اس خدا نے میری تصدیق کی، بڑے بڑے نشان ظاہر کئے جو تین لاکھ تک

پہنچے»، «تتمہ حقیقۃ الوحی»

ابھی تکین نہیں ہوئی۔

«خدا نے مجھے دس لاکھ معجزات عطا کئے»، براہین احمدیہ،

یہ مشتبہ نمونہ، خود مرزا کے اور ان کے ماننے والوں کی تحریروں کے حوالے  
سے کچھ چیزیں پیش کی گئی ہیں، ان خرافات اور ان کی زیادہ تر جھوٹی ہدائیں  
گویوں کے باوجود، حیرت اُن مسلمانوں پر ہے جو ایسے انسان کو نہ صرف مقتدی  
پیشوا بلکہ نبی تک مان بیٹھے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ اس قسم کے کردار کو عقل  
سلیم قبول کس طرح کرتی ہے۔

اب ہم مرزا کو روئیں یا اُن کے ماننے والوں کے ذہنی دیوالیہ پن پر ماسم  
کریں۔ بہر حال نبوت کی خاتمیت پر زور لگا کر مرزا نے امت کو جس تشیت اور  
انتشار میں مبتلا کر دیا ہے، مسلم قوم کے مرکزی اتحاد کو جس طرح پارہ پارہ کرنے  
کی کوشش کی ہے۔ ہندوستان کی جہاد آزادی اور استخلاص وطن کی کوششوں  
کو انگریزوں سے خفیہ و اعلانیہ معاملات کر کے جس طرح سبوتاژ کیا ہے۔ ایشیا  
و افریقہ کے مظلوم مہوام کو جس طرح مغربی آقاؤں کے عشرت کدوں یا مذبح خانوں



کے حوالے کر دینے کی اسکیم بنائی، یہ ایسے ابواب ہیں کہ اگر ایک طرف علماء، بلکہ اسلام کے ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ اُس ناپاک تنظیم کے بیج اور اُس کے اثرات کو روئے زمین سے مٹا دیں۔ تو دوسری طرف ایک سیکولر، انصاف پسند حکومت کا بھی یہ اخلاقی فرض ہے کہ اُس جماعت کو برداشت نہ کرے۔ جس کا دامن ملک سے وفاداری کی نسبت سے ماضی میں داغدار رہا ہے۔ دارالعلوم اور جمعیتہ العلماء کے علماء کرام نے ہمیشہ ہی یہ فرض پورا کیا ہے۔ اور آج پھر الحمد للہ مذہبی اور دینی لحاظ سے دارالعلوم کو اس فتنے کا شدید احساس ہوا اور ہمیشہ کی طرح پھر یہ مرکزی ادارہ آگے آیا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

اور اب اُن کے بارے میں اس کے علاوہ کیا کہا جائے

لَا تَحْسِبَنَّ اللَّهُ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ اِنَّهَا يُؤَخَّرُهُمْ لِيَوْمِ

تَشْخِصٍ فِيهِ لَا يُبْصَرُ،



# مسئلہ ختم نبوت کتاب و سنت کی روشنی میں

از۔ محمد ظفر الدین مفتی دارالعلوم دیوبند

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی رسولہ خاتم النبیین و  
علیٰ الہیہ وصحبہ اجمعین۔

دنیا جانتی ہے کہ ہندوستان ایک مذہبی ملک ہے۔ اس کے ہر گوشہ میں  
مذہب رچا بسا ہوا ہے۔ یہاں بسنے والے مختلف مذاہب کے پیرو ہیں، ہندو، سکھ  
عیسائی۔ سبھی یہاں رہتے سہتے ہیں۔ اور اپنے دین و دھرم سے انس و محبت  
رکھتے ہیں۔ بلکہ اپنے دین کی حفاظت پر اپنی جانیں بچا کر دیتے ہیں۔

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر دور میں کچھ افراد مختلف راستوں سے مذہب پر  
حملے کرتے رہے ہیں۔ چونکہ یہاں عرصہ تک مسلم حکمران رہے۔ اس لئے اسلام کو  
سب سے زیادہ نشانہ بنایا گیا، اور مزے کی بات یہ ہے کہ جہاں غیر مذہب والوں  
نے مخالفت کی وہیں مسلمانوں کی جگہ کوڑھ لگتا رہا۔

سلطانی حکومت کے ختم ہوتے ہی کہنا چاہئے کہ اسلام مخالفین کے زور میں  
آگیا انگریز جو مسلمانوں کی حیثیت سے آئے تھے۔ انھوں نے خصوصی طور پر اسلام کو

مٹانے کی جدوجہد کی۔ اور یہی وجہ ہے کہ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے بے دردی کے ساتھ علماء اسلام کو تہ تیغ کیا، ان کو پھانسیوں پر لٹکایا، اور جو تھوڑے بہت بچ گئے تھے، ان پر مقدمہ قائم کر کے کالا پانی بیج دیا، اور انھیں تڑپ تڑپ کر جان دینے پر مجبور کیا۔

دوسری طرف عیسائیت کی تبلیغ کیلئے پوپ پادریوں کا جم غفیر بلالیا، اور ان کی پشت پناہی کے لئے ایک مہکتی فوج بنادی۔ نئے حکمرانوں نے سوچا تھا کہ وہ بڑی آسانی کے ساتھ متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں کو عیسائیت میں داخل کر لیں گے۔ اور اس طرح ان کی طرف سے حکومتِ دقت کو جو شدید خطرہ لاحق ہے وہ ٹل جائے گا۔

ادھر بچے کچھ علماء دین متفکر تھے کہ اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کیلئے کیا کیا جائے اور ان کو اپنے سچے دینِ قیم پر کس طرح باقی رکھا جائے؟ یہ بڑا ہی صبر آزما اور خطرناک وقت تھا، حکومت کے ساتھ ساتھ جان و مال کی بھی بربادی ہو چکی تھی۔ لے دے کر دین باقی تھا۔ وہ بھی زد پر تھا۔ بلکہ سب سے زیادہ وہی نشانہ بنا ہوا تھا،

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے بانیانِ دارالعلوم دیوبند کو جنہوں نے ایسے نامساعد حالات کے باوجود مہمت نہیں ہاری، قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ بڑی جرأت اور مہمت کے آدمی تھے۔ ساتھ ہی دورانِ لنش اور ملک و ملت کے بھی خواہ تھے، وہ برابر اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے پنجاب جا کر مشورہ کرتے رہے۔ جو وہاں ۱۸۵۷ء کے بعد روپوش ہو گئے۔ بالآخر رب العالمین نے ان بزرگوں کے دلوں میں ساری دینیہ کے قیام کا جذبہ بطور الہام پیدا فرمادیا۔ حضرت نانوتویؒ اس کے محرکِ اہل تھے۔



انہوں نے اپنے ساتھی اور احباب حضرت امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حاجی سید عابد حسینؒ، مولانا ذوالفقار علیؒ، مولانا فضل الرحمن عثمانیؒ اور دوسرے مجددوں سے مل کر پہلے دیوبند میں ایک عربی اسلامی مدرسہ کی داغ بیل ڈالی، پھر مراد آباد، ننگینہ گلا دھٹی اور جہاں جہاں اثرات تھے۔ مدارس دینیہ قائم کرائے۔ اور مسلمانوں کے چندوں سے ان کو چلانے کی رہنمائی فرمائی۔ اور اصول ہشت گانہ لکھ کر ہدایات جاری فرمایا کہ ان اصولوں کو پیش نظر رکھا جائے۔

دیوبند کا یہی مدرسہ اسلامی عربی جو ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں چھتہ کی مسجد میں قائم ہوا تھا۔ بہت جلد تھوڑے ہی دنوں میں پورے متحدہ ہندوستان میں پھیل گیا۔ اور مرکزی دارالعلوم بن گیا۔ پوپ پادریوں اور آریہ تحریک کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو گیا، پہلے خود حضرت نانوتویؒ اور آپ کے تلامذہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن، مولانا احمد حسن امروہی، مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ۔ مولانا رحیم اللہ بجنوری۔ مولانا عبدالعلی میرٹھی۔ مولانا منصور مراد آبادیؒ اور دوسرے شاگردان گرامی قدر۔ میدانِ عمل میں آئے۔ اور حفاظتِ دین کے لئے اپنی جانوں کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ یہ واقعہ ہے کہ پوپ پادریوں اور انگریزی حکومت کو اسلام کے سلسلے میں علماء دیوبند کے مقابلہ میں شکست کھانی پڑی۔ اور مذہبی طور پر ان کی برتری ماننے پر مجبور ہوئی۔

مگر انگریز پھر بھی کہاں چین سے بیٹھنے والے تھے۔ انہوں نے علماء کو شکست دینے کی دوسری تدبیریں اختیار کیں۔ خود مسلمانوں میں سے بہت سارے لوگوں کو اسلام کے خلاف کھڑا کر دیا۔ فرقہ بہائی، بابی۔ اور دوسرے محدثین کو طاقت پہنچائی کہ وہ مسلمانوں میں مذہب کے نام پر تفریق پیدا کریں اور علماء کا رخ انگریز دشمنی سے اپنے مذہب کی حفاظت کی طرف پھیر دے۔

لیکن دارالعلوم دیوبند اب تو انا ہو چکا تھا۔ اس کے فرزند پورے ملک میں پھیل چکے تھے۔ بلکہ ہندوستان سے نکل کر غیر ممالک میں جا چکے تھے۔ اور اشاعتِ دین کی خدمت میں منہمک ہو چکے تھے۔ اس لئے ملک میں وہ تمام تحریکیں آگے نہ چل سکیں، جو انگریزوں کے سہارے اٹھ رہی تھیں۔

خوب ذہن نشین کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے علماء دیوبند کو ایک خاص "نور بصیرت" عطا فرمائی ہے۔ وہ بہت جلد بھانپ لیتے ہیں کہ کن تحریکوں کا کیا منشاء ہے اور اس کا رُخ کدھر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیسیوں نئی نئی جماعتیں بنیں۔ اور انھوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا۔ مگر ان کو کامیابی نصیب نہیں ہوئی علماء دیوبند ہر محاذ پر سینہ سپر ہو گئے۔ اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے جب تک مخالف جماعت نے دم توڑ نہیں دیا۔

قادیانیت کا فتنہ بھی دراصل انگریزی حکومت کا پیدا کردہ ہے۔ یہ دور جنگِ آزادی کا دورِ شباب تھا۔ علماء آگے بڑھ کر انگریزی حکومت کے خلاف بول رہے تھے۔ انگریزوں نے اُن کا رُخ موڑنے کیلئے اس تحریکِ قادیانیت کو بھرپور تعاون دیا۔ اس جماعت سے جہاد کے خلاف فتویٰ دلایا۔ اور چاہا کہ مسلمانوں کو اس میں الجھایا جائے۔ اور علماء اس میں الجھ کر انگریزی حکومت کے خلاف جہاد بند کر دیں۔ خاکسار نے قادیانیت بالخصوص بانی قادیانیت کا جہاں تک مطالعہ کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس فتنہ کا بانی بالیخولیا کامریض تھا۔ اس لئے اس کے بیان اور تحریر میں اس قدر تضاد اور اختلاف ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اور جن لوگوں نے اس فتنہ کو قبول کیا۔ یقیناً وہ بھی عقل و خرد سے بیگانہ تھے، یا انگریزوں کو خوش کرنا چاہتے تھے، اور عہدوں کے طالب تھے۔

بالی فتنہ نے کبھی مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ کبھی مہدی بننے کا اعلان کیا۔ کبھی



مسیح موعود بنا۔ اور آخر میں آکر نبوت کا مدعی بن گیا۔ اور اسلامی تعلیمات میں  
من مانی کتر بیوت شروع کر دی، پھر نبوت کی مختلف قسمیں بیان کیں۔ تشریحی  
غیر تشریحی، ظلی، بروزی، لغوی، مجازی، نہ معلوم کیا کیا بکواس کی۔

کون شہ نہیں کہ صورت حال علماء حق کیلئے بڑی ہی ناگوار اور خطرناک تھی۔  
بالخصوص علماء دیوبند یہ دیکھ کر بیچین ہو گئے، مگر اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر انھوں نے  
طے کر لیا کہ اس فتنہ کو ختم کرنا ہے۔ خواہ اس کیلئے جتنی بھی قربانیاں دینا پڑے  
اور جس قدر بھی مصیبت برداشت کرنا پڑے۔

اس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند کی صدارت تدریس پر محدث العصر حضرت  
مولانا محمد انور شاہ قدس سرہ جیسے جلیل القدر عالم ربانی فائز تھے۔ جن کے علم و  
عمل اور قوت حافظہ کی اپنے اور غیروں سمجھوں میں دھوم تھی۔ کچھ لوگ انھیں  
چلتا پھرتا کتب خانہ کہا کرتے تھے۔ اور بلاریب حضرت شاہ صاحب بڑی خوبیوں  
کے مالک تھے، اور اللہ تعالیٰ نے انھیں دافر علم حدیث و فقہ سے نوازا تھا اس تمام  
کی مسند پر حضرت نانوتویؒ کے خلف الرشید مولانا حافظ محمد احمد صاحب جلوہ افروز  
تھے۔ جب ان تک اس فتنہ کی خبر پہنچی۔ تو یہ سراپا اہل بن کر میدان میں اتر آئے  
اور فرمایا۔ کہ بھائی یہ فتنہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین قیم پر بڑا  
حملہ ہے۔ جب تک یہ مٹ مٹا نہ جائے۔ چین سے بیٹھنا جائز نہیں ہے۔

اس زمانہ میں حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ ذی علم، ذی استعداد اور دین میں  
پر جان دینے والے تھے۔ استاذ کے ساتھ۔ یہ سارے تلامذہ اس فتنہ کی سرکوبی  
پر آمادہ ہو گئے۔ حضرت شاہ صاحب نے خود بھی اس فتنہ کے خلاف متعدد کتابیں  
لکھیں۔ دور سے کئے۔ اور اسی کے ساتھ دارالعلوم کے دوسرے اساتذہ نے بھی  
کتابیں تصنیف کیں۔ اور دور سے کئے۔ پھر سارے ہندوستان میں ہر مسکن کے



علماء بھی اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے میدان میں نکل آئے۔ مولانا شہداء الشہداء تیسری  
 مجدد العلم والعرفان مولانا سید محمد علی مونگیری بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ اور دوسرے  
 علماء کرام نے بھی اس محاذ پر اپنی طاقت لگادی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ فتنہ بہت  
 جلد قادیان میں سکڑ کر رہ گیا۔ ہندوستان کی سرزمین بہت حد تک پاک و صاف  
 ہو گئی۔ — ملک کی تقسیم کے بعد اس فتنہ نے پھر ایک دفعہ پاکستان میں سر  
 اٹھایا اور بڑی قوت کے ساتھ تحریک شروع ہوئی۔ مگر پاکستان میں علماء دیوبند کی  
 ایک بڑی جماعت موجود تھی وہ اس کو کہاں برداشت کر سکتی تھی۔ حضرت مفتی  
 محمد شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا محمد ادریس عسکریؒ  
 مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ۔ اور دوسرے علماء سیدہ سپر ہو گئے۔  
 اور پوری قوت کے ساتھ اس کی سرکوبی میں جدوجہد شروع کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا  
 کہ پہلے عالم اسلام (ممالک اسلامیہ) نے قادیانیوں کے کافر ہونے کا فتویٰ  
 دیا۔ اور اس کا اعلان کیا، پھر حکومت پاکستان نے اس فرقہ کو غیر مسلم قرار دیا۔ اس  
 طرح اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ کو ابھرنے سے روک دیا۔ بلکہ ایک محدود دائرہ میں بند  
 کر دیا۔ اب یہ فتنہ بھڑا شرب و با گیا۔ مگر بہر حال اب بھی کہیں کہیں دوچار گھرانے  
 اس فتنہ میں مبتلا ہیں۔ اور مخالف اسلام طاقتیں اس کو ابھارنا چاہتی ہیں۔  
 دارالعلوم دیوبند چاہتا ہے کہ موجودہ نسل جو اس فتنہ سے تقریباً نا آشنا ہے  
 اس کو آگاہ کرے، اور آئندہ کیلئے ان کو آمادہ و تیار کرے۔ تاکہ جب کبھی قیامت  
 آئے، تو یہ میدان عمل میں کود پڑیں۔ اور جہاں جہاں اس وقت اس فتنہ کی  
 چنگاری نظر آئے، اسے ہمیشہ کیلئے بجھا ڈالیں، اور اسی نام پر وہ دوسرے اینوائے  
 فتنوں کی سرکوبی کا بھی بھرپور جذبہ پیدا کر لیں۔ اس فتنہ کا سب سے بڑا محاذ ختم نبوت  
 کا مسئلہ ہے، جس کو اس نے مشکوک بنانے کی سعی کی ہے۔ مگر اس عنوان پر

بڑی عمدہ اور مضبوط کتابیں چھپ چکی ہیں۔ لہذا اس وقت مناسب معلوم ہوا کہ اس پر سرسری نظر ڈال لی جائے۔ اور یہ بتا دیا جائے کہ مسئلہ ختم نبوت مسلم ہے اور سارے شکوک و شبہات سے بالاتر ہے۔ عہد نبوت سے لے کر اب تک یہ مسئلہ بے غبار رہا ہے۔ اور انشاء اللہ تا قیامت بے غبار رہے گا۔

مسئلہ ختم نبوت کے متعلق اگر یہ ذہن نشین ہو جائے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ اور نبوت کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند ہو چکا ہے، نہ شرعی باقی ہے۔ نہ غیر شرعی نہ ظنی باقی ہے اور نہ بروزی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد جو بھی کسی طرح کی نبوت کا مدعی ہے، وہ جھوٹا کذاب اور دجال ہے، جیسا کہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک بہت سے دجال اور جھوٹے ناطھائے جانیں۔ جن میں سے ہر ایک یہ خیال کرتا ہے کہ وہ نبی ہے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی اور نبی دوسرا ہونے والا نہیں ہے۔

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَبْعَثَ دُجَالٌ  
كَذَّابُونَ، كَلَّهْم يَزْعُمُونَ أَنَّهُ نَبِيٌّ  
وَأَنَا خَاتِمُ النَّبِيِّينَ، لَا نَبِيَّ بَعْدِي  
(ابوداؤد)

: : : : :  
: : : : :

سیکڑوں آیتیں اور حدیثیں ہیں جن سے صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام ہو چکی ہے۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی آیا والا نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مگر تمہارے مردوں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں۔ اور سب

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ،



وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝  
 (الاحزاب پکا ع ۵) نبیوں کے ختم پر ہیں، اور اللہ ہر چیز کو  
 خوب جانتا ہے۔

اس آیت میں صراحت ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول  
 ہیں۔ اور تمام نبیوں کے بعد آپ کی تشریف آوری ہوئی ہے۔ آپ کے بعد کوئی اور  
 دوسرا ہونے والا نبی نہیں ہے۔ بلکہ خاتم النبیین خود آپ ہی ہیں۔ آپ کے بعد قیامت  
 تک جتنے انسان ہوں گے۔ وہ سب آپ کی امت میں داخل ہوں گے۔  
 خود قرآن پاک میں ہے:-

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ  
 إِلَيْكُمْ جَمِيعًا - الَّذِي لَهُ مُلْكُ  
 السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ -  
 آپ کہہ دیجئے۔ اے لوگو! میں تم سب  
 کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں جس  
 کی بادشاہی ہے تمام آسمانوں اور زمین  
 میں۔

(الاعراف پکا ع ۲۰)  
 اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق صراحت ہے۔ کہ آپ زمین  
 پر تمام بسنے والے انسانوں کے رسول برحق ہیں، قیامت تک جو بھی انسان پیدا ہوگا  
 آپ کی امت میں داخل ہوگا اور اس کا فرض ہوگا کہ آپ کے لئے ہونے دین قیم  
 کی پیروی کرے۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے:-

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا  
 وَنَذِيرًا - (سبا پکا ع ۳)  
 اور ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے واسطے  
 پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ خوشخبری سنانے والے  
 اور ڈرانے والے۔

دنیا کے تمام انسانوں کی رہبری و ہدایت آپ کی ذات اقدس سے تعلق رکھتی ہے  
 جنت کی خوشخبری سنا دیجئے۔ ان لوگوں کو جو ایمان و اسلام کی دولت قبول کریں۔  
 اور دوزخ سے ڈرائیے ان کو جو ایمان و اسلام کی دولت سے محروم رہ گئے ہیں۔



ایک اور جگہ قرآن نے کہا۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ  
 (الانبیاء ۱۰۷ ع ۷)  
 اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو لیکن دنیا  
 جہاں کے لوگوں پر مہربانی کرنے کیلئے  
 ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ آپ کی نبوت عام ہے۔ اپنے عہد کے انسانوں  
 کے لئے بھی اور قیامت تک پیدا ہونے والوں کے لئے بھی۔ آپ کے بعد کسی نبی  
 و رسول کو آنا نہیں ہے۔ اور خدا کا دین آپ پر مکمل کر دیا گیا ہے۔ اس دین  
 مبین میں کہیں سے کوئی کمی یا خامی باقی نہیں رہی کہ کسی اور نبی کی ضرورت باقی  
 کہی جاسکے۔ رب کائنات جل مجدہ نے اعلان فرمایا۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت  
 علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام  
 دینا۔ (المائدہ ۳)

میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔  
 اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی  
 اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو  
 پسند کیا۔

یہاں ایک اور بات بتا دینے کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ خاتم النبیین میں دو قرأتیں  
 ہیں۔ تار کے زیر کے ساتھ بھی ہے۔ اور تار کے زیر کے ساتھ بھی ہے۔ قاری حسن اور حام  
 نے تار کو زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور ان دونوں کے علاوہ دوسرے تمام قاریوں  
 نے تار کے زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور دونوں کے معنی ختم کرنے والے اور اخیر کے  
 آتے ہیں۔ معنی خاتم النبیین الذی ختم النبیین بہ و ما لہ آخر النبیین،  
 (روح المعانی ص ۵۹۷) ترجمہ: پس خاتم النبیین کے معنی ہوں گے وہ ذات جس  
 پر سلسلہ انبیاء ختم کر دیا گیا ہو، اور اس کا حاصل آخر النبیین ہی ہے۔

معلوم ہوا کہ خاتم ہو یا خاتم نتیجہ کے اعتبار سے دونوں کے معنی ایک ہیں کہ نبیوں  
 کے ختم کرنے والے اور سارے نبیوں کے بعد آنے والے، اوپر کی آیتیں جو نقل کی

گئیں۔ اُن سے بھی وضاحت کے ساتھ ہی معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم المرسلین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔  
مفرداتِ امام راعب میں ہے۔

وخاتم النبیین لانہ ختم النبوة  
ای تمہا بمجیدہ (ص ۱۲۱)  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین  
اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ کے سلسلہ  
نبوت کو ختم کر دیا۔ یعنی آپ کے آنے سے وہ  
سلسلہ تام ہو گیا۔

کلیات اہل البقار، تاج العروس اور لسان العرب وغیرہ سمجھوں نے یہی معنی  
بیان کئے ہیں۔ اور یقیناً یہی معنی ہیں۔ یہ واضح رہے کہ قرآن کی وہی تفسیر معتبر ہے  
جس کی تائید قرآن کے دو ستر حصے سے ہوتی ہو۔ یا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
نے جو تشریح فرمائی ہو یا صحابہ کرام اور تابعین رحمہم اللہ سے منقول ہو۔  
ان لوگوں کی تفسیر قطعاً قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ جو اپنی رائے سے کرتے ہیں۔  
یا جو تفسیر حدیث نبوی سے ہٹ کر کی جائے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی  
ہے۔

من قال فی القرآن بغیر علم  
فلیتبوأ مقعداً من النار،  
(مشکوٰۃ)

حتیٰ کہ فرمایا گیا، اگر اس نے اپنی رائے سے صحت کو پایا، تو بھی اس کا شمار خطا  
ہی میں ہوگا۔

من تکلم فی القرآن برأی فاصاب  
أخطأ فأخطأ (مشکوٰۃ)  
جس نے قرآن میں اپنی رائے سے گفتگو کی  
اور صحت کو پہنچ گیا، تو بھی اس نے خطا کی۔

آج کل یہ بھی ایک وبا پھوٹ پڑی ہے۔ کہ تجدید پسند قرآن کی تفسیر اپنے ذوق سے کرتے ہیں، جو ذوق موجودہ ماحول سے پیدا ہوا ہے۔ پھر وہ صحیح معنی میں ان علوم و فنون سے واقف نہیں ہوتے ہیں۔ جن کی قرآن کے معنی سمجھنے میں ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ ان میں مہارت تامہ ضروری ہے۔

لہذا خاتم النبیین کے وہی معنی مستند ہیں۔ جس کی تائید قول رسول سے ہوتی ہے۔ اور جس کو اہل لغت نے اختیار کیا ہے۔ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے علامہ سیوطی نے لکھا ہے۔ اور بہت صحیح لکھا ہے۔

وإن الصحابة والتابعين والأئمة	اگر آیت میں صحابہ و تابعین اور ائمہ تفسیر
ان كان لهم في الآية تفسير وجاء	کی کوئی تفسیر منقول ہے۔ اور کوئی شخص
قوم فسروا الآية بقول اخراج	اس کے بعد اپنے معتقد مذہب کے مطابق
مذهب اعتقدوا وذلك المذهب	نئی تفسیر کرے اور وہ صحابہ کرام و تابعین
ليس من مذهب الصحابة والتابعين	کی تفسیر کے خلاف ہو تو ایسا شخص معتزلہ
صار مشاركا للمعتزلة وغيرهم	اور رد سکر اہل بدعت کے فرقہ میں
من اهل البدع في مثل هذا	شامل ہو گیا۔

(الاتقان ج ۲ ص ۷۷)

یہ عجیب بات ہے کہ گمراہ فرقہ جو مسلمانوں میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ عوام کو سب سے پہلے قرآن کا نام لے کر ہی گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور بے پڑے لکھے عوام یا وہ جدید تعلیم یافتہ جنہوں نے قرآن نہیں پڑھا ہے بڑی آسانی سے اس کی باتوں میں آجاتے ہیں۔ اور اپنی عاقبت برباد کر لیتے ہیں۔ حالانکہ جو فرقہ قرآن کا ایسا معنی بیان کرتا ہے۔ جو صحابہ کرام اور سلف صالحین سے منقول نہیں ہیں۔ وہ یقیناً الحاد و دہریت ہے۔ اور دینِ قیم سے کھلی ہوئی



عبادت ہے۔

قادیاںی فرقہ نے بھی الحاد و دہریت کی یہی راہ اختیار کی۔ اور دنیاوی اغراض کیلئے قرآن پاک کے غلط معنی بیان کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کی۔ ختم نبوت کا بیان قرآن پاک میں متعدد جگہ آیا ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی کتاب ختم نبوت میں ننانوے آیتیں نقل کی ہیں۔ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا ثابت ہے۔

ختم نبوت پر خود احادیث نبوی میں بھی بڑا ذخیرہ ہے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھ امور میں مجھے اللہ تعالیٰ نے دوسرے انبیاء کرام میں فضیلت عطا فرمائی۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔

وَأُرْسِلَتْ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخَتَمَ عَلَى النَّبِيِّينَ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)

میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا، اور مجھ پر نبیوں کی آمد ختم کر دی گئی ہے۔

وَكَانَ النَّبِيُّ يَبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَيَبْعَثُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً (متفق علیہ راجعاً)

ایک موقع سے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أَتَى عِنْدَ اللَّهِ مَكْتُوبٌ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ (ایضاً)

میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا گیا ہوں۔

ایک حدیث ہے۔

أَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ  
بَعْدَهُ نَبِيٌّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَمَشْكُوتٌ

میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہوتا ہے  
جس کے بعد کوئی نبی نہ آئے۔

باب اسماء النبی

ان تمام حدیثوں میں ختم نبوت کی صراحت ہے۔ پھر اس میں تاویل کیسے چل  
سکتی ہے، خود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں کوئی گوشہ ایسا نہیں  
چھوڑا ہے، جس سے اس مسئلہ میں کوئی تحریف کی جاسکے، اس پر تمام امت کا اجماع  
ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول ہرگز  
نہیں آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا۔

أَنَا آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ وَآخِرُ  
الْأُمَمِ (رواہ ابن ماجہ ایضاً)

میں تمام نبیوں کے بعد آیا، اور تم ساری  
امتوں کے بعد آخری امت ہو۔

ختم نبوت سے متعلق علماء کی تحقیق کے مطابق دو سو حدیثیں ہیں۔ بلکہ اس  
بھی زیادہ۔ ان میں سے حضرت مفتی شفیع صاحب نے دو سو سے زیادہ حدیثیں  
نقل کر دی ہیں ان حدیثوں کا مطالعہ وہاں کیا جاسکتا ہے۔ آیت کریمہ اور آپ کے  
خاتم النبیین کے پیش نظر امام غزالیؒ نے لکھا ہے۔

إِنَّ الْأَمَّةَ قَدْ فَهِمَتْ هَذَا اللَّفْظَ  
أَنَّهُ أَفْهَمُ عَدَمِ نَبِيٍّ بَعْدَهُ أَبَدًا  
وَعَدَمِ رَسُولٍ بَعْدَهُ أَبَدًا وَأَنَّهُ  
لَيْسَ فِيهِ تَأْوِيلٌ وَلَا تَخْصِصٌ  
فَكَلَامُهُ مِنَ الْأَنْوَاعِ الْهَنْدِيَّةِ  
لَا يَنْعَمُ الْحُكْمُ بِتَكْفِيرِهِ لَا أَنَّهُ  
مَكْنُوبٌ لِهَذَا النَّصِّ الَّذِي

پوری امت نے خاتم النبیین کے الفاظ  
سے یہی سمجھا ہے کہ یہ آیت بتاتی ہے کہ  
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد  
کبھی بھی نہ کوئی نبی ہے اور نہ رسول ہے  
اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ نہ اس میں  
کوئی تاویل ہے اور نہ کوئی تخصیص،  
اور جس نے اس کے خلاف سمجھا ہے

الامۃ علی اللہ غیر ماول ولا  
مخصوص ،

(کتاب الاقتصاد)

وہ اس کی بکواس ہے۔ اور جواب  
کرے۔ اس کے کافر قرار دینے کو کوئی  
روک نہیں سکتا ہے۔ اس لئے کہ  
وہ اس طرح نص صریح، آیت قرآنی کی  
تکذیب کرتا ہے۔ جس کے متعلق امت  
عہد یہ کا اجماع ہے۔ اور اس میں نہ کوئی  
تاویل کی گنجائش ہے، اور نہ کسی  
تخصیص کی۔

۞ ۞ ۞ ۞ ۞  
۞ ۞ ۞ ۞ ۞  
۞ ۞ ۞ ۞ ۞  
۞ ۞ ۞ ۞ ۞  
۞ ۞ ۞ ۞ ۞

ایسے لوگ جو ختم نبوت میں شک کرتے ہیں۔ ان کو علماء اسلام نے بالاتفاق  
کافر و مرتد اور واجب القتل قرار دیا ہے۔ اور گزشتہ زمانہ میں ایسے شخص  
کو علماء کرام کے فتاویٰ کی بنیاد پر قتل بھی کیا گیا ہے۔ عہد نبوی میں سیدہ کذاب  
قتل کیا گیا۔ اسود عسفی قتل کیا گیا۔ حضرت کشمیریؒ نے اس سلسلے میں بہت سارے  
فتاویٰ اپنی کتاب اکفار الملحدین میں جمع کر دیا ہے۔ ایک جگہ شرح شفاء کے  
حوالہ سے لکھتے ہیں

”اسی طرح ابن قاسم مالکی نے اس شخص کو مرتد کہا جو خود کو نبی کہے۔ اور دعویٰ  
کرے کہ ہمارے پاس وحی آتی ہے۔ سخون مالکی کا قول بھی یہی ہے ابن قاسم  
نے نبوت کا دعویٰ کرنے والے کو مرتد قرار دیا ہے، خواہ وہ پوشیدہ طور پر اپنی  
نبوت کی دعوت دیتا ہو، خواہ اعلانیہ طور پر، اسلئے کہ وہ اس طرح آیت قرآنی، خاتم  
النبیین، کا انکار کرتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تکذیب کرتا ہے  
اسلئے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔  
اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتا ہے، اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے پاس



وحی بھیجا ہے۔ اور مجھے رسول بتایا ہے ۛ (اکفار الملعونین)

قاضی عیاضؒ اپنی کتاب شفا میں فرماتے ہیں:-

”کہ خلیفہ عبد الملک بن مروان نے عارت نامی مدعی نبوت کو قتل کر کے

عبرت کیلئے سول پر لٹکایا تھا۔ اسی طرح اور بہت سے دوسرے خلفاء اور

سلاطین نے ایسے تمام مدعیان نبوت کو قتل کیا ہے، اور علماء امت

نے اس قتل کی تصویب و تائید کی ہے۔ اور جو کوئی اس تصویب کو نبی

کا مخالف ہے۔ وہ بھی کافر ہے، ۛ ایضاً ۛ

علامہ خفاجی لکھتے ہیں:-

”اسی طرح ہم اس شخص کو بھی کافر کہیں گے، جو آپ کے بعد کسی اور کے

نبی ہونے کا دعویٰ کرے۔ مثلاً مسیلہ کذاب کو یا اسود غنسی کو یا کسی اور

کو نبی مانتا ہو، یا آپ کے بعد کسی اور شخص کے نبوت کا دعویٰ کرے جیسے

قادیاہی فرقہ کے لوگ، اسلئے کہ آپ قرآن و حدیث کے نصوص اور تصریحات

کے مطابق خاتم النبیین اور آخری رسول ہیں۔ لہذا ان کے عقائد اور

دعوؤں سے ان تمام نصوص کی تکذیب اور انکار لازم آتا ہے جو

صریحاً کفر ہے ۛ (اکفار الملعونین)

اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہے۔ جو یہ دعویٰ کرے کہ اس کے پاس وحی آتی

ہے۔ اگرچہ وہ نبی ہو نیکاد دعویٰ نہ بھی کرے۔ یہ سارے لوگ اس لئے کافر ہیں کہ اس

ضمن میں وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور آپ کی تصریحات

کے خلاف تبھوٹا دعویٰ کرتے ہیں۔

اس پر اجماع ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم نبوت کے سلسلے میں جو

کچھ فرمایا ہے وہ اپنے ظاہر پر ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، جو اس کے خلاف

عقیدہ رکھتا ہے۔ وہ کافر ہے۔

محدث جلیل حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ نے الاشباہ والنظائر کے حوالہ سے یہ بھی نقل کیا ہے۔

”کہ جو شخص یہ نہ جانتا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ اس لئے کہ ختم نبوت ضروریات دین میں سے ہے“  
گویا نہ جاننا عذر قرار نہیں پایا۔ دوسرے امور میں جہل کو عذر مانا گیا ہے مگر اس باب میں قطعاً عذر تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔

شرح عقائد نسفی میں علامہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ  
”سب سے پہلے نبی حضرت آدمؑ ہیں اور سب سے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں“

اسی طرح عقائد کی تمام کتابوں میں صراحت ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔  
صاحب روح المعانی نے لکھا ہے۔

وكونه صلى الله عليه وسلم خاتم النبیین مما نطق به الكتاب وصدعت به السنة واجتمعت عليه الامة ويكفي مدعى خلافة ويقتل ان اصر، (ص ۱۷ ج ۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا ان مسائل میں سے ہے جس پر کتاب اللہ ناطق ہے۔ اور سنت میں جن کی صراحت ہے۔ اور امت کا جن پر اتفاق و اجماع ہے۔ اس کے خلاف جو دعویٰ کرے گا۔ وہ کافر قرار دیا جائیگا اور اگر اپنے دعویٰ پر مصر ہوگا تو قتل کیا جائے گا۔

• • • • •  
• • • • •  
• • • • •

مسلم قریف کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أَنَا خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ وَمَسْجِدِي خَاتَمُ الْمَسَاجِدِ، (مسلم)  
میں خاتم النبیین ہوں۔ اور میری مسجد انبیاء کرام کی مسجدوں کی خاتم المساجد  
حدیث میں اس کی بھی صراحت موجود ہے کہ نبوت ختم ہو چکی ہے۔ آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ البتہ اچھے خواب باقی رہ گئے ہیں  
لَمْ يَبْقَ مِنْ مَبَشَرَاتِ النَّبِيِّ إِلَّا  
الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ  
(رواہ مسلم، مشکوٰۃ)  
مبشرات نبوت میں سے اچھے خوابوں کے  
سوا دوسرا اور کچھ باقی نہ رہا۔

مختصر یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ اور آپ کی امت آخری  
امت ہے۔ اب دینِ قیم کی اشاعت و حفاظت کی ساری ذمہ داری آپ کی امت پر  
ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ دو چیزیں تم لوگوں میں چھوڑ رہا ہوں۔ ایک اللہ  
تعالیٰ کی کتاب، دوسری اپنی سنت، تم لوگ جب تک ان کو مضبوطی سے  
سے تھامے رہو گے۔ کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم  
تركت فيكم امرين لن تضلوا ما  
تمسكتم بهما كتاب الله وسنة  
رسوله، (رواہ فی الموطا، مشکوٰۃ)  
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے  
کہ میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ جب  
تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے  
رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ایک اللہ کی

کتاب قرآن پاک ہے۔ اور دوسرا  
اس کے رسول کی سنت احادیث نبویؐ

رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ مستقبل کے نفع کی طرف اشارہ

کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔



قال رسول الله صلى الله عليه وسلم  
 يكون في آخر الزمان دجالون كذابون  
 يا توكنم من الأحاديث بما لم تسمعوا  
 انتم ولا آباؤكم فاياكم واياهم  
 لا يضلونكم ولا يفتنونكم  
 رعاة مسلم (مشكاة)

آخری زمانہ میں بہت سارے دجال  
 وکذاب ایسی باتیں لیکر تمہارے پاس  
 آئیں گے جو کبھی نہ تم نے سنا ہو گا۔  
 اور نہ تمہارے آباء و اجداد نے لہذا تم  
 ان سے خبردار رہنا، وہ تم کو نہ تو گمراہ  
 کرنے پائیں۔ اور نہ توفتنہ میں ڈالنے پائیں

شاید وہ زمانہ آگیا ہے کہ طرح طرح کے دجال وکذاب پیدا ہونے شروع  
 ہو گئے ہیں نئی نئی باتیں گڑھ کر پیش کر رہے ہیں۔ اور مختلف انداز میں مسلمانوں  
 کو راہ حق سے ہٹانے کے درپے ہیں نام بظاہر بڑا خوشنما ہے، مگر زیر آلودہ  
 قادیانی فتنہ بھی دراصل اسی دجالی فتنہ کی ایک صورت ہے۔ جو ہندوستان میں  
 ہمارے سامنے ظاہر ہیں۔ حیرت ہے کہ ہندوستان میں ایک ملحد و زندقہ کھڑا  
 ہو کر یہ کہنے کی جرات کرتا ہے۔ وہ حضرت مہدی ہے۔ مسیح موعود ہے۔ اور نبی ہے  
 سعادۃ بشر ایسی بے باکی، ایسی گستاخی۔ اور ایسا غلط دعویٰ اگر اسلامی حکومت ہوتی تو  
 اسی وقت وہ قتل کر دیا جاتا۔

یاد رکھا جائے جب تک دارالعلوم دیوبند اور اس کی فیض یافتہ جماعت موجود  
 ہے۔ کوئی ایسی دجالی تحریک کامیاب نہیں ہو سکی ہے جس طرح دارالعلوم دیوبند  
 اور اس کے تلامذہ نے گزشتہ سو سو سال سے دین مبین کی حفاظت کی ہے آئندہ  
 بھی یہ دینی اور بین الاقوامی درسگاہ اپنا یہ فریضہ انجام دیتی رہے گی۔ اور یہ ان  
 افراد کو پیدا کرتی رہے گی۔ جن کی زندگی کا مشن حفاظت و صیانت تعلیمات  
 اسلامی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو تاقیامت زندہ و نابندہ رکھے۔  
 اخیر میں مجھ بے ساختہ اس وقت سابق مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد

# عَقِيدَةُ خَتْمِ نُبُوَّةٍ اور

## مِرزا غلام احمد قادیانی

مولانا عبد العليم فاروقی دارالبلغین لکھنؤ

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو مقدس شریعت لیکر دنیا میں مبعوث ہوئے وہ خدا کی آخری اور دائمی شریعت ہے جو بالکل واضح اور روشن ہے نہ تو اس میں کوئی الجھاؤ ہے اور نہ ہی کسی قسم کا ابہام ہے اسی طرح جن پاکباز ہستیوں نے اس دین متین کو ذات رسالت سے براہ راست حاصل کیا اور آنے والی نسلوں تک ہر درجہ ذمہ داری اور کمال دیانت و ثقاہت کے ساتھ منتقل کیا ان کی شخصیات علم و عقل، فضل و کمال، فہم و تدبیر، زہن و مزاج اور طہارت و پاکیزگی کے اعتبار سے کامل و مکمل ہیں یہی وجہ ہے کہ دین اسلام کو مٹانے یا اس کے مزاج و طبیعت کو بدلنے کیلئے جب مخالفین اسلام کی طرف سے کوئی کوشش یا سازش رونما ہوئی تو ان حضرات نے بھی اسکو برواشتہ کیا اور سرکف میدانِ عمل میں اتر آئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز میں جب قتل و تباہی و آشوب و فتنہ نبوت نے اپنی چھوٹی نبوتوں کے عمل تعمیر کرنے کی ناکام کوشش کی تو حضرت ابو بکر



اور ان کے ساتھیوں نے ان جھوٹے دعویداران نبوت کے محلوں کو اپنی ٹھوکروں سے گرا کر پوری دنیا کو بتا دیا کہ قصر نبوت کی تکمیل ہو چکی اب اگر کوئی اس محل کو سامنے دوسرا محل بنائے گا اُسے زمین بوس کر دیا جائے گا۔

ہمارے زمانہ میں تقرباً ایک صدی قبل قادیانی فتنہ کا وجود ہوا جس کی بنیاد انیسویں صدی عیسوی میں مرزا غلام احمد قادیانی نے رکھی یہ شخص ۱۸۳۳ء میں پنجاب کے ایک گاؤں قادیان ضلع گورداس پور میں پیدا ہوا۔ وہیں اس نے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور کچھ دیگر فنون و علوم کا مطالعہ کیا اس کے بعد طویل مدت تک انگریزی حکومت کی ملازمت کی۔ ابتداءً اس نے دعویٰ کیا کہ اللہ کی طرف سے اُسے یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طرز پر مخلوق خدا کی اصلاح کرے پھر آہستہ آہستہ وہ مسلسل گمراہیوں کی طرف بڑھتا رہا کبھی کہتا تھا کہ مجھ میں حضرت عیسیٰؑ کی روح حلول کر گئی ہے اور کبھی دعویٰ کرتا کہ مجھے الہامات و مکاشفات ہوتے ہیں وہ توریت، انجیل اور قرآن پاک کی طرح خدا کا کلام ہیں اس نے یہ بھی کہا کہ آخری زمانہ میں قادیان میں حضرت عیسیٰؑ نزول فرمائیں گے اور یہ بھی دعویٰ کیا کہ مجھ پر دس ہزار سے زائد آیتیں اتاری گئی ہیں۔ اور قرآن کریم، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے سابقین نے میری نبوت کی شہادت دی ہے اور اس شخص نے اپنے گاؤں قادیان کو مکہ اور مدینہ کے ہم رتبہ، اور اپنی مسجد کو حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مسجد سے افضل کہا اور اس بات کی لوگوں میں تبلیغ کی کہ یہی وہ مقدس بستی ہے جس کو قرآن پاک میں مسجد اقصیٰ کے نام سے ذکر کیا گیا ہے اور جس کا حج کرنا فرض ہے یہ اور ان جیسے نامعلوم اس نے کتنے جھوٹے کئے جو اس کی اور اس کے متبعین کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی دراصل ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھنے کا خواہشمند تھا



جس کے لئے اُس نے پوری کوشش کی وہ اسی لئے انگریزوں کا اطاعت گزار رہا۔ جن کی ان دنوں ہندوستان میں حکومت تھی اور ان کی خدمت گزاری اور کام لیس میں اپنی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ گزارا اور زبان و قلم سے انگریزوں کی محبت و خیر خواہی اور ہمدردی کا خوب خوب اظہار کیا۔ انگریزی حکومت کو بھی اپنے اغراض و مفادات کے لئے یہ شخص موزوں نظر آیا۔ چنانچہ اس نے بڑی تیزی سے اپنا کام شروع کیا۔ پہلے مجدد ہونے کا دھویٰ کیا۔ اور پھر چند قدم آگے بڑھ کر امام مہدی بن گیا کچھ دن اور گزرے تو مسیح موعود بن بیٹھا۔ اور آخر کار منصب نبوت کا مدعی ہو گیا انگریز نے جو چاہا تھا وہ پورا ہوا۔ حکومت انگلشیہ نے اُس کی سرپرستی کا پورا حق ادا کیا اور اس کی حفاظت میں کوئی کمی نہ کی ہر طرح کی سہولتیں اور مراعات بہم پہنچائیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی بھی ہمیشہ حکومت کے احسانات کا معترف رہا اور صاف طور پر اُس نے اقرار کیا کہ "میں حکومتِ برطانیہ کا خود شکستہ پورا ہوں" اور ایک جگہ اپنی وفاداریوں اور خدمت گزاریوں کو گناتے ہوئے لکھتا ہے۔

"میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزرا اور میں نے ممانعتِ جہاد اور انگریز کی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھا کی جائیں تو پچاس الاریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔

(تریاق القلوب ص ۵۱ از مرزا)

غلامِ گشتگو یہ کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی خود ساختہ جھوٹی نبوت کے ثبوت میں اور عقیدہ ختم نبوت کو مٹانے کیلئے بھرپور جدوجہد کی یہاں تک کہ مسٹر اچول اور قرآنی نصوص و قطعیات کا انکار کیا اور ان کی من مانی بے جا اور

رکیک تاویلات کہیں جب کہ عقیدہ ختم نبوت مسلمانوں کا ایک ایسا اجتماعی اور  
 قطعی عقیدہ ہے جس میں کسی قسم کی تاویلی و توجیہ کی کوئی گنجائش نہیں اس  
 عقیدہ کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے یہی کافی ہے کہ جودہ سو برس سے  
 تمام مسلمان اس پر متفق ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول  
 اور آخری نبی ہیں۔

**عقیدہ ختم نبوت** | صدر اسلام سے آج تک تمام مسلمان ہی مانتے  
 رہے ہیں اور آج بھی اسی پر ایمان رکھتے ہیں کہ آنحضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں آپ کی ذات پر باب نبوت کلی طور پر بند کر دیا  
 گیا ہے۔ یہ ایک ایسا مشہور اور بنیادی عقیدہ ہے کہ عوامی مسلمان بھی  
 اسے دین کے اساسی اور ضروری عقائد میں شمار کرتا ہے۔ جس پر ایمان لانے  
 بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ قرآن پاک نے بھی بڑی صراحت و صفائی کے  
 ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم "خاتم النبیین" ہیں یہ عقیدہ  
 دراصل دین اسلام کی حیات اجتماعی اور امت کی شیرازہ بندی کا محافظ ہے  
 اور اس پر ہمیشہ مسلمانوں کا اجماع رہا ہے اور اس اجماع کی حکایت بھی متواتر  
 ہے۔ قرآن و سنت اور اجماع امت تینوں میں جا بجا "ختم نبوت" پر واضح اور  
 روشن دلائل موجود ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۝  
 محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں میں  
 سے کسی کے باپ نہیں ہیں وہ تو اللہ کے  
 رسول اور آخری نبی ہیں۔

آیت قرآنیہ میں "خاتم" کا لفظ "ت" کے زیر اور زیر دونوں کے ساتھ



یہی مطلب واضح کرتا ہے کہ آپؐ آخری نبی ہیں یا یہ کہ آپؐ نے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ختم فرمادیا اور آپؐ کے بعد کوئی شخص مقام نبوت پر سرفراز نہ ہو سکے گا۔ اب اگر کوئی شخص اس کا دعویٰ کرے تو وہ ایسی چیز کا مدعی ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

”خاتم النبیین“ کا یہی مطلب ماہرین لغت نے لکھا ہے کہ خاتم القوم آخر القوم کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ ”لسان العرب“ جو لغت عرب کی مشہور و مستند کتاب ہے اس میں لکھا ہے۔ ختام القوم وخاتمہم اخرہم ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء۔ پھر آگے لکھتے ہیں۔ وخاتم النبیین ای اخرہم ”القاموس“ اور اس کی شرح ”تاج العروس“ میں بھی خاتم اور خاتم کے معنی یہی تحریر کئے ہیں اور اسی کو تمام محققین و علمائے مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ امام ابن کثیرؒ خاتم النبیین کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

”اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اس کے رسولؐ نے اپنی متواتر سنت میں بتایا ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ آپؐ کے بعد جو بھی شخص اس مقام کا دعویٰ کرے گا۔ وہ انتہائی جھوٹا، منکار و جال اور لوگوں کو گمراہ کرنے والا ہوگا۔“

امام آلوسی اپنی تفسیر ”روح المعانی“ میں لکھتے ہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی خبر قرآن میں دی گئی ہے سنت میں بھی اُسے دو ٹوک الفاظ میں بیان کیا گیا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ اس پر پوری امت کا اجماع ہے لہذا جو شخص اس کے خلاف دعویٰ لے کر اٹھے گا اُسے کافر قرار دیا جائے گا۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔



نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کرتے تھے ایک نبی وفات پا جاتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے (بخاری)

ایک دوسری جگہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔  
میری امت میں تین بھوٹے ہوں گے۔ ہر ایک اپنے متعلق دعویٰ کریگا کہ وہ اللہ کا نبی ہے۔ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث اور صحابہ کرام کے متعدد آثار سے قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت درصالت کا سلسلہ بند ہو گیا۔ اگر عقل و درایت کی روشنی میں ختم نبوت پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ تک سلسلہ نبوت کے جاری رہنے اور آپ سے پہلے کسی نبی پر نبوت ختم نہ ہونے کے تین اہم اور بنیادی اسباب ہیں۔

- (۱) یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک جس قدر انبیاء مختلف ادوار میں ..... دنیا میں تشریف لائے ان میں سے کسی کی بھی نبوت عام نہ ہوا کرتی تھی۔ ... ہر نبی کسی ایک خاص قوم یا کسی خاص بستی کے لئے ہوا کرتا تھا اسی لئے ضرورت ہوتی تھی کہ دوسری قوم اور دوسری بستی کیلئے دوسرا نبی بھیجا جائے
- (۲) اجرائے نبوت کی دوسری وجہ یہ تھی کہ انبیائے سابقین جب دنیا سے تشریف لے جاتے تو ان کے چلے جانے کے بعد ان کی شریعت میں تحریف ہو جاتی تھی۔ اور خداوند قدوس نے کسی بھی شریعت کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی تھی بنا بریں ضرورت پڑتی تھی کہ دوسرا نبی آئے اور اس کو نئی شریعت دیکھا۔

یا سابقہ شریعت کی اس کے ذریعہ سے اصلاح کرائی جائے۔  
 ۳۔ یہ کہ انبیائے پیشین جو شریعت لے کر مبعوث ہوئے اس کو اشرعہ الکااں  
 کا شرف عطا نہیں فرمایا۔ اسی لئے ان کا لایا ہوا دین غیر مکمل ہوتا تھا۔  
 مذکورہ بالا وجوہ کی بناء پر آپ سے پہلے یکے بعد دیگرہ انبیاء آتے رہے اور  
 سلسلہ نبوت دراز ہوتا رہا مگر جب اشرعہ نے آپ کو اپنا نبی و رسول بنا کر  
 دُنیا میں بھی تو ان تینوں امور سے پورے طور پر مطمئن کر دیا گیا آپ کی نبوت  
 و رسالت بھی پوری دنیا کیلئے عام کر دی چنانچہ قرآن پاک میں اس مضمون کو  
 مختلف انداز سے بیان کیا گیا کبھی تو ارشاد ہوا "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا  
 كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا" اور کبھی آپ کی زبان مبارک سے یہ اعلان  
 کرایا گیا "قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا" اور اسی  
 مضمون کو اس طرح بھی ذکر فرمایا گیا۔ "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ"  
 اسی طرح آپ کی شریعت کو ابدی اور دائمی فرما کر اس کو رد و بدل، تحریف و  
 تنسیخ کے عمل سے محفوظ فرمادیا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اپنے  
 اوپر لی "إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ" اور پھر یہ بھی فرمائی  
 سنا دی گئی کہ ہم نے آپ پر اپنے دین کو اکمل فرمادیا "الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ  
 دِينَكُمْ" اور ہوا الذی ارسل رسولہ بالہدی و دین الحق لیظهر  
 حق الدین علی کل شئ۔

نقل و شریعت عقل و روایت ہر اعتبار سے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول  
 خدا صلی اللہ علیہ وسلم اشرعہ کے آخری پیغمبر ہیں آپ کے ذریعہ سے جو شریعت ہم کو ملی ہے  
 وہ اس کی آخری ابدی اور دائمی قیامت تک باقی رہنے والی شریعت ہے۔



**ختم نبوت کی نئی تفسیر** | لیکن مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے متبعین نے تاریخ میں پہلی بار ختم نبوت کی جو زالی تفسیر کی ہے وہ مسلمانوں کی متفقہ تفسیر سے ہٹ کر کی ہے کہ "خاتم النبیین" کا مطلب یہ ہے کہ... آپ "نبیوں کی مہر" ہیں اور اس کی وضاحت یہ بیان کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب جو بھی نبی آئے گا اس کی نبوت آپ کی مہر تصدیق لگ کر مصدقہ ہوگی۔ اس کے ثبوت میں قادیانی مذہب کی کتابوں سے بکثرت عبارتوں کا حوالہ دیا جا سکتا ہے مگر ہم چند حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

"خاتم النبیین کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی مہر کے بغیر کسی کی نبوت کی تصدیق نہیں ہو سکتی جب مہر لگ جاتی ہے تو وہ کاغذ سند ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت کی مہر اور تصدیق جس نبوت پر نہ ہو وہ صحیح نہیں ہے۔

(ملفوظات احمد مرتبہ منظور الہی صاحب قادیانی حصہ پنجم ص ۱۹)

اگر کوئی شخص کہے کہ جب نبوت ختم ہو چکی ہے تو اس امت میں نبی کس طرح ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدائے عزوجل نے اس بندہ (یعنی مرزا صاحب) کا نام اسی لئے نبی رکھا ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ کی نبوت کا کمال امت کے کمال کے ثبوت کے بغیر ہرگز ثابت نہیں ہوتا اور اس کے بغیر محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے جو اہل عقل کے نزدیک بے دلیل ہے

(ترجمہ استفتاء عربی ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۶)

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں مگر ختم کے وہ معنی نہیں جو "احسان" کا سواد اعظم سمجھا جاتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اعلیٰ اور ارفع کے سراسر خلاف ہے کہ



آپ نے نبوت کی نعمتِ عظمیٰ سے اپنی امت کو محروم کر دیا بلکہ یہ ہیں کتاب  
 ”نبیوں کی مہر ہیں“ اب وہی نبی ہو گا جس کی آپ تصدیق کر دیں گے۔  
 (الفضل قادیان نمبر ۱۸، ۲۲ ستمبر ۱۹۳۹ء)

ختم نبوت کی تفسیر کا یہ اختلاف صرف ایک لفظ کی تاویل و تفسیر تک محدود نہ رہا  
 بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے والوں نے اس سے  
 آگے بڑھ کر یہاں تک اعلان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نہیں ہزاروں نبی  
 آسکتے ہیں۔ یہ بات بھی ان کے اپنے واضح بیانات سے ثابت ہے ہم اس موقع پر بطور  
 نمونہ چند حوالے زیر تحریر لاتے ہیں۔

یہ بات بالکل روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔

(حقیقۃ النبوة ص ۲۲۸ مصنفہ مرزا بشیر الدین محمود قادیانی)  
 اگر میری گردن کے دونوں طرف تلوار بھی رکھ دی جائے اور مجھ کہا جائے  
 کہ تم یہ کہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو میں  
 اسے ضرور کہوں گا تو جھوٹا ہے کذاب ہے آپ کے بعد نبی آسکتے ہیں اور  
 ضرور آسکتے ہیں۔ (انوار خلافت ص ۶۵ از مرزا بشیر الدین محمود)

انھوں نے (یعنی مسلمانوں نے) یہ سمجھ لیا کہ خدا کے خزانے ختم ہو گئے  
 ان کا یہ سمجھنا خدا تعالیٰ کی قدر کو ہی نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے ورنہ ایک نبی  
 کیا میں تو کہتا ہوں ہزاروں نبی ہوں گے۔

(انوار خلافت ص ۶۲)

**مرزا کا دعوائے نبوت** | اس طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی نبوت  
 کے لئے راہ ہلادیکر تحت نبوت بچا دیا اور ان کے متبعین و مریدین نے بھی انکو

حقیقی معنوں میں نبی تسلیم کر لیا۔ قادیانی گروہ کی بے شمار کتابوں میں ان کے اس دعویٰ کے ثبوت میں بہت سی عبارتیں ہیں ہم مختصراً کچھ تحریریں نقل کئے دیتے ہیں جن سے مرزا کے دعویٰ نبوت کا پتہ چلے گا۔

میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ بموجب آیت ”وآخرین منهم لیسٰ یلحقوا بہم“ بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیسٹیس برس پہلے ”براہین احمدیہ“ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا ہے۔

(ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۸)

مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں اور میں اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں بدست ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریک ہے۔

دکشتی نوح ص ۵۶ طبع قادیان ۱۹۰۲ء

پس شریعت اسلامی نبی کے جو معنی کرتی ہے اس کے معنی سے حضرت صاحب (یعنی مرزا غلام احمد صاحب) ہرگز مجازی نبی نہیں بلکہ حقیقی نبی ہیں (حقیقۃ النبوة ص ۱۷۱ از مرزا بشیر الدین محمود)

**منصب نبوت کی توہین** | مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی جھوٹی نبوت کے ثبوت اور ختم نبوت کے انکار میں فاسد خیالات اور باطل افکار کا اظہار کیا ہے اس کا ایک بہت بڑا حصہ ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں۔

وہ دین دین نہیں ہے اور نہ وہ نبی نبی ہے جس کی متابعت سے انسان خدا تعالیٰ سے اس قدر نزدیک نہیں ہو سکتا کہ مکالمات الہیہ سے معترف

ہو سکے وہ دین لعنتی اور قابلِ نفرت ہے جو یہ سکھاتا ہے کہ صرف چند منقول باتوں پر انسانی ترقیات کا انحصار ہے اور وحی الہی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے۔ اور خدائے حق دقیوم کی آواز سننے اور اس کے مکالمات سے غلطی نامیدی ہے۔ اور اگر کوئی آواز بھی غیب سے کسی کان تک پہنچتی ہے تو وہ ایسی مشتبہ آواز ہے کہ کہہ نہیں سکتے کہ وہ خدا کی آواز ہے یا شیطان کی۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۲۹ از مرزا غلام احمد)

یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی الہی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا اور آئندہ کو قیامت تک اس کی کوئی بھی امید نہیں صرف قصوں کی پوجا کرویس کیا ایسا مذہب کچھ مذہب ہو سکتا ہے جس میں براہ راست خدا تعالیٰ کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا جو کچھ میں قہقہے ہیں۔ اور کوئی اگرچہ اس کی راہ میں جان بھی فدا کرے اس کی رضا جوئی میں فنا ہو جائے اور ہر ایک چیز پر اس کو اختیار کرے تب بھی وہ اس پر اپنی شناخت کا دروازہ نہیں کھولتا اور مکالمات و مخاطبات سے اس کو مشرف نہیں کرتا میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں مجھ سے زیادہ بیزار ایسے مذہب اور کوئی نہیں ہوگا۔ میں ایسے مذہب کا نام شیطان رکھتا ہوں نہ کہ رحمانی

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۸۳ از مرزا)



مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے ایجاد کردہ مذہب "قادیانیت" کے جسراٹم اور مفاسد کو کون کہاں تک گناہے افسوس کہ قادیانیوں نے مرزا غلام احمد جیسے ایک پست، ذلیل اور کم عقل انسان کو تاجِ نبوت پہنا کر "عقیدہ ختم نبوت" کے مفہوم کو بالکل الٹا کر دیا "قادیانیت" جو درحقیقت اسلام کے خلاف ایک گھناونی سازش اور نبوت محمدیہ کے خلاف ایک کھلی بغاوت ہے وہ عالم اسلام کے جسم کا وہ بدگوشت اور فاسد مادہ ہے جس کو دور کرنا امت مسلمہ کا اہم فریضہ ہے "قادیانیت" اسلام کے بنیادی عقائد سے لے کر فردی مسائل تک اپنا الگ راستہ اختیار کرتی ہے نہ صرف یہ کہ وہ چند کشتوں میں مسلمانوں سے الگ ہے بلکہ دین کے ہر معاملہ میں مسلمانوں سے اختلاف رکھتی ہے چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود اپنی ایک تقریر میں جو "الفضل" کے ۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء کے شمارے میں "مسلمانوں سے اختلاف" کے عنوان سے شائع ہوئی تھی کہتے ہیں۔

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے ہیں" آپ نے فرمایا یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفاتِ مسیح یا چند اور مسائل میں ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ہمیں ان سے اختلاف ہے۔

"قادیانیت" کا اہم موضوع اگرچہ کالی وقت کو چاہتا ہے مگر ہم نے صرف ایک عنوان کے تحت اجمالاً کچھ عرض کیا ہے۔ امید ہے کہ دیگر اصحابِ قلم اور اربابِ علم و فن اس طرف خصوصی توجہ فرمائیں گے اور کھل کر وقت کے اس خطرناک فتنہ کا تعاقب کریں گے۔ اللہ پاک دینِ حق کی حمایت، حفاظت اور حقانیت و نقابت کے سلسلہ میں ہونیوالی ہر خدمت کو بار آور فرمائے۔ آمین۔

# ختم نبوت علم و عقل کی روشنی میں

از فرید الدین مسعود

ڈائریکٹر اسلامک فاؤنڈیشن بنگلہ دیش شیخ الحداد المیام جعفریہ

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دین مکمل ہو چکا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ امت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور کوئی نبی نہ آئے والا نہیں ہے۔ اسلام خدا کا آخری پیغام اور زندگی کا مکمل نظام ہے۔ یہ عقیدہ قرآن کریم، سنت متواترہ، اجماع امت اولین و آخرین اور قیاس، چاروں دلائل کی رو سے ایک طے شدہ امر ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ رب العالمین ہیں۔ رب کے معنی یہی ہے کہ کسی چیز کو اس کے مناسب تربیت دے کر تدریجاً کمال تک پہنچانے والا۔ اسی ربوبیت کا تقاضا تھا کہ انسان کے مادی ارتقاء کو حد تکمیل تک پہنچانے کیلئے ساری مادی اسباب کا انتظام فرمایا گیا۔ پس رب العالمین کی حکمت بالغہ سے یہ کیونکر متصور ہو سکتا ہے کہ وہ انسان کی روحانیت کی تکمیل کا بندوبست اور اس کا مکمل انتظام نہ فرماتے۔ روح عالم امر کی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے امر و تذکیر سے اس کی تسکیر ہوتی ہے۔ خدا نے رحیم و کریم نے بے پناہ ربوبی شفقت ہی کی بنا پر مادی ارتقاء کے

اسباب مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کی ابتدائی آفرینش ہی سے انسانیت و روحانیت کی تربیت و ترقی کیلئے وحی اور نبوت کا سنہری سلسلہ جاری فرمایا۔ اور بتدریج اس کو تکمیل تک پہنچایا۔

انسان اس انسانیت کے ارتقاء کی راہ میں بالکل اس قافلہ کے مانند ہے جو ایک متعین منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ لیکن اس منزل تک پہنچنے کے راستے سے وہ آگاہ نہیں۔ کوئی واقف راہ شفیق رہنما اس کو راہ کی کچھ نشانیاں بتا دیتا ہے اور وہ قافلہ اس کی بتائی ہوئی نشانیوں کے مطابق کچھ راستہ طے کر لیتا ہے۔ لیکن اب اس قافلہ کو پھر کسی رہنما کی ضرورت پیش آتی ہے اور وہ اس کی بتائی ہوئی علامات کے مطابق مزید کچھ اور فاصلہ طے کر لیتا ہے۔ اس طرح منزل کی طرف بڑھنے کی صلاحیت میں بتدریج اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

بالآخر اس سے ایک ایسا شخص مل جاتا ہے۔ جو اُسے راہِ سفر کا ایک مکمل نقشہ دیدیتا ہے۔ اور قافلہ اس نقشے کے حاصل کرنے کے بعد کسی نئے رہبر کی ضرورت سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں انسان اور معاشرہ کا ارتقاء کوئی اندھا دھند عمل میں آنے والی حرکت نہیں بلکہ یہ ایک باہدف عمل ہے۔ اور اس کی ایک ہی راہ ہے۔ جسے صراطِ مستقیم کہا گیا ہے۔ اس عمل کا نقطہ آغاز اور راہِ سفر اور منزل مقصود سب متعین اور مشخص ہے۔

سنتِ الہی کے مطابق نبوت اور وحی کی یہ راہ بتدریج کمال تک پہنچی ہے جیسا کہ ایک عمارت مکمل ہوتی ہے۔ عمارت کی تعمیر کا ہدف اس کے ستون اور دیواریاں ہیں۔ ان کے ایک مکمل مکان ہوتا ہے۔ نبوت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ نبوتِ مصطفویٰ اس کی کامل صورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت کا سلسلہ ختم و مکمل ہو جانے کے بعد



وہ مزید کسی اضافے کو قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ تکمیل کے بعد کوئی اضافہ کمال کے منافی ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مشہور حدیث میں اسی جانب اشارہ کیا گیا ہے: ”آپ صلعم نے فرمایا۔ نبوت ایک مکان کی مانند ہے۔ لیکن اسکے مکمل ہونے میں صرف ایک اینٹ کی جگہ باقی رہ گئی، میں ہی وہ اینٹ ہوں۔“

یہ تکمیل انسانی ارتقاء کا ایک امر فطری ہے۔ ایک انعام خداوندی و مہبت الہی کی حیثیت سے قرآن اسی اتمام کا اعلان کرتا ہے۔ اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَانْتَمَتَتْ عَلَيْكُمْ نَفْسِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (المائدہ)

عقیدہ ختم نبوت کا انکار دراصل انسانی اور انسانیت کی فطری تکمیل اور ایک نعمت الہی کی بغاوت ہے۔

دوسری نبی کی ضرورت عقلاً کئی وجوہ سے ہوتی ہے اور ماضی کی تاریخ بھی اس پر

شاہد ہے۔

(۱) کسی کی نبوت وقتی ہو۔ پس وہ وقت گزرنے پر دوسری نبی کی ضرورت ہو۔  
(۲) کسی کی نبوت خاص کوئی علاقے کیلئے محدود ہو۔ پس اس محدود علاقہ کے باہر کیلئے دوسری نبی کی ضرورت ہو۔

(۳) یا تو کوئی نبی اپنی حمایت تاہد میں دوسری نبی کو اللہ تعالیٰ سے مانگے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو مانگ لیا تھا۔  
(۴) یا تو نبی کی تعلیمات محفوظ نہ ہو۔ تحریف کا شکار ہو گئی ہو۔  
(۵) یا تو دین و شریعت کی تکمیل نہ ہوئی ہو۔

ان تمام وجوہ سے اگر ہم نظر کریں تو دیکھتے ہیں کہ نیا نبی ظنی ہو یا اصلی سب اسکی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ کیونکہ آپ کی نبوت کسی زمان و مکان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اِبرۃ خلائق ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّدُنْيَا مِشْرِاقِ

وَنذِيرًا لِّكَثْرِ الْفَاسِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔ ایسا ہی آپ نے اپنی تائید کیلئے کسی کو رب العزت سے طلب بھی نہیں کیا۔ اس کے برخلاف قرآن کریم صاف اعلان ہوتا ہے۔ "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ" آپ کی تعلیمات بھی مَن دَعْنِ مَحْفُوظ ہے۔ لفظاً بھی معنی بھی ارشاد ہوتا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَآنَا لَهُ لَحَافِظُونَ ساتھ ساتھ دین محمدی صلعم کی تکمیل و تمام کا بھی واضح طور پر اعلان کر دیا گیا۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی الخ الیہ ختم نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا طرہ امتیاز اور خاصہ لازمہ ہے۔ اور اس صفت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ جیسا کہ اشربت العزّت کو ذات و صفات میں لا شریک ماننا ایمان کیلئے ضروری ہے۔ اشکر کو معبود والہ ماننا ہے۔ مگر الہ واحد اور اکیلانہ ماننا۔ تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول تو مانتا ہے مگر آخری نبی و رسول نہیں مانتا تو یہ مانتا بھی حقیقتاً نہ ماننے کے مرادف ہے۔

شاید یہ بھی ایک حکمت ہو کہ کلمہ شہادت میں اشربت العزّت کی الوہیت کی توحید کے ساتھ ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت بھی لی گئی ہے۔ اور یہ گویا کہ اس بات کی وضاحت ہے کہ ایمان کے لئے اشکر کو ماننے میں جیسا کہ موجد ہونا ضروری ہے۔ ایسا ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم المرسلین و الانبیاء یقیناً کرنے میں بھی موجد ہونا ضروری ہے۔ یہی عقیدہ اسلام کیلئے حد فاصل ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

یہ عقیدہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ تنہا وہ عامل (Factor)

ہے جو اسلام اور ان کے ادیان کے درمیان ایک مکمل سرحدی خط (Line of

Demarcation) کھینچتا ہے جو توحید میں مسلمانوں کے ہم عقیدہ ہیں اور غیر مسلم



نبوت کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن وحی نبوت کا سلسلہ ختم ہونے کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ ہندوستان میں ”برہم سماج“ یہی وہ چیز ہے جسے دیکھ کر کسی گروہ پر داخل اسلام یا خارج اسلام ہونے کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔ میں تاریخ میں کسی ایسے مسلمان گروہ کا نام نہیں جانتا۔ جس نے اس خط کو بھانڈ جانے کی جرأت کی ہو۔

اور یہی حکمت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سارے انبیاء کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بشارت دیتے نظر آتے ہیں۔ اور قیامت سے پہلے پہلے جھوٹے مدعی نبوت نے دجال اور کذاب کی فریب کو چاک کرنے کے لئے سارے انبیاء سابقین کی طرف سے اسی شہادت کو دہرانے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے اور کذابین کا قلع قمع فرمائیں گے۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نبی آنے والا ہوتا۔ تو آپ صلعم پر فریضہ عائد ہوتا کہ آنے والے نبی کی بشارت دیتے۔ جیسا کہ پہلے انبیاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دیکر گئے۔ حالانکہ کہیں پر ایسا کوئی لفظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف تو اتر کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نبی (ظلی) ہوا یا اصلی نہیں آئے گا۔

ایک طریق زندگی جو انسانی فطرت کے مطابق ہو، جامع اور کل ہو اور ہر طرح کی تبدیلی اور تحریک سے محفوظ ہو۔ اور جو مسائل کی اچھی تشخیص کرے جسے اچھی طرح منطبق کیا جاسکے۔ عمل و نفاذ کے مرحلے میں ہمیشہ رہنمائی کر سکے۔ اور حالات کے مطابق مختلف طریقوں اور بے شمار جزئی قوانین کیلئے سرچشمہ ثابت ہو سکے یہ انسانی فطرت کا ایک عام تقاضا اور انسان کی ایک بنیادی ضرورت تھی۔ دین محمدی صلعم کی تکمیل کے ذریعہ جب یہ ضرورت پوری ہو گئی تو فطرۃ و عقلا کسی نئے نبی کے آنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ لہذا نبی، یا نبوت کا ادعا فطرت اور عقل کے خلاف ہے۔



حضرات! اب میں بنگلہ دیش میں قادیانیوں کی کچھ سازش کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں۔ پاکستان سے قادیانیوں کے ناامید ہو جانے کے بعد برصغیر میں بنگلہ دیش کی زمین انھیں اپنے عزائم پورا کرنے کیلئے ہاتھ آگئی ہے دوسرے علاقے کے مانند یہاں... سامراجی ایجنٹ کرسچین مشنری اور یہودیوں کی بھرپور تائید ان کو مل رہی ہے۔ ڈھاکہ کے مشہور علاقہ بخشی بازار میں ان کا مرکز ہے دارالحکومت ڈھاکہ کے مختلف علاقوں میں زمین خرید کر بستیاں بسا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ برہمن باڑیا، سلہٹ، سنام گنج، دیناچپور وغیرہ علاقوں میں بھی وہ اپنا اثر و رسوخ بڑھا رہے ہیں۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری طرف سے وہاں خاص کوئی بیداری نہیں۔ چار پانچ سال پہلے ڈھاکہ میں انجمن تحفظ ختم نبوت کی طرف سے چند جلسے جلوس ہوئے تھے۔ لیکن آج کل یہ بھی سرد پڑ گئی۔

مادر علمی کی طرف سے اس عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد عالم بھر میں خصوصاً بنگلہ دیش میں اس نکتے کے خلاف نئی تحریک میں روح پھونکنے میں موثر ثابت ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

دارالعلوم کے اکابر اور اس عظیم الشان کانفرنس کے منتظمین کو میں پھر تہ دل سے شکریہ اور مبارکباد پیش کرنے کی سعادت میں حصہ لیتے ہوئے رب العزت سے دعا گو ہوں کہ ہمیں مرضیات کی توفیق بخشے اور ماموس خاتم الانبیاء بدرجہہ کی سعادت نصیب فرمائیں

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

# ختم نبوت اور مرزا غلام احمد قادیانی

از۔ مولانا عزیز احمد قاسمی (بی۔ اے)

مرزا غلام احمد قادیانی بہت قابل انسان تھے۔ ابتداء میں انھوں نے عیسائیوں اور آریہ سماجیوں سے کامیاب مناظرے کئے۔ قابلیت کو اگر کنٹرول میں نہ رکھا جائے تو وہ غلط راستہ پر ڈال دیتی ہے یہی معاملہ مرزا صاحب کے ساتھ پیش آیا۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تحذیر الناس میں ختم نبوت پر بحث فرماتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ خاتمیت تین طرح کی ہوتی ہے۔ خاتمیت زمانی، خاتمیت مکانی اور خاتمیت رتبی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تینوں طرح کی خاتمیت ثابت ہے۔

خاتمیت رتبی پر بحث فرماتے ہوئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ خاتمیت رتبی کا مفہوم یہ ہے کہ نبوت کا اونچے سے اونچا مرتبہ آپ کو عطا فرمایا گیا تھا۔ اور جو خاتم رتبی ہو اسے سب سے آخر میں آنا چاہیے تھا۔ کیونکہ اس کے بعد کسی اور نبی کی ضرورت نہیں رہتی۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نافو توئی نے تحذیر الناس میں ختم نبوت کے سلسلہ میں جو بحث فرمائی ہے اس کے بعد ضرورت نہیں رہ جاتی کہ اس کو ثابت کرنے کی سعی کی جائے۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ

بھادلوپور میں جو بحث فرمائی ہے وہ بھی کافی و شافی ہے  
البتہ بحث کی چیز یہ بتاتی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے جو دعویٰ نبوت  
کیا ہے۔ وہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ قبل اس کے کہ مرزا صاحب کے دعویٰ  
نبوت پر بحث کی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت پر کچھ دلائل بیان کر دے  
جائیں تو بہتر ہے۔

۱۔ سب سے پہلے تو قرآن پاک کی یہ آیت ہے۔ "الیوم اکملت لکم دینکم و  
وانتم مت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" ہے۔ اس میں  
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آج میں تمہارا دین مکمل کر دیا یعنی دین کی تکمیل آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر ہوئی۔ اب کسی پیغمبر کی ضرورت نہیں رہے گی۔  
اللہ تعالیٰ نے دین کو ہر پیغمبر پر نازل فرمایا۔ مگر ابتدائی انسانوں کا ذہنی ارتقا  
زیادہ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے جوں جوں زمانہ گزر تا گیا انسانی ذہن میں ترقی ہوتی  
رہی۔ اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ دین کے احکام نازل فرماتے رہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ  
علیہ السلام کے زمانہ میں بھی انسانی ذہن کا ارتقاء مکمل نہیں ہوا تھا جیسا کہ انجیل مقدس  
کے عہد جدید میں مذکور ہے کہ ایک بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت  
کے سامنے تقریر فرماتے ہوئے یہ فرمایا کہ "میں بہت سی باتیں تمہیں بتا چکا ہوں مگر  
بہت سی باتیں ایسی ہیں جو میں نے تمہیں نہیں بتائیں۔ کیونکہ تم ان کو ابھی نہیں  
سمجھ سکتے۔ میرے بعد فارقلیط آئیں گے۔ وہ تمہیں وہ باتیں بھی بتائیں گے جو  
میں بتا چکا ہوں۔ اور وہ باتیں بھی بتائیں گے جو میں نے تمہیں نہیں بتائی ہیں۔"  
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی ذہن کا ارتقاء اس وقت تک مکمل نہیں  
ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تشریف لے جانے کے  
پانچ سو سال بعد تشریف لائے۔ اس وقت انسانی ذہن کا ارتقاء کی آخری



منزل طے کر چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ سے پہلے آنے والے انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں کبھی سارے عالم کے انسانوں کے دماغ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ ساری دنیا کی قوموں کی کوئی ایک انجمن ہونی چاہئے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا کے سارے ممالک کی پہلی انجمن بنی جو آپس کے اختلافات کی وجہ سے ختم ہو گئی۔ اس کے بعد دوبارہ انجمن اقوام متحدہ (یو، این، یو) قائم ہوئی جو آج تک قائم ہے۔ نیز ایک عالمی تنظیم اقتصادی، سماجی اور ثقافتی (یو، ایس، سی) کے نام سے قائم ہوئی۔ جو آج تک قائم ہے۔ ان کے علاوہ عالمی بینک اور عالمی فوج بھی قائم ہوئی۔ اور انسانی ذہن نے اتنی ترقی کی کہ ریڈیو، ٹیلی ویژن، تار برقی، لاسکلی (وائٹر لیس)، اور ایٹمی توانائی ایجاد کر لی۔ اور راکٹ ایجاد کئے جن میں سوار ہو کر انسان نے ساری دنیا کے کئی چکر لگائے اور چاند تک پہنچ گیا۔ اس سے پہلے ان چیزوں کا تصور بھی انسانی ذہن نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس کا ذہن اتنا ترقی یافتہ نہیں تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمت رُبی کے بارے میں ذیل کے بیانات ملاحظہ فرمائیں۔

قرآن پاک میں پارہ سُبْحَانَ الَّذِي کی ابتداء میں ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ المعراج میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچایا، وہاں تمام انبیاء سابقین علیہم السلام جمع تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت فرمائی اور تمام انبیاء علیہم السلام نے اقتدار کی۔ اس سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ معلوم ہوتا ہے۔ وہاں سے حضرت جبریل علیہ السلام آپ کو معراج کے لئے لے گئے۔ اور کسی اور پیغمبر کو معراج نہیں ہوتی۔ یہ عروج کا انتہائی درجہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا گیا۔

تمام انبیاء سابقین علیہم السلام نے جب اپنی قوم کو مخاطب فرمایا تو قوم کا نام لے کر مخاطب فرمایا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا ایہا الناس فرما کر مخاطب فرمایا۔ یعنی اے انسانو۔ کیونکہ آپ تمام انسانوں کیلئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اور انبیاء علیہم السلام قومی نبی تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بین الاقوامی (انٹرنیشنل) نبی تھے۔ اس سے بڑا کوئی درجہ نہیں ہو سکتا۔

خود مرزا صاحب نے اپنے نبی ہونے کا صاف غلطوں میں انکار فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو

- (۱) حماۃ البشری ص ۳۲، مصنف مرزا غلام احمد صاحب
  - (۲) کتاب البریۃ ص ۱۸ فٹ نوٹ تحریر کردہ مرزا غلام احمد صاحب
  - (۳) ازالہ ادہام ص ۵۷ مصنف مرزا غلام احمد صاحب و ص ۵۲ کتاب ہذا
  - (۴) انجام آتھم ص ۲۷ فٹ نوٹ تحریر کردہ مرزا غلام احمد صاحب
  - (۵) ”میرے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ میں اپنے بارے میں نبی ہونے کا اعلان کروں اور کافر ہو جاؤں (حماۃ البشری ص ۹۷ مصنف مرزا غلام احمد صاحب۔
- ان تصریحات کے ہوتے ہوئے مرزا صاحب نے پہلے اپنے دلی یا مجدد ہونے کا اعلان فرمایا (دیکھو مرزا صاحب کا پمفلٹ - ۲۰ شعبان ۱۳۱۳ھ جو تبلیغ رسالت کے ص ۲۸ پر شائع ہوا۔

اس کے بعد اپنے مسیح موعود ہونے کا اعلان اس طرح فرمایا۔  
 ”خدا کی قسم جس نے مجھے بھیجا ہے۔ اور جس کی تخلیق کرنا کفر ہے۔ میں قسم کرتا ہوں کہ اس نے مجھے مسیح موعود بنا کر بھیجا ہے۔“  
 (پمفلٹ ایک غلطی کا ازالہ شائع کردہ تبلیغ رسالت جلد ۱ ص ۱۵، مصنف مرزا غلام احمد صاحب)

اس کے بعد مرزا صاحب فرماتے ہیں:-



”میرے اعتقاد کے مطابق نہ تو کوئی نیا پیغمبر بھیجا گیا اور نہ کوئی قدیم پیغمبر بلکہ ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی نزول فرمایا ہے۔“  
 (لکچر مرزا غلام احمد صاحب شائع شدہ الحکم قادیان ۳۰ نومبر ۱۹۱۷ء)  
 غور فرمائیے کہ پہلے محدث بنے، پھر مسیح موعود بنے اور آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنے کا دعویٰ کیا۔

مرزا صاحب نے نبوت و غیرہ کے جو دعویٰ کئے اس کی وجہ یہ تھی کہ انھیں شدید قسم کے جسمانی اور دماغی امراض نے گھیر رکھا تھا۔ چنانچہ اپنی تصنیف میں فرماتے ہیں۔  
 ”جب میری شادی کے بارے میں غیبی پیغامات دھول ہوئے۔ اس وقت میں جسمانی اور دماغی اعتبار سے بہت کمزور تھا۔ اور ایسے ہی میرا دل بھی کمزور تھا۔۔۔  
 زیابطیس، دورانِ سر، اور قلبی تکلیف کے علاوہ تپ دق کی علامات ابھی تک باقی تھیں۔ جب ان ناگفتہ بہ حالات میں میری شادی ہو گئی میری خواہشیں کو بہت درجہ ہوا۔ کیونکہ میری قوت رجولیت صفر تھی اور میں بالکل بڑھوں کی طرح زندگی گزار رہا تھا۔“

(نزول المسیح مصنفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۲۰۹) دوسری جگہ درج ہے۔  
 ”مرزا صاحب کے خاندان میں مراق کی بیماری وراثتہ نہیں تھی۔ بلکہ یہ چند خارجی اسباب کی بنا پر مرزا صاحب کو ہو گئی تھی۔ خارجی اثرات کی وجہ دماغی تھکن کی کثرت، دنیاوی افکار اور قبض تھا جس کا نتیجہ مستقل دماغی کمزوری تھا، جس نے مراق کی شکل اختیار کر لی تھی۔“ (میکزین ریویو قادیان سنہ ۱۹۲۸ء)

شرح اسباب و علامات، سر کی بیماری، مصنفہ علامہ برہان الدین نفیسی میں ہے کہ۔

”کچھ مریض جو مراق کے مرض میں مبتلا ہوں اس دہم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ وہ غیب کا علم رکھتے ہیں اور آئندہ ہونے والے واقعات کی پیشین گوئی کرتے ہیں۔ اور



بعض مریض تو اپنے آپ کو پیغمبر سمجھتے ہیں۔

(اکسیر اعظم جلد ۱، صفحہ ۱۸۸ مصنف حکیم محمد اعظم خاں)

سیرۃ المہدی جلد ۲ صفحہ ۵۵ صاحبزادہ بشیر احمد میں ہے۔

”ڈاکٹر میر محمد اسماعیل نے مجھے بتایا کہ مسیح موعود نے مجھے اکثر بتایا کہ مجھے ہشیر یا  
کی شکایت ہے۔ اور بعض وقت وہ مراق کی شکایت بھی کرتے تھے۔“

افضل، قادیان جلد ۱، نمبر ۶، ۱۹ جولائی ۱۹۲۹ء میں ہے کہ

”حضرت مسیح موعود نے ایک دوا تیار کی جس کا نام ”ترياق الہی“ تھا، یہ دوا

الہامی ہدایات کے ماتحت تیار ہوئی تھی، اس کا خاص جز، افیون تھی۔“

مرزا صاحب جب ایسے امراض میں مبتلا تھے اور افیمبی تھے۔ نیز برانڈی شراب

بھی استعمال فرماتے تھے (دیکھو الحکم۔ قادیان جلد ۳۹، نمبر ۲۵)

مرنمبر ۱۹۳۱ء تو ایسے انسان کو ایک صحیح الدماغ انسان کہنا بھی جائز نہیں ہے

چہ جائیکہ پیغمبر کہا جائے۔

محمد عاشق صاحب نائب صدر مجلس احرار کی موت ہیضہ میں ہوئی تھی۔ مرزا صاحب

کو انھوں نے برا بھلا کہا تھا۔ ۱۰ ستمبر مرزا صاحب نے فرمایا کہ ان کو بہت خراب

موت ہوئی (افضل، قادیان جلد ۴۴، نمبر ۳۰، ۴ اگست ۱۹۳۶ء)

حالانکہ خود مرزا صاحب کی موت ہیضہ کے مرض میں ہوئی۔

رسالہ حیات مسیح ص ۱۱۱، مصنف شیخ یعقوب عرفانی، قادیان



# ختم نبوت

## امت کی ذمہ داریاں

از۔ مولانا سعید احمد پالپوری استاذ حدیث  
دارالعلوم دیوبند

الحمد لله رب العالمین، والصلوة والسلام علی سید المرسلین و  
خاتم النبیین وعلیٰ آلہ، وصحبہ اجمعین۔ اما بعد  
اللہ رب العالمین کا تعارف، حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے  
فرعون بعین کے روبرو اس طرح کرایا ہے۔

قال ربنا الذی اعطی کل شیء خلقہ، ثم ہدیٰ (رطہ ۵۰) کہا! ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو  
اس کے مناسب بناوٹ عطا فرمائی۔ پھر  
راہ نمائی فرمائی

یعنی کائنات کی ہر چیز کو جیسا ہونا چاہئے تھا، پہلے اس کو ویسا ہی بنایا۔ اللہ تعالیٰ  
نے اپنی ہر مخلوق کے لئے جو شکل وصورت اور خواص و کمالات مناسب تھیں، عطا  
فرمائے۔ پھر اللہ تعالیٰ ہی نے سب کی راہ نمائی بھی فرمائی۔ جو مخلوق جس راہ نمائی کی محتاج  
تھی، سب کی راہ نمائی فرمائی۔ انسان میں کیا گیا تو اس کی جگہ پہلی راہ نمائی

ضرورت "بقار" تھی۔ چنانچہ اس کی صورتیں اس کو الہام کی گئیں۔ بچے کو ابتدائے  
 پیدائش کے وقت، جبکہ اس کو کوئی بات سکھانا کسی کے بس میں نہیں تھا، یہ کس نے  
 سکھایا کہ ماں کی چھاتی سے اپنی غذا حاصل کرے؟ چھاتی کو دبا کر چوسنے کا ہنر اس کو کس  
 نے بتلایا؟ بھوک پیاس، سردی گرمی کی تکلیف، ہوا تو رو پڑا اس کی ساری ضروریات  
 پوری کرنے کے لئے کافی ہو جاتا ہے، مگر یہ رونا اس کو کس نے سکھایا ہے؟ یہی وہ  
 ہدایت ربانی ہے جو ہر مخلوق کو اس کی حیثیت اور ضرورت کے مطابق غیب سے بغیر کسی  
 کی تعلیم کے عطا ہوئی ہے۔ اسی طرح الشرب العلیین نے ہر مخلوق کو ایک خاص قسم کا  
 ادراک و شعور بخشا ہے۔ جس کے ذریعہ اس کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ کس کام کے لئے  
 پیدا کی گئی ہے اور اسے کیا کرنا ہے۔

عام مخلوقات کے لئے تو اتنی رہنمائی کافی تھی۔ مگر اہل عقول، جن دانس، اس  
 تکوینی ہدایت کے علاوہ ایک دوسری ہدایت کے بھی محتاج تھے۔ اور وہ تھی روحانی  
 یا شرعی ہدایت۔ کیونکہ تکوینی ہدایت انسان کی صرف مادی ضروریات پوری کرتی  
 ہے۔ جبکہ انسان کا قلب و ضمیر اور عقل و فہم — جن کی وسعت پذیری کا کوئی اندازہ  
 نہیں کیا جاسکتا — سب سے زیادہ ہدایت ربانی کے محتاج تھے۔ سورۃ فاتحہ میں ان  
 کو جو دو تعلقین فرمائی گئی ہے۔ اور جسے بار بار پھرنے کا ان کو حکم دیا گیا ہے۔ وہ —  
 اٰھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (اللہ! ہمیں سیدھا راستہ دکھلا دیجئے) ہے۔ یہ دعا  
 واضح کرتی ہے کہ انسان کے لئے تکوینی اور مادی ضروریات سے بھی اہم اور مقدم روحانی  
 اور شرعی ہدایت ہے۔ پھر جہلا کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مادی ضروریات کا  
 تو حاکم کرے مگر اس کی سب سے اہم ضرورت سے صرف نظر فرما لیں؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ  
 کی رحمت خاصہ، اور ربوبیت کاملہ نے انسان کی اس ضرورت کا بھی انتظام فرمایا اور  
 سب سے پہلے انسان سیدنا حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہدایت سے



سرفراز فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام مرسل بھی تھے اور مرسل الیہ بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت حاصل فرماتے تھے اور اس کے مطابق زندگی گزارتے تھے پھر ان کے ذریعہ ان کی اولاد تک اللہ کی ہدایت پہنچی۔

روحانیت کا یہ نظام ہزاروں سال تک اپنے ارتقائی منازل طے کرتا رہا تا آنکہ اس کی ترقی حد کمال پر جا کر رک گئی اور اپنی تمام تابانیوں کے ساتھ آفتاب ہدایت طلوع ہوا۔ جس کی ضیا یاشی سے عالم کا چہرہ چہرہ روشن ہو گیا اور دنیا نجوم و کواکب کی روشنی سے مستغنی ہو گئی اور انسانیت کو یہ مژدہ جان فرما سنا یا گیا کہ

اليوم اكملت لكم دينكم و اقمتم  
عليكم نعمتي، و رضيت لكم الاسلام  
ديناً،

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل  
کر دیا، اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام  
کر دیا، اور میں نے تمہارے لئے "اسلام"

کو دین بننے کے لئے پسند کر لیا۔

ساتھ ہی "دین اسلام" کی حفاظت کا اعلان بھی فرمایا گیا کہ:-

انا انزلنا الذكر، و انالہ  
لحفظون

بے شک ہم نے نصیحت (قرآن کریم)  
نازل فرمائی ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت  
کرنے والے ہیں۔

جب دین پایہ تکمیل کو پہنچ گیا، اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تمام ہو گئیں اور دین اسلام کی قیامت تک کے لئے حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لے لی، ثواب سلسلہ نبوت و رسالت کی کوئی حاجت باقی نہ رہی۔ اس لئے ایک سلسلہ بیان میں صاف اعلان کر دیا گیا کہ:-

ما کان محمد اباً احد من رجالکم  
ولکن رسول اللہ، و خاتم النبیین،

(حضرت) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے  
باپ نہیں ہیں، ہاں اللہ کے رسول اور خاتم  
الانبیاء ہیں۔

احادیث متواترہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت مختلف انداز سے واضح کی گئی ہے اور شروع سے آج تک پوری امت کا اس عقیدہ پر اجماع ہے کہ سرور کونین، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں آپ کی ذات سے قہر نبوت تکمیل پذیر ہو چکا ہے، اب کسی نبی کی نہ ضرورت ہے نہ امکان ہے اور جو بوالہوس ایسا دعویٰ کرے وہ تھوڑا، افتر پرواز، مرتد اور ملعون ہے اس جگہ پہنچ کر ایک سوال قدرتی طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے کہ یہ صحیح ہے کہ اللہ کی ہدایت کتاب و سنت کی شکل میں، اپنی اصلی صورت میں آج موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گی۔ اس لئے اب کسی بھی طرح کے کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے مگر انبیاء کے بغیر اللہ کی یہ ہدایت لوگوں تک پہنچائے گا کون؟

حضرات انبیاء کرام کا کام اللہ تعالیٰ سے ہدایات حاصل کر کے لوگوں تک پہنچانا تھا۔ آج چونکہ ہدایات ربانی موجود ہے اس لئے تحصیل دین کی ضرورت تو نہیں ہے مگر تبلیغ دین تو ہر حال ضروری ہے؟ اسی طرح اپنوں اور پرالیوں کی چیرہ دستیوں سے.... دین کی حفاظت کی بھی ضرورت ہوگی۔ یہ فریضہ کون انجام دے گا؟ اس کا جواب واضح ہے کہ یہ ذمہ داری امت کے سپرد کی گئی ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ، تَامُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَتُؤْتُونَ بِاللَّهِ -

آپ لوگ (علم الہی میں) بہترین امت تھے جو لوگوں کے نفع کے لئے ظاہر کی گئی ہے جو نیک کام کا حکم دیتی ہے اور بری باتوں سے روکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہے۔

حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ۔

بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً  
میری طرف سے لوگوں کو (دین) پہنچاؤ، چاہے ایک ہی آیت ہو۔

❖ ❖ ❖ ❖ ❖







جوئی تفصیل کے ساتھ نہیں پہنچ سکی ہیں۔ اور وہ دین کی بنیادی باتوں سے بھی بچر  
 ہیں۔ اور ایسے مسلمان بھی ہیں جن کو دین اس کی اصلی صورت میں نہیں پہنچا جس  
 کی وجہ سے وہ طرح طرح کی بدعات و خرافات میں مبتلا ہیں۔ اس کے علاوہ انسانی  
 دنیا کا تہترویا آدھا حصہ وہ ہے جن تک دین کی دعوت بھی نہ پہنچ  
 سکی ہے۔ ضرورت ہے کہ یہ نمائندہ اجتماع اس سلسلہ میں عملی اقدام کے لئے  
 غور و فکر کرے اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کیلئے کمر بستہ ہو کر میدانِ  
 عمل میں اتر آئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

(بقیہ ص ۱۷۴ کا) بات یاد آرہی ہے فرمایا کہ اب اس برصغیر میں مجدد کا فریضہ دارالعلوم  
 دیوبند اور اس کے علماء پر عائد ہے۔ جو فتنے اور خس و خاشاک مخالفین کی طرف سے  
 آئیں گے۔ ان فتنوں کا مٹانا اور خس و خاشاک سے دامن اسلام کو محفوظ رکھنا  
 ان کے فرائض میں داخل ہے۔

اللہ رب العالمین خادمانِ دارالعلوم دیوبند کی دینی جرأت و ہمت برقرار رکھے  
 تاکہ یہاں سے حق کی آواز اٹھتی اور پھلتی رہے،

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ اٰمِیْنَ  
 یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔

امام علیؑ دانتشہ قاسمی  
تکبیر پورہم

# قصر نبوت پر اسلام کے باغیوں کا حملہ اور ہماری ذمہ داری

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على خاتم النبيين محمد  
الوصي اجمعين ، اما بعد ! حضرت محمدؐ علیؑ وسلم اللہ تعالیٰ  
کے آخری نبی و رسول ہیں۔ ان پر نازل کی جانے والی کتاب قرآن مجید اپنے اصل  
انفاذ کے ساتھ موجود ہے۔ ان کی شریعت کامل و مکمل ہے ان کی تعلیم و ہدایت زندہ  
ہے ان کے افعال ان کے اقوال سب کے سب محفوظ ہیں ان کے ذریعہ اسلام کی  
دائمی اور آفاقی تعلیم دی گئی ہے۔ ایسے اصول و قوانین سکھائے گئے جو ہمیشہ اور  
ہر دور میں رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔ وہ ذرائع بھی خدا کی قدرت سے میسر ہیں اور میسر  
رہیں گے۔ جن سے شریعت محمدی کے عقائد و احکام معلوم کرنا سہولیت کے ساتھ  
ممکن ہے۔

یہ وہ قلعہ اور اصولی باتیں ہیں جن کو ہر مسلمان تسلیم کرتا ہے قرآن و حدیث  
اور ائمہ کرام کا اتفاقاً جماعی فیصلہ ہے کہ ہر قسم کی نبوت و رسالت اور نزول وحی  
الاسلام منقطع ہو چکا ہے آنحضرتؐ علیؑ وسلم کی بعثت موعودہ کی ہے۔

آپ ہر ملک اور ہر قوم اور ہر دور کے لئے بنی و رسول ہیں جو شخص بھی آپ کے بعد کسی بھی درجہ میں نبوت کا دعویٰ کرتا ہے وہ کذاب و مفتری ہے۔ ملا علی قاری غنی فرماتے ہیں۔

» ہمارے بنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا بالاجماع کفر ہے۔ (شرح فقہ اکبر ص ۲۰۲)

قاضی عیاضؒ نے وضاحت سے لکھا ہے۔

» جو شخص آپ کے ساتھ یا آپ کے بعد کسی قسم کی نبوت کا دعویٰ کرے یا صفاتی قلب کے ذریعہ نبوت کے درجہ تک پہنچنے اور کسب کے ذریعہ اس کو حاصل کرنے کو جائز سمجھے یا جو یہ دعویٰ کرے کہ اس پر وحی آتی ہے۔ اگرچہ صراحت نبوت کا دعویٰ نہ کرے پس یہ سب کفار ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلانے والے ہیں۔ کیونکہ آپؐ نے خبر دی ہے کہ آپ کے بعد کوئی بنی نہیں آپ خاتم النبیین ہیں۔ (شفار شریف ص ۲۷)

تفسیر روح المعانی ج ۶ ص ۶۶ پر لکھا ہے کہ۔

» آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر کتاب اللہ ناطق ہے۔ اور احادیث نے کھول کر بتا دیا اس پر امت کا اجماع ہے اس کے خلاف جو دعویٰ کرے کافر ہو گیا اور اگر اپنے دعوے پر اصرار کرتا ہے تو قتل کر دیا جائے گا۔

اسود غسی کذاب نے دور رسالت میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے خلاف جہاد کا حکم دیا جس کی تعمیل کرتے ہوئے فیروز نے اسے قتل کر کے جہنم بوسید کر دیا۔ مسید کذاب ابو طلحہ اسدی نے نبوت کے دعویٰ کئے حضرت خالد ابن ولید سیف اللہؓ نے خلیفہ الرسول حضرت ابو بکر صدیقؓ کے حکم سے ان باخیانوں کو



سے جنگ کر کے ان کو نیست و نابود کر دیا۔ صحابہ کرامؓ کے دورِ زریں کے بعد بھی عقیدہ ختم نبوت سے بغاوت کرنے والے پیدا ہوتے رہے۔ اور اپنے بُرے انجام تک پہنچتے رہے۔

قرآن و حدیث کی واضح تشریحات اور امت مسلمہ کے اجماعی فیصلہ و عمل کے ہوتے ہوئے اسلام کے دشمنوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے براہِ راست نبوت کا دعویٰ کرنے کے بجائے تبلیغات و تحریفات کے دوسرے طریقے بھی اپنائے۔ ابن سبا یہودی نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر محبت اہل بیت کا نعروں لگایا۔ نبوت کے مقابلہ میں امامت کا عنوان اختیار کیا اور اسلام کا نیا ایڈیشن تیار کر کے لوگوں کو گمراہ کیا جس کے فتنہ انگیز اثرات آج بھی مسلمانوں میں انتشار و افتراق پیدا کرتے رہے ہیں جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

یہودیوں اور عیسائیوں نے اسلام کی شکل مسخ کرنے کے لئے مستشرقین کو کھڑا کیا۔ تعلیم و تہذیب کے دلکش نام پر اللہ کے آخری نبی کی شریعت کو مٹانا چاہا۔ الحاد، دہریت، عقل پرستی، معجزات کا انکار، اسلافِ امت سے بذلتی تفسیر فقہ کے قدیم ذخیروں پر عدم اعتماد، اکابر امت کی تنقیص، علماء حق کی بدگوئی، خالص عقلیت پرستی یا پھر خاندانی و ملکی رسم و رواج کی اتباع پر اصرار وغیرہ سب گمراہی کی جتنی شکلیں ظاہر ہوئیں ان تمام کا مقصد، اور جتنے ملحدین دشمنانِ دین ہوئے ہیں یا جو موجود ہیں ان سب کی مشترکہ اور متحدہ کوششوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام اپنی اصلی شکل میں جو اس وقت مسلمانوں کے سامنے ہے لائقِ اعتماد اور قابلِ اطمینان نہ رہے اس لئے تمام ملحدوں، دہریوں اور دین کے نام پر بدینہ بھیس والوں کا پلانٹانہ علاقہ حق رہے ہیں اور آج... قرآن و حدیث کی تعلیم و ہدایت کو صحیح شکل میں پیش کرنے والے علماء دین ہی کو یہ مارا سستہ گروہ ملحدین کی

کوشش کرتے رہتے ہیں۔

**قادیانی فتنہ** | چودھویں صدی ہجری میں مسلمانوں کی دنیاوی شوکت و قوت کو  
پامال کرنے کی کوششوں میں اسلام دشمن یہودیوں اور انگریزوں

نے کامیابی عارضی طور پر حاصل کر لی جس سے اُن کے ناپاک حوصلے بلند ہوئے۔ اور  
انھوں نے اسلام میں تحریف اور شریعت محمدی میں رخنہ اندازی کے لئے پھر  
ختم نبوت کے عقیدہ کی مخالفت اور قصر نبوت پر باغیانہ یورش کے لئے مرزا غلام  
قادیانی کی حمایت شروع کر دی۔ قادیان کے رئیس حکیم غلام مرتضیٰ کے لڑکے  
مرزا غلام احمد نے پادریوں سے مذہبی عقائد میں بحث کر کے شہرت حاصل کر لی تھی  
وماغ میں بڑائی کا سودا سمایا۔ انھوں نے پہلے ۱۸۸۸ء میں الہام کا دعویٰ کیا اس کے  
۲۸ سال بعد مسیح موعود اور مہدی معبود ہونے کا دعویٰ کیا اور ۱۹۰۸ء میں نبوت  
کا دعویٰ کیا۔ اور ۱۹۰۸ء میں اپنی موت سے پہلے مستقل نبی و رسول ہونے کا دعویٰ  
کر بیٹھے۔ غالباً مرزا صاحب کو بھی اندازہ ہو گا کہ نبوت کا دعویٰ اگر وہ اَوّل لمحہ میں کر دیں  
تو مسلمانوں کے لئے قطعی ناقابلِ برداشت ہو گا۔ اسی لئے انھوں نے تدریجی چال  
چلی اور دل کا مدئی کافی تاخیر سے زبان پر لائے۔ مرزائے قادیان کے خلیفہ اور  
پسر مرزا محمود صاحب نے حقیقۃ النبوة میں پوری تفصیل و وضاحت سے اپنے والد  
کے نبوت و رسالت کے دعویٰ کو ثابت مانا ہے اور جو لوگ پہلی تحریروں کی بنا پر  
مرزا کے جھوٹے دعویٰ نبوت میں تا دلیس کرتے ہیں ان کو گمراہ اور غلط گو بتایا  
ہے۔ اگرچہ مرزا کے متبعین مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے آج بھی دوسرے موضوعات  
حیاتِ مسیح و خروج و جلال و آمدِ مہدی وغیرہ پر گفتگو کر کے شکوک و حناوس  
پیدا کرتے ہیں اور اجرائے سلسلہ نبوت اور مرزا آغہلانی کے دعویٰ نبوت کا انہیں  
بہت بعد کو اپنے وام تزویر میں گرفتار کرنے کے بعد کرتے ہیں۔



اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے علمائے ربانی کو اور اکابر دیوبند کو، غیرت مند  
مسلمانوں کو، شیعہ نبوت کے پر دانوں کو جنہوں نے علم و تفقہ سے اخلاص و ولایت  
سے، جہد و عمل سے، حق گوئی دے باکی سے عوام الناس کے اجتماعات سے لے کر  
حکومت کے ایوانوں تک میں ہر جگہ و ہر محاذ، ہر فتنہ قادیان کا مقابلہ کیا اور ان  
باغیان ختم نبوت اور قصر شریعت محمدی پر حملہ کرنے والوں کو ناکام و نامراد کیا مگر  
اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی ہے۔

بدل کے بھیس زمانے میں پھر سے آئے ہیں

اگر چہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات منات  
تبلیغ اسلام کے عنوان سے مرزائیت کی اشاعت اور خدمتِ علم دین کے  
نام سے قادیانیت کا پرچار بعض مقامات پر جاری ہے۔

ہماری ذمہ داری | تمام مسلمانوں کی اور خاص طور پر اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ  
وہ شریعت محمدی کے مقابلہ میں مرزا کی شریعت کی بغاوت

کا تعاقب پوری ہوشیاری کے ساتھ ساتھ کرتے رہیں اس سلسلہ میں بنیادی  
اور اہم بات یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی تفسیر و تعبیر کا حق ہر کس و ناکس استعمال  
کرنا چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ عربی سے ناواقف لوگ محض ترجمہ کی بنیاد پر منہقی و محقق  
بن جانا چاہتے ہیں۔ شریعت محمدی کو اسلامی دستور و قانون کو بازیچہ اطفال سمجھا  
جانے لگا ہے۔ قانون خداوندی کے ساتھ استہزار کا یہ سلسلہ بند کرنے کی  
تدبیر کرنی چاہئے۔ حیرت ہے وہی لوگ جو دنیاوی قانون میں صرف ماہرین  
قانون کی رائے کو تسلیم کرتے ہیں وہی اسلامی دستور پر معمولی معلومات کی بنیاد  
پر رائے زنی کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ اسلام کی بنیادی کتاب قرآن مجید ہے  
جس کے الفاظ بھی خدا کے نازل کردہ ہیں اور مفہوم و معنی بھی۔ خدا نے محمد رسول اللہ



کو سکھایا اور آنحضرتؐ نے صحابہ کرام کو قولی و عملی طور پر قرآن کا مفہوم سمجھا دیا۔ جسے سنت سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کتاب و سنت کی تعلیمات کی تشریح و توضیح اجتہاد و اجماع سے امت مسلمہ کے وہ حضرات جن کو علم ربانی میں رسوخ حاصل تھا کرتے رہے ہیں۔ اس امت مسلمہ کی اسلام سے وابستگی اور ایمان پر پختگی صرف اسی صورت میں نصیب رہ سکتی ہے کہ کتاب و سنت کی وہی تفسیر و تعبیر معتبر مانی جائے جو اسلاف و اکابر امت کر چکے ہیں یا جدید مسائل پر اکابر کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے علما متدین یہ فریضہ انجام دیں۔

**مرزائیوں کے غیر مسلموں جیسا سلوک کیا جائے** | قصر نبوت محمدی پر حملہ کرنے والے  
مرزائی باغیوں سے مسلمانوں

جیسا سلوک ہرگز نہ کیا جائے ان کے اسلامی ناموں سے فریب نہ کھایا جائے بلکہ ان سے دو ٹوک انداز میں بات کی جائے اور ان پر واضح کیا جائے کہ عقیدہ ختم نبوت کا انکار کرنے والے اسلام کے دشمن ہیں۔ ہم ان سے موالات کا معاملہ نہیں کر سکتے اور عوام مسلمانوں کو سمجھایا جائے کہ مرزائی دین قادیانی شریعت قرآن و حدیث اور اجماع امت کے متفقہ فیصلہ سے انحراف و بغاوت ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی مدعی نبوت کو تسلیم کرنا اسے مصلح یا مجدد دین ماننا اسلام کے دامن کو چھوڑنا ہے۔

**اسلام کے مقابلہ میں مرزائی نظریات** | مرزائیوں نے اسلام کے مقابلہ میں  
اسلام کے مقابلہ میں مرزائی نظریات جن نظریات کو مذہبی حیثیت سے تسلیم کیا ہے ان کی تعداد بہت ہے۔ بطور تمثیل ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ اسلامی شریعت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں مگر مرزائی نظریہ میں مرزا صاحب کی نبوت پر ایمان لانا فرض ہے۔

- ۲۔ اسلامی شریعت میں حضور کی شریعت مدارِ نجات ہے مگر مرزائی نظریہ میں مرزا صاحب کی تعلیم پر عمل کئے بغیر نجات نہیں۔
- ۳۔ اسلامی شریعت میں کسی نبی کی پیشین گوئی جھوٹ نہیں نکلتی مگر مرزائی نظریہ میں حضرت عیسیٰؑ کی تین پیشین گوئیاں صاف جھوٹ نکلیں اور مرزا صاحب کی کئی پیشین گوئیاں جھوٹ نکلیں۔
- ۴۔ اسلامی شریعت میں وحی آنے کا سلسلہ بند ہے مگر مرزائی نظریہ میں مرزا صاحب پر وحی نبوت بارش کی طرح اترتی تھی
- ۵۔ اسلامی شریعت میں معجزات بھی اب کسی سے ظاہر نہیں ہوں گے۔ مگر مرزائی نظریہ میں مرزا صاحب کے معجزات ہزاروں لاکھوں ہیں۔
- ۶۔ اسلامی شریعت میں جہاد کا حکم ہے جو منسوخ نہیں ہو سکتا۔ مگر مرزائی نظریہ میں جہاد کا حکم خراب تھا۔ مرزا صاحب نے منسوخ کر دیا۔
- ۷۔ اسلامی شریعت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور قیامت کے قریب اتریں گے۔ مگر مرزائی نظریہ میں حضرت عیسیٰؑ وفات پا گئے اور ان کے مرزا عیسیٰ موجود ہیں۔
- ۸۔ اسلامی شریعت میں حضرت عیسیٰؑ کی بشارت یاتی من بعدی اسما احمد کا مصداق حضرت محمد مصطفیٰ احمد مکتبے ہیں۔ مگر مرزائی نظریہ میں اس آیت کا مصداق مرزا غلام احمد ہیں۔
- ۹۔ مسلمانوں کا اجماعی فیصلہ ہے کہ قرآن و حدیث کا جو مطلب صحابہ کرام اور اسلاف نے سمجھا وہی حق ہے۔ مرزائی نظریہ میں قرآن و حدیث کا مطلب مرزا صاحب کی عقل و فہم کے تابع ہے۔
- ۱۰۔ مسلمانوں کے نزدیک دجال، مہدی، یاجوج و ماجوج کا جو مطلب علماء نے لکھا ہے وہ صحیح ہے۔ مرزائی نظریہ میں ان الفاظ کے مفہوم بدلتے رہتے ہیں۔
- (حوالہ جات کیلئے دیکھئے ہدایت المتری۔ مؤلف مولانا عبد الغنی)

# مرزا غلام احمد کی ناپاک جہارت تحریف قرآن

از۔ مولانا شمیم احمد لکھنؤ پوری رکت خانہ دارالعلوم دیوبند  
قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر  
نازل ہوئی چونکہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب بندوں کی ہدایت کیلئے  
کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ اور نہ کوئی جدید آسمانی کتاب نازل ہوگی اس لئے اللہ تعالیٰ  
نے قرآن حکیم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا تاکہ قیامت تک کے لئے بندوں کے پاس  
ایک کتاب ہدایت موجود رہے

خدائی حفاظت کے باوجود ہر دور میں باطل پرستوں نے قرآن کو اپنی سبھا تحریفاً  
کافشانہ بنانے کی مردود کوشش کی ہے اور اس روشن کتاب پر اپنی ظلمت خیز تبلیغات  
کا پردہ ڈالنے کی قبیح سعی کی ہے جس میں مرزا غلام احمد قادیانی بھی کسی سے پیچھے نہیں  
ہے ذیل میں اس کی تحریفات کے نمونے پیش کئے جا رہے ہیں۔

تحریف کے معنی اور مطلب | اصل الفاظ کو بدل کر کچھ اور لکھ دینا (لغات فیروز) یا  
کو بدل دینا (المعجم عربی اردو) قول کو اس کے معنی

سے پھر دینا (مصباح اللغات)

تحریف کی اقسام فرقہ احمدیہ یا خود مرزا صاحب نے قرآن پاک میں جن جگہوں پر ایسی



حرکتیں کی ہیں وہ تین طرح کی ہیں۔ اول لفظی تحریف، یعنی قرآن پاک کے الفاظ میں یا تو کمی بکری یا پھر زیادتی کر دی۔ دوم معنوی تحریف۔ یعنی قرآن پاک کا ترجمہ کرتے وقت اس فرقہ نے بالارادہ اصلی ترجمہ اور معنی نہیں کئے بلکہ اس سے ہٹ کر دوسرا ترجمہ کر دیا سوم۔ منصبی یا مرادی تحریف۔ یعنی جو آیات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ ان کو یا تو اپنے اوپر منطبق کیا گیا ہے یا کسی غیر کے اوپر یا جو آیات خانہ کعبہ اور مکہ معظمہ کی شان میں نازل کی گئی ہیں انھیں کسی اور جگہ چسپاں کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کی یہ تحریفات خواہ لفظی ہوں یا معنوی یا مرادی بہر حال ایک جرم عظیم کا ارتکاب ہے ایسا کرنے والا آخرت میں عذاب الیم کا مستحق ہوگا۔

## تحریف لفظی کے چند نمونے

(۱) قرآن پاک کی اہل آیت — وما ارسلنا... من قبلك من رسول ولا نبی الا اذا تمنى القی الشیطان فی امنیتمہ ۵ پارہ ۷ سورۃ حج۔ اس کا مفہوم یہ ہے اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ جو شیطان کے اغوار سے آپ کے مجادلہ کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ ہم نے آپ کے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اس نے اللہ کے احکام میں سے کچھ بڑھا تب ہی شیطان نے اس کے پڑھنے میں (کفار کے قلوب میں) شبہ (اور اعتراض) ڈالا (اور کفار ان ہی شبہات اور اعتراضات کو پیش کر کے انبیاء سے مجادلہ کیا کرتے) معارف القرآن جلد ۱ ص ۱۶۱۔ اس آیت میں۔ من قبلك سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لوگوں کا آپ سے مجادلہ بوجہ اغوار شیطان آپ سے قبل ہی ہو چکا ہے آپ کے بعد اس امر کا وقوع اس لئے ممکن نہیں کہ اب رسالت ختم ہو چکی ہو آپ کے بعد بھی اس کا امکان رہتا تو یہ مذکورہ آیت اس طرح ہونی چاہیے تھی کہ جس سے

قبل اور بعد دونوں میں اس مجادلہ کا وقوع ثابت ہو سکتا جیسا کہ مرزا غلام احمد نے اپنے لئے اس کا راستہ مسدود ہونے نہیں دیا۔ اس لئے من قبلہ کو حذف کر دیا۔  
تحریف شدہ آیت۔ وما ارسلنا من رسول ولا نبی الا اذا تمنی الخ۔

حاشیہ ازالہ ادہام جلد اول ص ۲۵۷

ع ۱۔ قرآن پاک کی اصل آیت۔ وجاہدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ  
نپا سورہ توبہ۔ اس سے پہلے قرآن میں جہاد کا بیان چل رہا ہے۔ باری تعالیٰ کا حکم ہے نکلو تلکے اور بوجھل اور اشری کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو اس آیت میں حق تعالیٰ نے صیغہ امر کا استعمال کیا ہے اور امر و وجوب پر دلالت کرتا ہے اس سے یہ بات صاف ظاہر ہو رہی تھی کہ جہاد کی فرضیت اور وجوب کا حکم دیا گیا ہے مگر مرزا جی تو جہاد کو ختم کرنے کے لئے آئے تھے۔ انگریزوں کے ایسار پر وہ کتابوں سے جہاد کا باب ختم کر چکے تھے۔ بھلا کس طرح گوارا کرتے اس لئے اس آیت میں صیغہ امر کے بجائے صیغہ مضارع ان یجاہدوا استعمال کیا۔ اور مخاطب کی ضمیروں کے بجائے اس مضارع کی ضمیر کی مطابقت کی وجہ سے کفر کی جگہ غائب کی ضمیر ہوا استعمال کی اور فی سبیل اللہ کو آخر سے اٹھا کر ان یجاہدوا کے بعد رکھ دیا تاکہ وجوبیت و فرضیت ثابت نہ ہو سکے۔

تحریف شدہ آیت۔ ان یجاہدوا فی سبیل اللہ باموالہم وانفسہم  
جنگ مقدس ص ۱۹۷۔ ۵ جون ۱۸۹۷ء بحوالہ قادیانی نمبر۔

ع ۲۔ اصل آیت قرآن۔ کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربہا ذوالجلال والاکرام۔ چک سورہ زمر۔ خداوند قدس نعمتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتا ہے۔ تم کو ان کا شکرا ادا کرنا چاہئے۔ اور کفر و محبت سے ناشکری نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس عالم کے فنا کے بعد ایک دوسرا عالم آنے والا ہے جہاں کو سننا اور دیکھنا



چنانچہ مذکورہ بالا آیت کے اندر ارشاد ہے کہ تجھے (جن دانس) روئے زمین پر  
موجود ہیں سب فنا ہو جائیں گے اور (صرف) آپ کے پروردگار کی ذات جو عظمت  
(والی) اور (یاد و عظمت کے) احسان والی ہے باقی رہ جائے گی۔

تحریف شدہ آیت۔ کل شیئ فان ویبقی وجہ ربک والجلال و  
الاکرام۔ ازالہ اوہام ص ۱۳۶۔ یہ دو آیتیں تھیں پہلے تو ان کو ایک کر دیا اور من  
عیدھا کو حذف کر کے لفظ "شیئ" کو بڑھا دیا۔ ممکن ہے مرزا کے ذہن میں یہ بات  
ہو کہ شیئی کے تحت دنیا کی ہر چیز داخل ہے اس لئے حضرت عیسیٰ بھی داخل  
ہو گئے۔ جس سے ان کی موت و فنا کا استدلال کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ خود مرزا  
اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی موت ہوئی اور وہ زندہ نہیں ان کے نزول  
کے سلسلہ میں خود وارد ہوا ہے وہ مثل مسیح ہو گا۔ چنانچہ وہ میں ہی ہوں۔

انعیاذ باللہ۔

۱۔ مرزا کا چونکہ دعویٰ ہے کہ میں (مرزا غلام احمد) مسیح موعود ہوں۔ اس لئے  
اس دعویٰ کے اثبات میں نہ جانے انہوں نے کتنے جتن کر ڈالے۔ حضرت عیسیٰ  
کے بارے میں آتا ہے کہ دمشق میں نزول ہو گا۔۔۔ اس سلسلہ میں مرزا کا بھی  
قول ملاحظہ فرمائیے "مگر دمشق میں تو کوئی خلی کی بات نہیں جس کی وجہ سے  
تمام ائمہ متبرکہ کو چھوڑ کر نزول کیلئے صرف دمشق کو مخصوص کیا جائے۔ اس جگہ  
بلاشبہ استعارہ کے طور پر کوئی مراد ہی معنی اخفی میں بیجا بظاہر نہیں کہے گئے اور یہ  
ماہر اس کی تفسیر کی طرف توجہ نہیں ہوا تھا کہ وہ معنی کیا ہیں اس لئے امام حکیم  
نور الدین صاحب قادیان تشریف لائے اور انہوں نے مجھے کہا ایسے چند جمل  
احادیث میں ان کے انکشاف کیلئے جناب الہی میں توجہ کی جائے لیکن ان حدیثوں کی  
طبیعت عین اور دماغ ناقابلِ تردید تھا اس لئے میں ان تمام احادیث کی



طرف توجہ کرنے سے مجبور رہا پھر تھوڑی توجہ کرنے سے ایک لفظ کی تشریح  
یعنی دمشق کے لفظ کی حقیقت میرے پرکھ لی گئی،

(حاشیہ ازالہ اوہام اول ص ۶)

اس کے بعد کئی صفحات میں اپنی عقل کے اعتبار سے بڑی اچھوتی تحقیق کرتے  
ہوئے فرماتے ہیں کہ "دمشق جو نزول مسیح کی جگہ ہے اور احادیث وغیرہ میں جو لفظ  
دمشق استعمال کیا گیا ہے وہ محض استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔" مرزا جی  
نے اپنے سارے علم کو اس بات کے ثابت کرنے پر صرف کر دیا کہ دمشق سے مراد وہ  
مخصوص جگہ نہیں بلکہ اس کی خصوصیات کی حامل جگہ مراد ہے۔ چنانچہ ان خصوصیات  
کا حامل قادیان ہے۔ آگے چل کر اسی مذکورہ بالا کتاب کے صفحہ پر لکھ ہی دیا کہ  
یہ بھی مدت سے الہام ہو چکا ہے۔ انا انزلناہ قریباً من القادیان و  
بالحق انزلناہ وبالحق نزل وکان وعدہ اللہ مفعولاً۔ یہ آیت براہین احمد  
میں بھی ہے۔ حاشیہ در حاشیہ ص ۴۹۸۔ یعنی ہم نے اس کو قادیان کے قریب  
اتارا ہے اور سچائی کے ساتھ ائمہ اور ایک دن وعدہ اللہ کا پورا ہونا تھا۔ اس  
الہام پر نظر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قادیان میں خدا تعالیٰ کی طرف سے اس  
عاجز کا ظاہر ہونا الہامی نوشتوں میں بطور پیشگوئی پہلے لکھا گیا تھا۔ پھر آگے ملا  
پراپنی بات کی مزید توثیق کرتے ہوئے ایک اور کذب بیانی سے کام لے رہے ہیں فہلے  
میں "میں روز وہ الہام مذکور جس میں قادیان میں نازل ہونے کا ذکر ہے ہوا تھا  
اس روز کشفی طور پر میں نے دیکھا میرے بھائی غلام قادر میرے قریب بیٹھ کر  
آواز بلند قرآن پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے پڑھتے انھوں نے ان فقرات کو پڑھا  
اَنَا انزلناہ قریباً من القادیان۔ تو میں نے سن کر بہت تعجب کیا کہ قادیان  
کا نام بھی قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے۔ تب انھوں نے کہا یہ دیکھو تب میں نے

نظر ڈال کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ فی الحقیقت قرآن شریف کے دائیں صفحہ میں شاید قریب نصف کے موقع پر یہی الہامی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے۔

العیاذ باللہ

۵۔ اصل آیت — وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ  
(پہلی سورہ حجر)

تحریف شدہ آیت — انا آتیناک سبعاً من المثنی والقرآن العظیم  
ولقد کو حذف کر دیا۔ قرآن کے "ن" پر زبر اور اسی طرح العظیم کے "م" پر بھی زبر ہے مگر مرزا کی کتاب میں زیر موجود ہے۔ براہین احمدیہ حاشیہ ص ۴۸۵  
۶۔ اصل آیت — الْمَیْلَمُوا اِنَّهُ مِنْ یَحَادِدِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ فَاِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِیْهَا وَذَٰلِكَ الْخَزِی الْعَظِیْمُ (پہلی سورہ توبہ)

تحریف شدہ آیت — الْمَیْلَمُوا اِنَّهُ مِنْ یَحَادِدِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ یَدْخُلُهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا ذَٰلِكَ الْخَزِی الْعَظِیْمُ — مرزا نے یہ دخلکا اضافہ کیا اور فان له اور جہنم کو حذف کر دیا۔ حقیقۃ الوحی ص ۱۳۔

۷۔ اصل آیت — یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَیُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّئَاتِكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (پہلی سورہ انفال)

محرف آیت — یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَیُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّئَاتِكُمْ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ سَیِّئَاتِكُمْ کے بعد مرزا نے یہ دخلیا اور یغفر لکم واللہ ذو الفضل العظیم کو ختم کر دیا (رفع الوسوسہ کا یہ حال)

قلیان نمبر

۸۔ اصل آیت — وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا وَحِی الْمُبِیِّنَ



لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ

تحریر شدہ آیت ۔ و ما اوسلتا من قبلی من رسول ولا نبی ولا  
محدث الا اذا حقن الفی الشیطان فی امنیته فینسخ الله ما یلقى الشیطان  
تحریر حکم اللہ آیاتہ اصل آیت میں رسول تک تحریر کی آگے اپنی جانب سے مکمل  
عبارت بڑھادی اور محدث کا لفظ جو قرآن میں ہے ہی نہیں داخل کر دیا۔ یہ سارا  
دھوکہ مرزا نے اس لئے رچا یا کہ اپنے کو محدث اور ملہم من اللہ ثابت کر  
دکھائیں (براہین احمدیہ باب اول حاشیہ در حاشیہ ص ۱۸۸)

## معنوی تحریف کی چند مثالیں

مرزائیوں نے معنوی تحریف بھی کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ مرزا بشیر الدین  
محمود نے قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر کی ہے جس میں ارادۂ معنوی تحریف کی ہے۔  
عَلِ غَیْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ کے معنی میں تحریف کرتے ہوئے اس طرح  
ترجمہ کیا ہے۔ جن پر نہ تو بعد میں تیرا غضب نازل ہوا ہے اور نہ وہ بعد میں گمراہ ہو  
ہیں (بحوالہ قادیانی بزمِ قومی ڈائجسٹ پاکستان) حالانکہ صحیح ترجمہ یہ ہے۔ نہ دکھا  
ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ان لوگوں کا جو گمراہ ہو گئے۔  
عَلِ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُونَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ  
یُؤْمِنُونَ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "اور جو تجھ پر نازل کیا گیا یا جو تجھ سے پہلے  
نازل کیا گیا یا جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا تھا اس پر ایمان لاتے ہیں اور آئندہ  
ہونے والی موعود باتوں پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ (بحوالہ قادیانی بزمِ قادیانہ اصل  
ترجمہ یہ ہے اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں آپ پر جو نازل ہوا اور جو تجھ سے پہلے  
نازل ہوا اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں۔



۳۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا ترجمہ کرتے ہوئے مرزا مچا فرماتے ہیں "اے میرے خداوند رحمن درجہ ہمیں ایسی ہدایت بخش کہ آدم صغی اللہ کے مثیل ہو جائیں شیث بنی اللہ کے مثیل بن جائیں حضرت نوح آدم ثانی کے مثیل ہو جائیں اخ ازالہ اودام جلد ۱ ص ۲۵۶۔ اور جلد ۲ ص ۵۲۹ میں رقمطراز ہیں "اس دعا کا حاصل کیا ہے یہ تو ہے کہ ہمیں اے ہمارے خدا نبیوں اور رسولوں کا مثیل بنا۔

۴۔ یا عیسیٰ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَدَاعِلَکَ یا بِل رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْہِ میں مرزا کہتے ہیں رفع سے مراد ان کی روح ہے نہ کہ جسد اور یہ ہر مؤمن کیلئے ضروری ہے۔ ضروری کو چھوڑ کر غیر ضروری کا خیال دل میں لانا سراسر جہل ہے۔ ازالہ اودام جلد ۱ ص ۲۶۶۔ دوسری جگہ مزید اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن میں تیش کے قریب ایسی شہادتیں ہیں جو مسیح ابن مریم کے فوت ہونے پر دلالت دیتیں کر رہی ہیں غرض یہ بات کہ مسیح جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر چڑھ گیا۔ اور اسی جسم کے ساتھ اترے گا۔ نہایت لغو اور بے اصل بات ہے۔

ازالہ اول ص ۳۳۰، ص ۳۳۱

۵۔ اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ۔ فرماتے ہیں کہ اس کے صرف یہاں معنی نہیں کہ ایک بابرکت رات ہے جس میں قرآن شریف اترا بلکہ باوجود ان معنوں کے اس آیت کے لفظ میں دوسرے معنی بھی ہیں جو رسالہ فتح الاسلام میں درج کیے گئے ہیں۔ (ازالہ اودام ص ۳۱۳)

۶۔ یَضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا رَّحْمٰیًۢہٗ بِہٖ کَثِیْرًا۔ فرماتے ہیں کہ اکثر پیشگوئیاں اس آیت کا مصداق ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے ہمیشہ ظاہر پرست لوگ امتحان میں پڑ کر پیش گوئی کے ظہور کے وقت دھوکا کھاتے ہیں اور زیادہ تر انکار کرتے ہیں

اور حقیقت مقصودہ سے بے نصیب رہنے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ صرف عرف پیش گوئی کا ظاہری طور پر جیسا کہ سمجھا گیا پورا ہو جائے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ (ازالہ اوہام جلد اول ص ۱۱۱)

جگہ - قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسہم الا یہ - یعنی ان لوگوں کو کہہ کہ اے میرے بندو خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو۔ خدا تمام گناہ بخش دے گا۔ بعد ترجمہ مطلب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ اب دیکھو! یاعباد اللہ کی جگہ یاعبادی کہہ دیا گیا۔ حالانکہ لوگ خدا کے بندے ہیں نہ آنحضرتؐ کے مگر یہ استعارہ کے رنگ میں بولا گیا ہے۔ اس میں تمام مخلوق کو رسول اللہؐ کا بندہ قرار دیا گیا ہے۔ حقیقۃ الوحی ص ۶۴۔

## تحریف منہجی کی چند جھلکیاں

۱۔ و مریم ابنت عمران التي احصنت فرجها فنفخنا فيه من روحنا پٹا، سورۃ تحریم - ترجمہ اور دوسری مثال اس آیت کے افراد کی مریم عمران کی بیٹی ہے جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔ تب ہم نے اس کے پیٹ میں اپنی قدرت سے روح پھونک دی یعنی عیسیٰؑ کی روح۔ اب خوب غور کر کے دیکھ لو۔ اور دنیا میں سلاش کر لو کہ قرآن شریف کی اس آیت کا بجز میرے کوئی دنیا میں مصداق نہیں۔ پس یہ پیش گوئی سورۃ تحریم میں خاص میرے لئے ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۱۱)

۲۔ انا اعطیناک الکثر - اس کا ترجمہ بھی غلط کیا ہے ہم نے کثرت سے ترجمہ دیا۔

۳۔ کس انکھ لمن المرسلین - حقیقۃ الوحی ص ۱۱۱۔



۱۔ وَمَا رَسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ - ۵۔ قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ  
 ۲۔ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ - ۸۲۱۔ حَقِيقَةُ الْوَحْيِ  
 ۳۔ أَنَا فَتَحْتُ لَكَ فَتْحًا مُبِينًا - ضمیر حقیقۃ الوحی الاستفصار ص ۸۲۔ اراد اللہ  
 ان یبعثک مقاماً محموداً، ایضاً ص ۸۲

مذرجہ بالا چھ آیتیں مرزا نے اپنے اوپر منہم ثابت کی ہیں اور جہاں حقیقۃ الوحی میں الہامات درج کئے ہیں وہیں ان کو بھی درج کیا ہے۔ ایسی نہ معلوم کتنی تحریفات ہیں جن کو مرزا نے بڑی دلیری کے ساتھ انجام دیا ہے۔ اور اسی پر بس نہیں کی بلکہ کلمہ اور درود پاک میں بھی دست درازی کی ہے۔

تحریف کلمہ اور درود شریف

اشترکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد اشترکے رسول ہیں۔ مگر اس کلمہ کی بھی اس نے تحریف کر ڈالی اور "محمد" کی جگہ "احمد" رکھ دیا جس کا ترجمہ یہ ہوتا ہے کہ اشترکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور احمد (مرزا غلام احمد) اشترکے رسول ہیں (بجائے قادیانی)۔ اسی طرح درود پاک میں بھی اس تحریف کا ارتکاب کیا ہے۔ اصل درود جو اہل سنت و الجماعت کے عقیدہ کی رو سے درست ہے وہ یہ ہے۔ اللھم صل علی محمد و آل محمد کما صلیت علی ابراہیم و آل ابراہیم الذین حمید۔ اللھم بارک لہم الخ اس میں اس نے یہ کیا کہ جہاں تھا "محمد" آیا ہے وہاں اس کے آگے فقط "احمد" کا بھی اضافہ کر دیا ہے (دھار قادیانی نمبر پاکستان)

یہ ہیں مرزائیوں کے ناقابل معافی جرائم جن سے امت مسلمہ کو ایک زبردست مفاد کا سامنا ہے اس کے علاوہ یہ ہیں ایک طرف تو ایمان کو متزلزل ہونے سے محفوظ رکھتا ہے دوسری طرف اللہ کے رسول کو زور رکھتے ہوئے خدا کی جلالت کے ساتھ قرآن مجید میں بجا اور آخری کتاب کی دل و جان سے حفاظت کرتی ہے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)



# قادیانی

مولانا نظام الدین اسیر احمد روضہ

۱۸۳۵ء میں ایک منحوس ساعت آئی جب پنجاب کے ضلع گورداسپور میں ایک شخص پیدا ہوا اور اس نے انگریزی حکومت کے زیر سایہ اور اس کی تلواروں کی حفاظت میں اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا، چونکہ یہ حکومت کا خود کاشت پودا تھا اور انگریزوں کا نیت اقبال عروج پر تھا۔ اس لئے ہندوستان کی آب و ہوا اس کے پیچھے اور بڑھنے کے لئے سازگار ثابت ہوئی۔ اس خود ساختہ نبی کا نام مرزا غلام احمد قادیانی تھا۔ جو پنجاب کے ایک مقام قادیان میں ۱۸۳۵ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۷۵ء کے آس پاس نبوت کا دعویٰ کیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے باپ کا نام غلام مرتضیٰ اور اس کے بڑے بھائی کا نام مرزا غلام قادر تھا جو انگریزی حکومت کی طرف سے ضلع گورداسپور کا سپرنٹنڈنٹ تھا۔ اس خاندان کے بعض دوسرے افراد بھی انگریزی حکومت کے ملازم تھے، مرزا غلام احمد نے پہلے سیخ اور مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا چنانچہ مرکز قادیان سے مرزا غلام احمد کی جو سوانح حیات شائع ہوئی ہے سوانح نگار نے اس میں اس کے دعویٰ مسیحیت کے سلسلے میں کچھ ہے۔

”جب آپ کی عمر پالیس سال کی ہوئی تو آپ کو الہام ہوا کہ تم یہودی ہو۔“

مہدی ہونے کے لئے کاسمیں اور مسلمانوں سے دوسرے تمام مذاہب سے

آپ کو ہوا تو آپ نے ایک مدت تک اس کو ظاہر پر محمول کیا۔ لیکن  
بار بار الہام ہونے کے بعد آپ نے اپنے مسیح و مہدی ہونیکا اعلان  
کیا۔

چالیس سال کی عمر میں آپ کا پہلا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا تھا اور اسی کی  
تبلیغ و اشاعت کرتا رہا۔ جب اس کے حلقہ بگوشوں کی تعداد پانچ، چھ سے زائد  
ہو گئی تو اس نے ایک اور چھلانگ لگائی اور تاج نبوت زیب سر کر کے منصب  
رسالت کی کرسی زریں پر متمکن ہو گیا۔ دعویٰ مسیحیت کے کئی سال بعد اس نے  
ایک کتاب لکھی اس میں اس نے غیر مبہم لفظوں میں لکھا۔

”خدا وہ خدا ہے کہ جس نے اپنے رسول کو یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین

حق اور تہذیب و اخلاق کے ساتھ بھیجا۔

اب اس نے صراحتاً اپنے نبی و رسول ہونے کا دعویٰ کر دیا، اس سلسلہ میں اس  
کی سوانح عمری کے مرتب نے مزید تفصیلات مہتیا کی ہیں۔ وہ لکھتا ہے۔

”حضور کا وہ مکتوب جو آخری مکتوب کہلاتا ہے اور جو ۲۶ مئی ۱۹۰۱ء  
کے اخبار عالم لاہور میں شائع ہوا ہے، جس کی عبارت یہ ہے، جس باب  
میں اپنے متبعین نبی کہلاتا ہوں وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی  
ہمکلامی سے مشرف ہوں، وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے  
اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی باتیں میرے  
ظاہر کرتا ہے اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے اوپر کھولتا ہے۔  
جب تک کہ انسان کو اس کے ساتھ خصوصیت کا قرب نہ ہو۔“

لے سیرت و سوانح مرزا غلام احمد، شائع کردہ مرکز قادیان ص ۹۔

لے اربعین مصنف مرزا غلام احمد قادیانی ص ۳۴

دوسرے پردہ اسرار نہیں کھولنا اور انہیں امور کی کثرت کی وجہ سے اس نے میرا نام بنی رکھا ہے۔ سو میں خدا کے حکم کے مطابق بنی ہوں۔“ لہ

مرزا غلام احمد جب بنی بن گیا۔ تو اس کے پاس وحی بھی آتی چاہئے وہ شیطان ہی کی طرف سے کیوں نہ ہو، اس لئے اس پر وحی آتی اور مسلسل آتی رہی۔ اس پر جب وحی آتی تھی تو اس کی کیا کیفیت ہوتی تھی؟ اس کی منظر کشی اسی کے الفاظ میں سنئے، وحی آسمان سے دل پر ایسی گرتی ہے جیسے کہ آفتاب کی شعاع، میں روز دیکھتا ہوں جب مکالمہ و مخاطبہ کا وقت آتا ہے تو اول دل پر ایک رلودگی طاری ہو جاتی ہے۔ تب میں ایک تبدیل یافتہ کے مانند ہو جاتا ہوں اور میری حس اور میرا ادراک اور میسر ہوش گونگفتن باقی ہوتے ہیں۔ مگر اس وقت میں یوں پاتا ہوں کہ گویا ایک وجود شدید الطاقة نے میرے تمام وجود کو اپنی ہستی میں لے لیا ہے اور میں اس وقت محسوس کرتا ہوں کہ میری ہستی کی تمام رگیں اس کے ہاتھ میں ہیں اور جو کچھ میرا ہے اب وہ میرا نہیں ہے بلکہ اس کا ہے، جب یہ حالت ہو جاتی ہے تو میرے پہلے خدا تعالیٰ دل کے ان خیالات کو میری نظر کے سامنے پیش کرتا ہے جن پر اپنے کلام کی شعاع ڈالنا اس کو منظور ہوتا ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ جب ایک خیال دل کے سامنے آیا تو جھٹ اس پر ایک ٹکڑا کلام الہی کا شعاع کی طرح گرتا ہے اور بسا اوقات اس کے گرنے کے ساتھ ہی تمام بدن ہل جاتا ہے لہ

مرزا صاحب مہدی سے بنی تک ترقی کر گئے اور الہام سے وحی تک پہنچ گئے اور

۱۔ عقائد احمدیت شائع کردہ انجمن احمدیہ قادیان ص ۹۷، ۹۸۔

۲۔ عقائد احمدیت شائع کردہ انجمن احمدیہ قادیان ص ۱۱۳، ۱۱۵،



اور ان کے حلقہ بگوشوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا تو انھوں نے اور بھی ہاتھ پاؤں نکالے، اب تک اپنے کو مسلمان بھی کہتے تھے اور مسلمانوں کے سوا داعظم کے عقائد پر قائم رہنے کا بھی اعلان کرتے رہتے تھے لیکن جب نبی بن کر اپنی شریعت خاص کا اجرا کیا تو اپنے متبعین کے سوا سارے مسلمانوں کے خارج از ایمان ہونے کا اعلان کر دیا اور کہا کہ

”جو لوگ میری تکذیب کریں گے اُن کو اَلْحَمْدُ سے وَالنَّاسُ تک پورا قرآن چھوڑنا پڑے گا، پھر سوچو کیا میری تکذیب کوئی آسان امر ہے؟ یہ میں از خود نہیں کہتا، خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حق یہی ہے کہ جو مجھ کو چھوڑے گا اور میری تکذیب کرے گا۔ گو زبان سے نہ سہی مگر اپنے عمل سے اس نے پورے قرآن کی تکذیب کر دی اور خدا کو چھوڑ دیا۔ اس کی طرف میرے ایک الہام میں بھی اشارہ ہے۔ اَنْتَ مِثْنِیْ وَاَنَا مِنْکَ بیشک میری تکذیب سے خدا کی تکذیب لازم آتی ہے، پھر میری تکذیب میری تکذیب نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے لہٰذا مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی میلہ کذاب کی طرح ایک مدّعی نبوت ہے اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے سے اس کو انکار ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ناروا اور نابالغ الزامات لگائے ہیں۔ اس لئے قادیانیت ایک فرقہ نہیں۔ شدید ترین اسلام دشمن ایک مستقل مذہب ہے، اس کی بنیاد ہی اسلام دشمنی پر پڑی ہے، اس کی براہ راست زو اسلام پر پڑتی ہے، کیونکہ وہ قرآن و حدیث پر اپنے عقیدہ کا اظہار کرتا ہے۔ اور تمام مذہبی اصطلاحات کو اپنے فرقہ میں استعمال کرتا ہے جو خالص اسلامی

اصطلاحیں ہیں، اس لئے غیر مسلم اقوام کو تو اپنے مذہب میں لانے میں ناکام ہے البتہ مسلمانوں کو مرتد بنانا اس کا اصل مشن ہے، وہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا، اسلامی نام پایا، اس لئے اس کے دعویٰ نبوت کا عذاب مسلمانوں کو بھگتنا پڑ رہا ہے، چونکہ مرزا غلام احمد نے پہلے ہی مرحلہ پر نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اس لئے مسلمان حلقوں میں اس کی بات سنی جاتی تھی، پنجاب ہمیشہ سے جاہل اور جعلی پیروں کی جولانگاہ رہا ہے۔ اس لئے بتدریج اس کی پھیلائی ہوئی ضلالت و گمراہی کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ جب اس کے گرد و پیش کچھ افراد جمع ہو گئے تو وہ اپنے اصل رنگ میں ظاہر ہوا اور پُر پُر زے نکالے اور اپنے عقائد کا اعلان کیا تب لوگوں کی آنکھیں کھلیں تب تک رستا ہوا پانی سیلاب بن چکا تھا اور جب ۱۹۰۸ء میں اس کا انتقال ہوتا ہے تو اس وقت تک قادیانیت ایک طاقتور مذہب کی شکل اختیار کر چکی تھی۔

آج یہ فرقہ دنیا کا مالدار ترین فرقہ ہے، اس کے ڈو مرکزی دفاتر ہیں۔ ایک ہندوستان کے شہر قادیان میں ہے، یہیں سے اس کے اشاعتی طریقہ پیر تیار کر کے پورے ملک میں مفت تقسیم کئے جاتے ہیں اور ایک ہفتہ وار اخبار ”بدب کے نام سے نکلتا ہے۔ اس مرکز کے ماتحت کئی درجن باتخواہ مشینری پورے ملک میں اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں شب و روز مصروف رہتے ہیں۔ ان کا دوسرا مرکز دہلی و خیرپاکستان میں جینوٹ کے قریب اپنے آباد کردہ شہر ”ریوہ“ میں ہے، اس دفتر سے عالمی پیمانے پر قادیانیت کی نشر و اشاعت کے پروگرام بنائے جاتے ہیں۔ یہیں کی تربیت گاہ سے نکلے ہوئے قادیانی دنیا کے مختلف ملکوں میں جا کر اپنے مذہب کی تبلیغ کا فرض انجام دیتے ہیں وہاں ان کے بہت سے مدارس اور کالج ہیں۔ ان میں سب سے اہم احمدیہ مشنری کالج



ہے۔ جس میں قادیانیت کے مشنری تیار کئے جاتے ہیں، قادیان اور ربوہ دونوں مرکزی دفاتر کا سہارا بن جاتا ہے۔ یہ مرکز اپنے عالمی مشنریوں کو منظم کرتے ہیں، ہدایات دیتے ہیں، ان کے دفاتر کا بجٹ پورا کرتے ہیں، ایک سو سے زائد مرکزی مشنری ہیں اور ۱۶۴ لوکل مشنری کام کرتے ہیں اس طرح ۲۶۴ پر جوش، با اختیار، مالیات کی فراہمی سے بے نیاز داعی اور مشنری عالمی پیمانے پر تبلیغ قادیانیت کے نظام کو پوری قوت سے چلا رہے ہیں، یہ طریقہ انھوں نے عیسائی مشنریوں سے لیا ہے اور ٹھیک اسی پہنچ پر وہ کام کرتے ہیں، ان کے نظام تبلیغ و اشاعت مذہب کی وسعت اور پھیلاؤ کا اندازہ مندرجہ ذیل تفصیل سے کیا جاسکتا ہے امریکہ کی چار ریاستوں میں ۹ مشن کام کرتے ہیں ان کی ۱۴ مسجدیں ہیں اور تین مدرسے، پانچ اخبارات و رسائل شائع ہوتے ہیں۔ یورپ کے ملکوں میں کنیڈا، انگلینڈ، ہالینڈ، سوئزر لینڈ، جرمنی، ڈنمارک، سویڈن، ناروے، بلجیم، اسپین اور اٹلی میں ان کے ۲۴ مشن ۱۳۰ مسجدیں ۲ مدرسے ہیں اور ۹ رسائل اور اخبارات جاری ہیں، مشرق وسطیٰ میں فلسطین، شام، لبنان، اردن، مصر، کویت، بحرین، مسقط، دبئی اور اردن میں ۱۰ مشن چار مسجدیں اور ایک مدرسہ ہے اور ایک رسالہ البشریٰ عربی زبان میں شائع ہوتا ہے، مشرقی افریقہ میں کینیا، تنزانیہ، یوگنڈا، زامبیا میں ۲۶ مشن ۱۶ مسجدیں ۵ مدرسے ہیں اور ۵ اخبارات و رسائل شائع ہوتے ہیں، سب سے زیادہ کامیابی ان کو مغربی افریقہ میں ملی ہے وہاں لائبیریا، گھانا، سیرالیون، گیمبیا، آئیوری کوسٹ، لائییریا، ٹوگو لینڈ، نائیجیر، مینن اور صومالیہ میں ۲۳۷ مشن ۲۶۹ مسجدیں ۱۵۲ مدارس اور ۲۵ ہسپتال ہیں اور ۴ اخبارات و رسائل شائع کئے جاتے ہیں، ممالک بحرین،

۱۔ سہرت و سوانح مرزا غلام احمد قادیان ص ۶۰۔ شائع کردہ مرکز قادیان



لاریشیش، لنکا، برما میں ۷ مشن ۱۳ مسجدیں اور ایک مدرسہ ہے۔ ۱۳ اخبارات و رسائل جاری ہیں، مشرق بعید میں انڈونیشیا، ملیشیا، فجی آئی لینڈ، جاپان، فلپائن، جنوبی افریقہ میں کیپ ٹاؤن میں ۳۷ مشن ۱۲۷ مسجدیں اور ۵ مدرسے ہیں، ۱۶ اخبارات و رسائل ہیں، مشرق بعید میں سب سے زیادہ کامیابی ان کو انڈونیشیا میں حاصل ہوئی جو ایک مسلم ملک کہا جاتا ہے۔ صرف انڈونیشیا میں ۳۳ مشن معروف کار ہیں اور ۱۱۵ مسجدیں اس کے مختلف شہروں میں موجود ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ قادیانیت کی تبلیغ میں کتنی منظم اور کتنی بڑی فوج لگی ہوئی ہے اور یہ ساری فوج صرف امت محمدیہ پر حملہ آور ہے اور اس کی مدافعت میں کوئی منظم جماعت ہماری نگاہوں میں نہیں ہے۔

ان کی سب سے بڑی کاری ضرب اسلام پر ان کے ترجمہ قرآن سے پڑتی ہے۔ وہ اپنی تائید میں مسلمانوں کی کتاب قرآن کو استعمال کرتے ہیں، اس کا دنیا کی تمام اہم ترین زبانوں میں ترجمہ کرتے ہیں اور ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں شائع کرتے ہیں۔ تمام مترجمین قادیانی ہیں، انھوں نے ترجمہ میں کیا کیا بددیانتیاں کی ہوں گی۔ اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا، ان تراجم کو اتنے بڑے پیمانے پر تمام ممالک میں پھیلا چکے ہیں۔ جن کا آپ اندازہ نہیں لگا سکتے۔

قرآن کے انگریزی ترجمہ کے متعدد ایڈیشن کئی لاکھ کی تعداد میں وہ شائع کر چکے ہیں۔ انگریزی زبان میں پانچ جلدوں میں ایک تفسیر بھی شائع کی ہے جو ۳۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس تفسیر کا خلاصہ بھی انگریزی میں شائع کر دیا گیا ہے جو ۱۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، ہالینڈ کی ڈچ زبان میں قرآن کے ترجمے کے تین ایڈیشن اب تک وہ شائع کر چکے ہیں، جرمنی ترجمے کے تین ایڈیشن مشرقی افریقہ میں کینیا کی سواحیلی زبان میں ترجمہ قرآن کے بھی تین ایڈیشن یعنی تین ہزار

نسخے شائع ہو چکے ہیں۔ نائیجیریا کی زبان یوروبا میں قرآن کا ترجمہ کیا گیا، اس کے بھی تین ایڈیشن نکل چکے ہیں، ڈنمارک کی زبان ڈینش میں ترجمہ کر کے اس کو دس ہزار کی تعداد میں طبع کر کے تقسیم کیا گیا، یوگنڈا کی زبان یوگنڈی، یورپ کی جدید زبان اسپرٹو میں انڈونیشیا کی انڈونیشین میں، فرانس کی زبان فرینچ میں، روسی، اٹالین، سپینش، پرتگالی اور ہنگر زبان میں قرآن کے ترجمے کرائے گئے ہیں۔ مشرقی افریقہ کی بعض دوسری زبانوں کیکویو، لوو، کیکامیہ میں بھی قرآن کا ترجمہ کیا جا چکا ہے، آسامی، پنجابی اور ہندی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ جن میں سے بعض شائع ہو چکے ہیں۔ بعض طباعت کے مرحلے میں ہیں، غنقریب وہ بھی شائع ہو جائیں گے۔ مغربی افریقہ کی مقامی زبانوں میں مثلاً سیرالیون کی زبان بینڈی، گھانا کی زبان فنٹے، توانی، نائیجیریا کی ایک زبان آڈسا اور نئی کی زبان فوجین میں ترجمہ کا کام جاری ہے۔ مستقبل قریب میں وہ بھی شائع ہو جائیں گے۔ چینی زبان میں بھی ترجمہ کی تیاریاں ہیں۔

ان حالات کے پیش نظر آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ قادیانیت کی جڑیں کتنی گہرائی تک پہنچی ہوئی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اس کی مدافعت میں جتنی توانائیاں ہمیں لگانی چاہئے تھیں۔ ہم نے نہیں لگائیں، ہم چند دلچسپ مباحثوں مناظروں اور اشتہار بازیوں میں مصروف رہے اور اسے ایک حقیر اور مختصر سی جماعت سمجھ کر اس کی طرف سے بے نیازی برتتے رہے اور وہ خاموشی سے مسلمانوں کے ایمانوں پر ڈاکے ڈالتے رہے اور ہم خاموش تماشا بنے رہے، قادیانیت کی جنم بھومی ہندوستان کی سرزمین ہے، یہیں کے علماء کا سب سے پہلے فریضہ تھا کہ اس نئے مذہب کی تباہ کاریوں اور ہلاکت آفرینیوں سے تمام عالم اسلام کو باخبر کرتے اور ابتدا ہی سے اس کے خلاف ایک متفقہ اجتماعی پالیسی اختیار کر کے اپنے



فیصلہ سے اسلامی دنیا کو باخبر رکھتے تو شاید اتنے بڑے پیمانے پر یہ تباہی نہ پھیلتی، یہ ہماری کوتاہی تھی، اسلام نے ہمارے اوپر اپنی حفاظت کی جو ذمہ داری عطا کی تھی اس کو کما حقہ ہم نے پورا نہیں کیا اور ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کے ایمان کی پونجی ہماری غفلت سے لٹ گئی خدا ہماری کوتاہیوں اور غرضتوں کو معاف فرمائے، تلافی مافات کے لئے ضروری ہے کہ آج ہم ایک غیر متزلزل لائحہ عمل لے کر اٹھیں اور قادیانیت کے بارے میں غیر مبہم الفاظ میں اپنی رائے دینے اسلام کے سامنے پیش کر دیں، اس سلسلہ میں میری تجویز ہے کہ

- ۱۔ واضح اور غیر مبہم نکتوں میں یہ اعلان کر دیا جائے کہ قادیانیت مسلمانوں کا کوئی فرقہ نہیں بلکہ یہ اسلام دشمن ایک مستقل مذہب ہے جس کا اسلام سے قطعاً کوئی تعلق نہیں،
- ۲۔ سان کی پوجا پاٹ کی جگہ کو مسجد نہ کہا جائے اور حتی الامکان اس نام کے استعمال ان کو روکا جائے
- ۳۔ قادیانیوں کا حدود حرم مکہ و مدینہ میں داخلہ ممنوع ہو۔ ان کے ساتھ غیر مسلموں کا سلوک کیا جائے
- ۴۔ مسلمانوں کے کسی مذہبی اجتماع میں ان کو شرکت کی اجازت نہ دی جائے اور نہ ان کو مدعو کیا جائے
- ۵۔ ہر ملک میں جہاں بھی قادیانی بستے ہوں وہاں کے مسلمانوں کو ان ہر طرح کے رابطہ روکا جائے
- ۶۔ تمام اسلامی ممالک سے اپیل کی جائے کہ مردم شماری میں قادیانیوں کو مسلمانوں کی فہرست میں شامل نہ کیا جائے
- ۷۔ حکومت ہند سے اپیل کی جائے کہ وہ قادیانیوں پر مسلم پرسنل لار کا اطلاق نہ کرے، ان کے مقدمات نکاح و طلاق، وراثت وغیرہ کا فیصلہ عام قوانین ہند کے تحت کیا جائے اور مسلم پرسنل لار کو ان پر نافذ العمل نہ تسلیم کیا جائے۔

۸۔ کانفرنس کے فیصلہ سے تمام عالم اسلام کو باخبر کرنے کی ہر امکانی کوشش کی جائے۔

گروہ عربی اور انگریزی میں طبع کرا کے تمام اہم اور ضروری مقامات، مدارس اور مسلم تنظیموں کو ارسال کیا جائے۔



# مسیح اور مہدی، دو شخصیتیں

از جمیل احمد نذیر

جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور اعظم گڑھ

قادیانی عقیدہ کے مطابق "سیح موعود" اور "مہدی مہود" دونوں، دو شخصیتیں نہیں بلکہ دونوں ایک ہی شخصیت کے دو لقب ہیں۔ یہ عقیدہ، مرزا غلام احمد قادیانی کی ان تحریروں سے وجود میں آیا جو "حقیقۃ المہدی"، "حقیقۃ الوحی"، "نزول المسیح" اعجاز احمد "ازالہ ادیان" اور ضرورت الامام "وغیرہ کی شکل میں موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ سیح موعود اور مہدی مہود، دونوں کے مصلحتاً وہ خود ہیں۔

ایہا الناس انا المسیح المہدی اے لوگو! میں ہی سیح مہدی اور میں ہی واحد المہدی احمد مہدی ہوں۔

خطبات الہامیہ مطبوعہ ۱۹۰۲ء

"ضرورت الامام" میں لکھتے ہیں۔

"اب بالآخر یہ سوال باقی رہا کہ اس زمانہ میں امام الزماں کون ہے جس کی بیروی تمام عام مسلمانوں اور زاہدوں اور خواب بینوں اور مہمبول کو کرنی خدا نے تعالیٰ کی طرف سے فرض قرار دیا گیا ہے، سو میں اس وقت بے دھڑک کہتا ہوں کہ خدا نے تعالیٰ کے فضل اور عنایت سے دعایا امین

میں ہوں، اور مجھ میں خدائے تعالیٰ نے وہ تمام علامتیں، شریطیں جمع کی ہیں۔ (صفحہ ۳۲)

چند سطروں کے بعد پھر لکھتے ہیں۔

”پس یہ تمام مختلف رائیں اور مختلف قول ایک فیصلہ کرنے والے حکم کو چاہتے تھے، سو وہ حکم میں ہوں، میں روحانی طور پر کس صلیب کے لئے اور نیز اختلافات کے دور کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں، انہیں دونوں امور نے تقاضا کیا کہ میں بھیجا جاؤں۔ (صفحہ ۳۳)

مرزا صاحب کے ایک امتی قاضی محمد نذیر لکھتے ہیں۔

”پس یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے ذریعہ مسیح موعود اور مہدی معہود کا بنیادی کام ہو چکا ہے۔“ (امام مہدی کا ظہور مشک)۔  
یہی صاحب ان سطور سے پہلے ص ۱۶ پر اپنی جماعت کی تحقیق ان الفاظ میں پیش کر چکے ہیں۔

”امام مہدی اور مسیح موعود ایک ہی شخص ہے۔“ (کتاب مذکور ص ۱۱)

### قادیانی دعوے کا جائزہ

لیکن مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کی جماعت کا یہ دعویٰ صحیح نہیں، احادیثِ کرمہ میں مسیح موعود (حضرت عیسیٰ علیہ السلام)، اور امام مہدی کے بارے میں جو تفصیلات موجود ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں دو شخصیتیں ہیں، سب سے پہلے وہ احادیثِ حافظہ کیجئے جن میں مسیح موعود کے نزول کا تذکرہ ہے۔

عن ابی ہریرۃ، قال قال رسول اللہ	حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ہذا الذی نفسی بیدہ	صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اس آیت
لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم	کی قسم جس کے قبضہ میں میرا جان ہے۔

حَكْمًا عَدْلًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلُ  
الْخَنَزِيرَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَيُفِيضُ  
الْمَالَ حَقًّا لَا يَقْبَلُهُ أَحَدٌ حَقًّا تَكُونُ  
السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا  
وَمَا فِيهَا ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقَرَأُوا  
إِنْ شِئْتُمْ فَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا  
لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ

(بخاری ج ۱ ص ۸۷، مسلم ج ۱ ص ۸۷)

✽ ✽ ✽ ✽ ✽  
✽ ✽ ✽ ✽ ✽  
✽ ✽ ✽ ✽ ✽  
✽ ✽ ✽ ✽ ✽

روکری روایت میں ہے

وَاللَّهُ يَنْزِلُ ابْنَ مَرْيَمَ حَكْمًا عَدْلًا  
(مسلم جلد ۱ ص ۸۷)

ابن عباس رضی کی روایت میں ہے۔

يَنْزِلُ أَخِي عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ هَسَنَ  
الشَّمَاءِ (کنز العمال ج ۷ ص ۲۶۵ و ۲۶۶)

نواس بن سمان سے مروی ہے۔

فَبِيعَتْ اللَّهُ الْمَسِيحَ بْنَ مَرْيَمَ فَيَنْزِلُ  
عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ الشَّرْقِيَّةِ دِمَشْقَ

قریب ہے کہ تم میں ابن مریم نازل ہوں،  
حاکم عادل کی حیثیت سے، پس وہ صلیب  
کو توڑ دیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے  
جزیہ کو ختم کر دیں گے، مال و پانی کی طرح  
بے جا۔ لیکن اُسے کوئی لینے والا نہ ہوگا  
یہاں تک کہ سجدہ واحد دنیا و مافیہا  
بہتر ہوگا۔ پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا  
اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو کیونکہ اس  
میں اسی زمانہ کی طرف اشارہ ہے، اِنْ  
مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا يَشْكُ أَهْلَ كِتَابٍ  
ضرور بالفور ایمان لائیں گے حضرت عیسیٰؑ  
علیہ السلام پر ان کی  
وفات سے پہلے

خدا کی قسم! ابن مریم ضرور بالفور نازل  
ہوں گے حاکم عادل بن کر۔

میرے بھائی عیسیٰ ابن مریم آسمان سے  
اتریں گے۔

پس اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریمؑ کو بھیجے گا، پس  
وہ دمشق کے مشرقی سفید منارہ کے پاس



بین مَعْرُودَتَيْنِ وَاضْعَايَدِيهِ  
 علیٰ اَجْنَحَتِ مَلٰئِکَیْنِ۔  
 دو چادریں اوڑھے ہوئے، دو فرشتوں کے  
 بازوؤں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے

رمضان ۲۳۵۱ھ، ترمذی ج ۲ ص ۲۴۷

ابوداؤد ج ۲ ص ۲۴۵، ابن ماجہ ص ۳۰۶

مَاسِیْلُ حَسَنِ بَصْرَیٍّ مِیْسُ بِہِ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے فرمایا تھا  
 اِنَّ عِیْسٰی لَمِیْمَتٌ وَاَنْدَرٰجِعَ اِلَیْکُمْ  
 قبل یومِ القِیامۃ،  
 حضرت عیسیٰؑ کی وفات نہیں ہوئی، وہ تمہاری  
 جانب قیامت سے پہلے اتریں گے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۳)

نجران کے عیسائی وفد سے حضورؐ نے فرمایا تھا۔

الستم تعلمون ان ربنا حی لا یموت؟  
 ان عیسیٰ یاقی علیہ الفناء (تفسیر کبیر)  
 کیا تم جانتے نہیں کہ ہمارا پروردگار زندہ ہے؟  
 مرے گا نہیں، اور حضرت عیسیٰؑ پر فنا آئیگی  
 ج ۲ ص ۳۸۸، ذکر منثور ج ۲ ص ۲۰۳

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح موعود، حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہیں  
 اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ آسمان پر اٹھایا تھا، قیامت کے قریب انھیں دوبارہ دنیا میں  
 بھیجا جائے گا۔ وہ آسمان سے دو فرشتوں کے سہارے دمشق کے مشرقی سفید  
 منارہ کے پاس اتریں گے۔

ان احادیث، یا جتنی بھی حدیثیں نزولِ مسیح سے متعلق ہیں، کسی میں مثیلِ مسیح کا  
 ذکر نہیں ہے، بلکہ صاف صاف بغیر کسی ابہام و استعارہ کے مسیح ابن مریم، عیسیٰ  
 ابن مریم یا صرف ابن مریم کے الفاظ مذکور ہیں، دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ تمام  
 حدیثوں میں "نزول" یعنی اترنے کا تذکرہ ہے۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت  
 عیسیٰؑ کہیں سے اتریں گے، بعض یہ کہ تو آسمان کی بھی راحت ہے۔ اور ظاہر بات ہے

کہ جب آسمان پر اٹھائے گئے ہیں تو نازل بھی وہیں سے ہوگا۔  
نزل کا وقت کیا ہوگا؟ اس کے متعلق یہ احادیث ملاحظہ کیجئے۔

ان کا امام ایک صالح مرد ہوگا، پس جس  
درمیان کہ وہ امام انھیں نماز پڑھانے  
کے لئے بڑھے گا، اچانک حضرت عیسیٰ ابن  
مریمؑ اتر آئیں گے۔ پس وہ امام بیچے ہوئے گا  
تاکہ حضرت عیسیٰؑ کو آگے بڑھائے کہ وہ نماز  
پڑھائیں۔ حضرت عیسیٰؑ اپنا ہاتھ اس کے کندھے  
پر رکھیں گے اور کہیں گے، آگے بڑھئے اور  
نماز پڑھائیے، کیونکہ آپ ہی کے لئے اقامت  
کہی گئی ہے۔ چنانچہ ان کا امام انھیں نماز  
پڑھائے گا۔

پس حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ اتریں گے تو ان کا  
امیر کہے گا، آئیے! ہمیں نماز پڑھائیے۔  
وہ کہیں گے نہیں، تم میں کا بعض، بعض پر  
امیر ہے اس بزرگی کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ  
نے اس امت کو عطا کر دی ہے۔

تمہارا کیا حال ہوگا؟ جب تم میں ابن مریمؑ اتریں  
اور تمہارا امام، تمہیں میں سے ہوگا۔

وامامہم رجل صالح فینما امامہم  
قد تقدم یصلی بہم الصبح اذا نزل  
علیہم عیسیٰ بن مریم الصبح فرجع  
ذالک الامام یتکلم یشی القہقوی  
لیقدم عیسیٰ یصلی فیضع عیسیٰ  
یدہ بین کتفیه۔ ثم یقول لہ  
تقدم فصل فانہا لک اقامت  
فیصلی بہم امامہم۔

ابن ماجہ ص ۳۸

✽ ✽ ✽ ✽ ✽

دوسری حدیث میں ہے  
فینزل عیسیٰ بن مریم فیقول امیرہم  
تعال صل لنا فیقول لا ان بعضکم  
علی بعض امراء تکرمة اللہ تعالیٰ  
لہذا لا الاقمتہ۔

(مسلم ج ۱ ص ۸۷)

ایک اور حدیث میں ہے۔  
کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم  
وامامکم منکم۔ (بخاری ج ۱ ص ۸۷، مسلم  
ج ۱ ص ۸۷)

حضرت عیسیٰؑ دنیا کو قتل کریں گے۔ حج بھی کریں گے۔ شادی بھی ہوگی، اولاد بھی ہوگی، وفات کے بعد حضورؐ کے پاس دفن ہوں گے۔ دیکھئے مسلم ج ۱، مشکوٰۃ ج ۲، مسند احمد ج ۲، عون المعبود شرح ابی داؤد ج ۴، مشکوٰۃ ج ۲، مشکوٰۃ ج ۲، مشکوٰۃ ج ۲۔

### امام مہدی کا نام اور خاندان۔

اب امام مہدی کے نام، خاندان اور کام کے متعلق احادیث ملاحظہ کیجئے۔

عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ  
 صلی اللہ علیہ وسلم لا تذہب الدنیا  
 حتی یهلك العرب من اهل بیتی یواطی  
 اسمہ اسمی۔

عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ دنیا ختم نہیں ہو سکتی یہاں تک کہ (اس) دنیا کا مالک میرے اہل بیت میں سے ایک عرب نہ ہو جائے جس کا نام میرے ہی نام جیسا ہوگا۔

(ترمذی ج ۲ ص ۲۶۱)

یعنی اس کا نام محمد ہوگا، دوسری حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ امام مہدی کے باپ کا نام عبد اللہ ہوگا۔

اگر دنیا کا ایک ہی دن رہ جائے تو بھی اللہ تعالیٰ اس کو لیا کر دے گا یہاں تک کہ اس میں ایک ایسے شخص کو بھیجے گا جو مجھ سے ہوگا۔ یا حضورؐ نے یوں فرمایا کہ میرے اہل بیت میں سے ہوگا۔ اس کا نام میرے نام، اور اس کے باپ کا نام میرے والد کے نام جیسا ہوگا۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ جبکہ وہ ظلم

لویق من الدنیا الیوم قال زائد  
 نطول اللہ ذالک الیوم حتی یبعث  
 اللہ فیہ رجلاً منی او من اهل  
 بیتی یواطی اسمہ اسمی واسم  
 ابیہ اسم ابی یملأ الارض قسطاً  
 وعدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً  
 (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۶۱)

۱ ۲ ۳ ۴ ۵



✽ ✽ ✽ ✽ ✽  
 دجور سے بھر چکی ہوگی۔

اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ مہدی کا آنا بالکل یقینی اور شک و شبہ سے

بالا تر ہے

ام سلمہؓ کی روایت میں ہے۔

المہدی من عتوقی من ولد فاطمة  
 مہدی میرے خاندان سے اولاد فاطمہ سے ہوگا  
 (کتاب مذکور ص ۲۲۸)

امام مہدی کی یہ خصوصیت بکثرت احادیث میں وارد ہوئی ہے کہ وہ دنیا کو۔ جب کہ  
 دنیا ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ بخشش و سخاوت  
 کے دریا بہائیں گے، ان کے زمانہ میں مال و دولت کی فراوانی ہوگی، بارش بھی  
 خوب ہوگی، پیداوار بھی خوب ہوگی، لوگ آرام و راحت اور چین و سکون سے گزر  
 بسر کریں گے۔ (دیکھئے مشکوٰۃ ج ۲ ص ۷۷، ۷۸، باب اشراط الساعة)

صحیح مسلم میں اگرچہ ”مہدی“ کے لفظ کی صراحت نہیں، مگر جو خصوصیات بیان  
 کی گئی ہیں۔ اور جو وقت بتایا گیا ہے، وہ مہدی کے علاوہ کسی پر صادق نہیں آتا۔

عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یكون فی آخر  
 امتی خلیفۃ یحیی الہماں حیاً ولا یموت  
 عدۃ اسلام ج ۲ ص ۲۹۵  
 حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا  
 میری امت کے آخری زمانہ میں ایک خلیفہ  
 ہوگا جو مال عطا کرے گا۔ لیکن اُسے شمار  
 نہیں کرے گا۔

✽ ✽ ✽ ✽ ✽

عن ابی سعید الخدری قال قال  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من  
 خلفاءکم خلیفۃ یجئ الہ الی حیاً  
 حضرت ابوسعید خدریؓ سے فرمایا ہے کہ  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ  
 خلفاء میں سے ایک خلیفہ مال لٹائے گا

ولایعدّ لا عددًا (حوالہ مذکورہ) مگر اُسے شمار نہیں کرے گا۔  
ایک اور حدیث میں ہے۔

یکون فی آخر الزمان خلیفۃ یقسّم  
الہمال ولا یعدّ لا (حوالہ مذکورہ)  
آخر زمانہ میں ایک خلیفہ ہوگا جو مال  
تقسیم کرے گا اور اُسے شمار نہیں کرے گا۔  
امام مہدی کی یہی خصوصیت، بغیر کسی ابہام و اجمال کے لفظ "مہدی" کی صراحت  
کے ساتھ ترمذی میں یوں موجود ہے۔

قال فیجئ الیہ الرجل فیقول یا مہدی  
اعطنی اعطنی قال فحقی لہ فی ثوبہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد  
فرمایا، ایک آدمی اس کے پاس آکر کہے گا  
اے مہدی! مجھے دو، مجھے دو، پس وہ  
اس کے کپڑے میں دیتا جائے گا یہاں  
تک کہ وہ اُسے اٹھانے کی استطاعت  
نہیں رکھے گا۔

حاکم نے مستدرک میں شرط شیخین پر کئی روایات نقل کی ہیں جن میں لفظ  
"مہدی" کی صراحت ہے۔ اور وقت اور صفات بھی وہی بیان کی گئی ہیں جو احادیث  
بالا میں ہیں (مقدمہ ابن خلدون ص ۳۱)

ان تمام احادیث پر جو شخص انصاف کی نظر ڈالے گا، اُسے یہ فیصلہ کرنے میں  
ڈرا بھی تر و نہ ہوگا کہ مسیح موعود اور مہدی معبود، دو الگ الگ شخصیتیں ہیں۔ ایک  
باجیات ہے، آسمان سے اترے گی، دوسری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں  
پیدا ہوگی۔ ایک کا نام عیسیٰ ابن مریم ہے۔ دوسرے کا نام محمد بن عبد اللہ۔ اس کے  
علاوہ اور بھی بہت سی الگ الگ خصوصیات ہیں

بہر اس حدیث۔ جس کی سلسلہ کو سلسلہ ازہب کہا جاتا ہے۔

فیصلہ کرو یا کہ مسیح اور مہدی، دو شخصیتیں ہیں۔

عن جعفر عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف تمیلک امة انا اولہا والمہدی وسطہا والمسیح اخرہا ولكن بین ذالک فیج الموح لیسوا متی ولا انا منهم، رواہ رزین (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۸۳)

جعفر صادق نے اپنے باپ محمد باقر سے انھوں نے زین العابدین علی بن حسین بن علی بن ابی طالب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جس کے اول میں میں ہوں۔ درمیان میں مہدی اور آخر میں مسیح لیکن درمیان درمیان میں کچھ کچھ روگرد ہو گئے جو مجھ سے نہ ہوں گے۔ اور نہ میں ان کے ہوں گا۔

## حدیث لامہدی الا "موضوع و منکر ہے"

ابن ماجہ میں انس بن مالکؓ سے مروی ہے۔

ولا المہدی الا عیسیٰ بن مریم

(ص ۳۳۳ باب شدة الزمان)

اس حدیث کے متعلق قاضی محمد زبیر کہتے ہیں۔

"اس حدیث نے ناظر فیصلہ دیدیا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم ہی "المہدی" ہے اور

اس کے علاوہ کوئی "المہدی" نہیں ہے۔" (لام مہدی کا ظہور ص ۱)

لیکن یہ حدیث "ناظر فیصلہ" تو کیا پوری سہ سے لائق استناد ہے؟

وہ بھی ان احادیث کی موجودگی میں جن میں صراحۃً عیسیٰ ابن مریم "المہدی" کے طور پر

نکلتے ہوئے آیا ہے۔



اگر قادیانی حضرات اس حدیث کا حوالہ دینے سے پہلے ابن ماجہ کا حاشیہ ہی دیکھ لیتے تو بھی انہیں پتہ چل جاتا کہ یہ حدیث مستند کے اعتبار سے کیسی ہے؟ اور اس کا کوئی ہے یا نہیں کہ اُسے مشہور و مستفیض احادیث کے مقابلے میں پیش کیا جائے۔ ابن ماجہ کے حاشیہ پر صاف لکھا ہوا ہے کہ علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ ہذا خبر منکر (یہ حدیث منکر ہے) پھر آگے چل کر اُسے منقطع بھی کہا ہے۔ سلسلہ سند میں ایک راوی محمد بن خالد ہے جس کے متعلق حاکمؒ کہتے ہیں کہ ”مجہول“ (وہ مجہول ہے) اسی طرح حافظ نے بھی اُسے ”رجل مجہول“ قرار دیا ہے۔  
(ابن ماجہ سلسلہ حاشیہ ص ۳)

مقدمہ ابن خلدون میں ہے۔

وبالجملة فالحدیث ضعیف مضطرب (ص ۳۲۲) خلاصہ کلام حدیث ضعیف و مضطرب ہے۔  
مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے۔

حدیث ”لامہدی الاھدی بن مریم“  
ضعیف باتفاق المحدثین كما صرح به  
الجزیری علیٰ انہ من باب لا فقی الا  
علیٰ (رج ۵ ص ۱۸)  
حدیث ”لامہدی الاھدی بن مریم“  
باتفاق محدثین ضعیف ہے۔ جیسا کہ ابن جزریؒ  
نے اس کی صراحت کی ہے کہ یہ لا فقی  
الا علیٰ کے باب میں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کہتے ہیں۔

قال ابوالحسن الخسعی الابدی  
فی مناقب الشافعی تو اتروت الأخبار  
بان المہدی من ہذہ الامۃ و ان  
عیسیٰ یصلی خلفہ ذکرہ و مملو رد  
الحدیث الذی أخرجه ابن ماجہ عن  
ابوالحسن خسعی ابدی مناقب شافعی میں  
کہتے ہیں کہ مہدی کے اسی اثر میں ہے  
ہونے کے متعلق احادیث متواتر ہیں اور  
یہ کہ حضرت عیسیٰؑ مہدی کے چچے نماز میں  
ابوالحسن خسعیؒ نے یہ بات اس حدیث پر رد

انس و فیه ولا مہدی الا عیسیٰ،  
 (فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۳)  
 کرتے ہوئے لکھی ہے۔ جسے ابن ماجہ نے  
 انس سے روایت کیا ہے کہ حضرت  
 عیسیٰ ہی مہدی ہیں۔

علامہ طیبی کہتے ہیں کہ مہدی کے اولادِ فاطمہ میں سے ہونے کی احادیث میں تصریح  
 ہے۔ لہذا حدیث "لامہدی الا عیسیٰ بن مریم" ظاہری معنی میں قبول نہیں کی  
 جاسکتی جب کہ وہ سنداً ضعیف بھی ہے۔ (مرقات المفاتیح ج ۵ منہا)  
 چنانچہ بعض حضرات نے تاویلات بھی کی ہیں اور وہ بھی انھیں آراء کے دوڑ بنوڑ  
 موجود ہیں۔ جہاں اُسے ضعیف و منکر کہا گیا ہے۔ مگر جب اس حدیث کا بالفاظِ محمدین  
 ضعیف و منکر ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ تو میرے خیال میں تاویلات کے نقل  
 کرنے کی چنداں ضرورت نہیں رہ جاتی۔

ایک قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ اس حدیث کو ابن ماجہ نے منسلک باب  
 شدۃ الزمان کے تحت نقل کیا ہے۔ جب کہ آگے چل کر منسلک پر خود ہی باب خروج  
 المہدی (مہدی کے خروج کا باب) باندھا ہے۔ وہاں اس حدیث کو نہیں لائے، وہاں  
 صرف وہی حدیثیں نقل کی ہیں جو مہدی کے، امت محمدیہ یا اولادِ فاطمہ میں سے ہونے  
 کے متعلق ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابن ماجہ خود بھی اس حدیث کو ظاہری معنی  
 پر محمول نہیں کرتے تھے۔ ورنہ باب خروج المہدی میں اُسے ضرور نقل کرتے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کثر العمال میں بھی یہ حدیث موجود ہے تو اس  
 کا جواب یہ ہے کہ وہاں پر اس سند کے ساتھ ہے جو ابن ماجہ میں ہے، لہذا اس  
 کے بھی وجوہ ضعف وہی ہوں گے۔ جو ابن ماجہ کی روایت کے ہیں۔

قاویانی حضرات کی ایک دلیل سند احمد کی یہ حدیث بھی ہے۔

يُؤْتِيهِمْ مِنْ عَمَلِهِمْ وَنُكْمٍ اَنْ تَنْتَقِي قَرِيبٌ هِيَ كَتَمٌ مِّنْ عَمَلِهِمْ وَنُكْمٍ هِيَ وَه



عِیْسٰی ابن مریم اماماً مہدیّاً عِیْسٰی ابن مریمؑ سے ملاقات کرے ،  
حُکْمًا عَدَلًا لَّا اِلٰهَ -  
درآئنا لیکہ وہ امام مہدی اور حاکم عادل  
ہوں گے۔

اس روایت کے متعلق قاضی محمد نذیر لکھتے ہیں۔

”اس میں صاف الفاظ میں موعود عِیْسٰی ابن مریم کو امام مہدی قرار دیا  
گیا ہے۔ (امام مہدی کا ظہور ص ۱۹)

مگر قاضی صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہاں پر حضرت عِیْسٰی علیہ السلام کو  
”امام مہدی“ لغوی معنی میں کہا گیا ہے، نہ کہ اصطلاحی معنی میں۔ ”مہدی“ کے  
لغوی معنی ہیں ”ہدایت یافتہ“ ظاہر ہے کہ پیغمبر ہدایت یافتہ نہ ہوگا تو کون  
ہوگا؟ اور امام کے معنی ہیں پیشوا اور مقتدی۔ ظاہر ہے کہ پیغمبر پیشوا اور  
مقتدی ہوتا ہی ہے۔

یہاں پر ”مہدی“ کو لغوی معنی پر محمول کرنے کی خاص اور بنیادی وجہ یہ ہے  
کہ جن جن احادیث میں ”مہدی“ کو اصطلاحی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ وہاں  
مہدی کے ساتھ کوئی صفت نہیں لائی گئی۔ بلکہ مطلقاً لفظ ”مہدی“ لایا گیا ہے۔  
اس سلسلے میں قارئین کرام پچھلے صفحات میں مہدی سے متعلق احادیث کو  
ایک بار پھر دیکھ لیں

اس کے علاوہ اُن احادیث میں ”مہدی“ کو مسند الیہ یا مقبورؑ کی حیثیت  
سے لایا گیا ہے نہ کہ بطور صفت۔ اور یہاں پر ”مہدی“ عِیْسٰی بن مریم کی صفت  
واقع ہے۔ اور یہی ایک صفت نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی اس لفظ سے پہلے  
امام اور بعد میں ”حکم“ اور ”عدل“ کل تین تین صفات اور بھی موجود ہیں۔  
بحث اصطلاحی مہدی سے ہے نہ کہ لغوی مہدی سے۔ لغوی اعتبار سے تو



مسلمانوں کے ہر امیر و خلیفہ کو جو کہ صحیح راہ پر گامزن ہو "امام مہدی" کہہ جاسکتا ہے، لیکن اس لغوی اطلاق سے یہ اصطلاحی مہدی نہیں بن سکتا۔

**اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ** کا مطلب :-

قادیانی حضرات نے عیسیٰ ابن مریمؑ اور امام مہدی کے ایک ہونے کو اس حدیث سے بھی ثابت کیا ہے۔

کیف انتم اذا نزل ابن مریم  
فینکم واما مکم منکم  
تم کیسے ہو گے، جبکہ تم میں ابن مریم اتریں گے  
اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا۔

(بخاری ج ۱ ص ۸۷، مسلم ج ۱ ص ۸۷)

حدیث کے الفاظ "واما مکم منکم" کا ترجمہ قادیانی حضرات یوں کرتے ہیں۔  
"اور وہ تم میں سے تمہارا امام ہوگا۔ یعنی یہ امام باہر سے نہیں آئے گا، امت محمدیہ میں سے قائم ہوگا۔" (امام مہدی کا ظہور ص ۱۱)

قارئین اس بنیادی نکتہ کو یاد رکھیں کہ اس حدیث کے متعلق اصل بحث یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے تو نماز کی امامت کون کرے گا؟ حضرت عیسیٰؑ یا امام مہدیؑ؟ اس بات کے صاف ہونے کے بعد ہی ثابت ہو سکے گا کہ قادیانی حضرات کا مذکورہ ترجمہ صحیح ہے یا غلط اور ان کا مقصود اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔

اس سلسلے میں یہ احادیث ملاحظہ کیجئے

پس عیسیٰ ابن مریمؑ اتریں گے، مسلمانوں کا  
امیر کہے گا، آئیے! ہمیں نماز پڑھائیے۔  
وہ فرمائیں گے۔ نہیں، تم میں کا بعض،  
بعض پر امیر ہے، اس تعظیم کی وجہ سے جو

فینزل عیسیٰ بن مریم فیقول  
امیرھم تعال صل لنا فیقول لا  
ان بعضکم علی بعض امراء تکرمة  
اللہ تعالیٰ علیہ السلام الامۃ۔

مسلم ج ۱ ص ۸۷

اللہ تعالیٰ نے اُمت محمدیہ کو عطا فرمائی۔

ابن حجر عسقلانیؒ، مسند احمد کے حوالے سے حضرت جابرؓ کی روایت نقل کرتے ہیں  
وَاِذَا هُمْ بِعِيسَىٰ يُنَادِي مُنَادٌ مِّنْ سَمَاءٍ مُّطْمَئِنَّةٍ اِنَّا نَجْعَلُكَ نَبِيًّا مِّنْ قِبَلِنَا  
اچانک ان کے سامنے حضرت عیسیٰؑ ہو گئے  
پس کہا جائے گا۔ اے روح اللہ آگے  
بڑھئے، وہ کہیں گے، چاہئے کہ تمہارا ہی  
امام مکمل فیصلہ ہو،

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۳)

ابن ماجہ میں اس سے بھی زیادہ مراحت ہو گئی ہے کہ امام حضرت عیسیٰؑ نہ ہوں گے  
بلکہ امام مہدی ہوں گے۔

وامامہم رجل صالح فيمنما  
امامہم قد تقدم يصلي بهم  
الصبح اذا نزل عليهم عيسى بن  
مریم الصبح فرجع ذلك الامام  
ينكص يمشي القهقري ليُقدم  
عيسى يصلي فيضع عيسى يده  
بين كتفيه ثم يقول له تقدم  
فصل فانها لك اقيمت فيصلي  
بهم امامهم (ابن ماجہ ص ۳۱)  
مسلمانوں کا ایک مرد صالح ہو گا۔ پس جس درمیان  
کہ وہ امام انھیں نماز فجر پڑھانے کے لئے آگے  
بڑھے گا۔ اچانک حضرت عیسیٰؑ ابن مریمؑ آرائیں گے  
، پس وہ امام تیجے پہنے گا تاکہ حضرت عیسیٰؑ کو  
آگے بڑھائے کہ وہ نماز پڑھائیں۔ حضرت  
عیسیٰؑ اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھیں گے۔  
اور کہیں گے۔ آگے بڑھئے اور نماز پڑھائیے  
کیونکہ آپ ہی کے لئے اقامت کہی گئی ہے۔  
چنانچہ ان کا امام انھیں نماز پڑھائے گا۔

اب شارحین کی آراء ملاحظہ کیجئے۔

فتح الباری میں ہے

ابو الحسن خضعی ابدی مناقب شافعیؒ میں کہتے ہیں  
کہ اس معاملہ میں احادیث تو اتر کر پہنچ گئی ہیں کہ

قال ابو الحسن الخضعي الابدی  
في مناقب الشافعي تو انتریت

الاخبار بأن المهدي من هذه  
الامة وأن عيسى يصلي خلفه  
(ج ۹ ص ۹۳)

عمدة القاری میں ہے  
معنا لا يصلي معكم بالجماعة والاعاء  
من هذه الامة (ج ۱۶ ص ۱۷)

امامکم منکم کا مطلب یہ ہے کہ حضرت  
عیسیٰ تمہارے ساتھ باجماعت نماز  
پڑھیں گے۔ اور امام اسی امت میں ہوگا

مرقات المفاتیح میں ہے۔  
والحاصل ان امامکم واحد منکم  
دون عیسیٰ (ج ۵ ص ۲۳)

حاصل یہ کہ امام تمہیں میں کا ایک شخص ہوگا  
نہ حضرت عیسیٰؑ۔

ان احادیث و عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ نزول کے وقت امامت، امام مہدی  
ہی کریں گے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت کی نماز امام مہدیؑ کی اہتمام  
میں ادا کریں گے۔ ان احادیث سے یہ بات بھی صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ نزول مسیح  
کے وقت، امام مہدی پہلے سے موجود ہوں گے۔

لہذا "امامکم منکم" کا ترجمہ — "وہ خلیفہ وہ ابن مریم تم میں سے تمہارا  
امام ہوگا"۔ صحیح نہیں، بلکہ ترجمہ یوں ہونا چاہئے — "وہ خلیفہ تمہارا امام تمہیں  
میں سے ہوگا، یعنی وہ امام پہلے سے موجود ہوگا۔ اور حضرت عیسیٰؑ اسی امام کی اہتمام  
کریں گے۔"

ایک اشکال اور اسکا جواب :-

ہم میں کوئی شخص نہیں کہ حضرت عیسیٰؑ جیسا و علیہ السلام امام مہدیؑ سے  
افضل بہتر ہوں گے۔ پھر اشکال :- یہ ہے کہ آخر حضرت عیسیٰؑ کس پرستے ہوئے



امامت، کیوں امام مہدی کریں گے۔ اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی انہیں کو آگے بڑھانے پر کیوں اصرار کریں گے۔ جبکہ افضل طریقہ یہ ہے کہ امامت افضل شخص ہی کرے۔ پھر حضرت عیسیٰؑ اور امام مہدیؑ، افضل طریقہ چھوڑ کر غیر افضل کیوں اختیار کریں گے؟

اس اشکال کا جواب بھی شارحین حدیث نے دیا ہے۔

چنانچہ ابن جوزیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام امامت کے لئے آگے بڑھ جائیں گے تو یہ شبہ پیدا ہونے لگے گا کہ پتہ نہیں حضرت عیسیٰؑ کا آگے بڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور نائب کی حیثیت سے ہے۔ یا مستقل شارع کی حیثیت سے۔ لہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی شبہ کو دور کرنے کیلئے امام مہدیؑ کے پیچھے مقتدی بن کر نماز پڑھیں گے۔ تاکہ یہ بات صاف ہو جائے کہ ان کا نزول بحیثیت شارع کے نہیں بلکہ بحیثیت شریعت مصطفویہ کے ایک متبع کے ہے یہاں تک کہ نبی ہونے کے باوجود انہوں نے امت محمدیہ کے ایک فرد کے پیچھے نماز پڑھ لی۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ لابی بعدی (میرے بعد کوئی نبی نہیں مبعوث ہو سکتا) کی علی تصدیق ہو گئی۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۴۹)

مرقات المفاتیح میں ہے۔

(فیقول لا) ای لا اُمیرُ اماماً لکم  
لَا یَتَوَقَّعُ بامامتی لکم نسخ دینکم  
(ج ۵ ص ۲۲۲)

حضرت عیسیٰؑ فرمائیں گے میں تمہارا امام نہیں بنوں گا۔ یہ اسلئے تاکہ میری امامت میرے ذریعہ تمہارے دین کے نسخ کا وہم نہ پیدا کرے۔

لیکن امام مہدیؑ کی یہ امامت مستقل امامت نہ ہوگی۔ بلکہ صرف اسی وقت ہوگی جب حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہو گا۔ اس کے بعد جب تک حضرت عیسیٰؑ زندہ رہیں گے

## رقیقاویانیت پر

# فضلدار العلوم دیوبند کی تصنیفی خدمات

از: - برہان الدین سنہلی - دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

الحمد لله رب العالمین، والصلوة والسلام علی رسولہ الامین خاتم النبیین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین، ومن تبعہم باحسان الی یوم الدین۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت کے تقاضہ سے، ساتویں صدی عیسویں کے اوائل میں کم و بیش چھ سو سال کے طویل فترہ (وقفہ) کے بعد، پھر وحی آسمانی اور ملائکہ بانی اپنے ایک مقرب ترین بندے اور رسول جناب محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب الهاشمی علیہ الف الف صلوة وسلام) کے پاس بھیجے اور تقریباً ۲۳ سال تک یہ آمد و شد جاری رکھنے کے بعد اکمال دین و اتمام نعمت کا اعلان فرما کر ہمیشہ کے لئے یہ سلسلہ بند کر دیا کیونکہ اس میں نہ پھر تہدیل کی ضرورت تھی، نہ اضافہ کی گنجائش

۱۔ مشہور مسمری عالم علامہ خضریٰ (صاحب تصانیف کثیرہ) نے اپنی مشہور زبانی کتاب "تاریخ التشریع الاسلامی" ص ۶۱ میں قول راجح اسے قرار دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی وحی کا نزول، ۱۲ رمضان المبارک کو ہوا، اور آخری آیت قرآنی انجھ کو نازل ہوئی اس طرح کل مدت وحی ۲۲ سال ۲ ماہ ۲۲ دن ہوئی ہے

تاریخ التشریع الاسلامی ص ۶۱ مطبوعہ مصر



حکیم الاسلام حضرت مولانا احمد بن عبدالرحیم المعروف بشاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اپنے حکیمانہ اسلوب میں فرمایا ہے کہ آخری شریعت کا مادہ فطرت انسانی کے عین مطابق بنایا گیا ہے۔ یا بالفاظ دیگر قامت انسانی کے لئے ایسا جامہ عطا کر دیا گیا جو ہر طرح لائق و مناسب نیز پائیدار ہے۔ تو پھر اس میں کٹھن پونٹ یا بیوند کاری اور تبدیلی فصول کا کام ہی قرار پائیگا (جس سے اللہ تعالیٰ جو حکیم و خیر بھی ہے۔ کی ذات پاک ہے) البتہ یہ ضرورت بہر حال تھی کہ وہ "جامہ" ربودگی و فرسودگی سے محفوظ اور صحیح و سالم رہے چنانچہ اس کی ذمہ داری بھی اسی عظیم و قدیر نے خود لے کر اعلان بھی ہمیشہ باقی رہنے والی اپنی کتاب میں فرمایا "وَإِنَّا لَنَحْفَظُوكَ" لیکن عالم اسباب میں جس طرح اسکی صفت ربوبیت و رزاقیت کبھی شفقت مادی کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی زمین سے روئیدگی کی صورت میں، اسی طرح اس نے اپنے خاص بندوں کو توفیق بخش کر دینِ قیم کی حفاظت کا سامان کیا، جس کی اطلاع اسی کے صادق و صدوق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف پیرایوں میں دی، مثلاً ایک موقع پر فرمایا بحمل هذا العلم من بخل خلف عدولہ، ینفون عنہ تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تآویل المجاہلین (مشکاۃ المصابیح ۳۶/۱۷ مطبوعہ اصح المطابع دہلی بحوالہ بیہقی) ایک اور ارشاد ہے لا تزال طائفة من امتی ظاہرین علی الحق لا یضرہم من خذلہم حقاً یا قی امر اللہ (صحیح مسلم ۱۱۱۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی) چنانچہ یہ عدول "اور" طائفہ منسورہ "ہر اس موقع پر کبھی سرکف اور کبھی دست بقلم میدان میں آیا جب بھی دین کامل کو تحریف یا اور کسی طرح کا خطرہ پیش

---

۱۔ شاہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں "وإذا كان كذلك وجب أن تكون مصادرة  
شریعتہ ما ہو بمنزلۃ المذہب للطبیعی" (حجتہ اللہ علیہ ۱۶ مطبوعہ ممبئی)



آیا اس پر اہت مسلمہ کی پوری تاریخ گواہ ہے، خواہ وہ خطرہ صدر اول میں سیلہ کذاب کی شکل میں آیا ہو یا چودھویں صدی کے سیلہ پنجاب کی صورت میں۔

اس وقت وقت کی قلت کی بنا پر پوری تاریخ تو کیا اس کا مختصر ترین حصہ بھی بیان نہیں کیا جاسکتا، البتہ آخر الذکر فتنہ کے ظہور کے بعد سے اس موید و منصور جانت کے چند افراد کی مساعی جیلہ کا تذکرہ کر کے سعادت دارین کا سامان اپنے لئے فراہم کرنا مقصود اصلی ہے (یہاں یہ بتانا بھی غیر ضروری ہی معلوم ہو رہا ہے کہ اس مختصر سے وقت میں چند افراد کے تمام کارناموں کا بھی مکمل جائزہ لینا مشکل بلکہ ناممکن ہے) راقم نے اپنے لئے جیسا کہ مقالہ کے عنوان سے ظاہر ہے "رو قادیانیت پر فضلاء دارالعلوم کی تصنیفی خدمات" عنوان اختیار کیا ہے، یہ عنوان بظاہر محدود و مختصر ہونے کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ اپنے اندر سمندر جیسی وسعت و پیمائی رکھتا ہے اور شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اس "دارالعلوم" کے تمام فضلاء کا نہیں، صرف اس کے ایک فاضل (اور گل سرسبد) علامہ کشمیری کی خدمات کا اگر تفصیلی تذکرہ کیا جائے تو مجھ جیسا بے بضاعت بھی آپ لوگوں کا یہ سارا وقت لے کر بھی غالباً آخر میں یہ کہنے پر مجبور ہوتا کہ "حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا"

زیر نظر مقالہ میں اگرچہ اصلاً "محدث جلیل علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کو موضوع بحث نہیں بنایا گیا ہے بلکہ ان کے تلامیذ کی قادیانیت کے بارے میں مساعی کا تذکرہ اصلاً مقصود ہے لیکن تین و تفاؤل کے طور پر مقالہ کی ابتدا علامہ کشمیری ہی کے بعض اہم علمی کارناموں سے کی گئی ہے، کہ اسی ایک چراغ سے ادوار میں بھی روشنی آئی ہے، ایک چراغ است.....

حاکم طور پر یہ بات واقف لوگوں کو معلوم ہی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ دفعۃً نہیں کیا بلکہ اس میں چالاک سے۔ ایک خاص ترتیب و تدبیر

محفوظ رکھی چنانچہ پہلے ولایت و مجددیت، نیز محدثیت و مجددیت کا دعویٰ کیا، جو پھر  
شعبہ مسیحیت کے مراحل سے گزرتا ہوا بالآخر کاہلی رسول و نبی۔ بلکہ افضل الرسل  
کے برابر ہونے کے انجام تک پہنچا اس ابتداء و ابتدا کے درمیان خاصا زمانی فاصلہ ہے  
جس کی تفصیل ایسا برنی (پروفیسر سلاح الدین محمد ایسا) صاحب کی لاہور  
کتاب "قادیانی مذہب" میں مدلل و مفصل طور پر بیان کر دی گئی ہے (قادیانیت کی  
پوری حقیقت جاننے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید بلکہ ضروری ہے) مرزا جی  
نے جیسے ہی اپنے دعوؤں کا سلسلہ شروع کیا، مومنانہ فراست رکھنے والوں نے ان کی  
تردید کا فرض کفایہ بھی ادا کرنا شروع کر دیا۔

مرزائی دعوؤں کے ابطال کے لئے اس بات کی بھی ضرورت محسوس کی گئی کہ  
مرزا اور ان کے اعوان و انصار کی طرف سے مخالفہ انگیز اور نام نہاد علمی انداز میں پیش  
کئے گئے اقوال سلف اور اٹھائے گئے شبہات کی ایسے مضبوط علمی انداز میں صحیح  
توجیہ ہو اور شبہات کا ازالہ کیا جائے کہ پھر کسی تخلص طالب حق کے لئے غلط فہمی میں  
مبتلا ہونا، اور مرزا کے بچھائے اور پھیلائے ہوئے جال میں پھنسنا ممکن نہ رہ جائے  
اس اہم کام کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت نے ایک ایسے شخص کا انتخاب  
کیا اور اسے توفیق بخشی جس سے زیادہ اہل اور موزوں اس خدمت کے لئے  
کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا تھا واللہ جنود السموات والارض، اذا اراد شیئاً  
ان یقول لہ، کون فی کون۔ یوں تو موصوف نے اپنے بے پایاں مطالعہ اور قابل  
رشتک ذہانت کے ذریعہ بہت سے مشکلات رفع فرمائے اور مرزائی مخالفوں کا  
پردہ چاک کیا، کہ ان سب کا ذکر کسی مقالہ کا نہیں، کتاب کا موضوع ہی ہو سکتا ہے  
لیکن بعض اشکال ایسے بھی رفع کئے جو اکابر سلف کے اقوال سے پیدا ہونے کی  
بنیاد پر اچھے اچھے اہل علم کے لئے بھی موجب پریشانی اور باعث تشویش بن رہے تھے



اور عین کی موجودگی میں مرزا اور مرزائیوں پر کفر کا فتویٰ لگانا مشکل ہو رہا تھا، مثلاً  
 امام ابو حنیفہ سے نقل کیا گیا، ان ہی کی طرف منسوب کتاب "فقہ اکبر" کی شرح علامہ علی قاری  
 میں، یہ قول کہ امام فرماتے تھے لا تکفرا حد من اهل القبلة .... یا اسی شرح  
 میں، شرح مواقف کے حوالہ سے ذکر شدہ یہ تصریح ان جملہ اور المتکلمین  
 والفقہاء علی انه لا یکفر حد من اهل القبلة .... (شرح فقہ اکبر علامہ علی قاری رحمہ اللہ)  
 اس طرح کی بکثرت عبارتیں عقائد و کلام کی دیگر کتابوں میں بھی بعضوں کا بر  
 علماء کی طرف منسوب ملتی ہیں، مثلاً امام غزالی کی شہرہ آفاق کتاب "فیصل  
 التفرقة بین الاسلام والزندقة" میں ہے۔ (ما الوصیة فان تکف لساظہ عن  
 اهل القبلة ما امکنک ما داموا قائلین لا اله الا الله محمد رسول الله غیر  
 مناقضین لها والنا قضة تجویزہم اکتب علی رسول الله صلی الله علیہ  
 وسلم بعد راد بغیر عذر فان التکفیر فیہ خطر والسکوت لا یخطف فیہ  
 (فیصل التفرقة ص ۵۷)

امام ابو حنیفہ کی طرف یہ قول بھی منسوب کیا گیا ہے کہ "اگر کسی شخص کے قول میں  
 ۹۹ احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال اسلام کا، تو اسکے کافر ہونے کا فتویٰ  
 نہیں دیا جائیگا (مقدمہ اکفار الملحدین ص ۷۷) مقدمہ از مولانا محمد یوسف بنوری  
 مصنف علامہ کشمیری)

یہ اور اس جیسی دیگر عبارتوں، اور مسلمات کے درجہ میں پیش کئے جانے  
 والے اقوال کی بنا پر عام اہل علم مدتوں غلام احمد قادیانی اور ان کے متبعین  
 کے بارے میں محتاط رویہ اپنائے رہے، جس سے یہ فرقہ ناجائز ظنہ اٹھا کر  
 بھولے بھالے مسلمانوں کو دام فریب میں گرفتار کرنے بلکہ بہتوں سے مرزائی  
 نبوت کا اعتراف کرا لینے میں کامیاب ہوتا رہا، اس لئے شدید ضرورت اس بات



کی تھی کہ ایسی کوئی شخصیت میدان میں آئے جس کی نہ علمی ہمتی میں کوئی شبہ ہو نہ تقویٰ و دیانت میں، جو اس موضوع پر ایسے انداز میں علمی بحث و گفتگو اور مواد فراہم کرے جس کے بعد پھر کسی جو یاے حق کے لئے عذر باقی نہ رہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و حکمت سے صحیح وقت پر ایسے ہی ... ایک عظیم شخص کو اس کام کی توفیق بخشی یعنی امام عصر، محدث جلیل، ماہر منقول و معقول حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری نے یہ خدمت بطریق احسن انجام دی کہ اپنے وسیع و عمیق مطالعہ ادبی نے نظیر حافظہ کی مدد سے اس موضوع پر اتنا مواد جمع کر دیا کہ جو مرزائی عمارت کی تمام دیواروں کو شکستہ و منہدم کرنے کیلئے بالکل کافی ہے اور بعد میں اس راہ پر چلنے والوں کے لئے مزید تحقیق کی حاجت نہ چھوڑی۔

حضرت علامہ موصوف نے اس سلسلے میں متعدد کتابیں خالص علمی انداز پر لکھیں جن میں ”اکفار الملحدین“ کا تو گویا خاص موضوع ہی ”مذکورہ بالا قسم کے اقوال اور کلامی عبارتوں سے پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ہے“ مثلاً امام ابو حنیفہ کی طرف فسوب مذکورہ بالا قول ”لأنکفر احدا من اهل القبلة“ کے بارے میں متعدد معتبر کتابوں کے حوالوں کے ذکر کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ”و سیاقها عن ابی حنیفۃ“ ”ولأنکفر اهل القبلة بذنب“ فقید بالذنب وھی فی رد المعتزلة والخوارج لا غیر اذ صورة العبارة تعریض لمن یکفر اهل القبلة بغیر ما یوجب الکفر و هو الذنب واما کلمات الکفر فان لم یکفر بها فلیقل انها لیست بکلمات کفر و هو سفسطی“ پھر اس کے بعد شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کی کتاب ”الایمان“ سے اپنی تائید میں یہ عبارت پیش فرمائی: ”نحن اذا قلنا اهل السنة متفقون علی انه لا یکفر بالذنب ظاهراً نزید به المعاصی كالزنا والشرب“ پھر فرمایا: ”واوضحه القوفی فی شرح“

العقيدة الطحاویة: انما لا نکفر هو بذنب كما يفعل الخوارج، قال القنوی  
وفی قوله: بذنب "اشارۃ الی تکفیر بفساد اعتقاد، کفساد اعتقاد المجهدة  
والمشبهة ونحوه لان ذلك لا یسمی ذنباً: (اکفار المحدثین ص ۲۳)

امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب ایک قول (۹۹ احتمال کفر کے ہوں اور ایک سلام کا  
تو اسے کافر نہیں کہا جائیگا) کے ذریعہ پھیلائی جانے والی غلط فہمی کے ازار کی غرض سے  
ہی غالباً حسب ذیل افادات "تنبیہ" کے عنوان سے قلم بند فرماتے ہیں۔

اتفقوا فی بعض الافعال علی انها کفر مع انه یمکن فیہا ان ینسلخ من

التصدیق لانہا افعال الجوارح لا القلب، وذلك کالھزل بلفظ کفر وان

یعتقدہ، وکالسجود لصنم، وکقتل نبی والا ستحقافات بہ..... واختلفوا

فی وجہہ الکفر بہا بعد لا اتفاق علی التکفیر پھر اس تحقیق کی تائید و توجہ کیلئے

متعدد ممتاز علماء و فقہاء مثلاً امام ابو الحسن اشعری، علامہ ابن تیمیہ، علامہ قاسم المساری

کے حاشیہ نگار، اور علامہ شامی کی کتابوں اور اقوال سے حوالہ دینے کے بعد کہتے ہیں

وبالجملة ینکفر ببعض الافعال ایضاً اتفاقاً، وان لم ینسلخ من التصدیق

اللغوی القلبی، وقال القاضی ابوبکر الباقلانی کما فی الشفاء والمسایرة: فان

عصى بقول او فعل نصر الله تعالی ورسوله، او اجمع المسلمون انه لا یوحّد

الا من کافرة او یقوم دلیل علی ذلك، نقد کفر، وقال ابو الیقاض فی کلیاتہ: والکفر

قد یحصل بالقول ثلاثة وبالفعل اخري، والقول المرجب للکفر انکار الجمیع علیہ

فیہ فمن، ولا فرق بین ان یصدر عن اعتقاد او عناد او استہزاء او (ایضاً ص ۲۳)

اسی کے ساتھ شاہ صاحب نے ان امور کی تفصیل بہت شرح و بسط کے ساتھ

فرمائی جن کا نام عمار شریعت کی اصطلاح میں ضروریات دین ہے کہ ان میں سے ہر ایک

پر ایمان رکھنا ضروری ہے اور کسی ایک کا بھی انکار کفر کا موجب ہو جاتا ہے یہ بحث



خاصی طویل ہے، اختصاراً اسے یہاں پیش نہیں کیا جا رہا ہے

تاییدی مہارت کو ہمارا دینے کے لئے مشکین کے اس اصول سے بھی مرزائی ظلو  
اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ، "کسی نص کی تاویل یا تاویل سے انکار کی بنا پر  
کوئی شخص کافر نہیں ہو جاتا، علامہ موصوف نے اس اصول کی تشریح فرما کر بتلایا کہ  
وہ کوئی تاویل ہے جس سے معذور ٹھہرایا جاسکتا ہے یا نہیں، فرماتے ہیں والشافع  
لو بعدد قط، فی تاویل باطل، فقال، فی عبد اللہ بن حذافۃ امیر السریۃ من  
تحتہ بدخول النار۔ لو دخلوها ما خرجوا منها الی یوم القیمۃ، انما الطلحۃ  
فی معروف ..... وغیر ذلک من الوقائع ..... مساکن التاویل  
فیہا فی غیر محلہ، وعلى تعبیر الفقہاء، فی فصل غیر مجتہد فیہ (ای لو یکن  
التاویل فیہ قطعی البطلان، لکما یظهر من کلامہ بعد سطرین)

اس کے بعد علامہ نقی زانی کی مشہور کتاب "مقاصد الطالبین فی اصول الدین"

سے حسب ذیل عبارت شاہ صاحب نے بطور تائید نقل فرمائی الکافران اظهروا ایمان  
خص باسم المنانق وان ابطن عقائدہی کفر بالاتفاق فبالزندیق: پھر اس کی  
مزید توضیح ایسی طور کی کہ قال فی شرحہ قد ظہر ان الکافر .... وان کان مع لطوفہ  
بنبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واظهار شعار الاسلام و بطن عقائدہی  
کفر بالاتفاق خص باسم الزندیق ..... فالمراد بابطال بعض عقائد الکفر  
لیس هو الکفر من الناس بل المراد ان یعتقد بعض ما يخالف عقائد الانبياء  
مع اذعانہ ایاہ، وهو المراد بقولہم بطن الکفر ای یخلط، کما فی فتم البای  
وجکر المجموع من خیف المصنوع الکفر لا غیر: اکھار المحدثین ملتکا  
تاییداً ان دعوت کلام تنوین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مخالفانِ کفر  
اور پُر فریب تعلیقات ہیں جس کا غالباً سبب ہے ایمان، فریب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام



بر موت طاری کی جا چکی ہے، اس لئے اب ان کا دوبارہ دنیا میں واپس آنا ممکن نہیں، اور اپنے اس مغالطہ میں وزن پیدا کرتے کے لئے یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی دوبارہ آمد کے عقیدہ سے ختم نبوت کے عقیدہ پر زبرد پڑتی ہے حالانکہ خود مراحۃ نبوت کا دعویٰ کر کے ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں، یہ دلائل درست دزدے کہ بکف چراغ دارد "اس قسم کی فریب دہی کے ذریعہ دراصل وہ - بزعم خویش - یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ احادیث نبویہ میں مسیح کی آمد کی پیشین گوئیاں کی گئی ہیں اسکا مصداق وہ خود - مرزا جی - ہیں (الحیاذ بالشرا) نہ کہ مشہور اسرائیلی پیغمبر (چنانچہ قادیانی است) ان مرزا جی کو ہی مسیح موعود کہتے ہیں (مرزائیوں کا یہ دعویٰ اگرچہ اس درجہ لغو و باطل ہے کہ اس کی تردید تو کیا تذکرہ بھی ضرورت نہ ہونی چاہئے تھی، لیکن اسے زمانہ کی ستم ظریفی کہتے - یا - بقول ایک مفکر - انتشار فکر و خیال کے اس دور کی کمزوری کا نام دیتے کہ ایسا لغو بلکہ یہودہ دعویٰ نہ صرف قابل غور ٹھہرا بلکہ بہت سے ضعیف العقول لوگ اس کا شکار ہو گئے۔

اس لئے یہ بھی بہت ضروری تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھ لئے جانے اور دوبارہ دنیا میں واپس آنے سے متعلق جو احادیث صحیحہ اور قرآنی آیات سے حقائق ثابت ہوتے ہیں وہ سامنے لائے جائیں تاکہ پھر کسی طالب حق کے لئے فریب خوردگی کا امکان نہ رہے، اس غرض سے شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ایک طرف خود عقیدۃ الاسلام، دتھیۃ الاسلام کے نام سے گراں قدر علمی مواد اور کثیر الجہات نیز پر مغز مباحث پر مشتمل ایک قیمتی کتاب تصنیف فرمائی، دوسری طرف اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رجواسی دہلوی علیہ السلام کے ایسے نادر فرزند ہیں، جنہوں نے اپنی راہنمائی و نگرانی میں - المختصر باقواتر فی نزول المسیح - نامی کتاب مرتب کرائی جس میں تقریباً ستر حدیثیں ہیں جس میں چالیس سے زیادہ حدیثیں

کے درجہ کی ہیں، مختلف معتبر، متداول و غیر متداول ماخذ سے جمع کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول یعنی دنیا میں قیامت کے قریب دوبارہ تشریف لانے کا مسئلہ احادیث متواترہ سے ماخوذ اور اجماعی ہے، جس پر ہر دور کے اہل سنت سے ملکر آج تک متفق رہے ہیں۔ مزید یہ کہ قادیانی امت نے اپنی عادت کے موافق جن حضرات (علمائے سلف) پر یہ افتراء کیا کہ وہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مرتائوں جیسا عقیدہ رکھتے تھے (کہ ان کی موت ہو چکی ہے لہذا دوبارہ آمد کا گویا امکان نہیں) موصوف نے اس غلط بیانی کا پردہ چاک کر کے مدلل طریقے اور مکمل حوالوں کے ساتھ واضح کیا کہ وہ حضرات بھی دیگر علمائے اہل سنت کی طرح ان کی دوبارہ آمد کے قائل تھے، اس بارے میں ان کی تصریحات - معتبر ماخذ کے حوالوں سے - نقل کی ہیں جس سے ان حضرات کے دامن کا اس الزام سے پاک و صاف ہونا منقطع ہو کر سامنے آ جاتا ہے، یہ کتابیں دراصل اہل علم کے استفادہ کی غرض سے لکھی گئی ہیں (اسی وجہ سے عربی زبان میں ہیں) اور ان کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ بھی اہل علم ہی کر سکتے ہیں۔

ان کے علاوہ شاہ صاحب قدس سرہ کی ایک کتاب فارسی زبان میں بھی - خاتم النبیین ہے جو دراصل انھوں نے اپنے اہل وطن کشمیریوں، اور بلوچستان کے رہنے والوں کے واسطے لکھی ہے۔ کیوں کہ ان علاقوں میں فارسی بھی عام طور سے مقامی زبانوں کے علاوہ سمجھی جاتی ہے، جیسا کہ کتاب کے مقدمہ نگار علامہ کے شاگرد مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی مرحوم نے تصریح کی ہے، اس میں مصنف کے بیان کے مطابق قرآن مجید کی سورۃ احزاب کی آیت خاتم النبیین کی صحیح تفسیر و تشریح اعلیٰ درجہ پر اور اقوال صحابہ و تابعین نیز جمہور امت کی آراء کی روشنی میں کی گئی ہے کہ اس سے مرزائیوں کی غلط قوصیات اور باطل تاویلات کا پردہ چاک ہو جاتا ہے مرزائیوں نے مذکورہ آیت کی ایسی ایسی رکیک اور مضحکہ خیز تاویلات کی ہیں کہ سن کر ان کے علم و فہم



نیز ان کی عقل و خرد پر بے ساختہ ہنسی اچاتی ہے، رسالہ کا تعارف کراتے ہوئے خود مصنف علیہ الرحمہ نے لکھا، ایں مقالہ رسالہ ایست در ختم نبوت، تفسیر آیت کریمہ "خاتم النبیین" کہ در رد الحاد و زندقہ و کفر و ارتداد و قادیانی علیہ اعلیہ صورت تحریر بست " (مقدمہ خاتم النبیین)

علامہ کشمیری کے بعض تلامیذ کی مساعی | حضرت شاہ صاحب کے نزدیک اس فتنہ زد قادیانیت کی کس

قدر اہمیت تھی اس کا اندازہ کرنے کے لئے تنہا یہ بات کافی ہے کہ موصوف نے اپنے ذوق و مزاج کے خلاف، اور دیگر کثیر علمی مشاغل میں اشتغال اور قلت فرصت کے باوجود نہ صرف یہ کہ خود گراں قدر علمی ذخیرہ جمع کر کے اس فتنہ کے قلع قمع کرنے کی فکر کی، بلکہ اپنے متعدد ممتاز تلامیذ کو بھی اس راہ پر لگایا چنانچہ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے نزول عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق احادیث جمع کرنے کا کام اپنی راہنمائی اور نگرانی میں انجام دلویا، جس کے نتیجہ میں "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" جیسی عظیم و نافع کتاب وجود میں آئی اس کتاب کو بعد میں محقق عصر و محدث روزگار شیخ عبد الفتاح ابو غرہ شاہی استاذ جامعہ الامام محمد بن سعود (ریاض) نے نہایت اہتمام سے شائع کر کے اس کے حسن معنوی و صوری میں غیر معمولی اضافہ کیا (فجزاہ اللہ خیر الجزاء)

اس کے علاوہ مفتی صاحب نے ایک کتاب سلیس اردو زبان میں "ختم النبوة" کے نام سے لکھی جو تین حصوں میں مکمل ہوئی، پہلے حصہ "ختم النبوة فی القرآن" میں نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ آیت "خاتم النبیین" کی عالمانہ تفسیر و تشریح ہے، کہ اسے چھٹنے کے بعد مرزائی باطل تو جیہات اور رکیک تاویلات کا تار پود بکھر کر رہ جاتا ہے موصوف نے اس حصہ میں پوری ایک سو آیتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم



پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو جانا ثابت کیا ہے۔

دوسرے حصہ میں مصنف کے بیان کے مطابق دو ٹو دس احادیث ختم نبوت کے اثبات میں حج کے پیش کی گئی ہیں، تیسرے اور آخری حصہ میں دوا کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ مسئلہ ختم نبوت ان مسائل میں سے ہے جن پر صحابہ تابعین، ائمہ مجتہدین اور جمہور امت کا اجماع و اتفاق رہا ہے، نیز یہ کہ ان چیزوں میں ہے جنہیں ضروریات دین کا درجہ حاصل ہے، اس بارے میں خود مصنف کے الفاظ یہ ہیں: "یہ مسئلہ امت اسلامیہ کے ان ضروریات میں سے ہے کہ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر آج تیرہ سو سال تک تمام امت اسلامیہ کے افراد کا قطعی اجماع و اتفاق رہا ہے، جس نے کسی مسلمان گھرانے میں پرورش پائی ہو وہ کبھی اس مسئلہ میں شبہ یا تاویل کے درپے نہیں ہو سکتا (ختم نبوت حصہ سوم ص ۱)۔"

علامہ کشمیریؒ ہی کے ایک دوسرے ممتاز شاگرد، جن کی سعی و توجہ سے علامہ کی بخاری شریف کی درسی تقریر "فیض الباری" کے نام سے عربی کا جامہ پہن کر اور زیور طبع سے آراستہ ہو کر زندہ و جاوید بن گئی، یعنی حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی ثم المدنیؒ کے بھی اس سلسلے میں گراں قدر نقوش ہیں، جن میں ان کا ایک رسالہ "آواز حق" جب منظر عام پر آیا تو اہل نظر نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا، چنانچہ پروفیسر صلاح الدین محمد الیاس برنی۔ جن کی تصنیف "قادیانی مذہب" اس موضوع پر سنگ میل کا درجہ رکھنے والی ایسی کتاب ہے جس سے قادیانیت پر کام کرنے والا کوئی شخص بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ نے اپنی اسی کتاب کی تمہید میں لکھا ہے: "قادیانی صاحبان کی یہ غیر معمولی یورش اور سرگرمیاں دیکھ کر بالآخر مسلمانوں میں بھی توجہ و حرکت پیدا ہوئی، تحقیق کا شوق پھیلا چنانچہ ختم نبوت کے مسئلہ پر مسلمانوں کی طرف سے بھی رسالے نکلنے شروع ہوئے، لیکن اس سلسلہ میں سب سے مدلل اور جامع رسالہ "آواز حق" نکلا، جو مولانا

بد عالم صاحب میرٹھی استاذ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا علمی کردار شہمہ ہے ..... اور  
حیدرآباد میں شائع ہوا۔ (قادیانی مذہب ص ۱)

اس کے علاوہ مولانا مرحوم نے اپنی گراں قدر بلکہ شاہکار تصنیف "تجلیات اللہ"  
کے حصہ سوم کے مستقل ایک باب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر  
تشریف لے جانے اور قیامت کے قریب پھر آسمان سے تشریف لانے پر احادیث  
نبویہ نیز دلائل عقلیہ سے استدلال کر کے اسے ثابت کیا ہے، مولانا نے مسئلہ نزول  
عیسیٰ علیہ السلام پر اس تفصیل کے ساتھ کلام قادیانی فتنہ کے ہی پیش نظر کیا ہے  
اور قادیانی تبلیغات کا اچھی طرح جائزہ لے کر برا فکندہ نقاب کیا ہے اسی لئے یہ  
باب کتابی شکل میں مصنف کے پیش لفظ کے ساتھ "نزول عیسیٰ علیہ السلام" کے  
نام سے پاکستان کے ایک ادارہ (ادارہ نشریات اسلام، رحیم یار خاں) نے علاحدہ  
شائع کر دیا ہے اس میں مولانا نے اپنے خاص محققانہ اسلوب میں بہت بصیرت  
افروز اور علمی طریقہ پر نزول مسیح کے بارے میں اہل سنت کے عقیدہ کا اثبات  
اور مرزائی دعوائے مسیحیت کا ابطال کیا ہے، موصوف نے بحث کا آغاز ہی ایک  
نسبتہ اچھوتے اور موثر انداز میں کیا ہے، فرماتے ہیں، "حضرت عیسیٰ علیہ السلام  
کارفع و نزول بے شک عالم کے عام دستور کے خلاف ہے۔" لیکن ذرا اس پر بھی  
توغور کیجئے کہ ان کی دلالت کیا عالم کے عام دستور کے موافق ہے؟ ان کا نزول عالم  
کے درمیانی واقعات میں سے نہیں بلکہ عالم کے تخریب کی علامات میں شمار ہے، اور  
"تخریب عالم" یعنی قیامت کی بڑی علامات میں سے ایک علامت بھی ایسی نہیں جو  
عالم کے عام دستور کے موافق ہو۔ (نزول عیسیٰ ص ۱)

اس بارے میں علامہ کشمیریؒ کے ایک اور شاگرد حضرت مولانا محمد منظور اعوانی  
مدظلہ کی قلمی کاوشوں کا ذکر نہ کرنا موصوف کے ساتھ ہی نہیں، موضوع کے ساتھ ہی



نا انصافی ہوگی، مولانا نعمانی کے قلم کی سادگی اور پرکاری عوام، بالخصوص بے پڑھے لکھے یا بہت کم پڑھے لکھے لوگوں کیلئے جس درجہ مفید اور موثر ہوتی ہے، اس کا مقابلہ نیردلوں میں اتر جانے والے ان کے انداز تحریر کا اثر عام لوگ جتنا لیتے ہیں اس کی برابری کم سے کم موجودہ فضلاء دارالعلوم میں شاید ہی کوئی کر سکے، مولانا محترم کے اپنے اسی خاص طرز میں مختصر مگر نہایت جامع اور موثر دُور سارے "قادیانیت پر غور کرنیکا سیدھا راستہ" اور "قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟" عام طور پر قادیانیت کے توڑ میں جتنے مفید، بلکہ ستم قادیانیت کے بارے میں عوام کے لئے جس درجہ اکیر ہیں، اس میں غالباً اس درجہ کی کسی اور کتاب کا نام لینا مشکل ہوگا البتہ دارالعلوم کے مستفیدین میں عالمی شہرت کے حامل مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی کتاب "قادیانیت" خصوصاً جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے مرزائیت کے زہر کا تریاق فراہم کرتی ہے، مولانا نے محرم نے اس گروہ کی نفسیاتی اور ان کی ذہنی سطح و مذاق کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے عصری اسلوب میں یہ کتاب لکھی ہے اور ایک خاص بات یہ تحریر فرمائی ہے۔ جس کے لئے بعض غیر مسلم ہندوستانیوں کے مضامین بطور حوالہ پیش کئے ہیں۔ کہ قادیانیوں کو "ہندو" قومیت کے علمبردار ذہین لوگوں کی تائید و حمایت بھی حاصل رہی ہے، کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ "قادیانی نبوت پر ایمان لانے والوں کا قبلہ ہندوستان ہوگا نہ کہ حجاز" اور اس تحویل قبلہ کے جو دور رس نتائج ہو سکتے ہیں وہ اہل نظر سے مخفی نہیں (دیکھئے قادیانیت ۱۵۱ء طبع لاہور ۱۳۸۶ھ)

مولانا علی میاں صاحب نے ایک دوسری کتاب "البیانی الخاتم" بھی لکھی ہے جس میں اس فتنہ کے بعض اور اہم پہلو بھی سامنے لائے گئے ہیں، مثلاً یہ کہ "ختم نبوت" کا عقیدہ جن ملتوں میں نہیں ہے (مثلاً عیسائیت) وہ اس درجہ



انتشار اور براگندگی کا شکار نہیں کہ ہر روز نت نئے پیغمبروں سے تنگ آکر وہ ان سب کی تکذیب ہی میں عافیت سمجھنے لگیں، اس پر مولانا نے ان طتوں کے بعض زمین لوگوں کی تصانیف شہادت میں پیش کیں (تفصیل کے لئے دیکھئے البنی الخاتم (عربی) از م ۵۵ تا ۶۲)

آخر میں "مسک الختام" کے طور پر دارالعلوم کے اس عظیم فرزند کے ذکر سے قلم کو عزت بخشنا اور مقالہ کا حسن اتمام مقصود ہے جس نے نہ صرف زبان و قلم سے اس فتنہ کا مقابلہ کیا بلکہ اس کی سرکوبی کے لئے سربکف میدان میں اتر پڑا کہ پھر جس کی قلندرانہ جسارت کی بنا پر ان فتنہ ساموں کا عرصہ حیات اسی زمین میں تنگ ہو گیا، جو سب سے زیادہ ان کے لئے فراخ، اور اپنے سینہ میں وسعت رکھتی تھی، میری مراد حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری علیہ الرحمہ سے ہے کہ جن کی مساعی جلیلہ اور تحریک "تحفظ ختم نبوت" رک جس کے آخری اور فیصلہ کن دور میں وہ قائم تھے، کی بدولت پہلے پاکستان میں، پھر اس کی اتباع میں عالم اسلام کے دیگر ملکوں میں قادیانیوں کو غیر مسلم اور کافر قرار دیا گیا۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا ذهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب۔

(حق)

محمد بہان الدین  
دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ۔

اِس والا ذکر کیا۔

حضرت مولانا سید احمد حسن محدث اردوئی

اور مرزا تاپانی

مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی اردوئی

حضرت مولانا سید احمد حسن محدث اردوئی (م ۱۳۳۰ھ) حضرت قاسم العلوم  
والمعارف کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور حضرت  
نانوتویؒ کے خلیفہ مجاز بھی تھے، تحریر و تقریر میں اپنے استاذ معظم سے بہت مشابہت  
رکھتے تھے اس لئے ان کو تصویر قاسم کہا جاتا تھا، حضرت مولانا نانوتویؒ ہی کے زلمے  
میں وہ کافی شہرت حاصل کر چکے تھے مدرسہ اسلامیہ خورجہ اور مدرسہ عبدالربّی  
میں مسند صدارت پر فائز رہے، بعدہ ۱۳۹۶ھ میں وہ حضرت نانوتویؒ کے ایما سے  
مکہ شاہی مراد آباد کے سب سے پہلے صدر المدرسین ہوئے ۱۳۰۳ھ میں مدرسہ

عہ حضرت شیخ الہندؒ حضرت محدث اردوئیؒ کا مثنیہ لکھا ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

گم ہوئی آج مدحِ سرت ہمارے ہاتھ سے :- حضرت قاسم ثانی دے گئے تھاپانی جو  
سید العلماء امام اہل عقل و اہل نقس :- پاک صورت پاک سیرت صاحب خلق بنکو  
جب شبیر قاسمی سے بھی ہوئے محروم ہم :- تم ہی بتلاؤ کہ پھر ہم کیا کریں اے دوستو  
لوگ کہتے ہیں کہ چلے علامہ احمد حسن :- اور میں کہتا ہوں وفات قاسمی، ہونہ ہو  
کامل و اکمل سبھی موجود ہیں پر اسکو کیا :- جو کہ مشتاق ادائے قاسم خیرات ہو  
اپنی اپنی جگہ پر قائم ہیں سب اہل کمال :- پر جگہ استاد کی خالی پڑی ہے دیکھ لو  
بادل پڑا اس آئی گان میں میرے صدا :- حک ہوئی تصویر قاسم صفحہ ہستی سے لو

شاہی سے مستعفی ہو کر مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کی داغ بیل ڈالی ،  
 دیکھتے ہی دیکھتے یہ مدرسہ بام عروج پر پہنچ گیا اور ملک و بیرون ملک سے جوق در جوق  
 تشنگان علوم اس دلمہ العلم میں آتے رہے۔ حضرت محدث امروہیؒ کی شخصیت اور  
 حضرت نانوتویؒ کی نسبت کی وجہ سے یہ مدرسہ بھی دیوبند اور سہارنپور کے مدارس  
 سے کسی طرح کم نہ تھا، حضرت محدث امروہیؒ کے شاگرد رشید، جو حضرت نانوتویؒ  
 اور حضرت گنگوہیؒ کے بھی شاگرد نیز حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ و مجاز  
 یعنی مفسر قرآن حضرت مولانا حافظ عبد الرحمن صدیقی محضی بیضاوی، حافظ عبد الغنی  
 صاحب پھلاؤدیؒ اور دیگر اکمال اساتذہ نے اس مدرسہ کو حضرت امروہیؒ کی

رفاقت میں چلایا، استاذ القراء حضرت قاری ضیاء الدین الزاہدی نے اس مدرسہ میں  
 درس تجوید دیا اور یہیں حدیث حدیث پڑھ کر سند فراغ حاصل کی، مولانا سید علی زینبی،  
 امروہی، بابائے طب حکیم فرید احمد عباسی، مولانا محمد امین الدین مترجم نفیسی جیسے سکڑوا  
 باکمال حضرات نے جو اپنے اپنے علاقوں میں صاحب درس و فتویٰ ہوئے اور تعلیم  
 و تبلیغ کا کام انجام دیا، اس چشمہ فیض سے سیرابی حاصل کی۔

پروفیسر عبدالعزیز مبین نے بھی اس مدرسہ میں کچھ عرصہ تعلیم پائی ہے، معقول  
 و منقول کی انتہائی تعلیم اس درسگاہ میں ہوتی تھی یہاں کے فارغ شدگان کی  
 ایک طویل فہرست ہے جس کو یہاں درج کرنا مقصود نہیں۔

حضرت امروہیؒ نے اپنے استاذ حضرت قاسم العلوم والمعارف کی طرح ہر فتنہ  
 کا مقابلہ کیا اور اپنی تحریر و تقریر سے باطل کو کھابہ کرنے نہ دیا، باطل کی سرکوبی کرنا ان  
 کا خاص نصب العین تھا، اس کام کو کہاں کہاں اور کس کس تدبیر سے انجام دیا  
 اس کی تفصیل بھی مد نظر نہیں، مجھ اس مقالہ میں صرف حضرت محدث امروہیؒ کی اس  
 جدوجہد کو ذکر کیا ہے جو انھوں نے میرزا قلی خان کے مقابلہ میں کی بد قسمتی سے اس



میں حکیم محمد حسن جو ایک اچھے خاندان کے فرد تھے مرزا قادیانی کے دام فریب میں آگئے اور قادیان سے ان کا وظیفہ مقرر ہو گیا، قادیانی مذہب کے واقفین پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ حکیم محمد حسن امروہی اور حکیم نور الدین بھیروی قادیانیوں کے یہاں نعوذ باللہ شیخین کا مرتبہ رکھتے ہیں اور ان کو رضی اللہ عنہ لکھا جاتا ہے مرزا کی جھوٹی نبوت کا دار و مدار انھیں دونوں کی دجل آئینہ تحقیق پر تھا، حکیم محمد حسن نے اپنے محلہ کے قریب رہنے والے چند اشخاص کو مرزا قادیانی کی طرف مائل کر دیا تھا حضرت مولانا امروہی اور ان کے ذی استعداد شاگردوں نے حکیم محمد حسن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور وہ اپنی باطل و بیجا کوشش میں امید کے مطابق کامیاب نہ ہو سکے ان لوگوں میں سے جو قادیانی کی طرف مائل ہو گئے تھے بعض لوگوں نے توبہ کر لی تھی حضرت محدث امروہی کو بڑا فکر تھا کہ ان کے وطن میں یہ فتنہ و بار کی طرح پھیلتا جا رہا ہے چنانچہ وہ اپنے ایک مکتوب گرامی میں جو مولانا حافظ عبد الغنی صاحب پھلاؤدی کے نام ہے اس فتنہ کا ذکر فرماتے ہیں۔

بندہ نحیف احقر الزمنا احمد حسن غفرلہ۔

خدمت برادر مکرم جامع کمالات عزیزم حافظ مولوی محمد عبد الغنی سلمہ اللہ تعالیٰ بعد سلام دعا نکلا ہے کہ ..... امروہہ میں اور خاص محلہ دربار رکلاں میں ایک مرض وبائی ہلک یہ پھیل رہا ہے کہ محمد حسن جو مرزا قادیانی کا خاص حواری ہے، اس نے حکیم آل محمد کو جو مولانا نانوتوی علیہ الرحمہ سے بیعت تھے مرزا کا مرید بنا چھوڑا اور سید بدر الحسن کو جس نے مدرسہ میں مجذبا کلام سے بھی

مولانا سید بدر الحسن امروہی حضرت امروہی کے تلامذہ میں سے تھے ان کی آمد مرزا محمد حسن کے پاس رہنے لگی اہل ان کی باتیں سن کر حیاتِ شیعہ علیہ السلام میں رہنے لگے (مخبر)

کچھ پڑھا رہے) مرزا کی طرف مائل کر دیا، ان دونوں کے بگڑنے سے محمد احسن کی بہن پڑی، بہن ترانیاں کرنی شروع کیں، طلبہ کے مقابلے سے یوں عقب گزاری (کی) احمد احسن میرے مقابلہ پر آوے، میں جب مناظرہ پر آمادہ ہوا اور یہ پیغام دیا کہ حضرت! مرزا کو بلائیے صرف راہ میرے ذمہ دیا، مجھ کو لے چلئے میں خود اپنے صرف کا متکفل رہوں گا، بسم اللہ آپ اور مرزا دونوں مل کر مجھ سے مناظرہ کر لیجئے یا میرے طلبہ سے مناظرہ کیجئے ان کی مغلوبی میری مغلوبی، تب مناظرہ کا دعویٰ چھوڑ، مباہلہ کا ارادہ کیا، بنام خدا میں اس پر آمادہ ہوا اور بے تکلف کہلا بھیجا، بسم اللہ مرزا آوے، مباہلہ مناظرہ جو شوق دہ اختیار کرے میں موجود ہوں (میں نے) اسکے بعد جامع مسجد (امروہر میں) ایک وعظ کیا اور اس پیغام کا بھی اعلان کر دیا اور مرزا کے خیالات فاسدہ کا پورا رد کیا۔

کل بروز جمعہ دوسرا وعظ ہوا جو بفضلہ تعالیٰ بہت پر زور تھا اور بہت دور کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ان کو شک و تردد ہو گیا، بہت سے علماء نے ہر چندان کو سمجھایا لیکن ان میں باطل کا اثر ہو گیا تھا اس لئے کسی کی نہ سنتے تھے اور اٹھا مناظرہ کرتے تھے، حضرت محدث امروہی کو اس کی اطلاع ہو چکی تھی ایک دن ان کو حضرت کے پاس لایا گیا ڈوہ خود بخود آئے۔ حضرت نے ان کو دیکھ کر حرا یا، مولوی بدر الحسن، حقیقت میں تم ہمارے طبیب روحانی ہو، ہمیں غرور ہو چلا تھا کہ ہمارا شاگرد اور ہمارے پاس بیٹھنے والا باطل میں گرفتار نہیں ہو سکتا، اب معلوم ہوا کہ یہ بات غلط ہے تم نے ہمارا غرور توڑ دیا، نہ معلوم کہ کس جذبہ سے یہ الفاظ فرمائے تھے کہ مولوی بدر الحسن زار زار رونے لگے اور قدموں پر لوٹے لوٹے پھرے اور اپنے فاسد عقیدہ سے توبہ کی یہی بدر الحسن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مجلس مناظرہ راجپور میں موجود تھے۔

ساتھ یہ پکار دیا کہ دیکھو مولوی فضل حق کا یہ اشتہار مطلوبہ (اور) میرا یہ اعلان  
مرزا صاحب کو کوئی صاحب لوجہ اللہ غیرت دلائیں، گنہگار تک خلوت خانہ میں  
چوڑیاں پہنے بیٹھے رہو گے؟ میدان میں آؤ اور اللہ برتری کی قدرت کاملہ کا تماشا  
دیکھو کہ ابھی تک خدا کے کیسے کیسے بندے تم سے دجال امت کی سرکوبی کے  
واسطے موجود ہیں۔ اگر تم کو اور تمہارے حواریں کو غیرت ہے تو آؤ ورنہ اپنے  
پھوات سے باز آؤ۔ بھگتہ تعالیٰ ان دونوں وعظوں کا اثر شہر میں امید سے  
زیادہ بڑا اور دشمن مرعوب ہوا۔

پیش گوئی تو یہ ہے کہ نہ مباہلہ ہو، نہ مناظرہ مگر دعائے ہر وقت یاد رکھنا مولانا  
گنگوہی مدظلہ (اور) مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی نے بہت کلمات اطمینانی  
تحریر فرمائے ہیں، ارادہ دے، دوچار وعظ اور کہوں۔

(۲۰ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ مطابق یکم مارچ ۱۹۰۲ء از امر وہما)

خود حضرت محدث امر وہیؒ نے مرزا کو براہ راست بھی ایک مکتوب گرامی تحریر  
فرمایا جو تادیبانیوں کی روئداد مباحثہ راہپور میں درج ہے۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں  
”بسم اللہ آپ تشریف لائیے، میں آپ کا مخالف ہوں آپ مسیح موعود  
نہیں اور نہ ہو سکتے ہیں آپ اپنے کو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، میں  
بنام خدا مستعد ہوں، خواہ مناظرہ کیجئے یا مباہلہ آپ اپنے اس دعویٰ کا احادیث  
معتبرہ سے ثبوت دیکھیں انشاء اللہ تعالیٰ اس دعویٰ کی قرآن و احادیث  
صحیحہ سے تردید کروں گا۔ والسلام علی من اتبع الهدی

راقم خادم الطلبة احقر از من احمد حسن غفرلہ

مدرس مدرسہ عربیہ اردو بہرہ

(ستہ ضروری مباحثہ راہپوری ص ۷۵)

(حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں)



ان تمام کوششوں کا ذکر مرزائے قادیان کے سامنے بھی ان کی جماعت کی طرف سے بذریعہ خط یا براہ راست کیا جاتا ہوگا، مرزا کو جہاں دیگر علماء حق سے عناد تھا حضرت امروہیؒ سے بھی دلی بغض ہو گیا اور ایک رسالہ دافع البلاء لکھا جس میں ایک بڑی لمبی چوڑی تمہید کے بعد حضرت امروہیؒ کو مخاطب کیا ہے، مخاطبت میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرزا کو حضرتؒ کی ذات سے اپنے لئے بڑا خطرہ لاحق ہو گیا تھا، دافع البلاء سے مرزا کی تحریر کے چند جملے یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) حضرت محدث امروہیؒ کی ایک تحریر مجھے ملی ہے جو عربی زبان میں ہے اور جس کو میں رسالہ دارالعلوم دیوبند بابت شعبان ۱۳۷۳ھ میں سلسلہ سوانح حضرت محدث امروہیؒ شائع کرا چکا ہوں اس کا ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسیح ابن مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمانی کی طرف اٹھایا اور انکو قتل و صلیب سے بچا لیا وہ قرب قیامت میں خروج دجال کے بعد جامع دمشق کے منارہ شرقی سے اتریں گے اور دو زرد چادروں میں لپٹے ہوں گے اور دو فرشتوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے ان کے سر سے پانی ٹپک رہا ہوگا، گویا وہ ابھی غسل کر کے غسل خانہ سے برآمد ہوئے ہیں وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے، جزیہ موقوف کر دیں گے دجال اکبر ان کے ہاتھ سے قتل ہوگا ان کے سانس سے کافر مرجائے گا، جہاں تک ان کی نظر جائے گی باطل ختم ہو جائے گا، یہ باتیں حق ہیں اس میں باطل کو راہ نہیں۔

کتاب اللہ سے اور نبی صادق و مصدق صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے یہی ثابت ہے جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مسیح ابن مریم وفات پا گئے اور وہ خود بخود بالذات آئے گے

..... مولوی احمد حسن صاحب امر دہلی کو ہمارے مقابلہ کیلئے  
 خوب موقع مل گیا ہے ہم نے سنا ہے کہ وہ بھی دوسرے مولویوں کی طرح اپنے  
 مشرکانہ عقیدہ کی حمایت میں، تاکہ کسی طرح حضرت مسیح ابن مریم کو موت سے بچائیں  
 اور دوبارہ اتار کر خاتم الانبیاء بنادیں بڑی جا فکاپی سے کوشش کر رہے ہیں۔۔۔  
 اگر مولوی احمد حسن صاحب کسی طرح باز نہیں آتے تو اب وقت آ گیا ہے  
 کہ آسمانی فیصلہ سے ان کو پتہ لگ جائے یعنی اگر وہ درحقیقت مجھے جھوٹا سمجھتے  
 ہیں اور میرے الہامات کو ان کا افتراء خیال کرتے ہیں نہ خدا کا کلام تو سہل  
 طریق یہ ہے کہ جس طرح میں نے خدا تعالیٰ سے الہام پا کر انہ ادی القریۃ لولا  
 الاکلام لہلک المقام فانہ ادی الامر دھہ لکھ دیں مومنوں کی دعا تو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مسیح موعود ہے اس نے اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت کی  
 اور اس نے کتاب اللہ اور احادیث کی نصوص ظاہرہ سے اعراض کیا اور امر ثابت کی  
 مخالفت کی وہ ومن یشاقق الرسول آلایہ کا مصداق ہے، یہ مرزائی جھوٹ بولتے  
 ہیں، یہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے منکر ہیں، عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے قول کو باطل  
 کر دکھلائیگا اور حق کی فتح ہوگی، اللہ تعالیٰ بہترین کارساز ہے، اے مسلمانو! اور اے  
 کتاب اللہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائیو! تم اس گمراہ اور گمراہ کن  
 شخص سے بچتے رہو اور اسکے میل جول سے سخت پرہیز رکھو اس لئے کہ یہ اس  
 امت کا دجال ہے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ  
 قیامت قائم نہ ہوگی جب تک تیس جھوٹے دجال نہ آجائیں ان میں سے ہر ایک  
 یہ دعویٰ کرے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ حررہ خادم الطلبة احقر الزمین

احمد حسن احسینی الامروہی فخر لدولہ الدیہ و حسن الیہاد الیہ



خدا سنتا ہے وہ شخص کیسا مومن ہے کہ ایسے شخص کی دعا اس کے مقابلہ میں توسنی جاتی ہے جس کا نام اس نے دجال اور بے ایمان اور مفتری رکھا ہے مگر اس کی اپنی دعائیں نہیں سنی جاتیں۔ پس جس حالت میں میری دعا قبول کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں قادیان کو اس تباہی سے محفوظ رکھوں گا خصوصاً ایسی تباہی سے کہ لوگ کتوں کی طرح طاعون کی وجہ سے مرے یہاں تک کہ بھاگنے اور منتشر ہونے کی نوبت آوے۔ اسی طرح مولوی احمد حسن صاحب کو چاہئے کہ اپنے خدا سے جس طرح ہو سکے امر و نہی کی نسبت دعا قبول کرائیں کہ وہ طاعون سے پاک رہے گا اور اب تک یہ دعا قریب قیاس بھی ہے کیوں کہ ابھی تک امر و نہی طاعون سے دو سو کوس کے فاصلہ پر ہے لیکن قادیان سے طاعون چاروں طرف بفاصلہ دو کوس آگ لگا رہی ہے، یہ ایک ایسا صاف صاف مقابلہ ہے کہ اس میں لوگوں کی بھلائی بھی ہے اور نیز صدق اور کذب کی شناخت بھی کیونکہ اگر مولوی احمد حسن صاحب لعنت باری کا مقابلہ کر کے دنیا سے گذر گئے تو اس سے امر و نہی کو کیا فائدہ ہوگا، لیکن اگر انھوں نے اپنے فرضی مسیح کی خاطر دعا قبول کر کے خدا سے یہ بات منوالی کہ امر و نہی میں طاعون نہیں پڑے گی تو اس صورت میں نہ صرف ان کو فتح ہوگی بلکہ تمام امر و نہی پران کا ایسا احسان ہوگا کہ لوگ اس کا شکر نہیں کر سکیں گے اور مناسب ہے کہ ایسے مباہلہ کا مضمون اس اشتہار کے کے شائع ہونے سے پندرہ دن تک بذریعہ چھپے ہوئے اشتہار کے دنیا میں شائع کر دے جس کا یہ مضمون ہو کہ میں یہ اشتہار مرزا غلام احمد کے مقابل پر شائع کرتا ہوں جنھوں نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور میں جو مومن ہوں وہاں قبولیت پر آمین کہے یا اللہم پا کر یا خواب دیکھ کر یہ اشتہار دیتا ہوں

مرزا قادیانی کے یہاں طاعون مورت ہے



کہ امر وہ ضرور بالفرد طاعون کی دست برد سے محفوظ رہے گا، لیکن  
 قادیان میں تباہی پڑے گی کیونکہ مغتری کے رہنے کی جگہ ہے : اس اشتہار  
 سے غالب آئندہ جاڑے تک فیصلہ ہو جائیگا، دوسرے تیسرے جاڑے تک  
 ..... اول یہ کارروائی (طاعون) پنجاب میں شروع ہوئی لیکن امر وہ  
 بھی مسیح موعود کی محیط ہمت سے دور نہیں، اس لئے اس مسیح کا فزکس  
 دم ضرور امر وہہ تک بھی پہنچے گا یہی ہماری طرف سے دعویٰ ہے، مولوی  
 احمد حسن اس اشتہار کے شائع ہونے کے بعد جس کو وہ قسم کے ساتھ  
 شائع کرے گا امر وہہ کو طاعون سے بچا سکا اور کم سے کم تین جاڑے امن سے  
 گذر گئے تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں، پس اس سے بڑھ کر اور کیا فیصلہ  
 ہوگا اور میں بھی خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں مسیح موعود ہوں اور وہی  
 ہوں جس کا نبیوں نے وعدہ دیا ہے اور میری نسبت اور میرے زمانے کی نسبت  
 توریت اور انجیل اور قرآن شریف میں خبر موجود ہے کہ اس وقت آسمان پر  
 خسوف و کسوف ہوگا اور زمین پر طاعون پڑے گی، اور میرا یہی نشان ہے  
 کہ ہر ایک مخالف خواہ وہ امر وہہ میں رہتا ہو اور خواہ امرتسر میں خواہ دہلی  
 میں اور خواہ کلکتہ میں اور خواہ لاہور میں اور خواہ گواڑہ میں اور خواہ بٹالہ میں  
 اگر وہ قسم کھا کر کہے گا کہ اس کا فلاں مقام طاعون سے پاک رہے گا تو ضرور  
 وہ مقام طاعون میں گرفتار ہو جائیگا، کیونکہ اس نے خدائے تعالیٰ کے مقابل پر  
 گستاخی کی اور یہ امر کچھ مولوی احمد حسن صاحب تک محدود نہیں بلکہ اب  
 تو آسمان سے تمام مقابلہ کا وقت آگیا اور جس قدر لوگ مجھے جھٹا سمجھتے ہیں مجھے  
 شیخ محمد حسین بٹالوی جو مولوی کر کے مشہور ہیں اور پیر مہر علی شاہ گواڑہی  
 جس نے بہتوں کو خدا کی راہ سے روکا ہوا ہے اور عہد انجیل اور عہد انجیل

جو مولوی عبداللہ کی جماعت میں سے ملہم کہلاتے ہیں، اور غشی الہی بخش صاحب۔  
 اکاونٹ جنہوں نے مسیح مخالف الہام کا دعویٰ کر کے مولوی عبداللہ صاحب کو سید  
 بنادیا ہے اور اس قدر مرتجح جھوٹ سے نفرت نہیں کی اور ایسا ہی نذیر حسین دہلوی  
 جو ظالم طبع اور تکفیر کا بانی ہے ان سب کو چاہئے کہ ایسے موقع پر اپنے الہاموں اور اپنے  
 ایمان کی عزت رکھ لیں اور اپنے مقام کی نسبت اشتہار دے دیں کہ وہ طاہرون  
 سے بچا یا بھائیگا اس میں مخلوق کی سراسر بھلائی اور گورنمنٹ کی خیر خواہی ہے اور ان  
 لوگوں کی عظمت ثابت ہوگی اور دلی سمجھے جائیں گے ورنہ وہ اپنے کاؤبل درمختی  
 ہونے پر مہر لگا دیں گے اور ہم عنقریب انشاء اللہ اس بارے میں مفصل اشتہار  
 شائع کریں گے۔ والسلام علی من اتبع الهدی

(ماخوذ از دافع البلاء مہنامہ مطبوعہ ضیاء الاسلام قادیان مورخہ اپریل ۱۹۷۲ء)

## طاعون کی پیش گوئی کا انجام

قادیان میں طاعون کا آنا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے مرزا کی بہت سی  
 بیض گوئیوں کا الٹا اثر دکھانے کے بعد اس پیش گوئی پر بھی اپنے رسالے  
 الہامات مرزا میں بہت تفصیل سے لکھا ہے، میں اس موضوع پر ان کے کچھ مضامین میں چند  
 اقتباسات پیش کرتا ہوں، مولانا امرتسری فرماتے ہیں

”اس پیش گوئی پر تو مرزا جی نے اپنی صداقت کا بہت کچھ مدار رکھا ہے، رسالہ  
 دافع البلاء میں تو اس قدر زور ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں کو لگا جاتا ہے کہ کوئی ہے  
 کہ وہ بھی جلد ہی طبع اپنے اپنے شہر کی بابت کہے انہ او محال القویۃ۔ یہاں ر قادیان  
 میں، طاعون کیوں نہیں آتا؟ بلکہ جو کوئی بہرہ کا آدمی قادیان میں آجاتا ہے وہ بھی اچھا  
 بھاتا ہے۔ مگر خدا کی قسم کیا ہم کسی نے سچ کہا ہے۔“



حبیب بکر کو دیکھو وہ کیسا سراسر اٹھاتا ہے  
سکبر وہ بری شئی ہے کہ فوراً ٹوٹ جاتا ہے

چند روز تو مرزا جی نے بہت کوشش کی کہ قادیان کے طاعون کا اظہار نہ ہو مگر  
بکری کی ماں کب تک غیر منلے، اگر جب یہ امر ایسا مستحق ہو گیا کہ مرزا جی کو اپنی  
جان کے لئے پڑ گئے تو ایک اعلان خطی حرفوں میں جاری کیا جو درج ذیل ہے۔  
اعلان :- چونکہ آج کل مرض طاعون ہر جگہ بہت زور پر ہے اس لئے اگرچہ  
قادیان میں نسبتاً آرام ہے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ برعایت اسباب بڑا مجمع  
جمع ہونے سے پرہیز کیا جائے اس لئے یہ قومن مصلحت ہوا کہ دسمبر کی تعطیلوں میں  
جیسا کہ پہلے اکثر احباب قادیان میں جمع ہو جایا کرتے تھے اب کی دفعہ اس اجتماع  
کو بلحاظ مذکورہ بالا ضرورت کے موقوف رکھیں اور اپنی اپنی جگہ پر خدا سے دعا  
کرتے رہیں کہ وہ اس خطرناک ابتلاء سے ان کو اور ان کے اہل و عیال کو بچا دے  
راخبار التبدر قادیان ۱۹ دسمبر ۱۹۰۲ء

اشارہ کیسی دلی زبان سے قادیان میں طاعون ہونے کا اقرار ہے کس سوچ  
بچار سے لکھا گیا ہے کہ "نسبتاً آرام" ہے جس سے دام افتادوں کو بالکل آرام  
ہی معلوم ہو مگر دانا اس نسبت کے لفظ کی نسبت کو سمجھتے ہیں اور اس کی بنا پر  
کرنے کو سرکاری رپورٹیں پیش کرتے ہیں، چنانچہ قادیان کے اخبار التبدر دھوڑا  
جی کا ڈائری نوٹس ہے کہ نمبر ۱ صفحہ ۱ پر لکھا ہے کہ۔

رائے پرتاب سنگھ نے جو قادیان میں لوگوں کو ٹیکہ لگانے آئے تھے کہا کہ  
میں مرزا صاحب سے بھی کہتا مگر انھوں نے ڈھنگ بنایا ہوا ہے اس لئے میں  
سردست ان کی خدمت میں کچھ نہیں کہتا۔ میں یہاں نہ آتا مگر چونکہ سواتر رپورٹ  
پہنچ رہی ہے کہ یہاں (جو طاعون میں طاعون ہے) اس لئے آپ پر...



یہ سنکر جناب مرزا صاحب کس نازداد اسے بعد تسلیم وجود طاعون دہلی نہالوں سے  
تاریخ لکھتے ہیں۔

انہ اوی القویہ میں قریہ کا لفظ ہے قادیان کا نام نہیں اور قریہ قیرا سے  
نکلے جس کے معنی جمع ہونے اور اکٹھے بیٹھ کر کھانے کے ہیں وہ لوگ جو آپس  
میں مواصلت رکھتے ہیں، اس میں ہندو اور چوہڑے داخل نہیں۔  
(اخبار مذکور ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

حالانکہ رافع المبلار مطبوعہ ریاض ہند مشہور لکھتے ہیں: خدا نے سبقت کر کے  
قادیان کا نام لے دیا ہے۔ اب یہاں صاف ہی انکار ہے۔ خدا کی شان کہ  
ابھی کل ہی کا ذکر ہے کہ یوں لکھا جاتا تھا اور شور مچایا جاتا تھا کہ  
(تیسری بات جو اس وحی (معلق طاعون) سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے  
کہ خدا تعالیٰ بہر حال جب تک کہ طاعون دنیا میں رہے گوستہ برس تک رہے)  
قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھیں گا کیونکہ یہ اس کے رسول کا  
تخت گاہ رہے، اور یہ تمام امتوں کے لئے نشان ہے۔  
مولانا امرتسری اس عبارت کو درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

مگر آج یہ بات کھلی کہ قادیان کا نام ہی نہیں قادیان کے رہنے والوں سے ہم نے  
بگوش خود سنا کہ اگر مرزا یہ پیش گوئی کرتا تو قادیان میں کبھی طاعون نہ آتا،  
جب سے اس نے پیش گوئی کی ہے ہم نے اسی روز سے سمجھا تھا کہ ہماری خیر  
نہیں، خدا اس کی تکذیب کرنے کو قادیان میں ضرور ہی طاعون بھیجے گا، سو ایسا  
ہی ہوا۔

۱۱ اپریل ۱۹۰۵ء کے اخبار البدر قادیان میں مندرجہ ذیل ایک نوٹ  
ایڈیٹر کی طرف سے نکلا تھا (وہ یہ ہے)

قادیان آریہ سماج کے دوسرے سالانہ جلسہ پر جو کہ ۲۲-۲۳ اپریل کو ہوا، سنا گیا ہے کہ یوگینڈا پال صاحب نے بڑے دعوے سے یہ پیش گوئی کی تھی کہ ہم بذریعہ ٹھون کے قادیان کو (طاہون سے) پاک و صاف کریں گے۔ سو جلسہ کا ختم ہونا تھا کہ یوگینڈا پال تو کیا صاف کرتے خود طاہون نے صفائی شروع کر دی اخبار اہل حدیث امرتسر مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۰۴ء کے پرچہ میں معتبر شہادت کے حوالہ سے بتلایا گیا ہے کہ مارچ اپریل ۱۹۰۴ء کے دو مہینوں میں ۳۱۳ آدمی قادیان میں طاہون سے مرے ہیں حالانکہ کل آبادی ۲۸۰۰ کی ہے، سب لوگ ادھر ادھر بھاگ گئے تمام قصبہ ویران سنان نظر آتا ہے۔

مولانا شام اللہ امرتسری مرزا غلام احمد قادیانی کی مندرجہ ذیل عبارت حقیقت الوحی ص ۱ سے نقل فرماتے ہیں۔

”طاہون کے دنوں میں جب کہ قادیان میں طاہون زور پر تھا میرا رٹا کا۔ شریف احمد بیمار ہوا راخوذازاہامات مرزا مصنفہ مولانا شام اللہ امرتسری“

## منظرہ رام پور

رامپور میں منشی ذوالفقار علی قادیانی ہو گئے تھے (جو مولانا محمد علی جوہر کے بڑے بھائی تھے) اور ان کے چچا زاد بھائی حافظ احمد علی خان شوق رامپوری، جات حقہ کے ساتھ تھے دونوں ہی نواب رامپور کے خاص ملازم تھے، مولانا شام اللہ امرتسری کے قول کے مطابق ان دونوں میں بحث و مباحثہ ہوا کرتا تھا، نواب حامد علی خاں دالی ریاست رامپور نے اس بحث و مباحثہ کا حال معلوم کر کے کہا کہ دونوں فریق سرکاری خرچ پر اپنے اپنے علماء کو بلائیں، چنانچہ ہرجون مناظرہ کے لئے مقرر ہوئی، اہل حق کی طرف سے حضرت محدثہ امروہی شیخ الحدیث

مولانا محمود حسن دیوبندی، حضرت مولانا حافظ محمد احمد، حضرت مولانا تھانوی وغیرہم کو مدعو کیا گیا، ابوالوفاء مولانا شمارا شمارتسری نے مناظرہ کیا، فریق ثانی کی حمایت کے لئے حکیم محمد حسن امروہی، خواجہ کمال الدین وغیرہ ہمارا بیوروہ بنے تھے حضرت مولانا امروہی نے مولانا حافظ عبدغنی پھلادوی کو ایک مکتوب گرامی میں اس مناظرہ کے بارے میں یوں تحریر فرمایا تھا

..... امسال ایک مرتبہ دہرہ دون جانا ہوا اور پھر بھاگلپور، اب ریاست رامپور میں فیما بین اہل سنت و جماعت و گروہ قادیانی مناظرہ قرار پایا ہے، رئیس (نواب) کی خواہش ہے میری مشافہت میں مناظرہ ہو، قادیانیوں نے مولوی محمد حسن امروہی، مولوی سرور اور دوچار اور کو منتخب کیا ہے، ادھر سے اول میرا نام لیا گیا ہے اور مولوی محمد اشرف علی صاحب کا (اور) مولوی خلیل احمد، مولوی مرتضیٰ حسن چاندپوری کا، نیز پندرہ جون مقرب ہے۔ کل بطلب بندہ رجسٹری خط آیا کہ آپ بروز پنجشنبہ دس جون کو رام پور آجائیں امور ضروریہ آپ کے سامنے طے ہونے ہیں، غالباً جمعہ کے بعد روانہ ہوں، میں نے مولانا محمود حسن صاحب صاحبزادہ صاحب (مولانا حافظ محمد احمد) اور مولانا حبیب الرحمن صاحب کو لکھا ہے کہ (امروہی) جمعہ بڑھیں اور ایک ساتھ روانہ ہوں، غالباً سب حضرات تشریف لاویں آپ کو ضروریہ تکلیف دی جاتی ہے کہ دعا اور ہمت قلبی سے اعانت کریں۔

(۱۹ جمادی الاول ۱۳۲۷ھ بروز چہارشنبہ مطابق) ۹ جون ۱۹۰۹ء

اپنے دوسرے مکتوب گرامی میں اس مناظرہ میں جو نمایاں کامیابی ہوئی اس کو مولانا حافظ عبدغنی پھلادوی کے نام ایک مکتوب میں یوں ارقام فرماتے ہیں۔

پنجمہ خیف احقر الزمن احمد حسن غفرلہ — بخمدت جامع مکانات



برادر مکرم مولوی حاجی حافظ محمد عبدالغنی صاحب سلمہم

بعد سلام مسنون مکلف ہے۔

..... رامپور جانے کے بعد شنبہ کے روز مناظرہ شروع ہوا مسئلہ

وفات مسیح کا مولوی محمد احسن قادیانی .... مرزائی نے ثبوت پیش کیا

مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اہل اسلام کی طرف سے تحقیق والزامی وہ جوابات  
دندال شکن دیئے کہ ثناء اللہ مجلس میں ہر خاص و عام پر محمد احسن کی مغلوب اور

مولوی ثناء اللہ کا غلبہ واضح و ثابت ہو گیا، اسی روز رامپور میں عام شہرت ہو گئی

(کہ قادیانی پسپا ہوئے مگر وہ بے غیرت اگلے روز بھی آکر ڈیل ہوئے، محمد احسن کو

ناقابل مان کر خود ان کے گروہ نے دوسرا مناظرہ مقرر کیا وہ بھی کامیاب نہ ہو سکا،

تیسرے روز الزامی جوابات میں بہت ذلیل ہوئے، نواب صاحب نے فرمایا

یہ مسئلہ ختم ہوا اور حاضرین کو حق و ناحق معلوم ہو گیا، اب نبوت مرزا کا ثبوت دیکھئے

آبادہ نہ ہوئے اور ایک شب کی ہملت لی، شب میں یہ درخواست لکھی کہ حضور

(نواب صاحب) اہل اسلام کے حامی ہیں بمقابلہ حضور ہم کو مناظرہ کرنا منظور

نہیں، نیز مناظرہ اہل اسلام بد زبان ہے ہمارے مقتدا وسیلہ نجات (مرزا قادیانی)

کی بھاری گستاخی کرتا ہے، لہذا ہم کو مناظرہ کرنا کسی حال میں منظور نہیں، معاف

فرمائیے۔ یہ درخواست لکھ کر بعضے شب میں ہی روانہ ہوئے اور بعضے دن

میں راہی۔۔۔ واللہ شہد۔۔۔ (۲۸ جون ۱۹۰۹ء)

اب مناسب خیال کرتا ہوں کہ مناظرہ رامپور کی کچھ رویتداد ہفت روزہ

اخبار دبدبہ سکندری رامپور سے پیش کی جائے

دبدبہ سکندری کے دو پرچوں میں مناظرہ کا مختصر حال لکھا ہے مفصل طور پر

مناظرہ کی رپورٹ نہیں لکھی ہے۔ ایک پرچہ سے معلوم ہوا کہ حافظ احمد علی صاحب نے

مناظرہ کی مکمل رویتداد دبیر سکندری کو بھیجنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن وہ بعض موانع کی وجہ سے پوری کیفیت تحریر کر کے دبیر سکندری کو نہ بھیج سکے، ممکن ہے مولانا شہار احمد قسری نے اپنے رسالہ اہل حدیث میں مناظرہ کے تمام احوال و کوائف شائع کر دیئے ہوں، لیکن رامپور کی رضا لائبریری میں اخبار اہل حدیث کا کوئی قائل ۱۹۱۱ء سے پہلے کا نہیں ہے، حضرت محدث امروہیؒ کی ایک معرکہ الاماء تقریر بھی مناظرہ کے دوران یا اختتام پر نقاب کی موجودگی میں ہوئی تھی اس کا بھی حاضرین پر بہت اثر پڑا تھا، مولانا عبدالوہاب خاں رامپوری مرحوم نے مجھے فرمایا تھا کہ میں نے یہ تقریر سنی تھی، یہ مناظرہ قلعہ رامپور کے اندر ہوا تھا اور اندازہ ہوتا ہے کہ علاوہ خواص کے شہر کے اور بھی بہت سے تعلیم یافتہ اشخاص کو سماعت کا موقع ملا تھا، مناظرہ ۵ جون ۱۹۰۹ء کو شروع ہوا اخبار دبیر سکندری کے پرچوں میں اس کی جو رویتداد چھپی ہے اس کی تلخیص یہ ہے۔

اس ہفتہ میں کئی روز حضرات علماء اسلام اور جماعت احمدیہ قادیانی میں نہایت عمدہ مناظرہ ہوا، اس مناظرہ کے محرک و مجوز جناب حافظ احمد علی خاں صاحب حنفی نقشبندی مہتمم کارخانہ جات، ذات خاص حضور اور غشی ذوالفقار علی خان صاحب سپرنٹنڈنٹ محکمہ آبکاری ریاست رامپور ہیں۔

بہت سے حضرات علماء اسلام مناظرہ میں تشریف لائے ہیں، جن میں سے چند حضرات کے نام نامی یہ ہیں۔ (حضرت) مولانا احمد حسن امروہیؒ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، جناب مولانا محمد شہار احمد صاحب امرتسری، جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی، جناب مولانا محمد الدین صاحب امرتسری، جناب مولانا محمد برکات علی صاحب دہلی، جناب مولانا محمد علی صاحب دہلی، جناب مولانا محمد عاشق الدین صاحب میرٹھی



جناب مولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی، جناب حاجی محمد عبد الغفار صاحب سوداگر  
 دہلی، جناب مولوی حکیم قیام الدین صاحب جوپوری، جناب مولوی محمد حامد رضا خاں  
 صاحب حنفی قادری بریلوی، جناب ڈاکٹر محمد عبد الحکیم صاحب سسٹنٹ سرجن پیالہ،  
 حضرت مولانا سید محمد شاہ صاحب محدث رامپوری، جناب مولوی عبد الغفار خاں  
 صاحب حنفی نقشبندی رامپوری جناب مولوی محمد لطف اللہ صاحب مفتی ریاست  
 رامپور، جناب مولانا محمد فضل حق صاحب رامپوری مدرس اول مدرسہ عالیہ ریاست رامپور  
 جماعت قادیانی کی طرف سے یہ اشخاص آئے ہیں

مولوی محمد احسن صاحب مردہی، میاں سرور شاہ صاحب، منشی مبارک علی  
 صاحب، منشی قاسم علی صاحب، منشی محمد علی صاحب ایم، اے، خواجہ کمال الدین  
 صاحب وکیل لاہور، منشی یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم قادیان، حافظ روشن علی  
 صاحب، ڈاکٹر محمد یعقوب خاں لاہوری، شیخ رحمت اللہ سوداگر لاہور وغیرہ۔  
 ۱۵ جون ۱۹۰۹ء - حیات و مات مسیح علیہ السلام کی بحث علی، سب  
 سے پہلے جماعت قادیانی کی طرف سے محمد احسن امروہی نے ایک تحریری مضمون پڑھا  
 مولانا محمد ثناء اللہ صاحب امرتسری نے ان کے چاروں استدلالوں پر نقص قائم کر دیے  
 مولوی محمد احسن کے بیان کی بے ربطی کا خود قادیانی جماعت نے اقرار کیا اور اس امر  
 کو ان کی پیرائہ سالی کے سر منڈھا۔

۱۶ جون ۱۹۰۹ء - کو بعد معزولی محمد احسن منشی قاسم علی نے تحریری بیان  
 وفات مسیح علیہ السلام پر پڑھنا شروع کیا، بجائے اسکے کہ مولانا محمد ثناء اللہ صاحب کے  
 کل کے چار اعتراضات کا جواب دیا جاتا وہ ڈیڑھ گھنٹہ کی تقریر کے بعد صرف  
 ایک عرض کی جانب پلٹ کر آئے

۱۷ جون ۱۹۰۹ء - کو ناسازی طبع کی وجہ سے جناب صاحب طنز



میں نہیں آئے اور ان کی قائم مقامی چیف سکریٹری اور ریونیو سیکریٹری نے کی،  
(آج) قادیانی جماعت کے مناظر سے کہا گیا کہ وہ مولانا امرتسری کے اعتراضات کا  
جواب دیں مگر جماعت قادیانی کی جانب سے جواب دینے میں پہلو تہی کی گئی۔

۸ جون ۱۹۰۹ء — کو مناظرہ نہیں ہوا۔

۱۹ جون ۱۹۰۹ء — کو مناظرہ ہوا۔ آج بھی قادیانی مناظر و فاسد  
مسیح علیہ السلام کا کوئی ثبوت پیش نہ کر سکے۔ (اخبار دبیر سکندری ۲۱ جون ۱۹۰۹ء)  
۲۰ جون کو اہل اسلام نے کہا کہ قادیانی ثبوت و فاسد مسیح علیہ السلام دینے سے

گریز کرتے ہیں اور بار بار کے اصرار پر بھی عاجز ہیں کل سے حضرات علماء اہل اسلام  
ابطال نبوت مرزا پر گفتگو کریں گے، اس پر خواجہ کمال الدین نے مناظرہ سے جان  
بچانے کے ڈھنگ نکالے اور ہٹ دھرمی سے کام لینا چاہا، بہت رد و قدح کے  
بعد قادیانیوں سے کہا گیا کہ وفات حضرت مسیح علیہ السلام پر آپ کو جو کچھ کہنا ہو  
کہیں تاکہ مسئلہ تو ختم ہو چنانچہ منشی قاسم علی نے تحریری مضمون پڑھنا شروع  
کیا اور اہل اسلام کی طرف سے جو نقض ان پر وارد ہوئے تھے بعض کا جواب دیا،  
قادیانیوں کی تحریر کے ختم پر جناب مولانا شہار اللہ صاحب کھڑے ہوئے، اور  
تھوڑی دیر میں انھوں نے فریق مخالف کے تمام دلائل کو تار عنکبوت کی طرح  
توڑ دیا۔ اسی دن قادیانیوں نے یہ لکھا کہ ہم مناظرہ کرنا نہیں چاہتے الحق معاد لا یعلیٰ  
اللہ تعالیٰ نے دین حق کی نصرت فرمائی اور قادیانی خائب و خاسر ۳۰ جون  
کی شب اور ۳۱ جون کو یہاں سے چلے گئے جناب مولانا قیام الدین صاحب بخت  
جو پوری نے کیا خوب تاریخ کہی۔

رام پودائے مگر کھائی شکست  
لیکن این نسبت آہنا خطاست

قادیانی پئے احقاق حق  
اسوی کہتے ہیں پئے کودہ لوگ

## بخت نے لکھی یہ سچی تاریخ احمدیوں کو ہونی فاش شکست

(اخبار دبئیہ سکندری ۲۸ جون ۱۹۰۹ء)

اخبار دبئیہ سکندری ۲۲ جون ۱۹۰۹ء کو ایک تحریر فیصلہ حضرات علماء کرام اہل اسلام دربارہ مسئلہ حیات و ممات حضرت مسیح علیہ السلام کے عنوان سے چھپی ہے جس کے آخر میں علماء امر وہبہ، مراد آباد، راجپور، بسولی، دیوبند، بہار، پور، کانڈھلہ میرٹھ، دہلی، امرتسر، سیالکوٹ، جوینور کے علماء کے دستخط ہیں، ذیل میں فیصلہ کی تحریر اور دستخط کنندگان کے نام لکھے جاتے ہیں۔

### ۱۵ اور ۱۶ جون ۱۹۰۹ء کو مباحثہ

بموجودگی نواب صاحب راجپور یہ مباحثہ مجمع عام میں ہم لوگوں کے سامنے تواریخ مذکورہ میں ہوا، جماعت اہل اسلام کی طرف سے جناب مولانا مولوی ابوالوفاء محمد ثناء اللہ صاحب مولوی فاضل امرتسری مناظر مقرر ہوئے (پہلے دن جماعت قادیانی کے مولوی محمد احسن صاحب نے ایک تحریر پڑھی جس پر اعتراضات ہوئے) مگر دوسرے دوسرے روز جماعت قادیانی کی طرف سے منشی قاسم علی صاحب ملوی نے تحریر پڑھی وفات مسیح علیہ السلام کے متعلق جتنے دلائل قادیانی جماعت کی طرف سے پیش ہوئے اسلامی مناظر نے ایک ایک کا جواب بڑی خوبی سے دیا، نمایاں طور پر حیات مسیح علیہ السلام کو ثابت کر دیا، فخرانہ اللہ سائر المسلمین خیراً! اس بحث سے شکستہ خاطر ہو کر قادیانیوں کو دوسرے مسئلہ (نبوت مرزا قادیانی) پر بلو جو دروازہ بحث کرنے کی جرات نہ ہوئی لہذا وہ دوسرے مسئلہ پیش کئے بغیر خود بخود پھٹ گئے فلاح اللہ علی ذلک صدق اللہ العلیٰ العظیم جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا



(مولوی محمد عبد الغفار رامپوری (مولوی) محمد لطف اللہ ابن مفتی سعد اللہ رامپوری)  
 (مولوی) محمد اعجاز حسین وکیل رامپوری (مولوی) محمد فضل اللہ رامپوری (مولوی)  
 محمد بشیر احمد مدرس اول مدرسہ انوار العلوم رامپور (مولوی) محمد اسلم (مولوی) فضل حق  
 رامپوری مدرس اول مدرسہ عالیہ رامپور (مولوی) افتخار الحق رامپوری (مولوی)  
 محمد نبی رامپوری (مولوی) مرتضیٰ حسن چاند پوری مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند (مولوی)  
 ابراہیم سیالکوٹی (مولانا) محمود حسن مدرس اول مدرسہ اسلامیہ دیوبند (مولانا)  
 عبد الرحمن مدرس اول مدرسہ شاہی مراد آباد (مولوی) محمود حسن ہسوانی مدرس دوم  
 مدرسہ شاہی مراد آباد (مولانا) محمد شرف علی تھانوی (مولانا) احمد حسن امروہی  
 مدرس اول مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ (مولوی) محمد امین مدرس مدرسہ جامع مسجد امروہہ  
 (مولوی) رضا حسن مدرس مدرسہ امروہہ (مولوی) عبدالرؤف امروہی (ابن مولانا)  
 سید رانت علی (مولوی) محمد شفیق احمد امروہی (مولوی) محمد معظم حسین امروہی  
 (مولوی) محمد سلیم سکندر پوری مدرس مدرسہ عالیہ رامپور (مولوی) سید محمد شاہ (محدث)  
 رامپوری (مولوی) سید حامد شاہ رامپوری (مولوی) محمد منور علی (محدث) رامپوری  
 مدرس درجہ حدیث مدرسہ عالیہ رامپور (مولوی) محمد طیب عرب (مولوی) محمد قیام الدین  
 جونپوری (مولانا) محمد سہول بھاگلپوری مدرس مدرسہ اسلامیہ دیوبند (مولوی) محمد ابراہیم  
 دہلوی (مولوی) محمد قدرت اللہ مدرس مدرسہ شاہی مراد آباد (مولانا) خلیل احمد  
 (محدث) سہارنپوری مدرس اول مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (مولوی) محمد عاشق الہی  
 میرٹھی (مولوی) محمد یحییٰ مدرس دوم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (والد شیخ الحدیث)  
 (مولوی) محمد اسماعیل انصاری امروہی (مولوی) سید بدر الحسن امروہی (مولوی)  
 سزدار محمد امروہی (مولانا) محمد خلیل اللہ محدث مقیم رامپور (مولوی) احمد امین خان  
 دوم مدرسہ عالیہ رامپور (مولوی) احمد نور مدرس مدرسہ عالیہ رامپور (مولوی) غلام رحیل  
 معاشیہ الگہ صفر ہے



مدیر مدرسہ عالیہ رامپور (مولوی) صاحبزادہ محمد الطاف المعروف میا پنجائیاں رامپوری،  
 (مولوی) محترم اللہ خاں (مدرس مدرسہ عالیہ رامپور) (مولوی) محمد یوسف (مقیم رامپور)  
 غلام رحمانی مقیم رامپور، (مولوی) سید سجاد علی بسولوی مقیم رامپور (مولوی)  
 وزیر محمد خان مدرس مدرسہ عالیہ رامپور (مولوی) محمد فضل کریم مقیم رامپور (مولوی)  
 دیانت حسین مقیم رامپور (مولوی حافظ) عبدالغفار دہلوی (مولانا حافظ) —  
 نور الدین احمد دہلوی۔

نواب رامپور نے اس مناظرہ کا جو فیصلہ دیا ہے اس کو مولانا ثناء اللہ امرتسری  
 نے صحیفہ محبوبیہ اور الہامات مرزا کے آخر میں درج کیا ہے، ذیل میں اس کو بھی  
 نقل کیا جاتا ہے۔

”رامپور میں قادیانی صاحبوں سے مناظرہ کے وقت مولوی ابوالونار  
 محمد ثناء اللہ صاحب کی گفتگو ہم نے سنی۔ مولوی صاحب نہایت  
 فصیح البیان ہیں اور بڑی خوبی یہ ہے کہ برجستہ کلام کرتے ہیں۔  
 انھوں نے اپنی تقریر میں جس امر کی تمہید کی اسے بدلائل ثابت  
 کیا ہم ان کے بیان سے محفوظ و مسرور ہوئے۔“

(محمد حامد علی خان والی ریاست رامپور)

---

(جاثیہ صفحہ گذشتہ) دبدبہ سکندری میں بجائے محمود حسن کے محمد میاں لکھا گیا ہے، جو  
 غالباً نامہ نگار کدھم واقفیت کا نتیجہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# فتنہ قادیانیت (حصہ)

## حضرت مونگیریؒ کی خدمات جلیلہ

از:- امیر شریعت بہار و اڑیسہ حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی مدظلہ مونگیر

فرق باطلہ میں قادیانی فرقہ بڑی تیزی سے ابھرا، بڑھا، اور مسلمانوں میں پھیلتا چلا گیا، اس سے جاہل عوام اور ناخواندہ مسلمان ہی متاثر نہ ہوئے، تعلیم یافتہ بھی ان کے حلقہ بگوش ہوئے، قادیانی فرقہ نے جس زلزلے میں اپنی تحریک و دعوت کا آغاز کیا یہ وہ زمانہ تھا کہ متحدہ ہندوستان کے مسلمان مختلف گروہوں، ٹولیوں میں منقسم تھے، ہر فرقہ دوسرے فرقہ کی تردید میں سرگرم اور کمر بستہ تھا، مذہبی مناظروں اور مباحثوں کا بازار گرم تھا، جس کے نتیجے میں اکثر مار پیٹ، قتل و خون، اور عدالتی چارہ جویوں کی نوبت آئی، گویا سارے ہندوستان میں مذہبی خانہ جنگی قائم تھی اس صورت حال سے علماء کے وقار اور دین کے احترام کو بڑا نقصان پہنچا تھا، نیز سارے مسلمان اختلافی باتوں کے سننے پڑھنے اور سمجھنے کے عادی ہو چکے تھے ادا نہیں اس میں بڑا لطف آتا تھا۔ یہ تو دینی حالات کا ایک اجمالی خاکہ ہے جس میں اس وقت کے ہندوستانی مسلمان مبتلا تھے، سیاسی لحاظ سے مسلمان شکست خوردگی سے چور تھے، حکومت برطانیہ کے قدم ہندوستان میں جم چکے تھے اور شہزادہ میں آنا دی کی جدوجہد میں ناکامی کے بعد مسلمان تنگ دل و اورد

کم ہمت ہو چکے تھے۔ ان کے سامنے ماحول تاریک تھا اور راستے مسدود، مسلمانوں کے احساس شکست خوردگی سے فائدہ اٹھانے ہوئے مرزا غلام احمد قادیانی مذہبی لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کے درمیان آئے۔ ”براہین احمدیہ“ نامی کتاب پانچ جلدوں میں لکھ کر کافی نام پیدا کیا، شہرت بڑھی اور عوام سے لے کر خواص تک میں ان کا خاصہ تعارف ہوا جبکہ آنجنابی مرزا صاحب خود تحریک فہماتے ہیں یہ وہ زمانہ تھا جس میں مجھے کوئی نہیں جانتا تھا، نہ کوئی موافق تھا نہ کوئی مخالف کیونکہ میں اس زمانے میں کچھ بھی چیز نہ تھا اور ایک احمد من الناس اور زاویہ گمنامی میں پوشیدہ تھا، اس قصبہ قادیان کے لوگ اور دوسرے ہزار ہا لوگ جانتے ہیں کہ اس زلزلے میں درحقیقت میں اس مردے کی طرح تھا جو قبر میں صد ہا سال سے مدفون ہوا اور کوئی نہ جانتا ہو کہ یہ کس کی قبر ہے (تمہ حقیقۃ الوحی ص ۲۸۴)

۱۸۸۴ء میں مرزا صاحب نے ہشیار پور میں ایک آریہ سماج سے مناظرہ کیا اس مناظرہ کے متعلق ایک کتاب لکھی جس کا نام ”سرمۂ چشم آریہ“ ہے، اس کتاب سے مرزا صاحب کی شخصیت اور نمایاں ہوئی، مرزا صاحب نے محسوس کیا کہ ان میں اپنے ماحول کو متاثر کرنے اور ایک دینی تحریک کے چلانے کی اچھی صلاحیت ہے چنانچہ اس احساس نے ان کے ذہن میں ایک نئی تبدیلی پیدا کی، اور اب ان کا رخ عیسائیوں اور آریہ سماجیوں سے ہٹ کر خود مسلمانوں کی طرف ہوا۔

**تدریجی ارتقاء** | مرزا غلام احمد نے پہلے (۱۸۹۰ء تک) مجدد و مہدور ہونے کا دعویٰ کیا پھر بمشورہ حکیم نور الدین صاحب

میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، اور اپنے دعویٰ کی حمایت میں ”فتح اسلام“ نامی کتاب لکھی، اس کتاب کی بات ہے کہ قادیانی (ضلع گورداسپور، پنجاب) کا مسجد کے امام عبدالکریم صاحب نے جمعہ کے خطبہ میں آنجنابی مرزا صاحب کا نام لیا اور ان کے لئے



نبی اور رسول کے الفاظ استعمال کئے، خطبہ میں ان باتوں کو سنکر مولوی محمد اسحاق لڑی بیچ دتاب کھانے لگے، دوسرے جمعہ میں پھر مولوی عبدالکریم صاحب نے مرزا صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں آپ کو خدا کا رسول اور نبی مانتا ہوں، اگر میں غلطی پر ہوں تو میری اصلاح فرادیں، نماز کے بعد جب مرزا صاحب جانے لگے تو پھر مولوی عبدالکریم صاحب نے مخاطب کیا تو اس کے جواب میں مرزا نے کہا: "مولوی صاحب ہمارا بھی یہی مذہب اور دعویٰ ہے جو آپ نے بیان کیا، مولوی عبدالکریم اور مولوی محمد احسن صاحب میں اس موضوع پر باتیں تیز ہونے لگیں، مرزا صاحب گھر سے باہر آئے، اور ظالم نے یہ آیت پڑھی: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ** (القرآن) جس میں آواز ادنیٰ کرنے والوں کو ہدایت بھی ہے اور اپنے نبی ہونے کا دعویٰ بھی ہے۔ مرزا صاحب متعدد مراحل طے کرنے کے بعد نبوت تک پہنچے، اس دعوے کے بعد کوئی مسلمان خاموش ہو کر بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ مسلمان تو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری رسول ہیں اور آپ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور شریعت قیامت تک کے لئے برحفاظ سے کامل اور مکمل ہے نہ اس میں کمی کی ضرورت ہے اور نہ ہی زیادتی کی گنجائش ہے، اگر مرزا صاحب کی کتابوں کو پڑھا جائے اور ان کی عیاری کو مرتب کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آنجنابی مرزا صاحب ایک متوازی نبوت اور متوازی امت قائم کرنا چاہتے ہیں جو نبوت کی طرح حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے کم نہیں، اور جو اُمت کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے کم تر نہیں بلکہ فائق ہی ہے۔

اس دعویٰ کے بعد علمائے اسلام ایران کی بدیہیتی اور اسلام کے خلاف

ان کی حنازش کھل کر سامنے آئی چنانچہ مولوی عبدالحق صاحب غزنوی مقیم امرتسر مرزا کی مخالفت میں رابو سرگرم رہے اور اشتہادات کے ذریعہ مرزا صاحب کے فاسد خیالات کی دھجیاں بکھرتے رہے اور وہ مباہلہ کیلئے تیار ہوئے جسے مرزا صاحب نے منظور کیا، اس وقت جو اشتہارات شائع ہوئے اس کا مضمون یہ تھا

۔ اطلاع عام ہوائے اہل اسلام ۔

از مولوی صوفی عبدالحق غزنوی مباہل مرزا

اس میں کچھ شک نہیں کہ میں مرزا صاحب کے مباہلہ کا مدت سے پیاسا ہوں، اور تین برس سے اس سے یہی درخواست ہے کہ اپنی کفریات پر جو تو نے اپنی کتابوں میں شائع کئے ہیں مجھ سے مباہلہ کر۔ لہذا میں نے یہ خط مسطور الذیل بتاریخ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ ارسال کیا کہ ہم کو آپ سے مباہلہ بدل و جان منظور ہے مگر تاریخ تبدیل کر دو۔ مرزا صاحب نے اس کے جواب میں ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ میں خط لکھا کہ میں مباہلہ کیلئے تیار ہوں چنانچہ ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ کو امرتسر کی عید گاہ میں دونوں صاحبوں کا مباہلہ ہوا اور دونوں فریق امن و امن سے واپس آ گئے، لیکن مرزا صاحب اپنے مباہل مولوی عبدالحق غزنوی کی موجودگی میں ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء مطابق ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ کو فوت کر گئے اور الحمد للہ مولوی عبدالحق صاحب غزنوی مرزا صاحب کی وفات کے بعد بھی کئی برس زندہ رہے

## مولانا محمد نذیر حسین دہلوی کا مناظرہ :-

مولانا سید نذیر حسین صاحب کے شاگرد رشید مولوی محمد حسین دہلوی شروع ہی سے مرزا صاحب کی شدت سے مخالفت کر رہے تھے، مرزا صاحب نے خود ان کے استاد سے مناظرہ کرنا پسند کیا چنانچہ مرزا صاحب نے ایک اشتہار نکالا اور اس میں مناظرہ کی دعوت دی جس میں لکھا کہ مولوی نذیر حسین صاحب حضرت مسیح ابن مریم کو زندہ سمجھنے میں حذر



ہوں، اور قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے اس کی زندگی ثابت کر سکتے ہیں، اگر میرے ساتھ پابندی شرائط مندرجہ اشتہار ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء بالاتفاق بحث کر لیں۔ اگر انھوں نے قبول شرائط اشتہار ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء بحث کے لئے مستعدی ظاہر نہ کی اور پوچھ اور بے اصل بہانوں سے ٹال دیا تو سمجھا جائیگا کہ انھوں نے مسیح ابن مریم کی وفات کو قبول کر لیا، چنانچہ حضرت میاں صاحب نے مناظرہ کو قبول کیا، میاں صاحب کے مکالمہ مولوی بشیر احمد صاحب تھے، انھوں نے پہلے دن حیات مسیح پانچ دلائل حاضری مجلس کو سنائے اور پھر اس پر دستخط کر کے مرزا صاحب کو دیتے مرزا صاحب نے مجلس بحث میں جواب لکھنے سے عذر کیا، دوسرے دن بھی جواب نہ پیش کر سکے اور اس طرح مناظرہ سے شکست کھا کر واپس ہو گئے (حوالہ رسالہ الحق المریح ص ۱۷)

## مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری فاضل دیوبند

مرزا کی مخالفت پنجاب میں کھل کر مولانا ثناء اللہ صاحب کرتے رہتے تھے، اس لئے مرزا غلام احمد نے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کو قادیان آنے اور گفتگو کرنے کی دعوت دی، دعوت نامہ میں وہ لکھتے ہیں: مولوی ثناء اللہ اگر سچے ہیں تو قادیان میں اگر کسی پیشین گوئی کو جھوٹی تو ثابت کریں اور ہر ایک پیشین گوئی کے لئے ایک ایک سو روپے انعام دیا جائیگا، اور آمد و رفت کا کرایہ علیحدہ (راجاز احمدیہ ص ۱۷) اگے پھر وہ لکھتے ہیں، واضح رہے کہ مولوی ثناء اللہ کے ذریعہ سے فقیر تین نشانیاں سیکے ظاہر ہوں گی۔

۱۔ وہ قادیان میں تمام پیشین گوئیوں کی پڑتال کے لئے میرے پاس ہرگز نہیں آئیں گے اور سچی پیشین گوئیوں کی اپنے قلم سے تصدیق کرنا ان کے لئے موت ہوگی۔  
۲۔ اگر اس جتنے پردہ مستعمل ہے کہ کاذب، صادق سے پہلے مرقعائے تو مزدور



پہلے میں گئے اور سب سے پہلے اس اردو مضمون اور عربی قصیدہ کے مقابلہ سے عاجز رہ کر  
جلد تران کی روسیاہی ثابت ہو جائے گی (۳۵)

مولانا ثناء اللہ صاحب ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء کو قادیان پہنچے اور مرزا صاحب کو  
اطلاعی خط لکھا کہ خاک ر قادیان میں اس وقت حاضر ہے مگر مرزا صاحب ٹال مٹول  
کرتے رہے اور بیجا شرطیں لگاتے رہے اسلئے دونوں حضرات میں مباحثہ نہ ہو سکا۔

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مرزا صاحب سے تقریری مقابلہ بھی کیا اور  
تقریری بھی، مختلف کتابوں، رسائل اور اشتہامات کے ذریعہ ان کی کذب بیانی اور دروغ  
بانی اور افتراء بد دازی کی دھجیاں بکھیرتے رہے اور اپنے لطائف سے مرزا صاحب کو ذلیل  
و خوار کرتے رہے، بالآخر عاجز آکر مرزا صاحب مولانا ثناء اللہ صاحب کو یہ خط لکھتے ہیں کہ  
”اگر یہ دعویٰ سچ موجد ہونے کا محض میرے نفس کا افتراء ہے اور میں تیری نظر میں مفسد  
اور کذاب ہوں، اور دن رات افترا کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک! مجھ کو جزی  
سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر  
اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے (آمین) مگر اے میرے کامل  
اور صادق خدا! اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں  
عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی ان کو نابود کر، مگر انسانیت  
ہاتھوں سے بلکہ طاعون و ہیضہ وغیرہ امراض ہلکے سے۔“

اس کتاب میں تیری ہی تقدس اور رحمت کا دامن بکڑ کر تیری جناب میں ہتھی ہوں  
کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرا۔ اور جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور  
کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھالے، یا کسی اور نہایت سخت  
آتش میں جوت کے برابر ہو جھٹلا کر، اے میرے پیارے مالک! ایسا ہی کر۔  
(راجلہ بدزق قادیان مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۰۳ء)

پھر مرزا صاحب اعلان کرتے ہیں کہ یہ شمار اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے ۔  
(حوالہ : اخبار ۲۵ اپریل سنہ ۱۹۰۰ء کا لم ۷۲)

اللہ تعالیٰ نے مرزا صاحب کے کذب و افترا کو دنیا پر آشکارا فرمایا، اور مرزا عظام اللہ ۲۹ مئی سنہ ۱۹۰۸ء کو فوت کر گئے، اور مجدد اللہ مولانا ثناء اللہ صاحب ہر طرح صحت و عافیت سے بہت دن زندہ رہے۔

## حضرت مولانا محمد علی مونگیری اور فتنہ قادیانی

جب فتنہ قادیانی پنجاب سے نکل کر دوسری جگہوں پر پھیلا، تو علمائے حق بے چین ہو گئے، ان کا آرام حرام ہو گیا، اور ان کی راتوں کی نیند اڑ گئی، اسی گروہ کے سرخیل مجدد علم و عرفان حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری رحمہ اللہ بھی ہیں، جن کو اس فتنہ کا اتنا شدید احساس ہوا کہ تہجد کے وقت بھی فتنہ قادیانیت سے متعلق رسائل تصنیف کرتے کتابیں لکھتے اور اس کی اشاعت کا انتظام کرتے، حضرت مولانا مونگیری کے اضطراب کو اس خط میں دیکھا جاسکتا ہے ۔۔۔ قادیانی کی سعی اور کوشش اس قدر تھک اور مستطعم ہے کہ جس کو دیکھ کر ایک مسلمان کا دل لرز جاتا ہے کہ الہی یہ کیا طوفان کفر اور سیلاب ارتداد ہے اس کو روکنے کی کیا صورت ہو، ہندوستان میں کوئی جگہ نہیں جہاں ان کے لوگ تبلیغ نہ کرتے ہوں، اور ہندوستان کے علاوہ یورپ، انگلستان، جرمنی، امریکہ اور جاپان میں لڑے زوروں اور نہایت نظم سے اپنے مذہب کی اشاعت کر رہے ہیں، ان کے پاس کوئی بینک نہیں، کوئی ریاست نہیں، صرف ایک بات ہے کہ مرزا نے کہہ دیا ہے کہ ہر مرید حسب استطاعت اپنا مذہب کی اشاعت کیلئے کچھ دے، اور جو تین ماہ تک کچھ نہیں دیگا وہ بیعت سے خارج ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیت المال میں



لاکھوں روپے جمع ہو گئے، اور ان کا ہر مرید اپنی آمدنی کا کچھ اڑکم دسواں حصہ اور بعض تو تہائی اور چوتھائی حصہ قادیان بھیجتے رہتے، میں جس سے وہ خاطر خواہ اپنے مذہب کی اشاعت کر رہے ہیں (کمالات محمدیہ ص ۲۵)

حضرت مونگیریؒ نے یہ محسوس کیا کہ اگر پوری قوت کے ساتھ اس تحریک کا مقابلہ نہ کیا گیا تو اس سے بڑے افسوسناک نتائج ظاہر ہو سکتے ہیں، یہی وہ موڑ تھا جہاں حضرت مونگیریؒ اپنی ساری صلاحیتوں کے ساتھ میدان میں اتر آئے اور اپنا سارا وقت اور ساری قوت اس کے لئے وقف کر دی، اپنے تمام مریدین دستہ شدین رفقا اور اہل تعلق کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی تلقین کی اور صاف صاف کہا کہ جو اس معاملہ میں میرا ساتھ نہ دیگا میں اس سے ناخوش ہوں (کمالات محمدیہ ص ۴۳)

بہار میں قادیانیوں نے چار ضلعوں میں بہت کامیابی حاصل کی تھی، خاص طور پر مونگیر اور بھاگلپور کے متعلق یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ یہ دونوں ضلع قادیانی ہو جائیں گے بھاگلپور میں آنجنابی مولوی عبدالمجید صاحب پورینی، بھاگلپور (جو ایک جید عالم اور اچھے مدرس تھے، منطق اور فلسفہ میں بڑی دستگاہ حاصل تھی اور انھوں نے شرع تہذیب پر حاشیہ لکھ کر فن منطق سے اپنی مناسبت کا پورا ثبوت پیش کیا، اور ان کا حاشیہ آج بھی کتب خانہ رحمانیہ خانقاہ مونگیر میں موجود ہے) قادیانی ہو چکے تھے اور اپنی پوری صلاحیت اس باطل مذہب کی اشاعت و تبلیغ میں صرف کر رہے تھے، مونگیر کا تو کہنا ہی کیا، مونگیر میں آنجنابی مرزا صاحب کے خاص سمدھی اور مرزا بشیر محمود آنجنابی کے خسر مولوی حکیم فہیل احمد صاحب آنجنابی تشریف فرما تھے اور خدا کی دی ہوئی ذکاوت اور طاقت لسانی کو مرزا صاحب کے نوزائیدہ مذہب کی حمایت میں شب و روز صرف کر رہے تھے ان دو حضرات نے بھاگلپور اور مونگیر کی فضا کو بہت زیادہ مسموم کر رکھا تھا اور اس کا خطرہ تھا کہ ان دونوں جگہوں پر رہنے والے مسلمان رفتہ رفتہ قادیانی



مذہب اختیار کر لیں گے، پٹنہ اور ہزارہی باغ میں قادیانی تحریک زوروں پر پھیل رہی تھی، حضرت مولانا مونگیری نے اپنے خط میں ذکر کیا ہے کہ بہار کے علاوہ بنگال میں بھی اس نے ہم شروع کر دی ہے۔

حضرت مولانا مونگیری نے قادیانیت کے خلاف باقاعدہ اور منظم طریقے پر زبردست ہم شروع کی، اس کے لئے دورے کئے خطوط لکھے، رسائل اور کتابیں تصنیف کیں، دہلی اور کانپور سے کتابیں طبع کرا کے مونگیر لائے اور اشاعت فرماتے میں خاصہ وقت صرف ہوتا تھا، اور حالات کا تقاضا یہ تھا کہ اس میں ذرا بھی تاخیر ہو اسلئے مولانا نے خانقاہ میں پریس اسی مقصد کیلئے قائم کیا اس پریس سے شوشے زائد چھوٹی بڑی کتابیں رد قیانت پر شائع ہوئیں جو سب مولانا کے قلم سے ہیں، اس قدر ضعف اور سلسلہ علالت کے ساتھ اتنا دقیق اور عظیم تصنیفی کام بچائے خود ایک کرامت سے کم نہیں اور جس کی توجیہ تائید الہی و توفیق خداوندی کے سوا کسی اور چیز سے نہیں کی جاسکتی اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے اس کام پر مامور تھے، ہر چیز میں خدا کا فضل ان کے شامل حال تھا۔

حضرت مونگیری نے اپنے ایک معتمد اور خادم خاص کو ایک خط میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے اور بتے تکلفی اور سادگی کے ساتھ اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میرا ضعف و ناتوانی اے عزیز تم پر اور اس کے سب بھائیوں پر ظاہر ہے کہ میں مدت سے بیمار ہو چکا ہوں، اور میرے ظاہری قویٰ نے جواب دیدیا ہے مگر خدائی ارشاد: انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ الحافظون نے اپنی غیر محدود قدرت کو ایک ضعیف و ناتوان ہستی میں جلوہ گر فرما کر وہ کام کیا جس کا خیال و خطرہ بھی نہ تھا، اس قدر رسائل اس ضعف و ناتوانی میں لکھوا دینا اسی کا کام ہے (کمالات محمدیہ)

حضرت مولانا محمد علی مونگیری علیہ الرحمہ نے قادیانیت کی تردید میں شوشے زیادہ

کتابیں اور رسائل تصنیف کئے جس میں سے صرف چالیس کتابیں ان کے نام سے طبع ہوئیں اور بقیہ دوسرے ناموں سے یا ابو احمّد کے نام سے جو حضرت کی کنیت تھی حضرت مولانا نے فتنہ قادیانیت کے ہر گوشہ اور ہر پہلو پر گفتگو کی اور رسائل لکھے اور اس ناطق مذہب کے رد میں لکھنے کیلئے کوئی چیز نہ چھوڑی انھوں نے قادیانیت کی طرح کئی کی، اور اسکے استیصال کو وقت کا اہم ترین جہاد قرار دیا ہے۔ حضرت مونگیری کتاب پر کتاب تردید میں لکھتے جاتے اور لوگوں میں مفت تقسیم کرتے اور مناسب جگہوں پر پہنچاتے اس راہ میں ہزاروں روپے صرف کئے، اس مہم میں اپنے دوستوں، عزیزوں، اور عقیدتمندوں کو بھی متحد اور منظم ہو کر مقابلہ کرنے کی ہدایت کرتے، حضرت مونگیری اپنے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں: "میں چاہتا ہوں کہ مخالفین اسلام کی بے انتہا سعی اور کوشش کا جواب دیا جائے بالخصوص مرزائی جماعت کا فتنہ رفع کرنے میں جو کچھ ہو سکے اس سے دریغ نہ کیا جائے، اور نہایت انتظام کے ساتھ یہ سلسلہ میسر ہو کر بعد جاری رہے اس لئے رائے یہ ہے کہ ایک انجمن قائم کی جائے جس کا نظم تم لوگ اپنے ہاتھ میں لو، اور اس کیلئے ہر وہ شخص جو مجھ سے ربط و تعلق رکھتا ہے وہ اس میں حسب حیثیت التزام کے ساتھ ماہانہ شرکت کرے ورنہ جو شخص میسر اس دینی اور ضروری ہدایت کی طرف بھی متوجہ نہ ہو گا میں اس سے ناخوش ہوں اور وہ خود یہ سمجھ لے کہ اس کو مجھ سے کیا تعلق باقی رہا۔ (کمالات رحمانی ص ۱۷۱)

حضرت مونگیری کو فتنہ قادیانی کا شدید احساس تھا اور اسکے مقابلہ کا ان کو اس قدر اہتمام تھا کہ آپ اکثر فرمایا کرتے "اتنا لکھو اور اس قدر طبع کرو اور تقسیم کرو کہ ہر مسلمان جب صبح کو سو کر اٹھے تو اپنے سر پرانے رد قادیانی کی کتاب پائے۔ حضرت مونگیری نے تصنیف و تالیف ہی کے ذریعہ قادیانی کی تردید پر اکتفا نہ کیا بلکہ مناظرہ بھی کئے، مونگیری کے مناظرہ سے قادیانیت کی تحریک پر ضرب کاری لگی جس سے اس کے قدم



اکھڑ گئے، اور ملت اسلامیہ کو اس سے بڑا فائدہ پہونچا۔

یہ مناظرہ سنہ ۱۹۰۶ء میں ہوا جس میں تقریباً چالیس علماء شریک ہوئے، مرزا صاحب کی طرف سے حکیم نور الدین وغیرہ آئے اس کی تفصیل یہ ہے۔ مرزا صاحب کے نمائندے حکیم نور الدین صاحب، سرور شاہ صاحب اور روشن علی صاحب مرزا صاحب کی تحریر لے کر آئے کہ ان کی شکست میری شکست ہے، ان کی فتح میری فتح، اسی طرف سے مولانا رفیق حسن چاند پوری صاحب، ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند، علامہ انور شاہ کشمیری مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا عبدالوہاب بہاری، مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی و تقریباً چالیس علماء بلائے گئے تھے، لوگوں کا بیان ہے کہ عجیب منظر تھا صوبہ بہار کے علماء کے لوگ تماشائی بن کر آئے تھے، معلوم ہوتا تھا کہ خانقاہ میں علماء کی ایک بڑی بارات ٹھہری ہوئی ہے، کتاب میں الٹی جا رہی ہیں، حوالے تلاش کئے جا رہے ہیں اور بھٹیں چل رہی ہیں سوال یہ پیدا ہوا کہ مولانا محمد علیؒ کی طرف سے مناظرہ کا وکیل اور نمائندہ کون ہو۔ ؟ قرعہ فال مولانا رفیق حسن صاحب کے نام پڑا، آپ نے مولانا رفیق حسن صاحب کو تحریر اپنا نمائندہ بنایا، علماء کی یہ جماعت میدان مناظرہ میں گئی وقت مقرر تھا، اس طرف مولانا رفیق حسن صاحب اسٹیج پر تقریر کیلئے آئے اور اس طرف آپ سجدہ میں گئے اور اس وقت تک سر نہ اٹھایا جب تک کہ فتح کی خبر نہ آگئی۔ بڑوں کا کہنا ہے کہ میدان مناظرہ کا منظر عجیب تھا مولانا رفیق حسن صاحب کی ایک ہی تقریر کے بعد جب قادیانیوں سے جواب کا مطالبہ کیا گیا تو مرزا صاحب کے نمائندے جواب دینے کے بجائے انتہائی جھوٹا اور گھبراہٹ میں کرسیاں اپنے سر پر لئے ہوئے یہ کہتے بھاگے کہ ہم جواب نہیں دے سکتے۔

**فیصلہ آسمانی** مولانا کی سب سے پہلی تصنیف فیصلہ آسمانی ہے جو قادیانیوں کے حق میں دلائل فیصلہ آسمانی

نہیں ہوئی یہ کتاب تین جلدوں میں ہے، اس کے تین ایڈیشن مولانا کی زندگی میں شائع



ہو گئے لیکن کسی قادیانی کو اس کا جواب دینے کی ہمت نہ ہوئی، مولانا کی وفات کے بعد بھی کسی قادیانی نے اس کا جواب دینے کی جرأت نہ کی قادیانیت کے خلاف سارے لٹریچر میں جواب تک لکھا گیا ہے یہ کتاب ایک خاص امتیاز رکھتی ہے اور اپنے حکم طرز استدلال، اسلوب کی وضاحت اور صفائی و صحیح و طاقتور گرفت کے اعتبار سے بہت کم کتابیں اس معیار پر پوری اترتی ہیں، اس راہ کے نشیب و فراز کو دیکھتے ہوئے اہل اسکے ایک بڑے سبھر کی رائے یہ ہے کہ قادیانیت کی رد میں لکھی ہوئی اکثر کتابوں میں بعض بعض جگہ احتمال کی گنجائش نکل آتی ہے، لیکن اس کتاب میں کسی جگہ احتمال کی گنجائش یا استدلال میں کوئی خامی اور کمزوری نظر نہیں آتی۔

مرزا صاحب نے اپنے کمال و اعجاز کیلئے "اعجاز احمدی" لکھی یا لکھوائی تھی، اور اس کا دعویٰ کیا تھا کہ اس رسالہ اور قصیدہ اعجازیہ کی ادبی بلاغت اور فنی کمال کی نظر کوئی دوسرا پیش نہیں کر سکتا، مولانا نے اس قصیدہ کا بہت پر لطف قصہ بیان کیا ہے اور اس سارے جال کا تار و پود بکھر دیا ہے جو مرزا صاحب نے علماء اور عام مسلمین دونوں کو بیک وقت فریب دینے کے لئے پھیلایا تھا، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ وہ اس جال میں خود ہی گرفتار ہو گئے، اور تدبیر ان کے لئے انٹی پڑ گئی، مرزا صاحب نے ۱۸۹۹ء میں یہ اعلان کیا تھا "اے میرے مولیٰ اگر میں تیرے حضور میں سچا ہوں تو ان تین سالوں کے اندر جو خوری ستلے سے آخر دسمبر ۱۹۰۰ء تک ختم ہو جائیگا کوئی ایسا نشان دکھلا جو انسانی ہاتھوں سے بالاتر ہو اگر تین برس کے اندر میری تائید اور تصدیق میں کوئی نشان نہ دکھلاوے تو میں نے اپنے لئے یہ قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر میری یہ دعا قبول نہ ہو تو میں ایسا ہی مردود و ملعون اور کافر اور بے دین اور فاجر ہوں صبا کہ مجھے سمجھا گیا۔ مولانا لکھتے ہیں کہ اس دعا کے بعد مرزا صاحب تین برس بھی فکر و تجویز میں رہے کہ کوئی نشان تراش کر مسلمانوں کو دکھایا جائے، میرے خیال میں

انہوں نے یہ تدبیر سوچی کہ ہندوستان میں عربی ادب کا مذاق نہیں ہے اس لئے ایک عربی قصیدہ لکھوا کر اور اس کی تمسید اردو میں لکھ کر رسالہ شائع کر کے اعجاز کا دعویٰ کیا جائے، یہ اس زمانہ میں ایک عرب طرابلس کے رہنے والے ہندوستان میں آئے ہوئے تھے، جا بجا وہ پھرتے رہے اور حیدرآباد میں ان کا قیام زیادہ رہا ہے یہ عربی کے شاعر تھے اور مزاج میں آزادی بھی شاعروں کی سی رکھتے تھے، اس شہر میں مرزائی زیادہ ہیں انہوں نے مرزا صاحب سے ربط کرادیا اور خط و کتابت ہونے لگی، انہوں نے قصیدہ کی فرمائش کی، عرب صاحب نے روپیہ لے کر قصیدہ لکھ دیا، مولانا محمد سہول صاحب بھاگلپوری مفتی دارالعلوم دیوبند کہتے ہیں کہ حیدرآباد میں، میں نے ان سے ادب کی کتابیں پڑھی ہیں، بڑے ادیب تھے، کہتے تھے کہ مجھے روپیہ کی ضرورت پیش آتی تھی، میں نے مرزا کو لکھا اس نے قصیدہ لکھوایا، میں نے لکھ دیا اس نے بے مٹھے دیئے (قصیدہ آسمانی ص ۵۹)

اس شخص نے جان بوجھ کر کچھ ایسی غلطیاں بھی قصیدہ میں شامل کر دی تھیں جو اہل زبان سے مستبعد ہیں، اس کے متعلق مولانا لکھتے ہیں۔

”سعید (شاعر کا نام) مرزا کو جھوٹا جانتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ عربی ادب سے مرزا کو شمس نہیں ہے اس لئے اس نے قصداً غلطیاں رکھیں تاکہ اہل علم اس سے واقف ہو کر اس کی تکذیب کرے چونکہ عرصہ تک ہند میں رہا ہے اور بعض علوم عقلیہ اس نے یہاں پڑھے ہیں اس لئے وہ ہندی محاورات سے بھی واقف تھا اس لئے مرزا صاحب کو فریب دیا اور بعض ہندی الفاظ بھی قصیدہ میں داخل کر دیئے، الحاصل یہ قصیدہ مرزا صاحب کا اعجاز نہیں ہے، اگر اعجاز کہا جائے تو سعید شہابی کا اعجاز ہوگا (ایضاً)

حضرت مونگیری کی اس سعی پیہم اور آہ سحرگاہی نے بہار کا ہر محض نقشب پٹا اور پیر سے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔



## فتنہ قادیان اور علمائے دیوبند

اور کوششیں بھی نہایت اہم اور ناقابل فراموش ہیں، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند جو راقم الحروف کے استاذ بھی ہیں نے اسی سلسلہ میں دور کئے تقریریں کیں اور مناظرے بھی کئے اور مونگیری کے مناظرہ میں مولانا مرحوم ہی حضرت مونگیری علیہ الرحمہ کے وکیل اور نمائندہ تھے ساتھ ہی ساتھ آپ نے رد قادیانیت پر متعدد رسائل بھی تصنیف کئے جو مطبع رحمانی مونگیر اور دوسرے مطابع سے شائع ہوئے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے اس فتنہ کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور بجا و پور کے مقدمہ میں جا کر شہادت دی اور اپنے علمی و تحقیقی بیان سے جموں کو قادیانی کے خلاف فیصلہ لکھنے پر مجبور کر دیا اس مقدمہ میں شہادت دینے والوں میں حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب بھی شامل تھے پھر حضرت شاہ صاحب کشمیری علیہ الرحمہ نے حیات مسیح پر ایک نہایت قیمتی بیالیس صفحہ کا رس لکھ کر مرزا صاحب کے دھوی مسیح موعود کے سامنے لوہے کی دیوار کھڑی کر دی حضرت شاہ صاحب کا یہ رسالہ ”التقریح بما تواتر فی نزول المسیح“ دارالاشاعت دیوبند سے شائع ہوا ہے، اسی طرح حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب اور دوسرے علمائے دیوبند نے اس طرف اپنی توجہ مبذول کی اور قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اور پھر اس عاجز کے استاذ المحترم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبند کی ثم پاکستانی نے مسئلہ ختم نبوت پر تین رسالہ لکھ کر ختم نبوت کو قیامت تک کے لئے دفن کر دیا۔

ختم نبوت فی القرآن، ختم نبوت فی الاحادیث، ختم نبوت فی الآثار، یہ تینوں رسالے مسئلہ ختم نبوت پر حرف آخر کی حیثیت رکھتے ہیں اس فرقہ کا



کے استیصال کے لئے جن علمائے کرام نے جدوجہد کی ہے، ان کا استقصاء مقصود نہیں ہے، یقیناً جن حضرات کے نام لکھے ہیں، ان سے کہیں زیادہ وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اس مختصر سے مقالہ میں نہیں کر سکا ہوں، تقریباً یہ سب واصل بحق ہو چکے ہیں، حق تعالیٰ ان کی سعی کو مشکور فرما دے ان کے مراتب بلند کرے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس موقع پر نامناسب ہو گا اگر پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد کن کا نام نہ لیا جائے، انھوں نے قادیانی مذہب کے نام سے ایک ہزار صفحات پر کتاب لکھ کر خود قادیانیوں کے ہاتھ میں آئینہ دیدیا ہے کہ وہ اپنی صورت اور قادیانیت کے سارے خدو خال صاف طریقہ پر قادیانی مذہب کے آئینہ میں دیکھ سکتے ہیں، اس کتاب میں الیاس صاحب مرحوم و مغفور نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا، اس میں جو کچھ ہے وہ قادیانی سربراہوں اور ان کے رہنماؤں اور مبلغوں کی تقریریں، اور تحریریں ہیں جو صحیح حوالے کے ساتھ درج کر دی گئی ہیں، پروفیسر صاحب مرحوم نے ان تحریروں اور تقریروں کو مختلف حصوں اور ابواب میں جمع کر کے عنوان لگا دیا ہے، اس کتاب کی قدر و قیمت مطالعہ کے بعد ہی معلوم ہو سکتی ہے، پروفیسر صاحب مرحوم اس وقت دنیا میں نہیں ہیں، ہم ان کے لئے سعادت و نجات کی دعا کرتے ہیں۔



## ردِ قادیانیت پر دوم رسائل

مولانا عبدالحی فاروقی ایم اے (عربی) ایم اے (معاشیات) نئی دہلی

ہوزا علیہ السلام قادیانی (۱۸۴۵ء - ۱۹۰۸ء) نے جب سے اپنے باطل دہلوی کا آغاز کیا اسی وقت سے علماء حق نے ان کے خلاف آواز اٹھانا شروع کر دی تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی حق و صداقت کی راہ میں رخنہ ڈالے گئے، طاغوتی طاقتوں نے سراٹھانا شروع کیا اور اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو مسخ کرنے کی کوشش کی جانے لگی تو اس کے خلاف جو طبقہ سب سے پہلے سامنے آیا وہ ہمارے علمائے کرام ہی کا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (د ۱۶۲۲ء) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (د ۱۶۶۲ء) شاہ عبدالعزیز دہلوی (د ۱۸۲۲ء) حضرت سید احمد شہید (ش ۱۸۴۳ء) مولانا سید محمد علی مونگیری (د ۱۳۴۶ھ) اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی (د ۱۹۵۶ء) وغیرہ ایسے ہی مجاہد علماء حق ہیں۔ یہ تھے جو مذہب کے نام پر پیدا ہونے والی ہر اسلام مخالف تحریک کے خلاف سرکھن اور کفن بردوش اٹھ کھڑے ہوئے اور یہاں تک برد آزا ہوتے رہے جب تک کہ حق و باطل کے درمیان حدِ فاصل قائم نہیں ہو گئی، قادیانیت بھی اسی قسم کی ایک اسلام دشمن اور بنی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مقدسہ سے بغض و عناد رکھنے والی ایک جماعت ہے جس نے ہندوستان میں جنم لے کر پورے عالم اسلام کو اپنے

گرداب بلا میں لپیٹنا چاہا تھا، مرزا کے تحریرات کے منظر عام پر آنے کے بعد ہی سے  
 علماء نے ان کے عزائم اور مستقبل کی خطرناکیوں کو اچھی طرح بھانپ لیا تھا، لہذا  
 اس کے سدباب کے لئے قلمی اور لسانی جہاد کا آغاز کیا گیا، مضامین لکھے گئے رسائل  
 اور کتابیں تصنیف کی گئیں اور آخر میں براہ راست مناظرے بھی کئے گئے تاکہ عوام  
 و خواص کو عقائد کی گمراہیوں سے بچایا جاسکے، اسی کا نتیجہ ہے کہ ردِ قادیانیت پر دیکھتے  
 ہی دیکھتے اچھا خاصہ ذخیرہ معرض وجود میں آگیا جس کی مدد سے دین کی فہم و فراست  
 رکھنے والوں کو اس فرقہ کو سمجھنے اور اس کو خارج از اسلام قرار دینے میں بڑی مدد ملی  
 افسوس ہے کہ آج ہمارے ترییدی لٹریچر میں اب ایسے بہت سے رسائل اور  
 کتب اگر نایاب نہیں تو کیا بضرور ہوتی جا رہی ہیں، اس وقت ہم ایسے ہی دو  
 کیا بضرور رسائل پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں جو اپنے موضوع پر نہایت جامع اور  
 مکمل ہیں ان دونوں رسائل کا تعلق مشہور عالم دین اور مصلح امت حضرت مولانا  
 عبد الشکور لکھنوی مدظلہ العالی کی علمی تحقیقات سے ہے۔

۱۔ حضرت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی لکھنوی ۲۳ ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ کو قصبہ کاکوری  
 ضلع لکھنؤ میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد مولوی حافظ ناظر علی صاحب ضلع فتح پور  
 یونی میں تحصیلدار تھے آپ کی ابتدائی تعلیم اور عربی کتب درسیہ یعنی جلالین و دیلم  
 قطبی اور نور الانوار ضلع فتح پور ہی میں مختلف مقامات پر مکمل ہوئیں لیکن بعد کی  
 ساری کتابیں استاد الاساتذہ حضرت مولانا سید عین القضاۃ صاحب حیدرآبادی  
 ثم لکھنوی بانی مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ سے پڑھیں جو حضرت مولانا عبدالحی فرنگی علی  
 کے ارشد تلامذہ میں سے تھے ۱۳۰۳ھ میں آپ نے تعلیم سے فراغت کیا آپ  
 اپنے استاد کے نہایت محترم اور مقرب شاگردوں میں سے تھے شروع (باقی اگلے صفحہ)



**پہلا رسالہ** | اس سلسلہ کا پہلا رسالہ: ”صیغہ رنگون برپیروان دجال زبون“

ہے ایک سو چھیالیس صفحات پر مشتمل یہ رسالہ اس مناظرے کی روداد ہے جو مولانا لکھنوی اور قادیانیوں کی لاہوری پارٹی کے سربراہ خواجہ کمال الدین بی، اے، ایل ایل، بی کے درمیان ۱۹۳۰ء میں بمقام رنگون ہوا تھا، اس مناظرے کا اہتمام جمعیتہ علمائے رنگون نے کیا تھا جس کے سربراہ مولانا احمد بزرگ سملکی تھے جو اس وقت جامع سورتی رنگون کے مہتمم اور مفتی بھی تھے، آپ ہی کی خصوصی دعوت پر مولانا لکھنوی ”رنگون تشریف لے گئے تھے آپ کے ساتھ آپ کے صاحبزادے مولانا جلد مومن صاحب فاروقی“ (دم ۱۹۹۶ء) اور حضرت مولانا محمد منظر نعمانی صاحب مدیر الفرقان دامت برکاتہم بھی شریک سفر تھے۔

اس رسالہ کو ایک مقدمہ، دو ابواب اور ایک خاتمہ میں منقسم کیا گیا ہے، مقدمہ میں مرزا اور مزائیت کی مختصر تاریخ دلچسپ انداز میں بیان کی گئی ہے، پہلے باب میں خواجہ

(بقیہ ماثلہ صفحہ گذشتہ) کے کچھ دنوں دارالعلوم ندوۃ العلماء، مدرسہ عالیہ فرقانیہ اور مدرسہ عالیہ امر دہریہ یوپی میں تدریسی خدمات انجام دیں لیکن جلد ہی ملازمتوں کا سلسلہ ختم کر کے ساری زندگی تصنیف و تالیف میں بسر کی، ۱۳۳۲ھ میں اپنا مشہور ماہنامہ ”علم الفقہ“ اور ایک ہفت روزہ رسالہ ”انجم“ لکھنؤ سے جاری کیا، انجم، ۱۳۳۵ء تک نکلتا رہا ۱۳۵۱ھ میں لکھنؤ میں ایک دینی ادارہ ”دارالمبلغین“ کی بنیاد ڈالی جواب بھی باقی ہے، تقریباً ۷۰ کتابیں آپ نے تصنیف و تالیف اور ترجمہ کیں، ردِ قادیانیت اور بدعت کے علاوہ ردِ شیعیت میں آپ کے نمایاں کارنامے انجام دیئے اسی بنا پر اسلامیان ہند کی طرف سے آپ کو ”امام اہلسنت“ کے خطاب سے نوازا گیا، سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ حضرت شاہ ابوالاحد صاحب بھوپالی سے آپ کو سیت و خلافت حاصل تھی، ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں لکھنؤ میں آپ نے وفات پائی۔

کمال الدین احمد مولانا لکھنؤی کے رنگون پہنچنے کے بعد خواجہ صاحب کے مقابلہ میں  
آہام حق کی جتنی بھی کار دعائیاں ہوئیں تھیں ان کا مفصل بیان ہے، دو سببوں میں مرزا  
اور مرزائیت کے باطل اور خارج از اسلام ہونے کے دلائل بیان کئے گئے ہیں، اس  
سلسلہ میں جن امور کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے ان میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں۔

(۱) مرزا کی کذب گوئی خود انہی کی کتابوں سے (۲) مرزا کے اقوال توہین انبیاء  
علیہم السلام (۳) مرزا کا دعویٰ نبوت (۴) مرزا کا منکر ضروریات دین ہناردہ  
ختم نبوت کی بحث (۵) حیات مسیح علیہ السلام کی بحث (۶) مرزائیوں کے شائع  
کردہ انگریزی ترجمہ قرآن مجید کے کچھ مفاسد اور خاتمہ میں مرزا اور مرزائیوں کے کفر  
پر علماء اسلام کے فتوے، اس کے بعد حکومت وقت کا ایک فیصلہ درج کیا گیا ہے  
جس میں مرزائیوں کا خارج از اسلام ہونا اور مسلمانوں کے فرستادنوں سے ان کا بیدخل  
ہونا ظاہر کیا گیا ہے، اس رسالہ کے متعلق مولانا احمد بزرگ صاحب تحریر فرماتے ہیں  
”الحمد للہ کہ یہ کتاب ایسی جامع و مکمل تیار ہو گئی ہے کہ جو شخص اس کو اہل  
سے آخر تک دیکھ لے وہ مرزائیت کی پوری حقیقت سے واقف ہونے کے  
علاوہ بڑے سے بڑے مرزائی کو بحث میں مغلوب و بہوت کر سکتا ہے۔“

**کادیان یا قادیان؟** ضلع گرداسپور پنجاب میں ایک قصبہ کادیان ہے  
مرزا غلام احمد دہلوی کے رہنے والے تھے، اس قصبہ

کا صحیح اور اصلی نام کادیان ہے، اہل پنجاب اب بھی اس کو اسی نام سے پکارتے ہیں  
پنجابی زبان کادی، کیوڑہ کو کہتے ہیں چونکہ اس بستی میں زیادہ تر کیوڑہ فروش رہا  
کرتے تھے اسلئے پوری بستی کو کادیان کہا جانے لگا۔ مرزا صاحب کو جہاں دینی و مذہبی  
ماخذ میں توڑ مروڑ، تحریف اور تاویل کرنے کا چکر لگا ہوا تھا وہاں وہ دنیاوی مصلحت

لے بیٹھ رنگون رہا۔



میں بھی رد و بدل اور حقائق کی پردہ پوشی کیا کرتے تھے، لہذا اپنی اسی ذہنیت کی بنا پر انھوں نے کافی روپیہ خرچ کر کے سرکاری کاغذات میں اس کو قادیان لکھوایا اور مشہور یہ کیا کہ یہ لفظ درحقیقت قاضیان تھا جو اب بگڑ کر قادیان ہو گیا۔

## چند اعتراضات اور ان کے جوابات

فرق باطلہ کا ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ وہ براہ راست مناظرے سے گریز کرتے ہیں لیکن آڑ میں بیٹھ کر خطوط یا اشتہار بازی سے کام لیکر عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، خواجہ کمال الدین مرزائی نے بھی رنگون میں یہی کیا اور صرف مراسلات و اشتہارات ہی کو ذریعہ تنخاطب بنایا براہ راست مناظرے کی نوبت نہیں آنے دی، اپنے آخری اشتہار میں خواجہ صاحب نے اسلامی معتقدات کے خلاف چار سوالات قائم کر کے شائع کئے اور اپنے دماغ میں یہ مفروضہ قائم کر لیا کہ علماء اسلام سے ان کا جواب دیتے نہ بن پڑیگا، لیکن حضرت مولانا لکھنویؒ نے فی الفور ان سوالات کے جوابات لکھ کر شائع کر دیئے۔ جو حسب ذیل ہیں۔

پہلا اعتراض۔ قرآن مجید ظاہر کرتا ہے کہ ہر رسول پر اسی قوم کی زبان میں وحی آئی ہے جس کی طرف وہ بھیجا گیا ہے اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن عربی زبان میں اس لئے نازل ہوا ہے تاکہ مخاطب لوگ اس کو سمجھ سکیں، لہذا معلوم ہوا کہ قرآن اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف عرب ہی کیلئے آئے تھے اس لئے یہ دعویٰ کیوں کیا جاتا ہے کہ قرآن ساری دنیا کے لئے آیا ہے؟

جواب ہے۔ قرآن مجید میں مذکورہ مضمون صرف ان نبیوں کی بابت آیا ہے جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے آئے تھے کیونکہ آپ سے پہلے کسی نبی کی نبوت ساری دنیا کے لئے نہیں ہوئی تھی چنانچہ ہر نبی صرف ایک خاص قوم کے لئے ہوتا تھا اور اسی قوم کی

(۱) صحیحہ رنگون مس)



زبان میں ان پر وحی اترتی تھی۔ اس قضیہ کو الٹ کر یہ نتیجہ نکالنا کہ جس نبی کی جو زبان ہو اس کی نبوت اسی قوم کے ساتھ مخصوص ہے غلط ہے۔ قرآن عربی زبان میں اس لئے آیا ہے کہ سب سے پہلے اس کی روشنی عرب میں پھیلے اور پھر اس کے ذریعہ ساری دنیا منور ہو، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری ہوتا ہے۔

يَعْلَمُ تَوَلَّاهُمْ شُهَدَاءُ اُولَٰئِكَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنُ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَٰهِيْدًا۔ ۱۔  
اے اہل عرب تم سب لوگوں کے سامنے گواہی دینے والے بنو اور رسول تمہارے سامنے گواہی دینے والے بنیں۔

یہاں قرآن یہ صاف تصریح کر رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کی ہدایت ساری دنیا کے لئے ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں حسب ذیل آیتیں مزید اس کی شاہد ہیں

۱۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُوْلٌ اَللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيعًا..... فَاْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ۔ ۱۔  
اے نبی کہہ دیجئے کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول نبی امی پر۔  
۲۔ مَاۤ اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ سِتْرًا وَّنَذِيْرًا۔ ۲۔  
اے نبی ہم نے آپ کو تمام لوگوں کیلئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

۳۔ وَاَوْحٰی اِلَیْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ لِتُنْذِرَکُمْ بِهٖ وَتَذٰکُرَ۔ ۳۔  
یہ قرآن مجید پر وحی کیا گیا تاکہ میں تم کو اس کے ذریعہ سے ڈراؤں اور میزان تمام لوگوں کو (کو ڈراؤں) جن تک یہ قرآن پہنچا

۴۔ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ  
عَلَى عَبْدٍ مِّنْ بَيْنِكُمْ لِيُنظِرَ لَكُمْ  
نَذِيرًا۔ ۵  
برکت والا وہ خدا جس نے اپنے بندوں پر  
قرآن اتارا تاکہ وہ تمام دنیا کے لئے  
ڈرانے والا بنے۔

لہذا جب قرآن مجید کی یہ واضح تصریح ہے تو اس کے خلاف آیت کا مطلب لینا  
کیسے صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ کسی کلام سے کوئی ایسا مفہوم استنباط کرنا جو اس کلام کے  
دوسرے حصہ کی تصریح کے خلاف ہو یہ عقلاً بھی جائز نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض — قرآن دوسرے مذاہب کے خدائی آغاز کو تسلیم  
کرتا ہے اور توریت کو نور و ہدایت کہتا ہے اس لئے ایسی حالت میں اگر یہ وحیاں  
کامل تھیں تو کیوں منسوخ ہوئیں اور اگر کامل نہیں تھیں تو وہ لوگ کیوں کامل جزے سے  
محروم کئے گئے؟

جواب ہے۔ قرآن شریف نے بیشک یہ بیان کیا ہے کہ ہر قوم اور ہر ملک  
میں نبی آئے اور ہدایت اتری ہے مگر یہ کہیں نہیں بیان کیا گیا کہ دنیا کے موجودہ  
مذاہب بعینہ وہی ہیں جن کی تعلیم ان کے نبیوں نے دی تھی جبکہ اس کے برعکس  
یہ تصریح ضرور آیتوں میں ہے کہ انبیاء کی تعلیمات اور ان کی خدائی کتابوں میں ان  
نبیوں کے بعد بہت کچھ تحریف و ترمیم کر دی گئی ہے، اس تحریف و ترمیم کا ثبوت  
تاریخی واقعات اور دوسرے دلائل سے بھی ہم کو ملتا ہے، لہذا یہ سمجھ لینا چاہئے کہ  
اگلی شریعتوں کے منسوخ ہونے کے دو اسباب ہیں، ایک یہ کہ وہ شریعتیں اصلی  
حالت پر باقی نہیں رہی تھیں اور ان میں بہت کچھ تحریفات کر دی گئی تھیں دوسرے  
یہ کہ قرآن مجید دین کامل لے کر آیا ہے جبکہ اگلی شریعتیں بہ نسبت شریعت محمدیہ کے  
دین کامل لے کر نہیں آئی تھیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔



الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ ۚ آج میں نے تمہارا دین تمہارے کمال کر دیا  
 لہذا اگلی شریعتوں کے بہ نسبت شریعت محمدیہ کا مکمل ہونا اور مذکورہ بالا دوسری  
 شریعتوں کے مسائل دیکھنے سے بھی بخوبی واضح ہو جاتا ہے

اب یہ کہنا کہ اگلی قومیں کیوں ایسے دین کمال سے محروم کی گئیں یہ ایک بے جا  
 اعتراض ہے، نظام عالم ہموکتلا رہا ہے کہ قانون قدرت یہاں ہے کہ ترقی بتدریج ہوتی  
 ہے چنانچہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو وہ اس وقت کمزور ہوتا ہے کیونکہ بولنا چلنا  
 پھرنا اور تمام وہ قوتیں جو انسان سے تعلق رکھتی ہیں وہ بتدریج اس میں پیدا ہوتی ہیں  
 اور ترقی کرتی ہیں لہذا اس پر یہ اعتراض کرنا کہ پہلے ہی سب قوتیں انسان کو کیوں نہ  
 مل گئیں اور بچے اس کمال سے کیوں محروم کئے گئے قانون فطرت پر اعتراض کرنا ہے  
 تیسرا اعتراض — بہائی لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبری ختم نہیں  
 ہوئی ہے، خدا نے حضرت آدم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم وقتاً فوقتاً پیغمبر بھیجتے رہیں گے  
 اس لئے بنی آدم میں ہمیشہ نبوت کا سلسلہ قائم رہنا چاہئے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)  
 پر نبوت ختم ہونے کا عقیدہ غلط ہے۔

جواب ہے — بہائی لوگوں کا یا ان سے سیکھ کر مرزا غلام احمد قادیانی اور  
 ان کے پیروؤں کا یہ کہنا کہ نبوت ختم نہیں ہوئی ہے قرآن اور عقل دونوں کے خلاف  
 ہے، قرآن واضح طور پر کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو گئی ہے۔  
 مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ ۚ وَلَكِن سُوْلَ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ ۚ  
 محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی مرد کے باپ نہیں  
 ہیں بلکہ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں  
 قرآن مجید کی وہ آیات جن کا حوالہ اعتراض میں ہے ان کا مطلب وہ نہیں ہے جو بہائی  
 اور مرزائی بیان کرتے ہیں بلکہ ان کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ خدا کی طرف سے نبی



آئینہ اور ہدایت آتے گی کسی لفظ سے اشارہ بھی یہ نہیں نکلتا کہ نبوت کبھی ختم نہیں ہوگی، یہ بات دوسرے اعتراض کے جواب میں بیان ہو چکی ہے کہ اگلی شریعتیں قبول فسخ ہوئی، میں چونکہ فسوخیت کی وہ وجہ شریعت محمدیہ میں نہیں ہے اسلئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا ختم ہو جانا عقل کے بھی موافق ہے، اگلی شریعتیں دین کا نہیں تھیں اور شریعت محمدیہ نہ من کامل ہے اگلی شریعتوں میں تحریف ہو گئی تھی لیکن شریعت محمدیہ کے محفوظ رہنے کا خود خدا تعالیٰ ذمہ دار ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نُزِّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝

(ہی) اس کے محافظ ہیں۔

شریعت محمدیہ کا محفوظ رہنا ان سلسلہ اسانید کے علاوہ حواہل اسلام کے پاس ہیں تاریخی واقعات اور غیر مسلم اصحاب کی شہادت سے بھی بخوبی ظاہر ہے جو تنہا اعتراض ہے — قرآن کسی خاص پیغمبر کی بیرونی میں نجات کو منحصر نہیں کرتا جیسا کہ دوسرے پارے کی آیت سے ظاہر ہے، لہذا صرف دین اسلام ہی قبول کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

جس جواب سے کسی خاص پیغمبر کی بیرونی میں نجات کا منحصر ہونا صرف خواہہ کمال الدین ہی کا قول ہے ورنہ قرآن کی بہت سی آیتوں میں بیان ہوا ہے کہ نجات دین اسلام میں منحصر ہے۔

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ  
دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۖ

جو شخص اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا تو وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائیگا۔

دوسرے پارے کی وہ آیت جس کا حوالہ لائق معترض نے دیا ہے اس کا مطلب انھوں نے صحیح بیان نہیں کیا ہے، اس آیت کا اشار صرف اس قدر ہے کہ قرآن نجات

کو کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں بتاتا جیسا کہ یہودیوں کا قول تھا الَّذِينَ آمَنُوا  
اور نصاریٰ اور صابئیون وغیرہ الفاظ مذہبی حیثیت سے متجاوز ہو کر قومیت  
کے معنی میں مستعمل ہونے لگے تھے، لفظ عرب، قومیت کے معنی میں مخصوص ہے  
مگر تمدن عرب، کا مصنف مذہبی معنوں میں استعمال کرتا ہے یعنی مسلمانوں کو خواہ  
کسی بھی قوم کے ہوں، وہ عرب، کہتا ہے اس لئے قرآن نے بتایا کہ جو شخص اسلام  
قبول کرے خواہ وہ کسی قوم کا ہو نجات کا حقدار ہے، اگر آیت کے وہ معنی لیے جائیں  
جو خواجہ کمال الدین کہتے ہیں تو معاذ اللہ یہ ایک بھل کلام ہوا جاتا ہے اس لئے کہ  
الَّذِينَ آمَنُوا کے ساتھ مَنْ آمَنَ کا لفظ کسی طرح نہیں لگ سکتا یعنی ایمان  
والوں کے لئے یہ شرط لگانا کہ وہ ایمان لائیں بے معنی ہے لے

رسالہ کے بعض دوسرے مباحث | ان مکمل جوابات کے بعد پھر خواجہ  
صاحب کی طرف سے کوئی جواب لکھا

نہیں آیا اور وہ اتہامی ذلت و رسوائی کے ساتھ رنگون سے روانہ ہو گئے، اس رسالہ  
کا ایک اہم حصہ وہ ہے جس میں مرزا غلام احمد کی تحریروں کے ستائیس اقتباسات  
بطور نمونہ لائے گئے ہیں جن سے پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ وہ مدعی نبوت تھے، یہ  
اس لئے ضروری ہوا کہ مرزائیوں کی لاہوری پارٹی اکثر مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے  
لئے یہ کہہ دیتی ہے کہ مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت تو کیا ہے مگر یہ دعویٰ محض مجازی  
ظلی، بردوزی اور غیر مستقل نبوت کا ہے اور یہ کہ انھوں نے صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ  
نہیں کیا ہے بلکہ اس کے علاوہ اس رسالہ کا سب سے زیادہ لائق توجہ وہ حصہ ہے جس میں  
ختم نبوت کے مسئلہ پر گھٹو کی گئی ہے یہ مسئلہ ایسا اہم پاشان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کے بعد مبارک سے لیکر اس وقت تک ہر زمانہ اور ہر مقام کے مسلمانوں کا اس پر اجماع قطعی

۱۔ صیغہ رنگون ۲۔ ۳۔ ۴۔ صیغہ رنگون ۵۔ ۶۔



ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے لہذا جو شخص بھی آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ کذاب و دجال ہے اور قطعاً کافر ہے۔

ایک بار مولانا لکھنوی سے مناظرہ کرنے کیلئے مرزا غلام احمد کے خلیفہ حکیم نور الدین دم ۱۳۳۲ھ نے تین مرزائی مولویوں کو جن کے نام مولوی سرور شاہ، مفتی محمد صادق، اور میر تقی علی دہلوی تھے لکھنؤ بھیجا تھا ان لوگوں نے زبانی مناظرہ کرنے کے بجائے تحریری مناظرہ کی خواہش اظہار کیا مولانا ممدوحؒ نے اپنے رسالہ "انجم" لکھنؤ کی جلد ۱۰ نمبر ۱۳ میں ایک مضمون ختم نبوت پر اور ایک مضمون حیاتِ سیح پر سپرد قلم کیا جس کا آج تک کسی مرزائی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

**کفر کا فتویٰ** | رسالہ کے آخر میں ۲۸۸ علماء اسلام کے اسماء گرامی درج ہیں جنہوں نے اس فتویٰ پر دستخط کئے تھے کہ مرزا غلام احمد اور ان کے متبعین

قطعاً کافر ہیں، ان کے ساتھ کوئی اسلامی معاملہ جائز نہیں ہے، نہ ان کے ساتھ مناکحت درست ہے، نہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے نہ ان کو اپنی مسجدوں میں نماز کی اجازت دینی چاہئے اور اور نہ ہی ان کے مردوں کو اپنے قبرستانوں میں دفن کرنے کی، ان دستخط کنندگان میں مولانا سید عطاء اللہ بخاری (دم ۱۳۸۱ھ) مولانا محمد داؤد غزنوی (دم ۱۹۶۳ھ) مولانا شمار اللہ ترمک (دم ۱۳۶۶ھ) مولانا محمد یحییٰ قاضی شہر بھوپال، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی (دم ۱۳۶۶ھ) مولانا مفتی محمد سہول صاحب بھاگلپوری (دم ۱۳۶۶ھ) شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب (دم ۱۳۳۹ھ) مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی (دم ۱۳۶۹ھ) مولانا محمد ابراہیم بلیاوی (دم ۱۳۸۶ھ) شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب (دم ۱۳۶۴ھ) مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری (دم ۱۳۴۶ھ) مولانا شاہ جبار رحیم صاحب رائی پوری (دم ۱۹۱۹ھ) مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائی پوری (دم ۱۳۳۳ھ) مولوی عبد الرؤف صاحب دانا پوری، مولانا عبد الباقی صاحب قزلی محل (دم ۱۳۳۳ھ) مولانا عبد الشکور صاحب لکھنؤ۔۔۔ اور مولانا سید فخر الدین صاحب مراد آبادی (دم ۱۹۶۲ھ) وغیرہم کے نام نمایاں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔



اس فتوے کے بعد قادیانیوں کے خلاف ایک عدالتی فیصلہ بھی درج کیا گیا ہے جو مسلمان اڑیسہ کی درخواست پر کلک کی عدالت نے ۱۰ فروری ۱۹۱۹ء کو صادر کیا تھا اس مقدمہ کی پوری کارروائی اخبار دی اٹریاکلکٹ نے ۲۶ مارچ ۱۹۱۹ء کو شائع کی تھی۔

**دوسرا رسالہ** اس سلسلہ کے دوسرے رسالہ کا نام ہے: "صولتِ محمدیہ بر فرقہ غلڈیہ"۔ سب سے پہلے رسالہ ۱۹۲۳ء میں انجم

لکھنؤ کے صفحات پر قسطوار شائع ہوتا رہا پھر اسکے بعد علیحدہ سے کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا، اسکے مرتب ناشر مولانا عبد السلام صاحب فاروقی "رم ۱۹۳۳ء" تھے جو دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت لکھنوی کے صاحبزادے تھے، اس رسالہ کے اندر ایک تاریخی مقدمہ کی کارروائی درج ہے جو فرسٹ قسم ہندوستان کی مشہور ریاست بھادلوپور (پنجاب) کی عدالت میں مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان دائر تھا، اصل سند یہ تھا کہ مصنفات بھادلوپور میں مولوی الہی بخش نامی ایک صاحب نے اپنی لڑکی کا نکاح ایک شخص کے ساتھ کیا ابھی رخصتی نہیں ہونے پائی تھی کہ وہ شخص مرتد ہو کر قادیانی ہو گیا، مولوی صاحب نے عدالت میں نسخ نکاح کا مقدمہ دائر کر دیا، لیکن بعض "روشن خیال" افسران نے قانون وقت کے مطابق اس دعویٰ کو خارج کر دیا، مجبور ہو کر مولوی الہی بخش نے ریاست کی عدالت میں جو کہ ایک اسلامی ریاست تھی اپیل دائر کر دی، اسلامی عدالت نے فریقین کو ہدایت دی کہ وہ اپنے مشہور اور مستند علماء کی مذہبی شہادت عدالت میں پیش کریں، اس مرحلہ میں یہ معاملہ بجائے شخصی کے ایک تلی معاملہ بن گیا، لہذا اس کی بیرونی انجمن مولانا غلام بھادلوپور نے اپنے ہاتھ میں لے لی مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بھادلوپور نے جو کہ ریاست کے صدر الصدور بھی تھے اس وقت کے اکابر اور ماہل کو عدالت کے سامنے قادیانیت کے خلاف شہادت دینے کیلئے دعوت دی، جن علماء نے بھادلوپور کا کر عدالت میں شہادت دے دی ان میں مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری

دم ۱۳۶۲ھ) سابق صدر المدینۃ اہل ہند مراد آباد، مولانا نجم الدین صاحب دم ۱۳۵۲ھ) سابق پروفیسر اور ٹیبل کالج لاہور، مولانا محمد شفیع صاحب دم ۱۳۵۷ھ) سابق مفتی دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد حسین صاحب ساکن کولتار ڈھلی گوجرانوالہ اور مولانا عبدالشکور صاحب لکھنؤی دم ۱۳۶۲ھ) تھے یہ

**علماء کا فیصلہ** | ان حضرات کی شہادتوں کا خلاصہ یہ تھا کہ مرزا غلام احمد اور ان کے متبعین کافر و مرتد ہیں، ان کے ساتھ مناکحت حرام ہے اگر نکاح کے بعد کوئی شخص مرزائی ہو جائے تو وہ نکاح بغیر قضا کا منیٰ نسخ ہو جاتا ہے اور اس کی منکوحہ کو دوسری جگہ نکاح کر لینا درست ہے۔

مرزا غلام احمد کے کافر و مرتد ہونے کے پانچ وجوہ بیان کئے گئے تھے: اول یہ کہ انہوں نے اپنے اوپر وحی نازل ہونے کا دعویٰ کیا تھا، دوم یہ کہ انہوں نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا، سوم یہ کہ انہوں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی اور حضرت مسیح الا نبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سخت گستاخیاں کیں، چہارم یہ کہ انہوں نے ضروریات دین کا مشاعرہ جسمانی وغیرہ کا انکار کیا تھا اور پنجم یہ کہ انہوں نے تمام دنیا کے ان مسلمانوں کو جو ان کو نبی نہیں تسلیم کرتے کافر کہا ہے۔

**اس فرقہ کو احمدی کہنا گناہ ہے** | مولانا لکھنؤی فرماتے ہیں کہ مرزا کے ماننے والے اپنے کو احمدی، لکھتے اور

کہتے ہیں اور اکثر مسلمان بھی اپنی نادانی اور کم علمی کی بنا پر انہیں احمدی، کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کو احمدی کہنے میں تین گناہ ہیں،

اول - احمدی، کہنا گویا اُس انحراف کی تصدیق کرنا ہے جو وہ اپنی کتابوں میں میں لکھ گیا ہے کہ آیہ کریمہ

لے مولت محمد یہ ملت محمدیۃ ملت محمدیۃ ملت محمدیۃ ۲۳۱ کے مولت محمدیۃ



وَبَشِّرِ الْأَكْبَرِ سُولِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
 اسْمُهُ أَحْمَدٌ ۔ تھ  
 اور میں بشارت سناتا ہوں کہ ایک پیغمبر جو  
 میرے بعد آئیں گے ان کا نام احمد ہوگا۔  
 کامصدق میں ہی ہوں۔

دوم۔ 'احمدی' کہنے میں اس امر کا شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ نسبت  
 سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک 'احمد' کی طرف ہے، جب کہ  
 ایسا بالکل نہیں ہے۔

سوم۔ آج سے بہت پہلے لفظ 'احمدی' امام ربانی مجدد الف ثانی  
 حضرت شیخ احمد سرہندی کے متوسلین کا مخصوص لقب رہ چکا ہے، چنانچہ  
 اس سلسلہ کے اکابر بطور شعار یہ لفظ اپنے نام کے ساتھ استعمال کیا کرتے  
 تھے جیسے (شاہ) غلام علی احمدی اور (شاہ) احمد سعید احمدی وغیرہ، ان حضرات  
 کی ہجروں میں یہ نسبت اسی طرح کندہ تھی اس لئے قادیانیوں کو احمدی کہنا گویا  
 اکابر امت کے ایک امتیازی لقب کا غصب کرنا ہے۔ تھ

**فِرْقَةُ غُلَامِيَّتِہَا** | اس فرقہ کا ایک مشہور نام مرزائی ہے لیکن یہ  
 لوگ اس نام سے چڑھتے ہیں، حضرت مولانا  
 سید محمد علی مونگیریؒ اس فرقہ کو "جدید عیسائی" کہا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کا  
 مقصد ہی اپنے عیسائی ہونے کا دعویٰ تھا لیکن حضرت مولانا عبد الشکور صاحب  
 لکھنؤی اس فرقہ کو غلامی، کہا کرتے تھے، غلام احمد نام میں دو جزہ ہیں بلکہ  
 دونوں کی طرف نسبت اس نام میں آگئی ہے، عربی قاعدہ کے مطابق یہ دونوں طریق  
 نسبت کثیر الاستعمال ہے جیسے عبد شمس سے عیشی، عبد العزیز سے عیز  
 اور عبد القیس سے عقیسی وغیرہ۔ علی مقلوں میں یہ نام بہت استعمال ہوا تھا

۱۔ سورۃ الصفہ، ۶۔ ۷۔ صوت محمدیہ منگ۔



حضرت نوگیریؒ نے بھی اس نام کو بہت پسند کیا تھا چنانچہ ان کے مؤسسین اس نام کو  
براہ راست مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تحریروں میں استعمال کیا کرتے تھے یہ

یہ پورا رسالہ چھپا سٹھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس کے اکثر و بیشتر مضامین  
وہی ہیں جو صحیحہ رنگون برپیروان دجال زبون میں لکھے گئے ہیں لہذا ان کی  
تکرار کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن یہ وقت کا اہم تقاضہ ہے کہ ایسے رسائل اور  
کتابیں جو اب نایاب ہوتی جا رہی ہیں انھیں دوبارہ شائع کیا جائے تاکہ ان سے  
روشنی حاصل کر کے آنے والی نسلیں صحیح اور سیدھی راہ کو اختیار کر سکیں اور عقائد  
کی گمراہیوں سے خود بھی بچ سکیں اور دوسروں کو بھی بچا سکیں۔

( بقیہ صفحہ ۲۸۶ کا )

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی امامت فرمائیں گے۔ یعنی جو افضل ہوگا۔ وہی امامت  
کرے گا۔ البتہ پہلے دن امامت سے گریز اس لئے ہوگا۔ تاکہ جو شبہ پیدا ہونے  
والا ہو۔ وہ زائل ہو جائے۔ اب جب ایک وقت (وہ بھی آتے ہی) امام مہدی  
کی اقتدار میں نماز پڑھ لی، وہ احتمال رفع ہو گیا۔ اور شریعت محمدیہ کا  
استقلال و دوام ثابت ہو گیا تو بعد میں حضرت عیسیٰؑ کی امامت سے کسی  
قسم کا انکال پیدا ہونے کا سوال ہی نہ ہوگا۔ اس لئے مستقلاً حضرت عیسیٰؑ  
کی امامت فرمائیں گے۔ ز دیکھئے تفصیلات کے لئے فتح الملہم ج ۴ ص ۳۳۳،

مرقات المفاتیح ج ۵ ص ۲۲۴

کوئی شبہ کر سکتا ہے کہ

سلم شریف کی بعض روایات میں "وَأَمَّا كُمْ مِنْكُمْ" اور "فَأَمَّا كُمْ مِنْكُمْ"

لے صولت نمبر ۱۱

کے الفاظ آئے ہیں، میں سے ظاہر ہوتا ہے کہ امامت حضرت عیسیٰؑ ہی فرمائیں گے اور امام مہدی مقتدی ہوں گے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ اس سے بھی قادیانی حضرت کا مدعا ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہمارے مذکورہ بالا جواب سے صاف ظاہر ہے کہ امام مہدی کے مقابلے میں اصل اور واقعی امام (انصافیت کے اعتبار سے) حضرت عیسیٰؑ ہی ہوں گے اور صرف ایک وقت امام مہدی کا امامت کرنا اسی شبہ کو زائل کرنے کیلئے ہو گا۔ جو اد پر بیان کیا گیا اور اس وقت کی امامت بھی حضرت عیسیٰؑ کے ہی حکم اور مرضی سے ہو گی۔

اس کے ساتھ ہی مسلم شریف کی اس روایت نے قادیانی حضرات کے ایک اعتراض کا جواب بھی فراہم کر دیا جو ان کے خیال میں نہایت ہی معرکہ الاراء و اعتراض ہے۔ اور غالباً وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کا جواب نہیں ہے۔

### اعتراض یہ ہے۔

(۱) حضرت عیسیٰؑ کی بعثت بنی اسرائیل کی طرف ہوئی تھی اور حضورؐ کی بعثت سارے عالم کی طرف، اب اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ ہی مسیح موعود بن کر آئیں گے؟ اور کیا یہ عقیدہ حضورؐ کی اس خصوصیت (سارے عالم کے لئے نبی ہونا) کو نہیں توڑتا؟

(۲) اگر ختم نبوت کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کے بعد کوئی نبی نہ آئے، تو حضرت عیسیٰؑ کا آنا کیا ختم نبوت کے منافی نہ ہو گا؟

(۳) اس اعتبار سے خاتم النبیین حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوتے کیونکہ ان کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا، حضورؐ علیہ السلام خاتم النبیین نہ ہوں گے۔ کیونکہ ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے۔ رد یکھے نزول المسیح ص ۵۷ از کاظمی محمد زبیر

اس اعتراض کا بہت ہی آسان اور سیدھا و سادہ جواب ہے، جو اعتراض کی



تینوں حقوں کو شامل ہے، جواب یہ ہے کہ حضورؐ کے بعد کوئی نبی نہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا نزول، حضرت عیسیٰؑ کی بعثت نہ ہوگی۔ کیونکہ حضرت عیسیٰؑ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی سو سال پہلے مبعوث ہو چکے تھے۔ اور جب بعثت نہ ہوئی تو یہ سوال ہی ختم ہو جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام صرف نبی اسرائیل کے لئے نبی ہوں گے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح سارے عالم کے لئے بعثت پر ہی دار و مدار تھا۔ عقیدہ ختم نبوت کا بھی، جب بعثت نہ ہوئی تو حضرت عیسیٰؑ کا نزول ختم نبوت کے منافی نہ ہوا۔ اس طرح خاتم النبیین حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی رہے نہ کہ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام، کیونکہ خاتم النبیین کا مطلب ہی یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہو اور ظاہر ہے کہ حضورؐ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔ رہا یہ سوال کہ کیا ثبوت ہے کہ حضرتؑ کا نزول، بحیثیت بعثت نہ ہوگا، اس کا جواب مسلم شریف کی اسی زیر بحث روایت میں موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا تھا:

وَأَمَّاكُمْ مِنْكُمْ اور وہ امامت کریں گے تمہاری، تمہیں میں

یعنی تمہاری شریعت کے مطابق نماز پڑھائیں گے (نہ کہ اپنی شریعت کے مطابق)

اس روایت کے ایک راوی ابن ابی ذئبؒ ہیں اور ان سے روایت کرنے والے

ولید بن مسلمؒ ہیں، ولید بن مسلمؒ کہتے ہیں کہ ابن ابی ذئبؒ نے مجھے کہا: اَللّٰهُ

مَا اَمَّاكُمْ مِنْكُمْ (کیا تم جانتے ہو کہ حضرت عیسیٰؑ تمہاری کیا امامت کریں گے۔

تمہیں میں سے؟) ولید بن مسلمؒ نے کہا: بخیر (آپ ہی بتائیے) انھوں نے کہا:

فَاَمَّاكُمْ بَكْتَابِ رَبِّكُمْ عَزَّوَجَلَّ پس وہ تمہاری امامت کریں گے تمہارے

وَسَيَنْتَظِرُكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رب عَزَّوَجَلَّ کی کتاب (قرآن) اور تمہارے



مسلم ج ۱ ص ۸۷، فتح الباری ج ۴ ص ۴۹۳  
فتح الملہم ج ۲ ص ۳۳۳

طبرانی میں عبداللہ بن مفضلؓ کی روایت میں ہے۔

ینزل عیسیٰ بن مریم مصداقاً  
بمحمد علی ملتہ فتح الباری ج ۴ ص ۴۹۱  
نودی میں ہے۔

ای ینزل حاکماً بهذا لا الشریعة  
لا ینزل نبیاً برسالة مستقلة و  
شریعة ناسخة بل هو حاکم من  
حکام هذه الامة و نودی علی السلم  
ج ۱ ص ۸۷  
ہوں گے۔

فتح الملہم میں ہے۔  
قال الطیبی المعنی یؤمکم عیسیٰ  
حال کونہ فی دینکم (ج ۲ ص ۳۰۳)  
مرقات المفاتیح میں ہے

ای یؤمکم عیسیٰ حال  
کونہ من دینکم  
رج ۵ ص ۳۳۳

امامت کریں گے عیسیٰؑ ان کے ہونے  
کی حالت میں تمہارے دین پر۔

ہیں گے عیسیٰؑ ان کے ہونے

ہیں گے عیسیٰؑ ان کے ہونے

ہیں گے عیسیٰؑ ان کے ہونے

## ایک نکتہ!

ایک قابل غور نکتہ یہ بھی ہے کہ زیر بحث حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت محمدیہ کی خوش قسمتی اور نصیبہ وری کو بیان فرمایا ہے۔ کَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ (تم کتنے اچھے اور خوش قسمت ہو گے۔ جب تم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے، حال یہ کہ تمہارا امام تمہیں میں سے ہو گا۔)

اس خوش قسمتی کی دو ہی شکل ہو سکتی ہے، تیسری نہیں۔

۱۱، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہوتے ہوئے، امت محمدیہ کا یہ اعزاز ہو کہ امامت، امت کا ہی کوئی فرد کرے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں۔

کیا حال ہو گا تمہارا (یعنی تم کتنے خوش قسمت ہو گے کہ) اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی قابل اعزاز و اکرام ٹھہرو گے، حال یہ کہ عیسیٰ ابن مریم تم میں اتریں گے۔ اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہو گا۔ اور عیسیٰ تمہارے امام کی امتداد کریں گے تمہارے دین کے اعزاز کو ظاہر کرتے ہوئے۔ اور اس کی تائید آنے والی حدیث (روایت جابرؓ) بھی کرتی ہے یہ۔

کیف حالکم وانتم مکرّمون عند الله تعالى والحوال ان عیسیٰ یُنزل فیکم واما مکرم منکم وعیسیٰ یقتدی بامامکم تکرّمه لدینکم ویشهد له الحدیث الذی اخر (مرقات المفاتیح ج ۵ ص ۱۲)

✦ ✦ ✦ ✦ ✦

✦ ✦ ✦ ✦ ✦

✦ ✦ ✦ ✦ ✦

لے یہ حدیث گزر چکی ہے

(۲) امامت حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کا کرہ، لیکن اپنی شریعت کے مطابق نہیں، بلکہ امت محمدیہ کو عطا کر وہ شریعت کے مطابق، جیسا کہ ابن ابی ذئب کی روایت سے پتہ چلا۔

دونوں میں سے جو مفہوم بھی لیا جائے، قادیانی حضرات کا یہ دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا کہ امامت کرنے والے عیسیٰ، امت محمدیہ میں سے ہوں گے، وہ عیسیٰ ابن مریمؑ نہ ہوں گے۔ جن کے متعلق رفع الی السماء کا عقیدہ ہے۔ مذکورہ بالا مباحث سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ، وہی حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام ہوں گے۔ جو زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور مہدی امت محمدیہ کے ایک فرد ہوں گے، جو نزول مسیح کے وقت موجود ہوں گے، لہذا دونوں ایک شخصیت نہیں، دو شخصیتیں ہیں  
( ختم شد )

یکم محرم الحرام ۱۴۳۸ھ سے ماہنامہ دارالعلوم کی  
شرح خریداری ۲۰/۳ سالانہ ہوگی

ختم نبوت نمبر۔ ایک ساتھ پانچ نسخے منگائے ۲۵ فیصد  
کمیشن دیا جائے گا۔ -

ختم نبوت نمبر۔ قیمت - ۳۰ روپے۔



# معصوم نو بہاول

آپ کے بچوں کو دینی شعور اور اسلامی تاریخ سے واقفیت  
کی آج بہت زیادہ ضرورت ہے  
اس کے لئے ان کو "اسلامی تاریخ" یہ سلسلہ  
ضروری پڑا۔

آسان زبان • دلچسپ طرز • حسین کتابت • سفید کاغذ  
خوبصورت ٹائٹل • آفسٹ

رسول عربی اردو - ۴۴ ہندی - ۱۱/، انگریزی - ۱۰/ - خلافت راشدہ اول - ۱۰/۱  
خلافت راشدہ دوم - ۶/۱ خلافت نبوی امیر - ۶/۱

دینی درسگاہ کے ذمہ دار از کتابوں کو نصاب میں داخل فرمائیں  
اور تحبہ بہ فرمائیں

دارالعلوم دیوبند - جامعہ ملیہ دہلی - مدرسہ اسلامیہ آباد - دارالعلوم  
دہلی

ہند پاک، افریقہ، عرب، ہندوستان میں بڑے بڑے علماء  
ملنے کا یہ قومی کتاب گھر - ڈاکٹر محمد علی شاہ

(دہلی اور دیوبند کے برسرے حب فرمائیے)



# DARUL ULOOM MONTHLY

Deoband (U.P.)

## فہرست مطبوعات مکتبہ دارالعلوم دیوبند

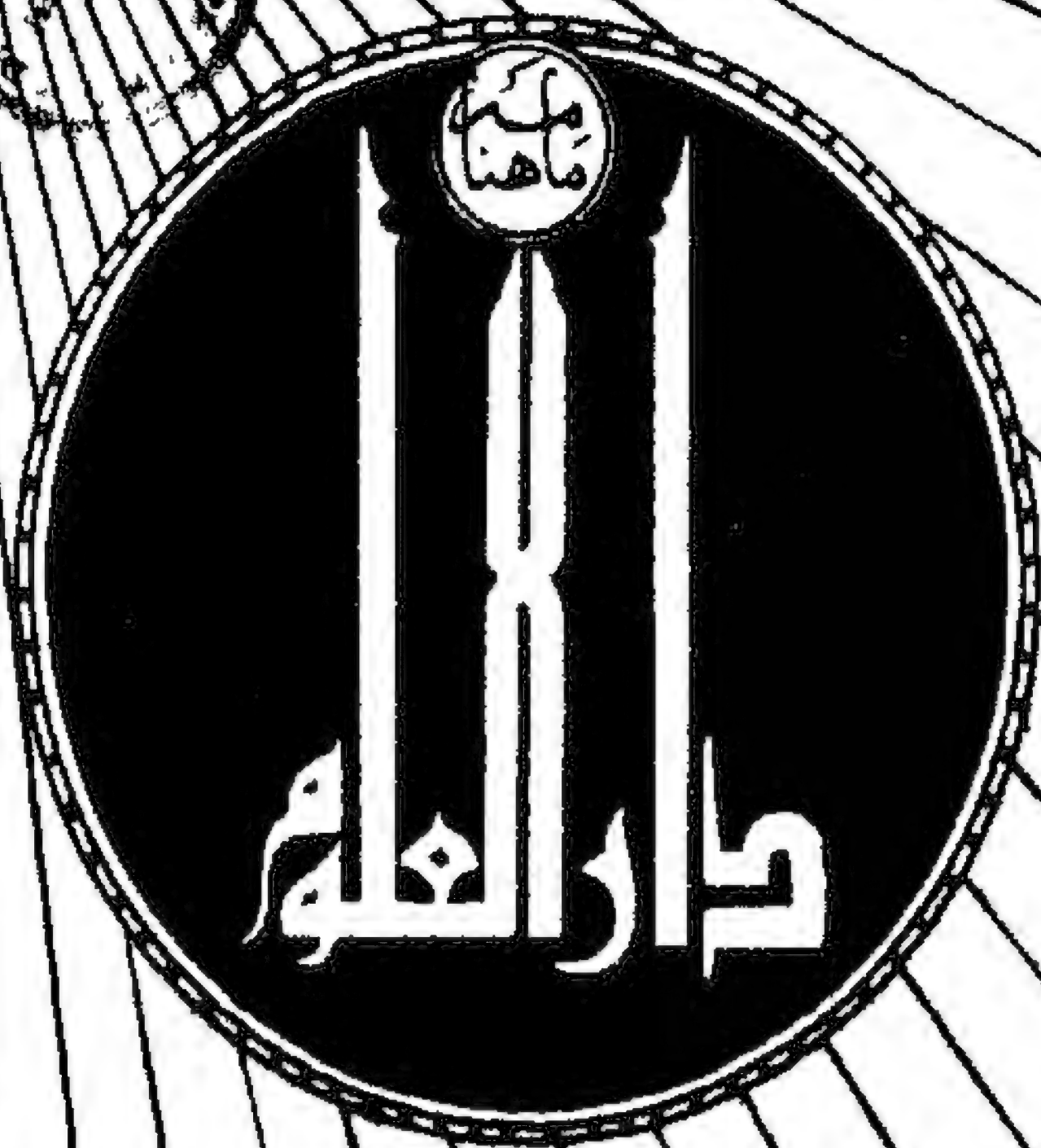
۲۶/۰	جماعت اسلامی کا دینی رخ	۲۶/۰	قرآنی پیشین گوئی	۳۱/۰	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند
۱۲/۵۰	مکمل درجہ ہار حصہ	۱۲/۵۰	انتصار الاسلام	۲۵/۰	مکمل بارہ جلدوں میں
۲۵/۰	مودودی دستور و	۲۵/۰	قبلہ نما	۱۵/۰	مقامات تحریری
۱۲/۰	عقائد کی حقیقت	۱۵/۰	برائین قاسمہ	۱۵/۰	دیوان المتن
۵/۰	ایمان و عمل	۱۵/۰	حکمت قاسمہ جلد	۱۵/۰	حسابی
۶/۰	غلط فہمیوں کا ازالہ	۱۵/۰	قرآن محکم	۱۵/۰	ملاحضات
۱۵/۰	دوسروں کی مسئلے	۱۵/۰	حجۃ الاسلام	۱۵/۰	عقیدہ نظامی
۲۲/۰	مشاہیر علماء دیوبند	۱۶/۰	مدارج سدوک	۱۶/۰	مشکوۃ الام
۱۶/۰	علماء دیوبند اور علم حدیث	۱۶/۰	جائزہ تراجم قرآنی	۱۶/۰	الفیۃ الحدیث
۱۶/۰	دارالعلوم کی تاریخ سیاست	۵/۰	دینی دعوت کا قرآنی اصول	۵/۰	الفتیۃ
۱۰/۰	سکاح و طلاق	۹/۰	اسرائیل	۹/۰	نفحۃ الادب
۲/۰	دور منشور اول	۱۵/۰	حقیقت معراج	۱۵/۰	مقدار ابن الصلاح
۱/۵۰	دور منشور دوم	۱۰/۰	دارالعلوم کا ایک فتویٰ	۱۰/۰	المنار الانوار
۲۵/۰	اسلام اور قادیانیت کا تقابلی مطالعہ	۲۲/۰	اور اس کی حقیقت	۲۲/۰	الاشباہ والنظائر
۸/۰	نزول عیسیٰ اور ظہور مہدی	۱۱/۰	ناقابل فراموش واقعات	۱۱/۰	تفسیر مدارک التسنیل
۴/۰	تحقیق الکفر والایمان	۵/۰	تفہیم القرآن کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ	۵/۰	تفسیر معوذتین
۱/۵۰	اسلام اور مرزائیت کا اصولی اختلاف	۲/۰	اجتماع گنگوہ	۲/۰	ماثورہ دعائیں، دوزنگیں
۲/۰	دعادی مرزا	۵/۰	اسلامی عقائد اور سائنس	۵/۰	مثنوی فروغ
۵/۰	ختم نبوت	۲۹/۰	مودودی مذہب	۲۹/۰	مخطوطات مکمل درود جلد
۲/۵۰	مسیح موعود کی پہچان	۱۰۰/۰	نظریہ دو قرآن پر ایک نظر	۱۰۰/۰	تاریخ دارالعلوم مکمل اردو دہلی
۲/۰	قادیانیت پر غور کرنے کا سید غلام	۳۱/۰	مکتوب ہدایت	۳۱/۰	تاریخ دارالعلوم مکمل انگریزی
۲/۰	مناقصات مرزا	۱۰/۰	مکتوبات	۱۰/۰	مصابیح التراویح
۲/۰	غسلہ ختم نبوت	۱۲/۰	اعظام النبی	۱۲/۰	سوانح قاسمی مکمل درود جلد



ستمبر ۱۹۸۶ء

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

NO. 1987



مدیر

حبیب الرحمن قاسمی







## فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	نگارشی	صفحہ
۱	حرف آغاز	ادارہ	۳
۲ ✓	ہندوستان کے مدارس عربیہ کی جائیدادیں	حضرت مولانا ریاست علی صاحب بخاری	۴
	وقف یا اطلاق عامہ	استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند	۷
۳	تحقیق والد حضرت ستیابا ابراہیم علیہ السلام	مولوی نسیم احمد مظفر پوری	۲۷
		فاضل دارالعلوم دیوبند	
۴ ✓	شوشال جگرے کا آسان فیصلہ	حافظ محمد اقبال صاحب رنگونی	۳۵
		ماہیٹر - انگلینڈ	
۵ ✓	پارچہ پانف علماء علامہ سمعانی کی نظر میں	مولانا عبد القیوم صاحب - دارالعلوم	۴۱
		اکوڑہ خٹک	

## ہندوستانی و پاکستانی خریداریوں سے ضروری گزارش

۱۔ ہندوستانی خریداریوں سے ضروری گزارش یہ ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پا کر اقل قیمت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ کریں۔

۲۔ پاکستانی خریداری اپنا چندہ مبلغ ۶۵ روپے ہندوستانی مولانا عبد الستار صاحب ہتم جاموہ عربیہ محمودیہ داؤد والا براہ شجاع آباد ضلع ملتان پاکستان کو بھیجیں اور انھیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کر لیں

۳۔ خریداری حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمائیں۔ خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ والسلام

منیجر رسالہ دارالعلوم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# حرف آغانہ حادثہ حرم پاک شیعیت کے منفی کردار کی روشنی میں

فرقہ شیعہ دراصل یہودیت کی پیداوار ہے۔ جس طرح سینٹ پال دیپولوس رسول یہودی نے ازراہ تعصب مسیحیت کا لبادہ اوڑھ کر دین مسیح کی صداقت اور عقیدہ توحید کو دشمنیت اور شرک سے آلودہ کر دیا۔ ٹھیک اسی طرح صنعا کے ایک یہودی عبداللہ بن سبا نے منافقانہ طور پر اسلام میں داخل ہو کر اسلام کے صاف و شفاف چشمے کو اپنے مشرکانہ عقائد سے مکدر کرنے کا ناپاک کوشش کی۔ یہ یہودی منافق اگرچہ "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحاظون" کے خدائی وعدہ حفاظت کی بنا کر اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب تو نہ ہو سکا لیکن ملت اسلامیہ کے اندر اختلاف و انتشار کا ایسا بیج ہو گیا کہ امت اس وقت سے لیکر آج تک اتفاق و اتحاد سے محروم ہے

یہی ابن سبا یہودی شیعیت کا مؤسس دہانی ہے اسی لئے مشہور تابعی امام شعبیؒ فرماتے تھے کہ "شیعہ اس امت کے یہود ہیں" (الفصل ج ۴ ص ۱۸۰) یہی امام شعبیؒ ایک دوسرے موقع پر اپنے تلامذہ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"احذروکم اہل ہذہ الاہواء المضلۃ وشرھا الرافضۃ لم یدخلوا فی الاسلام رغبتہ ولا دہبتہ ولیکن مقتلاً اہل الاسلام وبعیاء علیہم وقد نفاہم علی رضی اللہ عنہ الی البلد ان منہم عبد اللہ بن سبا یہودی من یہود صنعا نفاہا الی سبا باط وعبد اللہ بن یسار الی خازر"

(الصراع بین الاسلام والوثنیۃ)

یہودیت اور شیعیت کے تقابلی مطالعہ سے امام شعبی کے قول کی حرف بہ حرف تائید ہوتی ہے کیونکہ فرقہ شیعہ کے بیشتر عقائد، اخلاق اور اعمال یہودیت ہی کی صدائے بازگشت معلوم ہوتے ہیں بطور مثال و نمونے کے چند امور یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔

۱۔ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ کر انھیں الوہیت کا درجہ دیتے ہیں۔ اسی طرح عبداللہ بن سبا اور اس کے پیرو شیعہ حضرت علی کی الوہیت کے قائل ہیں۔  
۲۔ یہودیوں کے نزدیک خلافت حکومت آل داؤد کے ساتھ مخصوص ہے اسی طرح شیعوں کے نزدیک خلافت امامت آل رسول و آل بیت ہی کا حصہ ہے۔

۳۔ یہود حضرت جبریلؑ کے بارے میں کہتے ہیں۔ دھوعدا ونامون الملائکۃ شیعہ بھی یہی کہتے ہیں۔

۴۔ یہود نے اپنی کتاب تورات میں تحریف کی، شیعہ فرقے نے بھی قرآن کریم میں تحریف کی، پاک کوشش کی

۵۔ یہود مسیح علیٰ الخفین کو جائز نہیں سمجھتے۔ یہی مسلک شیعوں کا بھی ہے۔

۶۔ یہود اپنے علاوہ کسی کو جنتی نہیں سمجھتے لن یدخل الجنة الا من کان یہوداً۔ شیعہ فرقہ

کا بھی یہی زعم باطل ہے

۷۔ یہود اشتباک نجوم تک نماز کو مؤخر کرتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ نماز مغرب کو اشتباک

النجوم کے بعد ادا کرتے ہیں۔

۸۔ یہود الجرمی والمرامی پھسل کو حرام سمجھتے ہیں۔ یہی مذہب شیعوں کا بھی ہے۔

۹۔ یہودیوں کے یہاں عورتوں پر عذت نہیں ہے۔ یہی بات شیعہ بھی کہتے ہیں

۱۰۔ یہود تمام غیر یہودیوں کے احوال کو اپنے لئے خلال سمجھتے ہیں۔ اسی نظریہ کے قائل شیعہ بھی ہیں

و تلك عشرة كاملة، ان کے علاوہ اور بھی ایسے بہت سے امور ہیں۔ جن میں شیعہ اہل

اسلام کے بجائے یہودیوں کے مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔ چونکہ اس فرقہ کا توحید اصلاً

یہودی ہے اس لئے شیعیت اور یہودیت میں یہ مناسبت و مطابقت فطری ہے۔



فرقہ شیعہ اپنے ابتداء سے وجود سے عالم اسلام کے لئے ایک خطرہ بنا ہوا ہے اور ہمیشہ سے اس کی یہی کوشش رہی ہے کہ ملت اسلامیہ میں اختلاف و انتشار پیدا کر کے اسکے شیرازہ کو منتشر کر دے۔ چنانچہ اس کے بانی ابن سبار نے اپنی خفیہ سازشوں کے ذریعہ خلیفہ ثالث داماد رسول حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف بغاوت برپا کی جس کے نتیجہ میں ۳۵ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، بانی شیعیت کی منافقانہ سازشوں کی بناء پر ۳۶ھ میں واقعہ جمل اور ۳۷ھ میں صفین کا حادثہ پیش آیا۔ جس کے نتیجہ میں اسلامی متحدہ قوت و حصوں میں تقسیم ہو گئی اور اس کے نقصان دہ اثرات سے آج تک امت مسلمہ چٹکارا حاصل نہ کر سکی، شیخ الشیخ نصیر طوسی اور وزیر علقمی شیعہ کی دوہرہ کوششوں سے ہلاکوں کاں کے ہاتھوں ۵۶ھ میں خلافت عباسیہ کا سقوط اور مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ تاریخ اسلام کے یہ ایسے دردناک اور ہلاکت خیز حادثات ہیں جن کا اسلام اور مسلمانوں کو کھس شیعوں کی فتنہ پرداز یوں اور درپردہ سازشوں کی بناء پر دوچار ہونا پڑا ہے۔ (تفصیل کیلئے تاریخ طبری، تاریخ کامل، تاریخ ابن کثیر وغیرہ کا مطالعہ کیجئے)

چونکہ شیعوں کے نزدیک مکہ میں رہنے والے مسلمان خدا کے کھلے ہوئے شکر اور اہل مدینہ مکہ والوں کی بہ نسبت شتر گنا پلید ہیں (اصول کافی ج ۲ ص ۴۰۹) نیز ان کے نزدیک حرمین شریفین کے مقابلہ میں نجف اور کربلا زیادہ محترم و مقدس ہیں (اصول کافی) والشیخ و المنار ص ۲۵) اس لئے حرمین شریفین کے مسلمانوں کو قتل کرنا اور حرمین کی مرکزیت کو ختم کرنا ان کے نزدیک کار ثواب ہے۔ اسی بناء پر شیعوں کو جب بھی اقتدار نصیب ہوا ہے انھوں نے حرمین شریفین بالخصوص مکہ معظمہ کی مرکزیت کو پامال کرنے کی پوری کوشش کی ہے چنانچہ فرقہ امامیہ کی مشہور شاخ اسماعیلیہ نے اپنے دور اقتدار میں ملت اسلامیہ کو جس طرح اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا اور اہل سنت والجماعت کے علمائین کو جس طرح جُن جُن کر انھوں نے قتل کیا تاریخ اسلام کے اوراق اس خونچکاں داستان سے لالہ زار ہیں۔ علاوہ ازیں اس فرقہ نے اپنے دور اقتدار میں مکہ معظمہ کی مرکزیت کو ختم کرنے کی غرض سے ایسی ایسی انسانیت سوز حرکتیں کی ہیں۔ جنہیں یاد کر کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ۷۹ھ میں انھوں نے مکہ معظمہ سے حج کر کے

دائیں ٹوٹنے کے قاتلوں پر زبردست حملے کئے اور تقریباً بیس ہزار حاجیوں کو شہید کر ڈالا۔ پھر اسی گروہ نے ۱۹۸۳ء میں اپنے سردار ابو طاہر سلیمان کی زیر قیادت ایام حج میں مکہ معظمہ پر حملہ کیا اور خاص یوم ترویہ میں حاجیوں پر شب خوں مار کر ان کے مال و اسباب لوٹ لئے اور بہت سا رکاب حاجیوں کو بیت الحرام میں قتل کیا۔ مگر اسود کو زکاں کر اپنے دار الخلافہ لے گئے تاکہ مسلمان مکہ معظمہ میں حج کرنے کے بجائے ہمارے دار السلطنت میں حج کرنے آیا کریں، حسب بیان احمد امین اس قتل و غارتگری کا سلسلہ بارہ دن تک جاری رہا (ظہر الاسلام)

فرقہ امامیہ کی دوسری مشہور و معروف شاخ اثنا عشریہ بھی اس وقت اسی منفی کردار کو دہرا رہی ہے۔ چنانچہ اپنے قائد امام و پیشوا اور نائب امام غائب علامہ خمینی کی ہدایت کے مطابق یہ لوگ ہر سال حج کے موقع پر انتشار و اختلال پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ گذشتہ حج کے نام پر آنے والے ان دہشت گرد پاسداران خمینی کی اٹیچیوں میں اچھی خاصی مقدار میں پلاسٹک بم اور دیگر آتش گیر مادے پکڑے گئے تھے کہ ان کی تھوڑی سی مقدار ہزاروں کو ختم کرنے کے لئے کافی تھی۔ حج کے موقع پر پاسداران خمینی کی ان دہشت انگیزیوں کا مقصد یہ ہے کہ حجاج اس طرح کے اہل بھل سے گھبرا کر وہاں آنا بند کر دیں اس طرح سے مکہ کی مرکزیت از خود ختم ہو جائے گی اس کے بعد اس پر قبضہ کرنا آسان ہو جائے گا جس کا خواب خمینی ایک عرصہ سے دیکھ رہے ہیں۔

حرم پاک کے اس حادثہ کو جو لوگ ایک وقتی حادثہ سمجھ رہے ہیں وہ غالباً شیعیت کے اس تاریخی منفی کردار سے یا تو واقف نہیں ہے یا جان بوجھ کر سہل انگاری سے کام لے رہے ہیں۔ ورنہ درحقیقت شیعیت کی طرف سے ملت اسلامیہ کو ایک چیلنج ہے جس کا جواب نہ صرف سعودیہ حکومت ہی کے ذمہ نہیں ہے بلکہ پوری ملت اسلامیہ پر اس کی جوابدہی شرعاً لازم ہے۔ ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے

ہند کے ساحل لے کر تاجا کھ کا شہر



# ہندوستان کے مدارس کی جائیدادیں وقف یا املاک عامہ

از۔ مولانا ریاست علی صاحبہ بجنوریہ

اسلام نے جس وقت ارض حجاز سے قدم باہر رکھا تو اس کے ایک ہاتھ میں فتح و نصرت کا پیچہم اور دوسرے میں علم و فن کا چراغ تھا۔ وہ جس سو زمین میں بھی پہنچا وہاں علوم و معارف کی محفلیں آراستہ کر دیں۔ یہی علمی محفلیں آگے چل کر ”مدارس“ کے نام سے یاد کی جانے لگیں۔

ابتداء میں ان مدارس کے لئے علاحدہ اور مستقل عمارتیں نہیں تھیں بلکہ عام طور پر مساجد ہی سے درسگاہوں کا کام لیا جاتا تھا۔ مورخین کی تحقیق کے اعتبار سے ۳۹۵ء سے مدارس کیلئے علاحدہ عمارتوں کے سلسلہ خیر کی ابتدا ہوئی پھر تو ہر امیر و رئیس کا یہ عمومی طریقہ کار بن گیا کہ وہ اپنے اپنے دور میں مدارس کی تعمیر اور ان کے مصارف کیلئے جاگیروں اور وظائف کا انتظام اپنی نیک نامی کے لئے فرمایا سمجھتے تھے

دیگر ممالک اسلامیہ کی طرح برصغیر میں بھی مدارس اور اسلامی درسگاہوں کا سلسلہ مسلمان سلاطین امدان کے اہلکار کی داد و بخشش ہی سے متعلق رہا۔ اور ہر کہ آمد عمارتوں نو ساخت ”سلاطین“ اور اس کے نیک دل و ذرا و اہرام نے شہر و قصبات میں اسلامی مدارس کا ایک جال بھیلادیا جس کا سلسلہ ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے تسلط تک جاری رکھا۔ لیکن جب بھٹانی سامراج نے ملک کے اقتدار کو اپنے پنجے استبداد میں پوری طرح جکڑ لیا تو نہ صرف یہ سلسلہ خیر ختم ہو گیا بلکہ قدیم درسگاہوں اور ان کی جاگیروں کو بھی کو ضبط کر لیا گیا۔



اس صورتِ حال کی سنگینی اور اس کے دور رس نتائج بد علانے فن کی نگاہوں کے سامنے ایک حقیقت کی طرح نمایاں تھی وہ اپنے نور بصیرت سے دیکھ رہے تھے کہ عربی درسیں اسی طرح بے خانماں برباد رہیں تو پھر مادی اقتدار کے ساتھ ملت اپنے اسلامی عقائد و اعمال سے بھی محروم ہو جائے گی۔ چنانچہ خانوادۃ دلی اللہی سے منسلک اکابر دیوبند اس صورتِ حال سے مقابلے کی ایک نئی اسکیم سوچی کہ اب تک مدارس اور ان کے مصارفِ مسلمان امراء و رؤسا کی داد و بخش پر موقوف تھے۔ لیکن اب اسلامی درسگاہیں عوامی چنڈے کی بنیاد پر قائم کی جائیں۔ اس کا اولین تجربہ دیوبند ہی کی سر زمین میں کیا گیا جو سونی صد کا نیا رہا اس لئے اس تجربہ کے بعد اسی پنجہ پر پورے برصغیر میں مدارس کا جال پھیلا دیا گیا۔ اور اس وقت خیال یہاں ہے کہ برصغیر کے تمام تر مدارس عوامی چنڈے ہی سے قائم ہیں کسی شخص واحد نے اپنی مخصوص اہلاک جائیداد کے ذریعہ انھیں قائم نہیں کیا ہے۔ قدیم و جدید درسگاہوں میں یہ ایک ایسا بنیادی امتیاز ہے جسے مدارس کے موضوع پر بحث و گفتگو میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ادھر چند سالوں سے بعض حلقوں کی جانب سے بڑی شدت کے ساتھ یہ آواز بلند کی جا رہی ہے کہ یہ مدارس وقف ہیں اس شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ حضرات مدارس کے نام کے ساتھ ”وقف“ کا لاحقہ ضرور لگاتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ ان وقف وقف کی رٹ لگانے والوں کا مقصد اسلامی مدارس اور ان کی جائیدادوں کی فقہی حیثیت واضح کرنی نہیں ہے بلکہ یہ لوگ اس کے پردے میں بحق تولیت ان مدارس میں اپنی وراثت قائم کرنا چاہتے ہیں اور ملت کے سرمایہ کو اپنی ذاتی جاگیر کے طور پر استعمال کرنے کی فکر میں لگے ہیں۔ اپنے متوفیوں کے ہاتھوں آج مسلمات کا جو مشرہور ہوا ہے۔ وہ بزبانِ حال اس بات کا شاہد ہے بایں ہمہ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر اب تک پوری توجہ نہیں کی گئی ہے لیکن اب ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کو پورے طور پر منقح کیا جائے۔ زیر نظر مقالہ اس سلسلے کی ایک کوشش ہے جو علماء کی توجہ کے لئے پیش کی جا رہی ہے۔ ————— جیب الرحمن قاسمی

حضرات فقہاء کرام ہر جائیداد کو وقف نہیں کہتے بلکہ وقف جائیداد کی ایک خاص نوع اور شریعت کی ایک خاص اصطلاح ہے، اس کی ایک مستقل تعریف، شرائط، الفاظ اور مقاصد ہیں اور فقہاء کرام نے ان تمام چیزوں کا انسانی امکان کی حد تک تفصیل اور وضاحت کر دی ہے کہ ہر جزئیہ منقطع ہو گیا ہے، اگر کسی جائیداد پر وقف کی تعریف صادق نہ آئے یا اس کے شرائط نہ پائے جائیں تو اس کو وقف کہنا، لفظ وقف کا مجازی استعمال ہے۔

وقف کے لغوی معنی ہیں روکنا، باندھنا، اور اصطلاحی تعریف امام اعظم ابو حنیفہ کے یہاں ہے۔ جلس العین علی ملک الواقف والتصدق بمنفعها او صرف منفعتها الی من احب، یعنی امام صاحب کے یہاں کسی مخصوص چیز کی ملکیت کو، مالک کی ملک میں روک کر، اسکے منافع کو واقف کی منشاء کے مطابق نیک کاموں کے لئے مخصوص کر دینا وقف کہلاتا ہے۔ امام صاحب کے الفاظ کا خلاصہ یہ ہے کہ مالک کے تصرفات کی حد بندی کر دی جائے کیونکہ ملکیت تو اصل مالک ہی کی قائم رہتی ہے لیکن حقوق تصرف میں حد بندی کر دی جاتی ہے کہ فلاں کام کر سکتے ہو اور فلاں کام نہیں کر سکتے، اسی وجہ سے امام صاحب کے یہاں تسجیل یعنی رجسٹریشن اور حاکم کا فیصلہ ضروری ہے۔

جبکہ قاضی ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک وقف کی تعریف جلس العین لا علی ملک احد غیر اللہ ہے۔ یعنی شے موقوفہ سے مالک کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ معنوی طور پر خدا کی ملکیت میں اس طرح آ جاتی ہے کہ اس کے منافع سے مخلوق جائز طور پر استفادہ ہوتی رہے۔ امام صاحب اور صاحبین کے نقطہ نظر سے وقف کی یہ تعریف ”ہدایہ“ سے لی گئی ہے۔

حضرت مولانا فتح محمد صاحب تائب لکھنوی نے وقف کی تعریف اس طرح کی ہے۔

”کسی مال کا نفع بغرض خوشنودی نفس یا رضائے الہی دائمی طور پر کسی شخص یا کسی کام کیلئے مخصوص کر دینا“ (تظہیر الاموال ص ۱۴۷)

”مجموعہ قوانین اسلام“ میں وقف کی تعریف یہ کی گئی ہے۔

”کسی قیمتی شے کی ذات (Corpus of Property) کو خدا کی ملکیت میں مقید کر دینا اور اس کی منفعت کو دوسروں پر بہ اغراض مذہبی و خیراتی نیک نیتی کے ساتھ دائماً صدقہ کر دینے کا صاف اور صریح اظہار وقف کہلاتا ہے“ (مجموعہ قوانین اسلام ص ۱۴۷)

خلاصہ یہ ہے کہ ہر جائیداد محض نیت کر لینے سے وقف نہیں ہو جاتی۔ بلکہ جائیداد کو مخصوص تصرف کے ذریعہ وقف کیا جاتا ہے اور اس کے شرائط بھی ہیں، ڈاکٹر تنزیل الرحمن صاحب نے مجموعہ قوانین اسلام میں ان شرائط کی تفصیل کی ہے جن کا جواز وقف کیلئے ہونا ضروری ہے۔

(۱) واقف عاقل، بالغ اور آزاد ہو (۲) وقف کے وقت غیر مجبور ہو (۳) وقف کے وقت شے موقوفہ کا مالک ہو۔ (۴) وقف کا اعلان نیک نیتی اور حقیقی ارادے کے ساتھ ہو۔

(۵) وقف ماسوائے وصیت فوری ہو اور کسی شرط پر موقوف نہ ہو الا یہ کہ وہ شرط یقیناً موجود ہو یا موجود ہو جانے والی ہو۔ (۶) شے موقوفہ معروف اور مشخص ہو (۷) بیع یا ہبہ کرنے کی شرط نہ کی گئی ہو۔ (۸) وقف دائمی ہو۔ (مجموعہ قوانین اسلام ص ۱۵۳)

وقف کے جواز کی یہ شرطیں، شے موقوفہ، واقف اور موقوف علیہم تینوں ہی سے متعلق ہیں، ہم یہاں چونکہ صرف مدارس عربیہ کی املاک سے بحث کر رہے جو ہندوستان میں عام طور پر چنڈہ سے خریدی جاتی ہیں اس لئے یہاں وقف کی جملہ اقسام اور احکام کی تفصیل بیان نہیں کی جائے گی بلکہ یہ بیان کرنے کی کوشش کریں گے کہ مدارس عربیہ کی جائیدادوں اور املاک کی کیا نوعیت ہے، اور کیا ان سب املاک پر وقف کا اطلاق حقیقی ہے یا مجازی، یا بعض جائیدادوں پر اطلاق حقیقت اور بعض پر مجاز ہے تو اس سلسلے میں یہ عرض ہے



کہ فقہاء کرام کا مندرجہ ذیل باتوں پر اتفاق ہے کہ  
(الف) جائیداد موقوفہ کا وقف کے وقت، وقف کی ملکیت میں ہونا ضروری ہے  
(ب) وقف کرنے کیلئے، معنی وقفی پر دلالت کرنے والے الفاظ، یا ایسی تعبیر کا اختیار  
کرنا ضروری ہے جو ان کے ہم معنی ہو۔

(ج) جو چیز یا جائیداد وقف کی جائے وہ خود باقی رہنے والی ہو، تاکہ اصل کی بقا  
کے ساتھ منافع، وقف کی تصریح کے مطابق مستحقین پر خرچ کئے جائیں۔

چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی ملوکہ جائیداد، کسی مدرسہ کیلئے تمام شرائط وقف کو پورا  
کرتے ہوئے صریح الفاظ یا ان کے ہم معنی الفاظ کے ساتھ وقف کی ہو تو وہ یقیناً وقف  
ہو جائے گی۔ لیکن اگر وہ جائیداد کسی کی ذاتی ملک نہیں تھی بلکہ چندہ کی رقم سے خریدی  
گئی یا کسی شخص نے اپنی جائیداد وقف کے طور پر نہیں بلکہ سبب اور تصدق کے طور پر مدد  
کو دی تو یہ دونوں جائیدادیں مدد کی ملک ضرور بن جائیں گی مگر وقف الّا ان پر حقیقت  
نہ ہو گا۔

پہلی صورت یعنی چندہ کے ذریعہ خرید کردہ جائیداد کے وقف حقیقی نہ ہونے کیلئے  
اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ چندہ کسی ایک کی ذاتی ملک نہیں تھا بلکہ مالکین کی تعداد اتنی  
زیادہ تھی کہ ان سب کو ایک نقطہ نظر پر متفق کرنے کیلئے کوئی اقدام نہیں کیا گیا، دوسرے  
یہ کہ چندہ خود وقف نہیں ہوتا۔ کیونکہ وقف میں یہ ضروری ہے کہ اس کی اصل باقی رہے۔  
اور منافع مستحقین میں صرف کئے جاتیں، اور اس بنیاد پر قطب العالم حضرت گنگوہی،  
فقہ الاسلام حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری اور حکیم الامت مولانا اشرف علی  
تھانوی نے چندہ کے وقف ہونے سے انکار فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو علی الترتیب تذکرۃ الرشید

ج ۱ ص ۱۶۴، فتاویٰ خلیلیہ ج ۱ ص ۳۱۹، اور امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۷۲۔

اس لئے جب چندہ خود وقف نہیں تو اس کے ذریعہ خرید کردہ جائیداد پر بھی وقف کا

اطلاق مجازی قرار دیا جائے گا۔

رہی دوسری صورت، یعنی ذاتی جائیداد کو وقف کے کلمات کے بجائے، ہبہ یا تصدق کے کلمات کے ذریعہ مدارس وغیرہ میں دینا، تو اس میں معنی وقف پر دلالت کرنے والے کلمات نہ ہونے کی بنیاد پر وقف کی حقیقت تحقق نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا فتح محمد صاحب تائب لکھنوی لکھتے ہیں۔

”مبطل وقف وہ کلمے ہیں جو معنی خلاف پر دلالت کریں، مثلاً کہیے کہ یہ گاؤں درویشوں کو دیا، یہ مکان مدرسہ کیلئے ہے۔ یہ وقف نہیں، ہبہ و تصدق ہے۔“

(عطر ہدایہ ص ۱۷۱)

آگے تحریر فرماتے ہیں۔

”وہ تمام معافیاں اور جائیدادیں جن کے وقف ناموں میں اس قسم کی عبارتیں

ہوں ہبہ بھی وقف نہیں۔“ (عطر ہدایہ ص ۱۷۳)

حضرت مولانا فتح محمد صاحب رحمہ اللہ نے مسئلہ بالکل صراحت کے ساتھ لکھ دیا کہ اگر فرد واحد نے اپنی ملکیت کا مکان مدرسہ کو دیا۔ لیکن وقف کی تصریح نہیں کی بلکہ یہ کہا کہ یہ مکان مدرسہ کے لئے ہے تو وہ مکان مدرسہ کی ملکیت میں تو آجائے گا۔ لیکن اس کو وقف قرار نہیں دیا جائے گا۔ بلکہ ایسی تمام جائیدادیں جن کے وقف ناموں میں اس طرح کی عبارتیں ہوں وہ ہبہ قرار دی جائیں گی، وقف نہیں کہلائیں گی۔

حضرت مولانا کی عبارت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ ہبہ کے کلمات کے ذریعہ مدارس کو دی جانے والی جائیدادوں پر اگر وقف کا اطلاق کیا بھی گیا ہو تو یہ مجازی اطلاق ہوگا کیونکہ اس جزیئہ کو موصوف نے مثال دے کر واضح کیا ہے کہ اگر اس قسم کی عبارتیں ہوں کہ یہ گاؤں درویشوں کو دیا، یا یہ مکان مدرسہ کے لئے ہے۔ ”تو یہ ہبہ ہے وقف نہیں۔“

## مدیر اشرف العلوم کانپور کی جائیداد کے سلسلے میں علماء کے فتاویٰ

فرد واحد اگر اپنی ذاتی ملکیت کو کسی مدرسے میں وقف کی تصریح کے بغیر دیدے تو وہ مدرسے کی ملک تو ہو جاتی ہے لیکن وقف نہیں ہوتی اور وقف کا یہ اطلاق مجازی ہوتا ہے اس سلسلے میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ اشرف العلوم کانپور کے بارے میں پیش آنے والے واقعہ کی مختصر روداد پیش کر دی جائے۔

مدیر اشرف العلوم ایک مسجد میں قائم تھا کہ وہاں کے مہتمم کو یہ پیش کش کی گئی کہ تم مدرسہ کیلئے کوئی جگہ تلاش کرو، ایک صاحب خیر اس کو خرید کر اس پر مدرسہ کے لئے عمارت بنوا دیں چنانچہ وہاں کے مہتمم نے جگہ تلاش کی، وہ جگہ مدرسہ کے لئے خرید لی گئی، پھر اس پر تعمیر کی گئی۔ اور مدرسہ شروع ہو گیا لیکن دو چار دن کے اندر ہی مہتمم مدرسہ اور ان صاحب خیر کے درمیان اختلاف ہو گیا تو ان صاحب خیر نے مدرسہ کی عمارت خالی کرالی اور اس کو ایک یتیم خانے کے نام وقف کر دیا۔

اس صورت میں مہتمم مدرسہ کا دعویٰ تو یہ تھا کہ جائیداد مدرسہ کیلئے خریدی گئی ہے اور مدرسہ ہی کیلئے تعمیر کی گئی ہے اس لئے وہ مدرسہ ہی کی ہے، اور یتیم خانہ کے متولی کا استدلال یہ تھا کہ صاحب خیر نے اگرچہ اس نیت سے جائیداد خریدی اور تعمیر کی تھی کہ مدرسہ کیلئے وقف کی جائے مگر ابھی تک اس کی نوبت نہیں آئی تھی اس لئے صاحب خیر کا مدرسہ اشرف العلوم کے بجائے یتیم خانہ کے لئے وقف کرنا صحیح ہونا چاہئے۔

چنانچہ دونوں فریق نے اپنے اپنے بیانات قلمبند کر کے، علماء کرام سے فتاویٰ حاصل کئے، مہتمم مدرسہ نے تفصیلی واقعات لکھ کر جو استفتاء مرتب کیا اس میں درج تھا کہ

۱۔ یہ جائیداد مدرسہ اشرف العلوم کیلئے وقف ہو گئی یا نہیں؟



۲۔ یہ وقف نامہ جو یتیم خانہ کے حق میں لکھا گیا ہے وہ شرعاً صحیح ہے یا باطل۔

چنانچہ مولانا ظفر احمد صاحب نے تھانہ بھون سے جواب دیا۔

۱۔ یہ عمارت مدرسہ اشرف العلوم کی ہے اور مدرسہ مذکور کیلئے وقف ہو چکی ہے (۲) جب

یہ زمین و عمارت مدرسہ اشرف العلوم کیلئے وقف ہو چکی ہے تو اب یتیم خانہ کیلئے اس کا وقف

بالکل باطل ہے۔ (ابرار المکتوم ضمیمہ عطر ہدایہ صفحہ ۲۷)

جبکہ مولانا عبد الحفیظ صاحب ملیح آبادی نے اس کے خلاف فتویٰ دیا، مولانا صدر الدین صاحب

صدر مدرس جامع العلوم کانیپور، مولانا غلام عیسیٰ اور دہلی کے بیشتر علماء نے اس کی تصدیق کی، اس کا

خلاصہ یہ تھا۔

۱۔ کہ محض نیت سے وقف نہیں ہوتا، اب جبکہ یہ جائیداد صاحب خیر می کی ملکیت تھی

اور اشرف العلوم کیلئے نہ انھوں نے وقف کیا اور نہ وقف ثابت ہوا تو یہ جائیداد

ابھی تک انہی کی ملکیت میں رہی، لہذا اس کا یتیم خانہ کیلئے وقف کرنا بالکل صحیح

ہے۔ (ایضاً صفحہ ۲۷)

ان متضاد فتاویٰ کے بعد، پھر خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے، شیخ الاسلام حضرت

مولانا سعید حسین احمد صاحب مدنی سے، اور حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب کانیپوری سے

رجوع کیا گیا، خانقاہ امدادیہ سے اصل جواب تو مولانا عبدالکریم صاحب نے لکھا۔ لیکن حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے اس پر ایک خلاصہ تحریر فرمایا، حضرت

کی عبارت یہ ہے

۱۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ زمین مدرسہ اشرف العلوم کیلئے وقف ہو تب بھی اور اگر مدرسہ

کیلئے وقف نہ ہو مگر مدرسہ کی ملک ہو تب بھی، یہ حکم مشترک ہے کہ زمین کسی حال

میں شیخ عبداللطیف کی ملک نہیں، اس لئے ان کو دوسری جگہ اس کے دینے کا

کوئی حق نہیں، ہر حال میں مدرسہ کا حق ہے خواہ ملک مدرسہ، خواہ وقف مدرسہ

کتبہ اشرف علی

حضرت حکیم الامتؒ نے، اشرف العلوم کے لئے وقف ہونے کی صراحت کے ساتھ توثیق یا تردید نہیں فرمائی، بلکہ انھوں نے اس جائیداد کے یقینی طور پر وقف ہونے سے انکار فرما دیا اور لکھا کہ یہ زمین اور تعمیر مدرسہ اشرف العلوم ہی کی ہوگی خواہ اس کو مدرسہ کی ملک قرار دیا جائے یا اس کو مدرسہ کے حق میں وقف قرار دیا جائے۔

اس کے ساتھ یہ ہوا کہ دونوں فریق کے کاغذات شیخ الاسلام حضرت مولانا سیدین احمد صاحب مدنی کے پاس روانہ کئے گئے تو آپ نے تحریر فرمایا۔

”میرے نزدیک یہ زمین خالص ملک مدرسہ اشرف العلوم کی ہے اور عمارت بھی اسی کی، نہ صاحب خیر کو اس میں کوئی حق تصرف ہے نہ یتیم خانہ کو ان میں سے کسی کو بھی اس میں حق مداخلت نہیں اور وقف نامہ (برائے یتیم خانہ) باطل ہے الخ (ایضاً ص ۲۸۲)

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے مدرسہ کے لئے وقف ہونے کی صراحت سے تردید نہیں فرمائی، لیکن ملک قرار دینا وقف ہونے کی تردید ہی ہے اس لئے کہا جائے گا کہ صاحب خیر نے جو زمین مدرسہ کو خرید کر دی تھی پھر اس پر مدرسہ ہی کے لئے تعمیر کرائی تھی وہ سب مدرسہ کی ملکیت بن گئی۔ لیکن چونکہ وقف کو ثابت کرنے والا کوئی کلمہ نہیں تھا اس لئے اس کو مدرسہ کے لئے وقف قرار نہیں دیا گیا۔

اس کے بعد فریقین کے بیانات، ان تمام فتاویٰ کے ساتھ، حضرت مولانا مفتی محمد رضا کے صاحبزادے اور شیخ الہند کے تلمیذ رشید حضرت مولانا سعید احمد صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت مولانا نے تحریر فرمایا۔

”چونکہ محل کا ایک نفاذ بھی تحریر آیا تحریر ایسا مذکور نہیں جو چوبیس لفظوں مخصوصہ وقف میں سے ہو یا جس کی دلالت معنی وقفی پر ہوتی ہو۔ اس لئے صورت مسئلہ میں احقر کے نزدیک زمین و عمارت کا مدرسہ اشرف العلوم پر وقف ہونا ہمارے ائمہ ثلاثہ میں سے کسی کے

مذہب پر ثابت نہیں ہوتا ہے پس مولانا ظفر احمد صاحب مولانا عبدالکریم صاحب کے فتوؤں میں جو حکم وقف لگایا گیا ہے وہ صحیح نہیں۔ (ایضاً ص ۲۸۲)

پھر مفصل بحث کے بعد لکھا۔

”یہ زمین مدرسہ ہی کی ملک میں آئے گی اور مدرسہ ہی اس کا مالک ہوگا نہ کہ عبداللطیف (صاحب خیر) صاحب خیر نے جو اس میں تعمیر کی ہے وہ بھی مدرسہ ہی کیلئے ہوگی نہ کہ عبداللطیف کیلئے (پھر چند صفحات کے بعد) چونکہ حسب تصریح فقہار صحت وقف کیلئے، موقوف کا بوقت وقف مملوک واقف ہونا ضروری ہے اس لئے اس کا یتیم خانہ کیلئے وقف بالکل باطل ہے اور اس عمارت کو مدرسہ اشرف العلوم کے قبضہ میں دینا واجب ہے۔ (ایضاً ص ۲۸۹)

ابراز المکتوم فی اثبات التصدیق علی اشرف العلوم کے نام سے مدرسہ اشرف العلوم کا پنور کی زمین و عمارت کے سلسلے میں کی گئی یہ فقہی بحث عظیم ہدایہ کے ہفیمہ کے طور پر تقریباً تیس صفحات میں پھیل ہوئی ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ مدرسہ اشرف العلوم کا پنور کیلئے، ایک صاحب خیر نے زمین خرید کی، پھر اس پر اپنے ذاتی مصارف سے تعمیر کرائی اور اکابر علماء نے اس پر یہ فتویٰ دیا کہ یہ جائیداد مدرسہ اشرف العلوم کی ملک ہے مگر وقف نہیں ہے، وجہ یہی ہے کہ وقف شریعت کی ایک مخصوص اصطلاح ہے اور وہ شریعت کی مقررہ شرائط کے بغیر متحقق نہیں ہوتا، یہ صاحب خیر تحفوں نے مدرسہ اشرف العلوم کیلئے زمین خرید کر عمارت تعمیر کرائی وہ اپنی رقم کے تنہا مالک تھے لیکن اس کے باوجود علماء کرام نے ان کی زر خرید زمین اور ان کی تعمیر کردہ عمارت کو مدرسہ کیلئے وقف نہیں قرار دیا اور اگر یہ صورت ہو کہ جو شخص خریدہا ہے وہ اس رقم کا مالک ہی نہیں جیسے مثلاً چندہ میں ہوتا ہے یا جو جائیداد وہ دے رہا ہے وہ خود اس جائیداد کا مالک نہیں۔ جیسے سلاطین کی جانب سے بیت المال کی



جائیدادیں، افراد یا اداروں کے لئے نامزد کی جاتی ہیں تو مسئلہ اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس طرح ان اطلاق سے استفادہ کی راہ تو قائم ہو جائے گی۔ لیکن انھیں حقیقی وقف قرار نہیں دیا جاسکے گا۔

## سلاطین کی جانب سے دی جانے والی جائیدادیں وقف نہیں ہیں؛

درمختار میں تصریح ہے کہ سلاطین کی جانب سے علماء یا تعلیم گاہوں کے لئے جو جائیدادیں مقرر کر دی جاتی ہیں وہ اوقاف نہیں ہیں بلکہ ان کا نام ارساد، یعنی مصارف تعلیم کے انتظام میں مقرر کردہ جائیداد ہے۔ درمختار میں ہے۔

والارصاد من السلطان لیست باوقاف سلطان کی جانب سے دی گئی جاگیریں

البتہ۔ (درمختار ص ۲۸۹) ارساد کہلاتی ہیں وہ وقف یقیناً نہیں ہیں

اس پر علامہ شامی قدس سرہ نے تحریر فرمایا۔

الرصد الطریق ورصدتہ من رصد کے معنی راستہ کے ہیں اور رصدتہ

باب قتل قعدت لہ علی الطريق باب قتل (نفر) سے آتا ہے، کسی کا راستہ پر

انتظار کرنا، قعد فلان بالمرصد کے معنی انتظار کرنا، اسی لغت سے ارساد والسلطان کی

ہیں کہ راستہ میں بیٹھ کر کسی کا انتظار یا نگہبانی

کرنا، اصطلاح ماخوذ ہے کہ سلطان بیت المال کی جائیدادیں سے کچھ کاشت کی زمین یا

گاؤں وغیرہ کو مسجدوں، مدرسوں یا بیت المال کی آمدنی کا استحقاق رکھنے والے

علماء، ائمہ اور موزنین کو دیدی تو یہ وہ

المزارع من بیت المال علی الساجد والمدارس ونحوھا لمن یتحق من بیت المال کالقراء والامت

والمزینین ونحوھم کأن ما أرسدت قائم علی طریق حاجتھم یراقبھا

وانما لم یکن ونفاً حقیقۃً لعدم ملک السلطان لہ، بل ہوتعین شیئی من بیت المال علی بعض مستحقینہ فلا یجوز لمن بعدہ ان یغیرہ ویبدلہ کما قد منا ذلک مبسوطاً۔

(درمختار ص ۲۹ ج ۷)

امداد ہے جو ضروریات زندگی کے راستہ میں ان حضرات کا انتظار کر رہی ہے، سلطان کی جانب سے بیت المال سے دی جانے والی یہ املاک حقیقہً وقف اس لئے نہیں ہیں کہ وہ سلطان کی ملکیت میں نہیں تھیں بلکہ سلطان کا یہ عمل بیت المال کی کسی چیز کو بعض مستحقین کیلئے خاص کرنے کا عمل ہے اور اس لئے بعد میں آنے والے کسی حاکم کیلئے اس میں تغیر و تبدل جائز نہیں جیسا کہ یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

اس عبارت میں فرمایا گیا ہے کہ سلاطین کی جانب سے اگر مساجد یا مدارس وغیرہ کو کچھ جائیداد، بیت المال کی املاک میں سے دیدی جائیں یا ان لوگوں کو دیدی جائیں جو بیت المال سے امداد کے مستحق تھے تو تحقیقی طور پر ان کو وقف قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ وقف کیلئے یہ ضروری ہے کہ وقف کرنے والا اس جائیداد کا مالک ہو اور وہ اپنی شخصی ملکیت ختم کر کے اس کو وقف کرے، یہاں سلطان چونکہ بیت المال کے اموال و املاک پر ملکیت نہیں رکھتے اس لئے ان کا بیت المال کی جائیداد کو کسی کام کیلئے یا کسی فرد کے لئے دینا وقف قرار نہیں دیا جاسکتا، البتہ یہ کہا جائے گا کہ انھوں نے مستحقین کو ان کا حق پہنچا دیا، سلاطین کے اس عمل کے لئے فقہاء احناف نے وقف کے علاوہ ایک اور مستقل اصطلاح ارصاد استعمال کی کہ سلاطین کا یہ عمل ارصاد کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ علامہ شامی نے لغوی معنی سے، اصطلاحی معنی کی مناسبت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ رصد کے معنی راستہ کے ہیں اور رصدی کے معنی راستہ پر بٹھکر

انتظار کرنے کے ہیں، اس لئے ارصاد کے معنی ہوتے وہ اموال جو زندگی کی راہوں میں ضرورت مندوں کے منتظر رہتے ہیں، گو یا ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے طور پر مستحقین کو بیت المال سے کچھ املاک، سلطان کی جانب سے دیدی جاتیں تو وہ "ارصاد" ہیں وقف نہیں ہیں۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہ بحث ہم تفصیل سے کر چکے ہیں، یہ بحث جس کا انھوں نے حوالہ دیا ہے بڑے قیمتی افادات پر مشتمل ہے۔ بیت المال کی جائیداد اور سلاطین و امراء کے اوقاف پر بحث کرنے کے بعد لکھا ہے۔

اس سے یہ بات صراحت سے معلوم ہوئی کہ سلاطین نے بیت المال کے اموال سے جو وقف کئے ہیں وہ ارصادات ہیں، حقیقتہً اوقاف نہیں ہیں اور یہ کہ جو ارصادات ان لوگوں کے لئے ہوں جو بیت المال کا مصرف تھے ان کو ختم کرنا جائز نہیں۔ بخلاف ان املاک کے جن کو سلطان نے اپنی اولاد یا اپنے موالی کیلئے وقف کیا ہو (کہ ان کا ختم کرنا جائز ہے) اور جب کہ یہ ارصاد کی صورت ہے تو وقف کی شرائط کا ملحوظ رکھنا لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ وقف صحیح نہیں ہے، کیونکہ وقف کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ واقف کی ملکیت ہو اور سلطان، ان املاک کو بیت المال سے

ففي هذا تصريح بان اوقاف  
السلاطين من بيت المال ارصادات  
لا اوقاف حقيقة وان ما كان منها  
على مصارف لا ينقض بخلاف ما  
وقفه السلطان على اولاده او  
عتقائه مثلاً وان حيث كانت  
ارصاداً لا يلزم مراعاة شرطها  
لعدم كونها وقفاً صحيحاً فان شرط  
صحته ملك الواقف، والسلطان  
بدون الشرع من بيت المال لا يملكه  
وقد علمت موافقة الاكمل على  
ذال وهو موافق لما مر عن المبسوط  
وهن المولى ابي السعود ولما سيزكوه  
الشارح في الوقف عن النهر من ان



وقف الاقطاعات لا يجوز الا  
اذا كانت ارضا مواتا او ملكا  
للامام فاقطعها وجلا وهذا  
خلاف ما في النخبة المرضية  
عن العلامة قاسم من ان  
وقف السلطان لارض بيت المال  
صحیح — قلت : ولعل المراد  
انه لانهم لا یغیر اذا كان علی  
مصلحة عامة كما نقل الطرطوسی  
عن قاضی خاں من ان السلطان  
لو وقف ارضا من بیت مال  
المسلمین علی مصلحة عامة  
للمسلمین جاز . قال ابن وهب :  
لانه اذا ابدت علی مصرف الشری  
فقد منع من یصرف من امراء  
الجور فی غیر مصرفه امر . فقد  
افاد ان المراد من هذا الوقف  
تابید مصرفه علی هذه الجهة  
المعينة التي عنها السلطان مما  
هو مصلحة عامة وهو معنی  
الارضاد والسابق فلا ینافی ما نقداً۔

خریدے بغیر ان کا مالک نہیں ہے۔ یہ معلوم ہو چکا  
ہے کہ علامہ اکل الدین کی اس سلسلے میں یہی رائے  
ہے اور جو مبسوط ہے ، اور مولیٰ ابوالسود کے نقل  
کیا گیا تھا وہ بھی اسی کے موافق ہے اور شارح جو  
کتاب النہر سے وقف کے باب میں نقل کریں گے  
وہ بھی یہی ہے کہ بیت المال سے نامزد کردہ جاگیروں  
کو وقف قرار دینا صحیح نہیں ہے الا یہ کہ وہ زمین  
غیر آباد اور بخر رہی ہو یا امام کی اپنی ملکیت ہو  
پھر اس نے کسی شخص کے نام اسکو الاٹ کر دیا ہو  
البتہ یہ مضمون اس کے خلاف ہے جو تحفہ مرضیہ میں  
علامہ قاسم کی جانب منسوب کیا گیا ہے کہ سلطان  
کا بیت المال کی زمین کو وقف کرنا صحیح ہے۔  
میں عرض کروں گا کہ شاید وقف سے مراد حقیقت  
وقف نہیں بلکہ یہ ہے کہ عوامی مصلحت کیلئے ایسا  
کیا گیا ہے تو اب یہ نامزدگی لازم ہو گئی ہے اور تغیر  
جائز نہیں ہے جیسا کہ طرسوسی نے قاضی خاں سے  
نقل کیا ہے کہ سلطان اگر مسلمانوں کی عام مصلحت  
کیلئے بیت المال کی زمین وقف کر دے تو جائز ہے  
ابن وہبان نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ اگر  
سلطان نے ابدی طور پر اس کا مصرف شرعی  
معین کر دیا تو اس نے ظالم امراء کو دوسرے غیر شرعی

مصرف میں صرف کرنے سے روک دیا۔ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ یہاں لفظ وقف کے اطلاق سے مراد وقف کے حقیقی معنی نہیں ہیں بلکہ یہاں وقف کے معنی سلطان کی جانب سے عوامی مصلحتوں کے لئے مصرف شرعی کا ابدی طور پر تعین ہے اور بالکل یہی معنی اس لفظ ارصاد کے ہیں جو زیر بحث ہے اس لئے معنی امرادی کے اعتبار سے کوئی تعارض نہیں ہے علامہ شامی کی اس عبارت میں پہلے تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ بیت المال کے جو اموال سلاطین کی جانب سے وقف کئے جاتے ہیں وہ اوقاف نہیں ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ وقف تو اسی وقت صحیح قرار دیا جاسکتا ہے کہ اس پر واقفیت کی ملکیت، وقف سے پہلے قائم ہو۔ پھر اس شخص نے اپنی ذاتی ملکیت کو ختم کر کے اس کو ملکیت خداوندی میں دیدیا ہو۔ لیکن جہاں واقف خود مالک ہی نہیں ہے تو دوسروں کی ملکیت کو یہ وقف کیسے کر سکتا ہے۔ اس مضمون کو علامہ شامیؒ نے چار اکابر علماء کی طرف منسوب کیا ہے۔

۱۔ علامہ اکمل الدین بشارح ہدایہ کی یہی رائے ہے۔

۲۔ مبسوط میں امام خرسی نے بیت المال کی زمینوں کے سلسلے میں یہی فرمایا ہے

۳۔ مولیٰ ابوالسعود جو اوقاف سلطانیہ کے سلسلے میں بڑی گہری نظر رکھتے ہیں ان کی یہی رائے ہے۔

۴۔ اور خود صاحب درمختار آئندہ نہرؒ سے نقل کر میں گئے کہ سلطان کی جانب سے جائیدادوں کو صرف اسی صورت میں وقف کیا جاسکتا ہے جب وہ زمین غیر آباد اور افتادہ ہوں۔ یا امام نے اپنی ملکیت کو وقف کیا ہو، لیکن اگر وہ سلطان کی ذاتی ملکیت نہیں تھی بلکہ بیت المال کی .... ملکیت تھی اور وہ بھی غیر آباد نہیں بلکہ آباد زمین تھی تو ایسی جائیداد کی نامزدگی وقف نہیں ارصاد ہے جس کی تشریح گزر چکی ہے۔

اس مضمون کو چار حوالوں سے نقل کرنے کے بعد، علامہ شامی نے ان حضرات کے قول کی تاویل کی ہے جنہوں نے اس طرح کی جائیداد پر وقف کا اطلاق کیا ہے، انہوں نے بتلایا کہ تحفہ مرضیہ میں علامہ قاسم حنفی کی جانب منسوب کیا گیا ہے کہ انہوں نے سلطان کی جانب سے بیت المال کی زمینوں پر اس طرح کے تصرف کو وقف صحیح قرار دیا ہے، مگر علامہ شامی کی تحقیق یہ ہے کہ ایسی زمینوں پر وقف کا اطلاق مجاز ہے کیونکہ یہاں وقف کا اطلاق شخصی ملکیت ختم کر کے ملکیت خداوندی کو قائم کرنے کے معنی میں نہیں اس لئے کہ شخصی ملکیت تو قائم ہی نہیں تھی بلکہ یہاں اگر وقف کے الفاظ استعمال ہیں ہوئے ہیں تو یہ اطلاق مجازی ہے کہ سلطان نے بیت المال کے بعض اموال کا مصرف شرعی، ابدی طور پر معین کر دیا ہے، پھر انہوں نے بتلایا کہ وقف کے یہ معنی مجازی وہی ہیں جو ارصاد کے مرادف ہیں علامہ شامی رحمہ اللہ کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہوا کہ بیت المال میں، سلطان کے اس طرح کے تصرفات کو وقف حقیقی قرار نہیں دیا جائے گا، اور جن علماء نے بیت المال کی اہلاک میں سلاطین کے اس طرح کے تصرفات کو وقف کہا ہے انہوں نے وقف کے اصطلاحی معنی مراد نہیں لئے بلکہ مجازی معنی مراد لئے ہیں۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ سلطان جیسی ولایت عاقلہ رکھنے والی ذات کی جانب سے اگر اپنی ذاتی ملکیت کے علاوہ، بیت المال کی عوامی یا قومی ملکیت میں تصرف کو جب حقیقی وقف قرار نہیں دیا جاسکتا تو چندہ کے ذریعہ حاصل ہونے والی عوامی ملکیت کو، مدارس عربیہ کے محدود دائرے میں ولایت کا حق رکھنے والے اولوالامر کے تصرفات کو کس طرح وقف حقیقی قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیونکہ عوامی چندے کے ذریعہ جو جائیدادیں مدارس کیلئے خریدی جاتی ہیں ان پر وقف کی حقیقت منطبق ہی نہیں ہوتی۔

اولاً تو اس لئے منطبق نہیں کہ یہاں شخصی ملکیت ہی نہیں تھی جس کو اٹھا کر وقف کیا گیا ہو، جب کہ وقف میں یہ شرط ہے کہ شے موقوف، وقف کے وقت واقع ملکیت میں



ثانیاً اس لئے کہ چندہ کے ذریعہ خرید کردہ ان املاک کو، چندہ دہندگان یا مجلس اولوالامر یا ارباب انتظام میں سے کسی نے وقف قرار نہیں دیا۔ نہ خریدتے وقت الفاظ وقف میں سے کوئی لفظ یا اس کا کوئی مرادف استعمال کیا گیا، بعد کے علماء میں سے کسی نے اس پر وقف کا اطلاق کیا بھی ہے تو علامہ ستامی کی تاویل کے مطابق یہ اطلاق مجاز ہے، حقیقت وقف سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

پھر اگر یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ مدارس عربیہ میں آنے والا چندہ وقف نہیں ہے تو حقیقت اور زیادہ نکھر جاتی ہے، قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری، اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا اتفاق ہے کہ چندہ وقف نہیں ہے۔

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ چندہ کے ذریعہ مدارس عربیہ کے انتظام کا طریقہ، دارالعلوم سے پہلے عالم اسلام میں کہیں رائج نہیں تھا۔ ہندوستان میں اسلامی حکومت کے ختم ہو جانے کے بعد علماء ہندوستان نے اس کی ابتداء کی ہے۔ اس لئے اس سے پہلے اس نوعیت کا عوامی چندہ نہ کہیں زیر بحث آیا اور نہ اس کی شرعی حیثیت واضح ہوئی، جب قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ قدس سرہ سے معلوم کیا گیا کہ مدرسہ میں جو چندہ وغیرہ کا روپیہ آتا ہے وہ وقف ہے یا مملوک اگر وقف ہے تو بقارعین واجب ہے اور صرف بالاستہلاک ناجائز، اگر مملوک ہے اور مہتمم صرف دکیل تو معطل چندہ اگر مرعاد تو غبار و دُشکا کا حق ہے وغیرہ، تو حضرت اقدس نے جواب تحریر فرمایا۔

۱۔ مدرسہ کا مہتمم قیم و نائب جملہ طلبہ کا ہوتا ہے جیسا کہ، امیر نائب جملہ عالم کا ہوتا ہے، پس جو شخص کسی نے مہتمم کو دی، مہتمم کا قبضہ خود طلبہ کا قبضہ ہے اس کے قبض سے ملک معطل سے نکلا اور ملک طلبہ کا ہو گیا اگر حجہ وہ مجہول الکلیت الذوات ہوں مگر نائب محین ہے، پس بعد موت معطل کے ملک وراثت معطل کی اس میں

نہیں ہو سکتی اور مستہم بعض وجوہ میں وکیل معطلی کا بھی ہو سکتا ہے بہر حال نہ  
یہ وقف مال ہے اور نہ ملک ورفہ معطلی کی رہے گی اور نہ خود ملک معطلی  
کی رہے گی۔ (تذکرۃ الرشید ص ۱۶۴ جلد اول)

بالکل یہی جواب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے، اس طرح کے سوال کے جواب میں دیا  
"عاجز کے نزدیک مدارس کا روپیہ وقف نہیں مگر اہل مدرسہ مثل عمال بیت  
الmaal معطین و اخذین کی طرف سے دکلار نہیں، لہذا نہ اس میں زکوٰۃ واجب  
ہوگی اور نہ معطین واپس لے سکتے ہیں۔

(فتاویٰ مظاہر العلوم جلد اول ص ۳۱۹)

حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے بھی اسی طرح کا سوال کیا گیا کہ چندہ کے احکام  
وقف کے ہوں گے یا اور، تو جواب میں تحریر فرمایا۔ "یہ وقف نہیں"

(امداد الفتاویٰ ص ۵۷ جلد دوم)

گو یا چندہ کے سلسلے میں اکابر دیوبند کا تقریباً اتفاق ہے کہ یہ وقف نہیں، پھر اسی کے ساتھ  
یہ حقیقت بھی ان حضرات کے نزدیک ثابت شدہ ہے کہ مدارس کے ارباب انتظام، حقوق  
طلبہ کے قائم مقام ہو کر ان اموال پر قبضہ کرتے ہیں اور ان کا قبضہ نیابتاً اہل استحقاق کا  
قبضہ ہوتا ہے اور اس طرح یہ اموال معطلی کی ملک سے نکل جاتے ہیں اور یہ محدود اختیار  
رکھنے والے ارباب انتظام کی تحویل میں، محدود تصرفات کی اجازت کے ساتھ آجاتے ہیں۔  
اس چندہ سے اگر کوئی جائیداد خرید لی جاتی ہے تو اس پر وقف کی تعریف صادق نہیں آتی  
اس تفصیل کے مطابق کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے عربی مدارس اپنے مقصد تاہیں  
اور مقاصد عظمیٰ کے لحاظ سے اسلام کے تحفظ کے قیام اور اسلام کی دعوت و تبلیغ کے  
مراکز ہیں، طریق کار کے اعتبار سے یہ دینی اور مذہبی تعلیم گاہ ہیں اور اقتصادی نظم کے اعتبار  
سے یہ محدود قسم کا بیت المال ہیں یعنی یہاں مجلس اذوالامر کی اجازت سے محدود ذرائع آمدنی



اور اس کے معین مصارف ہیں۔ اسلامی بیت المال کی طرح ان کے ذرائع آمدنی مختار عام نہیں ہیں مثلاً فے، خراج، عشر اور محصول وغیرہ کی آمدنی یہاں نہیں ہے۔ مصارف میں عام غریبار و مساکین کی امداد اور نظاراتِ نافذہ (پی، ڈبلو، ڈی) کا تصور تک نہیں ہے نیز آمدنی کی وصولیابی کیلئے جبر کا بھی کوئی حق نہیں ہے بلکہ اس محدود بیت المال میں کچھ صدقات واجبہ اور کچھ صدقاتِ نافذہ کی آمدنی ہوتی ہے۔ اور علم دین کیلئے اپنی زندگی کو وقف کرنے والے طلبہ و علماء، خاص طریق کار کے ساتھ اس کے مصارف میں پچھلے صفحات میں یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ سلطانِ جلیسی ولایت عامہ رکھنے والے صاحب اختیار کا، بیت المال کی اہلاک کو طلبہ و علماء کیلئے وقف کرنا، حقیقی اور صحیح وقف نہیں، تو محدود بیت المال میں اربابِ انتظام جلیسی کمزور ولایت رکھنے والے حضرات کا ان اہلاک کو وقف کرنا بدرجہ اولیٰ حقیقی اور صحیح وقف نہیں ہے۔

اسی طرح ہمیشہ کردہ تفصیلات سے یہ فیصلہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ اگر کسی نقیہ یا عالم نے مدارس عربیہ یا ان کی جائیداد کے بارے میں وقف کا لفظ استعمال بھی کیا ہو تو علامہ شامی کی توجیہ کے مطابق یہ کہا جائے گا کہ یہ اطلاق مجازی ہے کیونکہ وقف کی اصطلاحی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔ ہاں اگر واقعہ کسی مدرسہ پر وقف کی اصطلاحی تعریف صادق آئے تو اسے وقف قرار دیا جائے گا۔ بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ ہندوستان کے مدارس عربیہ کی نوعیتیں الگ الگ ہیں اور ان کے احکام مختلف ہیں، مثلاً ہم ان مدارس کو تین طرح کے الگ الگ احکام رکھنے والے مدارس میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ اگر یہ صورت ہے کہ کسی شخص نے اپنی ذاتی جائیداد کو اصطلاحی طور پر وقف کر کے مدرسہ قائم کیا ہے تو وہ یقیناً حقیقی وقف ہے۔

۲۔ اگر مدرسہ کرایہ کی عمارت میں چل رہا ہے اور اس کی اپنی کوئی ملکیت ہی نہیں۔



جو چندہ آتا ہے وہ طلبہ اور علماء کی ضروریات میں خرچ ہوتا رہتا ہے تو ایسا مدرسہ کسی بھی طرح کا حقیقی یا مجازی وقف نہیں ہے۔ کیونکہ وقف الماک ہوتا ہے اور اس کی کوئی جائیداد ہی نہیں ہے۔

۳۔ اگر مدرسہ کے تحت مختلف الماک نہیں تو دیکھا جائے گا کہ ان کی کیا نوعیت ہے۔ جو جائیدادیں ارباب خیر نے وقف کی شرائط پورا کرتے ہوئے مدرسہ کے نام وقف کی ہیں وہ وقف رہیں گی۔ اور جو جائیدادیں چندہ کی رقم سے خریدی گئی ہیں ان میں عمومی امور خصوصی چندے پر تفصیلی گفتگو آئندہ کسی شمارے میں پڑھے۔

## مدارس اسلامیہ اور اسکی مجلس شوریٰ کی شرعی حیثیت

تالیف: حضرت مولانا ریاست علی صاحبہ جنوری مدظلہ

استاذ دارالعلوم دیوبند

جس میں مؤلف موصوف نے ٹھوس دلائل سے مدارس اسلامیہ ان کی مجلس شوریٰ کی حیثیت کو واضح کیا ہے۔ کتاب اپنے موضوع پر نہایت اہم ہے جس کا پورا اندازہ اس کے مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔  
یہ گراں قدر اور قیمتی کتاب شیخ الہند اکاڈمی سے مناسب قیمت پر فراہم کی جاسکتی ہے۔

طابع و ناشر: شیخ الہند اکاڈمی دارالعلوم دیوبند

# تحقیق والد حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام

از۔ مولوی نسیم احمد مظفر پوری فاضل دارالعلوم دیوبند

حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا شمار اولوالعزم پیغمبروں میں ہوتا ہے آپ کو خداوند قدوس نے مختلف طریقے سے آزمایا، طرح طرح سے آپ کا امتحان کیا، ظالم و جابر نمرود کے ہاتھوں آپ کو آگ میں ڈلا کر زرخاں بنایا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا اپنے وطن اور ملک سے ہجرت کر جانے کا حکم دیا پھر سال ہا سال کی تہاؤں اور آرزوؤں کے بعد پیدا ہونے والے بیٹے اسماعیل کو فراہم کرنے کا حکم دیا اس حکم خداوندی کے بھی آگے اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم نے تسلیم خم کر دیا۔ بلا کسی تردد و تاویل کے اپنے تخت جگر اسماعیل کو ذبح کرنے کیلئے ان کے حلقوم پر چھری پھیری مگر قدرت کو تو صرف اپنے خلیل کا امتحان مقصود تھا ندا آتی قد صدقت الرویا انا کذا الذی نجزی المحسنین، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سارے امتحانات میں اعلیٰ پوزیشن سے کامیاب ہو گئے تو قدرت نے اتی جاعلک للناس اماماً کازر میں تمغہ عنایت کیا اور آپ کو دنیا کی تمام قوموں کا پیشوا اور مقتدا بنایا، چنانچہ دنیا کی تین مشہور آسمانی مذہب رکھنے والی قومیں یہود، نصاریٰ سیدنا ابراہیم کو اپنا جد امجد اور پیشوا مانتی ہیں۔

صاحب قصص القرآن علامہ ابوالفضل ابراہیم کی تحقیق کے مطابق سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ولادت سیدنا آدم علیہ السلام کے دنیا میں تشریف آوری کے تقریباً ۳۳۲۳ سال کے بعد ظالم و جابر نمرود بن کنعان بن کوش بن سام کے دور حکومت میں ہوئی۔ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد کے نام کی تعین میں مفسرین، مؤرخین

اور نسابین کا شدید اختلاف ہے بعض نے آپ کے والد کا نام آذر بتایا ہے اور بعض نے نارخ، اور بعض نے کہا کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام نارخ تھا اور آذر لقب تھا بعض نے کہا نام تو نارخ ہی تھا مگر بت تراش ہونے کی وجہ سے آذر کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ کیونکہ آذر بڑے پجاری کو کہتے ہیں، میں اپنے اس زیر نظر مضمون میں قرآن پاک کی آیت اذ قال ابراہیم لابیه اتخذ اصناما کی روشنی میں اقوال مفسرین و مؤرخین کو سامنے رکھ کر یہ واضح کروں گا کہ آذر حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد ہی کا نام تھا۔ اور آذر کو اگر آپ کا والد تسلیم کیا جائے تو اس میں نہ تو سیدنا حضرت ابراہیمؑ کی شان میں گستاخی ہوتی ہے اور نہ حضور اکرمؐ کی شان مبارک میں، جیسا کہ تفسیر جلالین کے محشی شیخ احمد الصادق کارحمان اس کی طرف معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت ابراہیمؑ کے والد آذر کو قرار دیا جائے تو اس میں ان کی گستاخی ہے۔ سب سے پہلے آذر کے سلسلے میں مفسرین و مؤرخین کے اقوال ملاحظہ کیجئے پھر آخر میں صاحب قصص القرآن کی فیصلہ کن بات سنئے !

صاحب البدایہ والنہایہ رقم طراز ہیں - اذ قال ابراہیم لابیه آذر هذا یدلی علی ان اسم ابی ابراہیم آذر وقال جمہور اهل النسب منهم ابن عباس ان اسم ابیه آذر، وقال ابن جریر والصبواب ان اسمہ آذر ولعل له اسمان علماں ادا حدھا لقب والاخر علم مکتاج اقل، قصہ ابراہیم کہ اللہ کا قول اذ قال ابراہیم لابیه آذر، دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام آذر تھا۔ اور جمہور اہل نسب کے نزدیک جن میں سے ابن عباس بھی ہیں ان کے والد کا نام نارخ تھا، اور ابن جریر طبری مشہور مفسر قرآن یہ کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام آذر ہی تھا اور ہو سکتا ہے کہ ان کے دو نام رہے ہوں، یا ایک نام ہو اور ایک لقب حضرت ابن عباس کے قول سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے



کہ حضرت ابراہیمؑ کا حقیقی نام آذر نہیں بلکہ تاریخ تھا اب رہی یہ بات کہ ان کا لقب آذر تھا یا نہیں تو اس کی کوئی تصریح حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر میں نہیں ملتی، مگر ابن جریر والصاب کہہ کر حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام آذر ہی بتلاتے ہیں یا ان کے نزدیک اگر آذر علم نہیں تو تاریخ کا وصفی نام تو ضرور تھا، تفسیر کبیر میں امام رازی انشر تبارک و تعالیٰ کے قول واذ قال ابراہیم لابیه آذر کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں قیل اسمه بالسریانیہ تاریخ واذ رلقبہ المشہور وقیل اسم صنم لقب هو للزومہ عبادتہ فهو عطف بیان لابیه او بدل منہ وقال الضحاک ومعناہ الشیخ الہرم وقال الزجاج المخطی وقال القرطبی وسلیمان التیمی المعوج فهو نعت لہ

ترجمہ، کہا جاتا ہے کہ سریانی زبان میں آذر کا نام تاریخ ہے، اور آذر حضرت ابراہیمؑ کے والد کا مشہور لقب ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ آذر بت کا نام ہے مگر اس بت کی عبادت کرنے کی وجہ سے تاریخ کا لقب آذر پڑ گیا اس قول کے اعتبار سے آذر ابیہ کیلئے عطف بیان بدل ہو گا۔ اور ضحاک نے کہا کہ آذر کے معنی پیر فرقت کے ہیں۔ زجاج نے اس کے معنی مخطی اور فرار اور سلیمان تیمیؒ کے روکے بتائے ہیں۔ اس اعتبار سے آذر ابیہ کی صفت قرار پائے گا۔

امام رازی کی اس پوری عبارت کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ عبرانی زبان میں حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام تاریخ ہے اور آذر انہی کا لقب ہے، خواہ یہ لقب ان کا جس وجہ سے بھی پڑا ہو۔

قاضی بیضاویؒ آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں هو عطف بیان لابیه وفي کتب التواریخ ان اسمه تاریخ فقیل ہما علما نزلہ کاسرائیل و یعقوب وقیل العلم تاریخ و آذر وصف لہ معناہ الشیخ اد المعوج وقیل

اسم صنم یعبدا ولقب بہ للزوم عبادتہ تفسیر بیضاوی ج ۲۵۹ مطبوعہ مکتبہ  
یعنی آذرا بیہ کا عطف بیان ہے اور جس کا مطلب یہ ہے کہ ابیہ سے مراد آذر ہے  
یعنی حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام آذر تھا، تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ ان کے  
والد کا نام تاریخ تھا تو اس اعتبار سے گویا کہ ان کے دو نام ہوئے جس طرح اسرائیل  
اور یعقوب دونوں ایک ہی شخص کے نام تھے اور دونوں کے مصداق ایک تھے اسی  
طرح کتب تاریخ کا تاریخ اور قرآن کا آذر دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں  
اور بعض نے کہا کہ تاریخ حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا علمی نام تھا اور آذر وصف جس کے  
معنی بوڑھے یا کج رو کے ہیں، اور بعض نے کہا کہ آذر اس بت کا نام تھا جس کی عبادت  
تاریخ کرتا تھا اور اسی بت کی عبادت لازم پکڑنے کی وجہ سے تاریخ کا لقب آذر پڑ گیا،  
قاضی بیضاوی کی مذکورہ تفصیل سے بھی یہ ثابت ہوا کہ یا تو تاریخ و آذر دونوں حضرت  
ابراہیمؑ کے والد کا نام تھا یا تاریخ نام تھا۔ اور آذر لقب، اس قول سے بھی تاریخ کے  
تاریخ اور قرآن کے آذر کی مصداق ایک ہی ذات ہے۔ ارواح ثلاثہ کے اندر اذ قال  
ابراہیم لا بیہ آذر کی تفسیر میں لکھا ہے، ہولقبہ واسمہ تاریخ ص ۱۵۶،  
کہ آذر حضرت ابراہیمؑ کے والد کا لقب تھا اور ان کا نام تاریخ تھا۔ مباحثہ آذر  
شاہ عبدالقادر ابن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مشہور متزحم قرآن آیت مذکورہ کا ترجمہ کرتے  
ہوئے لکھتے ہیں، جب کہا ابراہیمؑ نے اپنے باپ آذر کو، امام راغب صفحہ ۱۳۵  
اپنی مشہور معروف قرآنی لغت المفردات فی غریب القرآن طبع پاکستان کے ص ۱ پر لکھتے  
ہیں۔ قیل کان اسم ابیہ تاریخ فعرّب فجعل آذرو قیل آذر معنا الضال  
فی کلامہم (کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام تاریخ تھا پھر اسے عربیاً کر  
آذر کر دیا گیا، اور بعض نے کہا کہ آذر کا معنی ان کے کلام میں گمراہ اور راہ گم گشتہ کے آتے  
ہیں۔ امام راغب کی مذکورہ عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ آذر اصل میں تاریخ ہی تھا جیسا کہ



توراة اور کتب توراتیخ میں مذکور ہے مگر لغت عربی کی مشہور ڈکشنری لسان العرب مؤلف ابن المنصور کے ص ۶ پر ہے: "وَأَذْرَ اسْمُ اعْجَمِي وَهُوَ اسْمُ ابْنِ اِبْرَاهِيمَ" آذر بھی اسم ہے، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے۔

مشہور مفسر قرآن علامہ محمود آلوسی بغدادی حنفی متوفی ۱۲۷۷ھ اپنی معرکہ الآثار تفسیر روح المعانی ج ۳ ص ۱۹ پر لکھتے ہیں: "وَأَذْرَ بَزْفَةِ آدَمَ عِلْمُ عَجَمِي لِابْنِ اِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ" آذر آدم کے وزن پر بھی زبان میں حضرت ابراہیم کے والد کا نام ہے۔ کتب تاریخ و تفسیر کی درق گردانی سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ علماء متقدمین و متأخرین کی اکثریت اسی خیال اور رائے کی حامی ہے کہ قرآن کا آذر اور تاریخ و القراءۃ کا نام تاریخ دونوں ایک ہی شخص ہیں جو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد تھے، چنانچہ علامہ ابن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ نے اذ قال ابراہیم لابنہ آذر کے تحت اپنی مشہور تفسیر میں دو قسم کی روایتیں ذکر کی ہیں۔ اس میں سے ایک مجاہد تابعی کی روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آذر اس زمانے کی کسی بُت اور دیوتا کا نام تھا، ایسے روایت کے مطابق آذر حضرت ابراہیم کے والد کا نام نہیں ہوگا اور دوسری روایت ثابت ہوتا ہے کہ آذر اور تاریخ دونوں ایک ہی شخص کے نام تھے ان میں ایک نام آذر اور دوسرا لقب جیسا کہ یعقوب و اسرائیل دونوں ایک ہی شخص کے نام ہیں پھر اس کے بعد علامہ طبری لکھتے ہیں: "غیر محال ان یکون لہ اسمان کالکثیر من الناس فی زماننا هذا، یعنی یہ امر محال نہیں ہے کہ آذر کے دو نام ہوں جیسا کہ ہمارے زمانے میں بہت سوں کے دو، دو نام ہوتے ہیں، پہلی روایت اور اس روایت کے اندر بھی کوئی تعارض نہیں ہے پہلی روایت کو بھی دوسری روایت پر محمول کیا جاسکتا ہے وہ اس طرح کہ آذر تو اس بُت کا نام تھا جس کی پوجا اور عبادت تاریخ کرتے تھے مگر اس بُت کی عبادت کرنے کی وجہ سے اُن کا لقب آذر پڑ گیا



جیسا کہ امام رازی اور دوسرے مفسرین کرام نے ذکر کیا ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُن کے والدین نے آذر بت کے نام پر اُن کا نام آذر رکھ دیا ہو جیسا کہ بت پرستوں کے یہاں اُس کا عام رواج ہے کہ وہ بتوں کے ناموں پر اپنی اولاد کا نام رکھتے ہیں۔

تفسیر خازن جلد ۲ ص ۱۲۲ میں امام الغازی محمد بن اسحاق اور ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ آذر حضرت ابراہیمؑ کے والد تاریخ کا نام ہے، پھر لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ کے دو نام ہوں یعنی آذر اور تاریخ، جس طرح یعقوبؑ اسرائیل ایک ہی شخص کے نام تھے، یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام تاریخ ہوا اور آذر اُن کا لقب، یا اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے کہ آذر اُن کا اصل نام ہوا اور تاریخ لقب، اس تفصیل کے نقل کرنے کے بعد اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر کر رہے ہیں۔ والصحیح هو الاول ان آذر اسم ابی ابراہیم لان اللہ تعالیٰ سَمَّاهُ، صحیح پہلا ہی قول ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تھا۔ کیونکہ خود قرآن پاک میں اشر تبارک تعالیٰ نے انھیں اسی آذر کے نام سے موصوم کیا ہے۔ جو اس بات کی سب سے قوی دلیل ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام آذر ہی تھا خواہ مخواہ قرآن میں تاویل اور حقیقت چھوڑ کر مجاز مراد لینے کی کیا ضرورت کسی شرعی قباحت اور خرابی کی وجہ سے حقیقت ترک کر کے معنی مجاز مراد لیا جاتا ہے اور اس جبکہ لفظ حقیقت ترک کرنے کا کوئی قرینہ اور دلیل شرعی نہیں ہے، اسی وجہ سے مؤرخین و مفسرین کی اکثریت اس بات کی تائیل ہے کہ آذر حضرت ابراہیمؑ ہی کے والد کا نام ہے علامہ علاء الدین بغدادی اس قول کی تائید اور استشہاد میں امام المحدثین محمد بن سہیل کی الجامع الصحیح المعروف بالبغاری کی ایک روایت ذکر کی ہے جس کو امام بخاریؒ نے کتاب الانبیاء میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے۔

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یلقی ابراہیم ابابہ آذیوم

القیامة و علی وجه آذر قترۃ و غبرۃ فیقول لہ ابراہیم الما قل لک لا  
تعصی فیقول ابوہ فالیوم لا اعصیک فیقول ابراہیم یارب انک  
وعدتہ ان تخری فیوم یبعثون فای خزی اخزی من الی الا بعد  
فیقول اللہ الی حرمۃ الجنة علی الکافرین ثم یقال یا ابراہیم ماتحت  
رجلیک فینظر فاذا هو بذبح متلطخ فیوخذ بقوائمه فیلقی فی النار  
بخاری شریف ج ۱، کتاب الانبیاء ص ۴۳، مطبوعہ اصح المطابع دہلی۔

ترجمہ، حضرت ابوہریرہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کرتے  
ہیں کہ قیامت کے دن سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد آذر کو اس حال میں  
پائیں گے کہ ان کا چہرہ سیاہ اور خاک آلود ہوگا۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام  
اپنے باپ آذر سے فرمائیں گے کہ کیوں میں نے تم سے دنیا ہی میں نہیں کہا تھا کہ میری  
نافرمانی اور حکم عدولی نہ کرو تو باپ جواب دے گا کہ آج میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا  
تو حضرت ابراہیم علیہ السلام خداوند قدوس سے عرض کریں گے کہ اے میرے پروردگار  
تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت کے دن تو مجھ کو ذلیل و رسوا نہیں کرے گا تو اس  
دورافتادہ رحمت باپ سے بڑھکر اور کیا رسوائی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد  
فرمائے گا کہ میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے، پھر کہا جائے گا اے ابراہیم  
دیکھو تمہارے پیروں تلے کیا ہے آپ جب اپنے پاؤں کی طرف نظر ڈالیں گے تو دیکھیں گے  
کہ ایک نجاست آلود، گھنے بالوں والا خون میں لت پت، بچھوڑا ہوا ہوگا۔ پھر اس کی  
ٹانگیں پکڑ کر اُسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اور اس طرح خدا اپنے خلیل حضرت  
ابراہیمؑ کو رسوائی سے بچائے گا۔ گویا کہ آذر کو جب نور کی شکل میں سخی کر کے آگ  
میں ڈال دیا جائے گا۔

بخاری شریف کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کا



نام آذری تھا کیونکہ اس حدیث میں صراحۃً بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یقیناً  
ابراہیم ابابہ آذر، اگر آذر حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام نہ ہوتا تو بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
اس موقع پر ضرور تصریح فرمادیتے تاکہ قرآنی آیت اذ قال ابراہیم لابنہ آذر کی تفسیر  
بھی ہو جاتی، پھر کلام شارح میں اصل یہ ہے کہ اُسے اپنے حقیقی اور اصلی معنی و مفہوم پر  
محمول کیا جائے، بلا وجہ حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنیٰ مراد لینا مناسب نہیں، اور سب کے  
نزدیک کلام عرب میں لفظ رب کا حقیقی معنیٰ باپ ہے مجازاً اس کا اس کا اطلاق عم  
(چچا) پر کر دیا جاتا ہے۔ اور قرآن کی مذکورہ بالا آیت اور مذکورہ حدیث میں کوئی قرینہ نہیں  
ہے جس کی وجہ سے حقیقی معنیٰ کو ترک کر دیا جائے اور مجازی معنیٰ چچا کو مراد لیا جائے۔

اسی بناء پر جمہور مفسرین و مؤرخین اس سے باپ ہی مراد لیتے ہیں۔ علامہ جلال الدین  
سیوطی نے اپنی مشہور کتاب الاتقان فی علوم القرآن کے ص ۳۹ پر محمد بن اسحاق امام  
المغازی کے حوالے سے حضرت لوط کا نسب نامہ اس طرح درج کیا ہے لوط بن معاذ بن  
ابن آذر اور حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیمؑ کے برادر زاد تھے جیسا کہ حاکم  
نے اپنی مستدرک میں تصریح کی ہے لہذا اس اعتبار سے بھی حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام  
آذر مقعین ہوتا ہے۔ سیرت نبویؐ کی معرکہ الاراک کتاب البتداء والبعث والمغازی کے صفحہ پر  
سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ کا نسب نامہ درج ہے اس میں ہے ابراہیم خلیل الرحمن بن تارح  
وہو آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام تارح کے بیٹے ہیں جو آذر ہیں، ابن ہشام کی سیرت جو قدیم  
ترین سیرت کی کتابوں میں ہے اس میں بھی حضرت ابراہیم ابن تارح وہو آذر مذکور ہے۔

ان سارے تفسیری اقوال اور آپ کے نسب نامہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تارح اصحاب  
ذوقوں ایک ہی شخص کا نام ہے لہذا اصادی علی الجلائین کے مصنف کا یہ کہنا کہ تارح ابوہامات  
فی الفترة دہم یثبت سجودہ لصنم۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تارح تھے لہذا ان کا  
وصال زمانہ فترت میں ہوا۔ جمہور مفسرین و مؤرخین کے اقوال کے بالکل مخالف ہے جو  
لائق اعتناء نہیں ہے۔





# سوسالہ جھگڑے کا آسان فیصلہ

حافظ محمد اقبال رنگونی مہاراجہ، انگلینڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم! اہل اہلحد - مندرجہ بالا عنوان سے مرزائیوں کے چوتھے سربراہ مرزا طاہر کا ایک بیان ٹریکیٹ کی صورت میں آٹھ صفحات کا لندن سے شائع کیا گیا جس میں موصوف نے وفات مسیح کے مسئلہ پر دل کھول کر وضاحت کی جو موصوف گستاخی کی کس حد کو بار کر گئے وہ ملاحظہ فرمائیے! موصوف کے بیان کی آخری تان اس گستاخانہ جملے پر ٹوٹتی ہے۔

"خدا کی قسم عیسیٰ مرچکا ہے اور اسلام زندہ ہے آج اسلام کی زندگی تم سے ایک فدیہ

چاہتی ہے وہ کیا ہے؟ عیسیٰ کی موت! اس لئے عیسیٰ کو مرنے دو اسی میں اسلام کی زندگی ہے۔"

یہ وہی انداز ہے جو موصوف کے باپ دادا اختیار کر چکے ہیں۔ یقین نہ آئے تو مرزا غلام احمد کی

اس عبارت کو پڑھ لیجئے!

عیسیٰ کی موت میں اسلام کی زندگی ہے اور عیسیٰ کی زندگی میں اسلام کی موت ہے

(ضمیمہ براہین ۵ ص ۲۸۶)

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا عقیدہ یہودیوں، عیسائیوں اور قادیانیوں

کا ہے۔ اسلام اور مسلمان اس عقیدے سے بری ہیں۔ قادیانیوں نے اس موضوع پر

جو جو دلائل ہتھیائے تھے ان کی حقیقت بھی کھل گئی ہے۔ اور ان کی دھجیاں فضا نے

آسمان میں بکھر چکی ہیں۔ یہ اس وقت کا موضوع نہیں، کہنا یہ ہے کہ قادیانی اس موضوع

پر ہمیشہ اپنے خبث باطن کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات میں ان کی موت ہے۔ ہم بھی عرض کریں گے کہ!

خدا کی قسم عیسیٰ علیہ السلام حیات ہیں (اے مسلمانو!) آج اسلام کی زندگی تم سے ایک عقیدہ چاہتی ہے۔ وہ کیا ہے۔ حیات عیسیٰ علیہ السلام۔ اس لئے حیات عیسیٰ کا عقیدہ رکھو اسی میں قادیانیوں کی موت ہے۔

۲۔ مرزا طاہر احمد نے سو سال جھگڑے کو ختم کرنے کا آسان حل یوں تجویز کیا کہ! میں جماعت احمدیہ کی طرف سے چیلنج دیتا ہوں اور اسی بات پر جھگڑا ختم ہو جاتا ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تم نے آسمانوں سے زندہ اتار دیا تو خدا کی قسم میں اور میری ساری جماعت سب سے پہلے بیعت کر لگی (صلی) مرزا طاہر نے اختلاف ختم کرنے کا جو احمقانہ حل تجویز کیا ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں مرزا طاہر اس بات سے واقف ہیں کہ ہم مسلمانوں کا اعتقاد یہ ہے کہ ہم خدا کے بندے اور اس کے غلام ہیں۔ خدا یا خدائی طاقتوں کے مالک نہیں، ہاں قادیانیوں کا یہ عقیدہ ضرور ہے کہ مرزا صاحب، خدائی طاقتوں کے مالک و مختار تھے۔ ایک فرعون تھا جس نے اَنَّا دَبْكُمُ الْاَعْلٰی کا نعرہ بلند کیا تھا مگر دریائے نیل کی موجوں نے ہمیشہ کیلئے اسے نمونہ عبرت بنا کر باہر ڈال دیا تو دوسرا مرزا غلام احمد تھا جس نے اپنے آپ کو خدا کی مانند (حاشیہ: یعنی) اور زندہ کرنے اور مارنے کی صفت کے موجود ہونے کا اعلان کیا (خطبہ الہامیہ ص ۱۷) مگر دینا نے یہ ہوش رہا منتظر بھی دیکھا کہ مرزا صاحب کی متعفن لاش دجال کے گڑھے (مرزا صاحب) کا کہنا تھا کہ ریل گاڑی دجال کا گدھا ہے، پرلا دکر لائی گئی اور قادیان کے ایک گڑھے میں ہمیشہ کیلئے دبا دی گئی۔ سو قادیانیوں کا مرزا صاحب کے بارے میں یہ عقیدہ ضرور ہے۔

(۲) مرزا طاہر کے اس چیلنج کو پڑھ کر نگاہوں میں تھوڑی دیر کیلئے وہ منظر بھی دوڑ

گیا کہ جب انبیاء کرامؑ قیامت کے آنے کی خبریں دیتے اور قیامت کے برحق ہونیکا اعلان فرماتے تو کفار و منکرین کا بھی یہی دھیرہ و طریقہ تھا جو مرزا طاہر کا ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر قیامت برحق ہے تو پھر لا کر دکھاؤ۔ آخر کب یہ واقعہ ہوگا؟ قرآن کریم میں ہے۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝  
اور یہ منکر کہتے ہیں کہ یہ قیامت کا وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو تو سامنے لا کر دکھاؤ۔

مرزا طاہر اور کفار و منکرین کے اندازِ مخاطب کا موازنہ فرمائیجئے! مرزا طاہر کا بھی یہی سوال ہے کہ اگر سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام حیات میں اور انھیں اس دنیا میں آنا ہے تو تم لا کر دکھاؤ! آخر کب لاؤ گے؟ کفار و منکرین کے اس باطل اور مردود قول کا رد کرتے ہوئے قرآن کریم نے انبیاء کرام علیہم السلام کی زبان فیضِ ترجمان سے ہمیشہ کیلئے اعلان کر دیا کہ۔

قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝  
آپ فرمادیجئے (کہ اسکی) خبر تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

چنانچہ ہمارا جواب بھی قرآن کریم کی اس تعلیم کی روشنی میں یہی ہے کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کب ہوگی؟ اس کا علم خدا ہی کے پاس ہے جس طرح قیامت کا علم اسی کے پاس ہے؟ قیامت کے بارے میں جب ہمارا ایمان و یقین ہے کہ اُسے آنا ہے اسی طرح سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر بھی ایمان ہے کہ آپ قرب قیامت تشریف لائیں گے اور احادیثِ کریمہ اس پر شاہد ہیں۔

مرزا طاہر نے اختلاف کے ختم ہونے کا جو احمقانہ حل تجویز کیا ہے ہمارے نزدیک اس کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں ہے۔ آئیے ہماری ایک تجویز بھی سن لیجئے! جو آسان بھی اور قادیانوں کو اس کا ثابت کرنا ضروری بھی! ہم امید کریں گے کہ مرزا



ظاہر اپنے دئے ہوئے عنوان کی لاج رکھ کر اپنے پیغمبر کو کذاب ہونے سے بچائیں گے! مرزا ظاہر اپنی ایک مجلس میں کہتے ہیں۔

آپ کا (یعنی مرزا غلام کا) دعویٰ یہ تھا کہ میں وہ امام مہدی ہوں جس کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی اور میں وہ مسیح ہوں جس کے آنے کی آپ نے پیش گوئی فرمائی۔ (ٹیپ سے ماخوذ)

اس سے معلوم ہوا کہ مرزا غلام احمد سے لیکر۔ مرزا ظاہر تک سب کا اس پر اتفاق ہے کہ مرزا غلام قادیانی مسیح موعود ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے چند احادیث پیش کیں اور مخالفین کو بزعم خود خاموش کر دیا تھا! ہم مرزا ظاہر سے صرف اور صرف یہ پوچھنا چاہیں گے کہ وہ احادیث صحیحہ اور نصوص قرآنیہ حدیث کی کون کون سی کتابوں میں اور قرآن کریم کی کن کن آیتوں میں موجود ہے۔ اگر ہے تو آیت چہم ما روشن دل ماشاد! جھگڑا ہی ختم۔ لیجئے مرزا صاحب فرماتے ہیں!

انبیاء گزشتہ کے کشوف نے اس بات پر مہر لگادی ہے کہ وہ مسیح موعود ہوں صدی کے سر پر آئے گا اور نیز یہ کہ پنجاب میں ہوگا۔ (اربعین ص ۲۷۱)  
غالباً مرزا ظاہر اس سے ناواقف نہ ہوں گے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ مرزا ظاہر کتب احادیث میں سے کسی نبی کے حوالہ سے یہ دکھادیں کہ انھوں نے کہا ہو مسیح موعود چودہویں صدی کے سر پر آئے گا نیز یہ کہ وہ پنجابی ہوگا پھر جھگڑا ہی ختم!

(۲۱) مرزا ظاہر کے صادق پیغمبر مرزا غلام احمد لکھتے ہیں:  
ایسا ہی احادیث صحیحہ میں آیا تھا کہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئے گا

اور چودہویں صدی کا مجدد ہوگا! (براہین احمدیہ ص ۳۵۹)

مرزا ظاہر "احادیث صحیحہ" کا حوالہ پیش کر کے اپنے صادق مرزا صاحب کو کذاب

کذاب ہونے سے بچالیں! تو بہت خوب ہو!

۳۔ مرزا غلام احمد قادیانی ہی رقمطراز ہے۔

صحیح بخاری کی وہ حدیثیں جن میں آخری زمانہ میں بعض خلیفوں کی نسبت خودی گئی ہے خاص کردہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کی نسبت آواز آئے گی کہ ”هَذَا خَلِيفَةُ اللَّهِ الْمَهْدِي“ سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے جو ایسی کتاب میں درج ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔

(شہادۃ القرآن ص ۱۷۷)

بخاری شریف کا نام تو مرزا طاہر نے سنا ہی ہو گا! کم یاب و نایاب نہیں۔ ہر جگہ مل جاتی ہے۔ عربی میں نہ پڑھ سکتے ہوں تو اردو، انگریزی میں بھی مل جاتی ہے۔ کیا بخاری شریف میں مرزا صاحب کا دیا ہوا حوالہ موجود ہے! اگر ہے تو دکھا دیجئے۔ اگر نہیں تو مرزا صاحب کے کذاب ہونے کی سند ہم سے لیجئے!

(۴) مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے!

علاوہ نصوص صریحہ قرآن بشریف اور احادیث کے تمام اکابر اہل کشف کا اس پر اتفاق ہے کہ چودہویں صدی وہ آخری زمانہ ہے جس میں مسیح موعود ظاہر ہو گا۔ (تحفہ گولڑیہ ص ۱۵۸)

حدیث شریف سے معاملہ اوپر کو اٹھا اور نصوص قرآن تک پہنچا، اب مرزا طاہر ہی بتلائیں گے کہ قرآن کریم کے کس پارے میں کس سورۃ میں اور کس رکوع و آیت میں مندرجہ بالا حوالہ ”صریحہ“ موجود ہے۔ اگر ہے تو بہت خوب! اگر نہیں تو وہ کذاب ہے یا نہیں؟ آپ خود ہی فیصلہ کر لیں! ہم اگر عرض کر رہے تو شکایت ہوگی!

۵۔ مرزا غلام احمد قادیانی رقمطراز ہے۔

نہ صرف حدیثوں میں بلکہ قرآن شریف سے بھی یہی مستنبط ہوتا ہے کیونکہ سورہ تحریم میں صریح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ بعض افراد اس امت کا نام مریم رکھا گیا ہے اور پھر پوری اتباع شریعت کی وجہ سے اس مریم میں خدا تعالیٰ کی طرف روح پھونکی گئی اور روح پھونکنے کے بعد اس مریم سے عیسیٰ پیدا ہو گیا۔ اور اسی بناء پر خدائے تعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ بن مریم رکھا۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ ۵ ص ۳۶)

قرآن کریم کسی غار میں یا کسی تہہ خانہ میں ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ الحمد للہ ہر جگہ عام دستیاب ہے، مرزا ظاہر بھی شاید اس کی تلاوت کا شرف نہیں تو کم از کم الماری کی زینت بنا کر رکھتے ہوں گے تو ذرا زحمت فرما کر "سورہ تحریم" کی دھڑلہ آیت تو دکھا دیں جس میں مرزا صاحب کا نام خدا نے عیسیٰ رکھا ہوا اور جھگڑا ختم فرمادیں۔

مرد مت یہ پانچ حوالے پیش کئے ہیں ورنہ حقیقتاً کن زگلستان من ز بہار مرا  
آئیے ثابت کیجئے۔ اگر ثابت نہیں کر سکتے تو قاضیائیت کو ترک کر کے حلقہ اسلام میں داخل ہو جائیئے۔

وما علینا الا البلاغ

**نوٹ:** ماہ اکتوبر و نومبر ۱۹۸۷ء دونوں ماہ کے شمارے مشترک نومبر میں شائع ہوں گے۔ لہذا قارئین دارالعلوم اکتوبر کے شمارہ ۱۵۱۸ شمارہ ذکر میں۔ (شکریہ، والسلام۔ منیجر رسالہ)



# پارچہ پاف علماء علامہ سمعانی کی نظر میں

از مولانا عبد القیوم صاحب۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک  
 آج کی گفتگو کا موضوع لفظ نَسَاج کی تحقیق، اور نَسَاجی کے پیشہ سے تعلق رکھنے والے  
 ارباب علم و فضل کا تذکرہ و تبصرہ اور علوم نبوت کی میراث پانے والے نَسَاجیوں کے علمی و  
 روحانی مراتب اور ان کے دینی خدمات کا جائزہ لینا ہے۔  
 نَسَاج عربی کا لفظ ہے، اُسے نون کی زبر، سین ہملہ کی تشدید اور آخر پر جیم کے  
 سکون کے ساتھ "نَسَاج" پڑھا جاتا ہے۔ "نَسَاج" سے ماخوذ ہے جس کے معنی کپڑا بننے  
 کے آتے ہیں۔ عربی میں کپڑا بننے اور آراستہ کرنے والے کو نَسَاج کہتے ہیں۔

علامہ سمعانیؒ نے ارشاد فرمایا۔

إِسْمُهُمْ بِهَذِهِ التَّسْبِيَةِ جَمَاعَةٌ  
 يَنْتَسِبُونَ إِلَى نَسِجِ الثِّيَابِ  
 (الانساب ص ۵۵۸)

علماء کی ایک جماعت اسی لقب (نَسَاج)  
 سے مشہور ہوئی اور وہ کپڑا بننے والوں کی  
 طرف منسوب ہونے لگی۔

وجہ یہ تھی کہ انھوں نے تحصیل و اشاعتِ علم اور تدریس و تبلیغ کے ساتھ ساتھ ذوق  
 حلال اور قوتِ لایموت کیلئے کپڑا بننے اور اُس کی آرائش کرنے کا کاروبار شروع  
 کر دیا تھا۔

ائمہ وقت، محدثِ زمان، مفسرِ قرآن، شیخِ وقت اور مخدومِ خلافت ہونے کے  
 باوجود انھوں نے عقیدت مندوں کے ہدایا، محبتیں کے تحائف اور نذرانوں پر اپنے

ہاتھوں کی کمائی کو ترجیح دی، دولت مندی، جاہ و منصب کی طلب اور مزاج خلافت بننے کے بجائے۔ فقر و درویشی اور خدمت و عبادت کی راہ اختیار کی اور راجع الی اللہ ہوئے۔ علم و عمل اور بلند روحانی مقامات پر فائز ہونے کے باوجود، ان کی زندگی کے کسی ایک زاویہ، کسی ایک گوشہ اور کسی ایک ادا میں بھی مشیخت و مخدومیت کی بو نہیں پائی جاتی تھی۔

جہاں علم اور خدمت دین کے اصلی اور بلند ترین مقامات اور عظیم درجات حاصل کئے وہاں کپڑا بننے کے کاروبار میں بھی اسوۂ نبویؐ کے مطابق اپنے ہاتھوں سے رزق حلال کمایا اور تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے بے انتہا خیر و برکت اور وسعت ڈالی مگر اس کے باوجود ان کی تواضع، سادگی، جذبہ خدمت دین و اشاعت علم میں کوئی فرق نہ آنے پایا۔

اپنے تلامذہ تو کجا، عام خادموں کو بھی تعظیم سے خطاب کرتے، سینکڑوں خدام، عشاق، تلامذہ اور مریدان باصفا موجود رہتے مگر اس کے باوجود وہ اپنے ہاتھ سے سب کام کرتے، جھاڑو دیتے، پانی بھرتے، لکڑی کاٹ کر لاتے، گاڑتے، میٹیریل تیار کرتے، اور کپڑے کاٹنا مٹیتے، کھانا پکانے میں بھی خادموں کے ساتھ اور اگر گھر میں ہوتے تو اہل خانہ کے ساتھ برابر کے شریک رہتے اور کوشش کرتے کہ سب کام ان کے اپنے ہاتھوں سے انجام پائیں

علامہ سمعیٰ نے کپڑا مٹینے والے ائمہ اور علماء کبار کے تذکرہ میں سرفہرست علامہ ابو حمزہ محمد بن سمعان النساج کا ذکر کیا ہے۔ جو اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم و عارف اور عالی ہمت بزرگ تھے۔

جہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں علم و تقویٰ کی دولت سے مالا مال کیا تھا وہاں ان کا دل، استغناء، قناعت، صبر و توکل اور اخلاص و ثنویت کے نور سے بھی معمور تھا۔

تلنے بانے کی زندگی میں رہ کر، زندگی بھر علم دین کی چادریں بٹنتے رہے۔ محنت و مشقت اور ریاضتِ شاقہ سے جسیدِ اسلام کے حلقے اور پیرا ہن تیار کرتے رہے۔ اپنے زمانہ کے نیکو کار، پرہیزگار اور عباد و زہاد لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ اپنے کریمانہ اخلاق، محاسن و اوصاف بزرگی، علم و علم، سخاوت اور جذبہ تبلیغ و اشاعت اور دوسرے فضائل میں بے نظیر تھے۔

آپ کے جلیل القدر اساتذہ میں محدث ابوصالح کا نام سرفہرست ہے۔ آپ کی علمی قدر و منزلت اور ثقاہت کیلئے یہ بات کافی ہے کہ علامہ سفیان بن عیینہ جیسے عظیم محدث کو آپ سے شرفِ تلمذ پر ناز و افتخار ہے۔ اُن کی زندگی کا اصل جوہر جس نے انھیں اقران میں ممتاز مقام بخشا اور آج انھیں امت کیلئے نجم ہدایت ہونے کی عظمتیں حاصل ہیں وہ یہ تھا کہ تحصیل و تدریس علم خدمت و اطاعت اور ذوق عبادت کے ساتھ ساتھ روزمرہ کی زندگی اور عبادات میں بھی اتباعِ سنت، تقویٰ اور ہمیشہ عزیمت پر اُن کا عمل تھا۔

ابو محمد جرثومہ بن عبد اللہ شریک، اپنے وقت کے علماء راسخین اور اولیاء کمالین سے تھے۔ دنیا طلبی سے دل برداشتہ تھے۔ خدا طلبی کی راہ اختیار کر چکے تھے۔ دن اُن کے اشاعت و خدمتِ دین کے جذبہ سے معمور اور رات ان کی یادِ خدا سے پُر نور تھی۔ زندگی بھر مخلوق کے سامنے جہیں سائی نہیں کی، صرف اللہ کے سامنے جہیں نیاز جھکاتے رہے۔ اپنے رزقِ حلال کی کمائی پر خوش ہوتے۔ اسی غرض سے نساہی یعنی کپڑا بٹننے کا کام اختیار کئے ہوئے تھے۔ بصرہ کے رہنے والے ہیں تابعین سے ہیں انھیں اپنے زمانے کے علماء اور ائمہ میں بھی ممتاز مقام حاصل تھا۔ صحابہؓ میں حضرت انسؓ کی ملاقات سے مشرف ہوئے ہیں۔ بہت بڑے محدث تھے۔ علم حدیث ان کا خاص محبوب مشغلہ رہا۔ علماء کے نزدیک ثقہ اور معتبر ہیں۔



حضرت جرنومہ بہت بڑے متقی، کامل العلم، بزرگ ہیں ان کا ظاہر و باطن اتباع سنت سے آراستہ اور ان کی ساری زندگی اور تمام اوقات سُخن و مستحبات سے معمور ہیں۔ کپڑے کا تانا بٹنا، گذرا دقات کیلئے اختیار کیا تھا ہمیشہ فقر و فاقہ پر قانع رہے دنیا کی بوجھ اپنے پاس نہیں آنے دیتے تھے۔

ان کے علمی کارنامے، علم حدیث کی خدمت و اشاعت اور اسلامی تعلیمات کی ترویج میں ان کی ریاضت و استقامت، تعلیم و تدریس اور دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کے لئے قابل رشک ہے۔

آپ کے اساتذہ میں امام حسن بصری، علامہ ثابت بکری، اور علامہ عبداللہ مرنی، زیادہ مشہور ہیں جن سے آپ نے علم حدیث کی تحصیل اور تکمیل کی ہے۔ آپ کے تلامذہ میں موسیٰ بن اسماعیل، یوزکی، حماد بن زید، علی بن عثمان واقفی جیسے جلیل القدر محدثین ائمہ فن کا تذکرہ ملتا ہے۔ جو آپ کی محدثانہ عظمت اور علمی جلالتِ قدر کی کافی شہادت ہے۔ دراصل علامہ سمعانی نے نسا جیوں یعنی کپڑا بننے والوں کی اس فہرست میں جن اکابر علماء اور اسلافِ امت کے نام گنوائے۔ سب ایک سے ایک بڑھ کر تھے۔ سب مقبولانِ ازل تھے جن کو فیاضِ ازل کی طرف سے ایسی استعداد و قابلیت اور صلاحیت نصیب ہوئی کہ ان کا ہر قال، ہر حال اور زندگی کا ہر لمحہ علم و اشاعتِ دین کی عظمت کا آئینہ دار تھا۔ اپنے دوستوں، رفیقوں اور ہر قسم کے ماحول اور سوسائٹی میں جہاں جاتے علمِ دین کی عظمت اجاگر کرتے، اُن کے وجودِ علومِ نبوت کے چلتے پھرتے مدرسے تھے جو بھی اُن سے مُس ہوتا یا انھیں دیکھ لیتا۔ اس کی زندگی میں ایک نیا علمی ولولہ اور اسلامی و روحانی انقلاب آجاتا۔

آج کی مجلس میں علامہ سمعانی صوح میں تھے۔ اور طبیعت پورے نشاط پر تھی۔ نسا جیوں یعنی کپڑا بننے والے اکابر علماء اور ائمہ سلف کا تذکرہ کر رہے تھے سامعین و

ناظرین ہمہ تن گوش تھے۔ اسلاف کی تاریخ سب کے لئے دعوتِ عمل تھی اور ان کا کردار زبانِ حال بن کر سب کو پکار رہا تھا۔

آغشتہ ایم مہر سرخارے بہ خونِ دل

قانونِ باغبانی صحرا نوشتہ ایم

تیسرے نمبر پر علامہ سمعانیؒ نے امام ابوالقاسم بکر بن یحییٰ نساج کا تذکرہ کیا۔

علامہ ابوالقاسم نساج شہر واسط کے رہنے والے تھے وہیں حدیث کی رفاقت کرتے رہے۔ آپ کا علمی شہرہ اور محدثانہ جلالتِ قدر اپنے زمانہ میں مسلم تھی علمی تجربہ، اصابتِ فکر، محققانہ اور شگفتہ اندازِ فکر محققانِ تدریس کی وجہ سے طالبانِ علومِ نبوت کے مرجع قرار پائے، ان کی تقریر میں غیر معمولی تاثیر اور علمی گہرائی پائی جاتی تھی۔ ان کا مطالعہ وسیع، نگاہ عمیق اور ذہن کھلا ہوا تھا، تحصیلِ علم، تدریس، اشاعتِ دین کے خارزار میں سفر کی صعوبتوں کو خذہ حبیبی اور سنتے ہوئے برداشت کرنے کے ساتھ ساتھ نساجی یعنی کپڑا بننے کا کاروبار کر کے اپنے ہاتھوں سے رزقِ حلال کمانے کے عادی ہو گئے تھے۔ علمِ حدیث کی تدریس ان کا خاص موضوع اور زندگی کا محبوب ترین شغل رہا۔

ان کے تلامذہ حدیث میں حافظ البوعین، احمد بن عبد اللہ اور قاضی ابوالعلاء جیسے اکابر اور جبالِ علم کا نام سرفہرست ہے۔ جس سے علامہ ابوالقاسم کی محدثانہ شان اور علمی قدرو منزلت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

نساجیوں کی اس فہرست میں علامہ سمعانیؒ نے علامہ ابوالحسن خیر بن عبد اللہ کا چوتھے نمبر پر تذکرہ فرمایا، موصوف عابد، زاہد اور اولیاءِ کاملین سے تھے۔ مناقب عرفانی اور مدارجِ روحانی پر فائز تھے۔ علم و فضل اور تفقہ و سلوک میں بلند پایہ رکھتے

تھے۔ زناہی یعنی کپڑا بننا رزقِ حلال کا ذریعہ تھا۔ تدریس و اشاعتِ علم اور خدمتِ دین زندگی بھر کا شعار رہا، نقیضوں میں شاہی شان رکھتے تھے۔ اخلاق کے معلم اور روحانیت کے پیکر تھے۔ ”الصوفی“ کے لقب سے مشہور تھے ان کا محبوب مشغلہ علم دین کی خدمت و اشاعت، ذکر و فکر اور تزکیہ و تصوف تھا۔ ستر سترائے کے رہنے والے تھے۔ بغداد شریف لائے تو پھر یہیں کے ہو کر رہے آپ مدتوں اکابر علماء و مشائخ اور اپنے زمانہ کے مشہور ولی اور شیخ کامل شیخ ابو حمزہ محمد بن ابراہیم صوفی کی مجلسِ دعوت اور صحبت میں رہے اور ان کی خدمت و قربت کو وسیلہ فیض سمجھا یہ آپ ہی کی طلبِ صادق اور شیخِ کامل کے فیضِ صحبت کی برکت تھی کہ آپ پر دنیا کا ہوش و فراخی کے بجائے فکرِ آخرت، تزکیہ و تصوف اور اشاعتِ علم و تبلیغِ دین کی مستی اور دیوانگی غالب رہی۔

آپ کی مجلس و صحبت اکسیر بن گئی تھی وہ دل جو معصیت کی خواست، گناہوں کی بنیاست، سوسائٹی کی بے مہری، قانون کی سنگدلی اور زندگی کی محرومیوں سے پتھر کی طرح سخت ہو گئے تھے آپ کی نگاہِ شفقت کی دلیوازیوں سے پگھلنے لگتے آپ کی معمولی سی توجہ اور ایک نگاہِ الفت، متوجش اور باطنی روحوں کو خرید لیا کرتی تھی۔

مشہور صوفی اور صاحبِ حال بزرگ ابراہیم خواص اور ابوبکر شبلی نے بھی آپ کی صحبتیں اٹھائیں اور بہت کچھ حاصل کیا علامہ عبدالکریم سمعانی نے ارشاد فرمایا۔

دللصوفیہ عنہ حکایات غریبہ      حضرات صوفیاء کے ہاں آپ کے متعلق  
وامور مستظرفہ عجیبہ      خوارق و کرامات کے عجیب و غریب

واقعات مشہور ہیں۔

موصوف کی علمی فصیلت، روحانی قدر و منزلت، بلند رتبہ اور عظمتِ مقام کیلئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ آپ کے حلقہ سے ابراہیم خواص اور شبلی جیسے مادی و دنیوی



شخصیتیں نکلی ہیں وہی خوش نصیب رہا جسے آپ کی صحبت میں چند ساعتیں حاصل ہو گئیں ۛ

یہ بزمِ مئے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی !  
جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہے۔

اس کے بعد علامہ سمعانی نے ابو منصور مقرب بن حسن نساج کا اجمالی تذکرہ  
 سنایا۔ موصوف بغداد کے رہنے والے تھے۔ اکابر علماء اور ائمہ حدیث سے تحصیل علم  
 کی سعادت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ حدیث میں ابو یعلیٰ محمد بن حسین فرار ابو الحسن  
 محمد بن علی اور ابو جعفر محمد بن احمد زیادہ مشہور ہیں۔

نسابی یعنی کپڑا بننے کے کاروبار کی وجہ سے نساب کے لقب سے مشہور ہوئے  
مقبول اور ثقہ محدث تھے طالبانِ علوم نبوت کے مرجع قرار پائے۔ خود علامہ سمعانی  
نے بھی اعتراف کیا ہے کہ وَحَدَّثَنَا عَنْهُ یعنی دیگر علماء کے واسطے سے علامہ  
کی روایات ان تک پہنچی ہیں۔

نیز اکابر علماء، اربابِ علم و فضل، اساتذہ حدیث اور مشائخ نے ان کی ثقافت، خدمت و اشاعتِ علم اور ان کی دینی خدمات و مساعی کی بڑی تعریف اور توصیف کی ہے۔ بڑے پارسا، متقی پرہیزگار اور خدا رسیدہ انسان تھے۔

آپ کے صاحبزادے احمد بن مقرب نساچ بھی اپنے والد نامدار کی طرح مادۂ روزگار علی اور روحانی شخصیت تھے۔ علامہ سمعانی فرماتے ہیں۔ کَانَ شَيْخًا مَّا لِحَاقِيهَا وَدَهْشِخٌ، صَالِحٌ وَدَفِيقٌ تَحْتَهُ نَسَاجِيُونَ يَعْنِي كَيْتَرِ ابْنِهِ كَاكَارُو بَار كَرْنِے وَالْهٖ اَرَبَابِ عِلْمٍ وَفَضْلِ كَے تَذَكُّرُ كَا فہرست کے آخر میں علامہ سمعانی نے ابو الخطاب نصیر بن احمد قاری کا ذکر کیا ہے جو قرآن کے قاری علوم نبوت کے حافظ، اپنے وقت کے جلیل القدر محدث، معاشی اور کاروباری لحاظ سے حاکم اور نساچ یعنی کپڑا بننے کا کاروبار کرنے والے تھے ان کی علمی عظمت اور مہتمانہ حلاوت قدر کیلئے اتنا کافی ہے کہ خود علامہ سمعانی نے ان سے شرف تلمذ کو ناز و افتخار کے ساتھ بیان کرے ہوئے فرمایا۔

و سمعت منہ احادیث - مجھے بھی ان سے سماع حدیث کا شرف حاصل رہا۔

فخر الاسلام حضرت مولانا سید الفخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے

## افادات سے ایضاح البخاری

- بخاری شریف کا مکمل متن بااعراب، سلیس اور بالحدود ترجمہ کے ساتھ دیا گیا ہے۔
- تراجم بخاری، امام بخاری کی دقت نظر کا سب سے اعلیٰ شاہکار ہیں۔ تراجم پر بحث کے سلسلے میں حضرت مولانا نے جو داد تحقیق دی ہے وہ مطالعہ کے قابل ہے۔
- اکابر دیوبند کے جو علوم اب تک سنیوں کی امانت تھے۔ ایضاح البخاری کی صورت میں اب سنیوں میں منتقل ہو رہے ہیں اسی لئے ہندو پاک کے مقتدر علماء اس کی ہر تازہ اشاعت کا انتظار کرتے ہیں
- شارحین بخاری نے عربی و فارسی زبان میں صدیوں کی مدت دراز میں جو تحقیقات پیش کی ہیں ایضاح البخاری میں ان سب کا پختہ و حسین انداز میں آگیا ہے۔ اصناف کے مسلک کی وجہ ترجیح، عصر حاضر کے مسائل کی تشریح اور تمام مسائل پر سیر حاصل بحثیں۔

پروگرام

اب تک ۱۳ حصے طبع ہو گئے ہیں، چودھویں حصہ سے پروگرام پھر شروع کیا جا رہا ہے۔ اس پتہ سے رابطہ قائم فرمائیں۔

مکتبہ قاسم المعارف دیوبند دیوبند













